تحریک احیاء اقدار اسلامی لاہور کی نادر علمی پیش کش

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم

جلد دوم

مقدمہ: محدث العصر شارح ترمذی حضرت مولانا علامہ محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ

مرتبہ: پروفیسر علامہ خالد محمود، ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر،

سرپرست تنظیم اہل سنت پاکستان

ناشر

دار المعارف

الفضل مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

ملنے کا پتہ: مرکز تنظیم اہل سنت ابدالی روڈ، نواں شہر، ملتان،

مجلس اقدار اسلامی لاہور کی نادر علمی پیش کش

جلد دوم

تالیف

ڈاکٹر علامہ خالد محمود ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر

مع مقالات

امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی

شیخ الحدیث والتفسیر مولانا محمد ادریس کاندھلوی

مورخ اسلام علامہ شبلی نعمانی از لکھنو

محمود پبلیکیشنز اسلامک ٹرسٹ

جامعہ ملیہ اسلامیہ محمود کالونی لاہور

اسلام ما اطاعت خلفائے راشدین

ایمان ما محبت آلِ محمد است

نام کتاب ________ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم جلد دوم

مولف ________ ڈاکٹر علامہ خالد محمود (از مانچسٹر)

صفحات ________ ۴۷۶

کاتب ________ حفیظ الحق صدیقی

کمپوزر ________ محمد شبیر آف عارف والا

ناشر ________ محمود پبلیکیشنز اسلامک ٹرسٹ
جامعہ ملیہ اسلامیہ محمود کالونی لاہور۔

Address In England:

Islamic Academy
Manchester-U.K. 0161 - 273 - 1145

Jamia Islamia
Stock Port Road Manchester. 0161 - 273 - 2422

جامع مسجد ختم نبوت کلاں۔ محمود کالونی لاہور　　مکتبہ سید احمد شہید۔ اُردو بازار لاہور

مکتبہ قاسمیہ۔ اُردو بازار لاہور　　دارالمعارف۔ ۱/۳ دیوسماج روڈ سنت نگر لاہور

فہرست مضامین

سقیفہ میں عقد خلافت ——— علامہ شبلی نعمانی

نبوت جامعہ کی جامع خلافت ۔ علامہ ڈاکٹر خالد محمود

خلافت راشدہ میں دی گئی قربانیاں ۔ علامہ ڈاکٹر خالد محمود

حضرت ابوبکر کا دور خلافت

حضرت عثمانؓ سمندری جنگوں میں

عظمت صحابہ تاریخی تسلسل میں

مصائب اہل بیت

حضرت معاویہ بن ابی سفیان صحابہ کی نظروں میں

خلفاء ثلثہ کی خلافت قرآن کی رُو سے

سلطان المناظرین امام اہلسنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ

الحمد لله وسلام علیٰ عباده الذین اصطفی امابعد

(حضرات خلفاءٔ ثلثہ کی اصطلاح اہلسنت کے ہاں کہیں نہ ملے گی۔ ان کی اصطلاح خلفاءٔ راشدین ہے جس میں تین نہیں چار خلفاءٔ شامل ہیں۔ چوتھے خلیفہ کی خلافت اہلسنت کے ہاں خلفاءٔ ثلثہؓ کی خلافت کا ہی ایک تسلسل ہے۔ اور لوگوں نے آپ کی بیعت اِنہی شرائط پر کی جن سے اُنہوں نے پہلے تین خلیفوں سے بیعت کی تھی)

حضرات خلفاءٔ ثلثہ کی خلافت قرآن سے ثابت ہے اور اس کے ثابت کرنے کے لئے ہم کو اخبارِ احاد کا ضمیمہ بنانے کی حاجت نہیں۔ اگر ہم قرآن کے ساتھ ایسی چیز ملائیں گے تو وہ ایسی قطعی اور یقینی ہوگی جیسے مکہ اور بغداد کا وجود میں حضرات خلفاءٔ ثلثہؓ کی خلافت کے برحق ہونے کا استدلال قرآن سے کروں گا۔ یہ اِستدلال دو قسم کا ہوگا۔ اول استدلال کلی اور دوسرا استدلال جزئی۔ استدلال کلی سے مراد یہ ہے کہ کسی ایک آیت سے استدلال نہ کر کے پورے قرآن مجید سے استدلال کروں گا۔ استدلال جزئی سے مراد کہ کچھ خاص خاص آیات سے استدلال کیا جائے گا۔

استدلال یہ ہے کہ اگر خلفاءٔ ثلثہ کی خلافت کو برحق نہ مانا جائے اور ان تینوں کے رفقاء کو معاذ اللہ دین کا دشمن مان لیا جائے تو خاص آیت ہی نہیں پورا قرآن ہاتھ سے جاتا رہے گا۔ اس کے دو اسباب ہیں اوّل یہ کہ قرآن جو آج کل ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ حضرات خلفاءٔ ثلثہ کا جمع کیا ہوا ہے۔ اور اِنہی کا رائج کیا ہوا ہے لہذا جب تک کسی کتاب کا جامع قابلِ اعتبار نہ ہو تو وہ خود کتاب کیسے قابلِ اعتبار

ہوسکتی ہے۔دوم یہ کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد فوراً ہی حضرات خلفاً ثلاثہ کی خلافت قائم ہوئی اور وہ ۳۴ برس تک ہر سیاہ وسفید کے مالک بنے رہے اور جو کچھ انہوں نے چاہا کیا۔ بقول شیعہ انہوں نے حضرت علی مرتضیٰؓ جیسے اشجع الاشجعین سے ان کی خلافت چھین لی جب کہ حضور ﷺ نے ستر ہزار کے مجمع میں ان کو اپنا خلیفہ بنادیا تھا۔مگر انہوں نے اتنے بڑے جمِ غفیر کو اپنا موافق بنالیا حالانکہ اتنے بڑے مجمع کا متفق علی الکذب ہونا عقل سلیم محال سمجھتی ہے۔اسی طرح خلفاً ثلثہ کے اور بہت سے دوسرے کارنامے بھی کتبِ شیعہ میں مذکور ہیں۔لہذا ان حضرات کے لئے قرآن میں تحریف کردینا کیا مشکل تھا۔

وعد الله الذين اٰمنوا منكم وعملوا الصٰلحٰت ليستخلفنهم فى الارض كما استخلف الذين من قبلهم وليمكّنن لهم دينهم الذى ارتضىٰ لهم وليبدلنهم من بعد خوفهم امناً يعبدوننى لايشركون بى شيئاً ومن كفر بعد ذلك فاولٓئك هم الفٰسقون (پ۱۸ النور ۵۵)

(ترجمہ) جولوگ تم سے پہلے ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ان سے خدا کا وعدہ ہے کہ ان کو ملک کا حاکم بنادے گا۔جیسا کہ ان سے پہلے کے لوگوں کو بنایا تھا اور ان کے دین کو جسے ان کے لئے پسند کیا مستحکم و پائیدار کرے گا اور خوف کے بعد ان کو امن بخشے گا وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے اور جو اس کے بعد کفر کرے تو ایسے لوگ بدکار ہیں۔

ہمارا استدلال اس آیت سے صرف تین چیزوں کو جاننے پر موقوف ہے اول اس آیت میں وعدہ کس چیز کا ہے،دوم یہ وعدہ کس سے ہے اور سوم اس آیت کی موعودہ نعمتیں کس کو ملیں قرآن مجید کی اس آیت میں مومنین صالحین کو تین نعمتوں کے عطا کیے جانے کا وعدہ کیا گیا ہے اور وہ تین نعمتیں یہ ہیں:۔

(الف) اُنہیں استخلاف فی الارض یعنی خلافت ارضی دی جائے گی۔

(ب) ان کے ذریعے تمکینِ دین یعنی دین کو غلبہ وقوت ملے گی اور

(ج) ان سے ڈر دخوف کو دور کیا جائے گا یعنی دشمنوں کی طرف سے امن وامان حاصل ہوگا۔

اس آیت کے مخاطب اس وقت کے مومنین صالحین تھے جو نزولِ آیت کے وقت دولتِ ایمان سے سرفراز ہوچکے تھے۔ حضرت نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد خلفاءِ ثلثہؓ برسرِ اقتدار ہوئے۔ ان کے دور میں تمکینِ دین اسکی نشوونما اور تبلیغ نہایت عظیم پیمانہ پر ہوئی اور انہیں تبدیلِ خوف کی نعمت بھی بدرجہ اتم حاصل ہوئی جس پر تاریخ اسلام گواہ اور شاہد ہے۔ اس لیے اگر یہ تینوں خلافتیں اس آیت کا مصداق نہ مانی جائیں تو یہ کہنا حق بجانب ہوگا معاذ اللہ وعدہ الہٰی پورا نہیں ہوا جب کہ یہ بات ناممکن اور محال ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا نہ ہو۔

ایک شبہ کا ازالہ

اگر کوئی صاحب یہ شبہ کریں کہ آیاتِ قرآنیہ سے خلافت کا ثبوت اگر ہوسکتا ہوتا تو یہ آیتیں سقیفہ بنی ساعدہ میں بوقتِ انعقادِ خلافتِ صدیقیہ کیوں نہ پیش کی گئیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ آیتوں کی دلالت ہر سہ خلافت کی حقیقت پر بالکل ایسی ہی ہے جیسے حدیث میں یہ تذکرہ رایت ہے کہ سرورِ کائنات ﷺ نے غزوہ خیبر میں ایک موقع پر فرمایا کہ میں کل ایک ایسے شخص کو جھنڈا دوں گا جو خدا اور خدا کے رسول کا محبّ اور محبوب ہوگا۔ حضرت علی کو یہ جھنڈا اعطا کئے جانے سے قبل اس حدیث میں ان کے محبّ اور محبوبِ خدا اور رسول پر مطلق دلالت نہ تھی لیکن جھنڈا ملنے کے بعد روز روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ وہ محبّ اور محبوب خدا اور رسول ہیں۔ اسی طرح یہاں مذکور بالا آیت کی موعودہ تینوں کے ملنے سے پہلے کسی خاص شخص کی خلافت پر اس آیت میں دلالت ممکن نہ تھی مگر ان تینوں نعمتوں کے ملنے کے بعد یہ بات ثابت ہوگئی کہ اس آیت کی موعودہ خلافتیں یہی ہیں اور یہ لوگ مومن صالح ہیں اور ان کا دین پسندیدہ خدا ہے اور ان کی خلافت کو نہ ماننا ومن کفر بعد ذلک الآیہ کا مصداق بنتا ہے۔

آیتِ استخلاف سے استدلال ایک دوسرے پیرائے میں

اس استدلال کا سمجھنا صرف تین باتوں پر موقوف ہے۔

ا۔ خدا کا یہ وعدہ صرف ان مومنین صالحین سے ہے جو اس آیت کے نزول کے وقت موجود تھے اس

آیت کی دلیل لفظ منکم ضمیر حاضر کی ہے لہذا بعد کا کوئی شخص اس آیت کا مصداق قرار نہیں پاسکتا اگر ایسا کیا جائے گا تو آیت کا اصل منشاء پورا نہیں ہوسکتا۔

۲۔اس آیت میں تین نعمتوں کا وعدہ ہے۔

(الف) استخلاف فی الارض (ب) تمکینِ دین اور (ج) تبدیلِ خوف

لہذا نزولِ آیت کے زمانہ میں مومنین صالحین میں سے جن کو یہ تینوں نعمتیں ملی ہیں وہی اس آیت کے مصداق ہوسکتے ہیں جن کو صرف ایک نعمت یا دو نعمتیں ملی ہوں اُنہیں اس آیت کا مصداق قرار دینے سے وعدہ الٰہی پورا نہیں ہوسکتا۔

۳۔زمانہ نزول آیت کے لوگوں میں سے ان تینوں نعمتوں کا مجموعہ صرف حضرات خلفائے ثلاثہؓ کو ہی ملا ہے۔جو واقعاتِ قطعیہ مسلمہ فریقین سے ثابت ہے اس لئے ماننا پڑے گا کہ یہ تینوں حضرات مومن صالح تھے اور ان کی خلافت اس آیت کی موعودہ خلافت تھی۔اگر کوئی شخص ان حضرات کو مومن صالح نہ مانے تو اسے اس آیت کی تکذیب کرنی پڑے گی اور کہنا پڑے گا کہ خدا نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا۔ لہذا خلفائے راشدین کے علاوہ اور کوئی اس آیت کا مصداق نہیں ہوسکتا اور ان میں سے بھی صرف تین خلفاء (حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ) کو ہی ان تینوں نعمتوں کا مجموعہ ملا تھا۔حضرت علی مرتضیٰؓ کے متعلق فریقین کا اتفاق ہے کہ ان کو ان تینوں نعمتوں کا مجموعہ نہیں ملا۔اہلسنت کے نزدیک ان کو صرف دو نعمتیں ملی تھیں۔یعنی استخلاف فی الارض اور تمکینِ دین تبدیلِ خوف کی نعمت انہیں حاصل نہ ہوسکی۔ بلکہ شیعوں کے نزدیک تو انہیں صرف ایک نعمت خلافت ہی ملی تھی۔اور وہ بھی برائے نام تھی۔

ان کا قاضی شوستری لکھتا ہے:۔

(حضرت امیر در ایامِ خلافت خود دید کہ اکثر مردم سیرت ابی بکر و عمر را معتقد اند و ایشاں را حق مے دانند ایشاں را بر حق مے دانند قدرت بر آں نداشت کہ کارے کند کہ دلالت بر فساد خلافت ایشاں داشتہ باشد (مجالس المومنین جلد ۱ ص ۵۴)

قرآن سے اخبار احاد ملا کر قرآن سے استدلال کرنا مفید قطع نہیں

معلوم ہونا چاہیئے کہ حدیثِ معصوم یا حدیثِ رسول کا درجہ قرآن کریم سے کم ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ جو احادیث ہم تک پہنچی ہیں وہ راویوں کے ذریعے پہنچی ہیں۔ اور وہ باعتبار تعدادِ رواۃ دو قسم کی ہوتی ہیں۔ ایک متواتر دوسری احاد، متواتر قطعی مانی گئی ہیں۔ مگر ہمارے محدثین کی تصریح موجود ہے کہ کوئی حدیث لفظاً متواتر نہیں ہوتی۔ بعض محدثین نے جن احادیث کو متواتر لکھا ہے وہ بھی محققین کے جانچنے کے بعد متواتر ثابت نہیں ہوئیں اخبار احاد کے متعلق فریقین کے علماء کی تصریح ہے کہ اخبار احاد قطعی نہیں بلکہ ظنی ہوتی ہیں۔

اس میں سب سے پہلے یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ وہ مخصوص حدیث صحیح ہے یا نہیں جب اس کی صحت ثابت ہو جائے جو کہ آسان کام نہیں ہے تو پھر یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ وہ حدیث لائق عمل بھی ہے کہ نہیں کیونکہ باتفاق فریقین ہر صحیح حدیث جائز العمل بھی نہیں ہوتی۔

قطعی اور ظنی سے مل کر جو نتیجہ حاصل ہو وہ ظنی ہی رہے گا

اس طرح حدیث کا رتبہ ظنی ہونے کی وجہ سے کم ہو گیا۔ لہذا کسی بات کو قرآن کی روشنی میں قطعی اور یقینی ثابت کرنے کے لئے ضروری ہے کہ آیاتِ قرآنیہ کے ساتھ اخبار احاد کو نہ ملایا جائے اور اگر آیاتِ قرآنیہ کے ساتھ کوئی اور چیز ملانا ضروری ہی ہو تو وہ قوتِ ثبوت میں قرآن کے قوتِ ثبوت سے کم نہ ہو۔ اس طرح اس کا نتیجہ آیاتِ قرآنیہ کا نتیجہ سمجھا جائے گا اور وہ قطعی ہوگا ورنہ اگر احاد کو ملا کر کوئی نتیجہ نکالا جائے تو وہ آیاتِ قرآنیہ کا نتیجہ نہ ہوگا اور نہ ہی وہ قطعی ہوگا۔ کیونکہ قطعی اور ظنی سے مل کر جو نتیجہ نکلتا ہے وہ ظنی ہی ہوتا ہے۔

خلافتِ ثلاثہؓ اور ایمان بالقرآن میں تلازم

حضرات خلفاء ثلاثہؓ کو مومن ہی نہیں بلکہ مومنِ کامل ماننا ایسا ضروری امر ہے کہ کوئی شخص ان کے ایمان کا انکار کرنے کے بعد قرآن شریف پر اپنا ایمان ثابت نہیں کر سکتا کیوں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی وفات کے بعد ۲۳ برس تک بقول شیعہ انہی دشمنانِ اسلام کا غلبہ رہا اور قرآن کی جمع و ترتیب انہی کے دور میں عمل میں آئی جس پر اسلام کی بنیاد ہے اور پھر کتب شیعہ میں آئمہ معصومین کے حوالے سے اس قرآن کی کوئی قابلِ وثوق تصدیق بھی منقول نہیں ہے۔ لہذا یہ قرآن مشکوک ہوگیا اور کیا کسی مشکوک چیز پر ایمان ہوسکتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ کتب معتبرہ شیعہ میں قرآن کے بارے میں دو ہزار سے زائد روایاتِ تحریف مذکور ہیں اور وہ بھی تین اقراروں کے ساتھ ہیں کہ:۔

۱۔ یہ روایات متواتر ہیں

۲۔ یہ روایات تحریف قرآن پر صراحۃً دلالت کرتی ہیں۔

۳۔ یہ کہ انہی روایات کے مطابق تمام شیعہ باستثناء چار اشخاص قرآن کی تحریف کے معتقد ہیں۔ اس طرح ان تینوں حضرات کو مومن نہ ماننے کا نتیجہ یہ رہا کہ قرآن مشکوک ہوگیا۔

قرآن ذلک الکتاب لا ریب فیہ کی شان رکھتا ہے جو بات اسے مشکوک ٹھہرائے ظاہر ہے کہ وہ کبھی حق نہیں ہوسکتی۔ خلفاء ثلثہ کی خلافت کا انکار قرآن کو کتاب لاریب نہیں رہنے دیتا۔

حضراتِ خلفاء ثلثہؓ کو مومن کامل ماننا ایسا ضروری ہے کہ بغیر اس کے کسی صحابی کا ایمان ثابت نہیں رہ سکتا۔ حتیٰ کہ حضرت علیؓ کا ایمان ثابت کرنا محال اور اشد محال ہے۔ کوئی بھی مخالف اہل سنت یہ نہیں بتا سکتا کہ اس نے حضرت علی کو کس دلیل سے مومن مانا ہے۔

جب تک صحابہ کرامؓ کی عظمت و پختگی دلوں میں قائم نہ ہو، دینِ اسلام کی کوئی چیز بھی ہاتھ میں نہیں رہ سکتی چہ جائیکہ خلافتِ کبریٰ جس پر پوری امت کا قیام اور نظام موقوف ہے۔

(تتمہ) جس طرح حضرت مولانا لکھنویؒ نے قرآن کریم سے خلفاء ثلثہ کی خلافت بغیر اس کے کہ کسی حدیث کو اس کے ساتھ ملایا جائے ثابت فرمائی ہے۔ اس طرح شیعہ مجتہدین کبھی حضرت علیؓ کی خلافت قرآن سے ثابت نہیں کر سکے انہیں جب بھی اس کے لئے کہا گیا وہ ان دو روایات کے بغیر اپنے عقیدہ خلافت کو واضح نہیں کر پائے۔

۱۔ من کنت مولاہ فعلیٌّ مولاہ۔

۲۔ حضرت علیؓ کا ہارونِ امت ہونا۔

پہلی روایت صحیح بھی ہوتو خبر واحد سے آگے نہیں بڑھتی اور ظاہر ہے کہ قطعی عقائد اخبار احاد سے ثابت نہیں کیے جاتے ۔دوسری روایت کی رو سے حضرت علیؓ بیشک غزوۂ تبوک کے وقت حضورؐ کے لئے ہارون کے درجے میں رہے مگر حضورؐ کے واپس آنے پر ہارون کی وہ جزوی اور وقتی خلافت معاً جاتی رہی اس کے بعد حضورؐ نے کبھی آپ کو ہارونِ امت نہیں کہا۔

ان دو روایتوں کے بغیر ان حضرات کے پاس بدگمانی کے سوا کوئی حدیث صحیح نہیں ہے حدیث قرطاس میں بھی حضرت علیؓ کا کہیں نام نہیں بس بدگمانی ہی بدگمانی ہے اسی طرح حدیثِ مباہلہ میں بھی محض ایک منفی احساس ہے قضیہ فدک میں بھی کہیں خلافت مذکور نہیں ظاہر ہے کہ اس قسم کی روایات سے خلافت کبریٰ کا مسئلہ حل نہیں ہو پاتا۔شیعہ مجتہدین ہوں یا ذاکرین ان کے پاس کل یہی متاع ہے جسے وہ بڑی بیدردی سے قرآن پاک سے جوڑتے ہیں اور مسئلہ خلافت پر بحث کرتے ہیں اور ان کے عوام سمجھ نہیں پاتے کہ عقائد اخبار احاد سے ثابت نہیں ہوتے ۔حضرت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ نے خلفاء ثلثہؓ کی خلافت بغیر کسی خبر واحد کو ساتھ ملائے صرف قرآن سے ثابت کی ہے۔

فجزاہ اللہ احسن الجزاء

رقمہ خالد محمود عفا اللہ عنہ

خلافت راشدہ

شیخ الحدیث والتفسیر مولانا محمد ادریس کاندھلوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العلمين Oوالعاقبة للمتقين Oوالصلوٰة والسلام علیٰ سيد الاولين ولآخرين خاتم الانبياء والمرسلين سيدنا و مولانا محمد وعلیٰ اٰله واصحابه وازواجه وذرياته اجمعين لاسيما خلفاء ه الراشدين وعلیٰ من تبعهم باحسان الیٰ يوم الدين وعلينامعهم يا ارحم الراحمين

خلافت کے لغوی اور شرعی معنی

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۷۶ھ) لکھتے ہیں:۔

معنیٔ خلافت باعتبار لغت جانشینی است کہ یکے بجائے دیگر بنشیند و بہ نیابت ادکار کند و در شرع مراد از وے پادشاہ است برائے تصدی اقامت دین محمدی علی صاحبہ الصلوٰۃ والتسلیمات بہ نیابت آنحضرت ﷺ۔

خلافت کے معنی لغت میں نیابت اور جانشینی کے ہیں کہ ایک شخص کو کسی کا قائم مقام بنایا جائے جو نیابۃً اس کا کام انجام دیتا رہے، اور اصطلاح شریعت میں خلافت اس اسلامی سلطنت اور بادشاہت کو کہتے ہیں کہ جس کے ذریعہ بطریق نیابت آنحضرت ﷺ کی شریعت نبویہ علی صاحبہا الف الف صلاۃ والف الف تحیہ کو قائم اور مستحکم کیا جائے، اور جو شخص نائب نبی ہونے کی حیثیت سے دین کے قائم رکھنے کا انتظام کرے وہ خلیفہ ہے اور نائب ہونے کی حیثیت کی قید اور شرط اس لئے لگائی گئی تا کہ لفظ

خلیفہ کے مفہوم سے انبیاء خارج نہ ہوجائیں اس لئے کہ انبیاء کرام حق تعالیٰ کے خلیفہ ہوتے ہیں، انبیاء کرام اللہ کا نائب ہونے کی حیثیت سے دین کو قائم کرتے ہیں۔

خلافتِ عامہ اور خلافتِ خاصہ

اہل سنت کے نزدیک خلافت کے معنی سلطنت اور مسلمانوں کی فرمانروائی کے ہیں۔ پس اگر وہ خلافت نمونۂ نبوت ہو تو خلافتِ خاصہ ہے اور اس کو خلافت راشدہ بھی کہتے ہیں بصورت دیگر یہ خلافت عامہ ہے اس میں بھی حکومت اصولی طور پر اسلام کی پابند ہے گو عملی طور پر وہ قانونِ شریعت کی اتباع میں مقتصر اور کوتاہ رہے۔

بالفاظ دیگر خلافت راشدہ اس حکومت اور ریاست کو کہتے ہیں جس کا تمام ملکی اور ملّی نظام منہاج نبوت پر ہو، اور جس میں آنحضرت ﷺ کی نیابت کے طور پر وہ امور انجام دیئے جائیں جنہیں آں حضرت ﷺ بحیثیت پیغمبری انجام دیتے رہے۔ مثلاً اقامتِ دین، اقامتِ جہاد بہ دشمنان دین، اقامتِ حدود شرعیہ، اقامتِ ارکان اسلام، احیاءِ علومِ دینیہ مثلاً قضاء وافتاء وغیرہ وغیرہ۔

غرض یہ کہ اس حکومت کا نظام ایسا ہو کہ وہ بادشاہت اور سلطنت معصیت نہ ہو یعنی حکومت احکامِ شریعت کے اجراء میں اپنی ذمہ داری کو پورا کرے اور عنداللہ عاصی نہ ٹھہرے اور راشدہ کے معنی یہ ہیں کہ توفیق ربانی اور تائید آسمانی اس کو کشاں کشاں رشد اور ہدایت اور حق اور صواب ہی کی طرف لے جائے اور باطل اور جَور کی طرف لے جانے سے اس کو روک دے۔ یہ خلافت راشدہ ہے، اور اس کے بالمقابل خلافتِ جابرہ ہے جس میں بہت سے خلاف شرع امور عمل میں آتے ہوں۔

کتنا ہی نیک آدمی ہو گھر بیٹھے خلیفہ نہیں ہوسکتا

اگر کوئی شخص فاطمی بھی ہو بلکہ بالفرض وہ معصوم بھی ہو مگر اس کا حکم نافذ اور جاری نہ ہو تو اس کو خلیفہ نہیں کہا جاسکتا اس لئے کہ خلافت کے لئے حکومت اور فرمانروائی ضروری اور لازم ہے، اور اسی طرح کافر بادشاہ کو بھی خلیفہ نہیں کہا جاسکتا اس لئے کہ اس کو اقامت دین اور احیاء علوم شرعیہ اور اقامتِ حدود شرعیہ سے اصلاً کوئی غرض اور سروکار نہیں۔

خلافت راشدہ کی شرائط اور لوازم۔

خلافت راشدہ کی بہت سی شرطیں ہیں، مثلاً خلیفہ کا شنوا اور بینا ہونا، آزاد ہونا، صاحب علم و عدالت ہونا، شجاع ہونا، صاحب الرائے ہونا، جنگ اور صلح کے موقعوں پر نمایاں کام کرسکتا ہو وغیرہ وغیرہ۔ اور یہ وہ شرائط ہیں جو بداہت عقل معلوم ہیں کیونکہ مقاصد خلافت بغیر ان امور کے متحقق نہیں ہو سکتے لیکن خلیفۂ راشد میں ان عام شرائط خلافت کے علاوہ ایک مزید شرط یہ ہے کہ اس کو آنحضرت ﷺ کے ساتھ ملکات اور افعال میں خاص تشبہ حاصل ہو، یعنی وہ شخص آنحضرت ﷺ کی صفات کا نمونہ اور ظل ہو، اور تشبہ سے ان صفات کے ساتھ تشبہ مراد ہے کہ جو اوصاف نبی و رسول کو نبوت و رسالت کی حیثیت سے حاصل ہوں، اور جن اوصاف کا نبوت و رسالت سے تعلق نہیں یہاں ان میں تشبہ مراد نہیں۔

وہ اوصاف جو نبوت کی اساس نہیں ٹھہرتے

مثلاً آنحضرت کا غایت درجہ کا حسین و جمیل ہونا یا ہاشمی ہونا یہ واقعات میں سے ہے لیکن ان صفات کو نبوت و رسالت سے کوئی تعلق نہیں، انبیاء کرام جمال میں مختلف رہے ہیں، اور ہزاروں نبی بنی اسرائیل میں ہوئے۔ معلوم ہوا کہ ہاشمیت نبوت کے لئے لازم اور ضروری نہیں بخلاف اس کے اقامت جہاد۔ اقامت ارکان اسلام، احیاء علوم دینیہ وغیرہ ہیں یہ صفات آنحضرت ﷺ کو بلحاظ وحی اور نبوت حاصل تھے اکثر انبیاء کرام اگرچہ مامور بالجہاد نہ تھے لیکن جن حضرات نے جہاد کیا وہ وحی الٰہی کی بنا پر کیا۔ پس اس قسم کی صفات میں خلیفۂ خاص کو آنحضرت ﷺ کے ساتھ تشبہ کامل حاصل ہونا ضروری ہے اور تشبہ کامل کی قید اس لئے لگائی کہ فقط بعض صفات میں تشبہ کا حاصل ہونا کافی نہیں ورنہ ہر مسلمان کو کچھ نہ کچھ تشبہ ضرور حاصل ہوتا ہے مثلاً نماز پنجگانہ اور تلاوت قرآن وغیرہ وغیرہ میں چونکہ کلام خلافت خاصہ میں ہے، اس لئے تشبہ کامل کی قید لگانا ضروری ہوا، اور تشبہ کامل اسی کو حاصل ہوسکتا ہے جو امت کے طبقہ علیا میں سے ہو نہ کہ طبقۂ وسطیٰ اور ادنیٰ سے۔ (ازالۃ الخفاء۔ ۱/۲۵۸)

بعثت رسل کی حقیقت

جب یہ معلوم ہوگیا کہ خلافت خاصہ، نمونہ نبوت اور تشبہ بہ نبوت کا نام ہے تو ضروری ہوا کہ بعثت رسل

کی حقیقت بتلائی جائے، اور ان خصائل اور صفات کو بیان کیا جائے کہ جو نبی کو بہ حیثیت نبوت کے حاصل ہوتے ہیں تاکہ خلافتِ خاصہ کی بیان کردہ حقیقت خوب واضح ہوسکے۔

بعثت رسول (رسول کے بھیجنے) کے یہ معنی نہیں کہ کسی کو پیغمبر بنا کر آسمان سے زمین میں بھیج دیا جائے یا مشرق سے مغرب میں یا ایک شہر سے دوسرے شہر میں کسی شخص کو نبی بنا کر بھیج دیا جائے بلکہ بعثت رسل کے معنی یہ ہیں کہ حق جل شانہٗ کا ارادہ لطف و رحمت اس امر کے متعلق ہو کہ ارسال رسول اور بعثت نبی کے واسطے سے بندگانِ خدا کو دین خداوندی اور شریعت الٰہیہ سے آگاہ کیا جائے تاکہ ان کی اصلاح اور فلاح کا باعث ہو، اور ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ اور بندوں کے درمیان واسطہ بننے کے قابل ہر فرد بشر نہیں ہوسکتا اور ہر شخص میں یہ صلاحیت نہیں کہ وہ نبوت و رسالت اور سفارت خداوندی اور خلافت ایزدی کے منصب جلیل پر فائز ہوسکے۔ اس لئے حکمت اور مصلحت اس کو مقتضی ہوئی کہ افراد بشر میں سے بعثت کے لئے ایک ایسے فرد کو معین کیا جائے کہ جس کا مبارک اور بزرگ وجود زمین پر ایسا ہو جیسا کہ آسمانوں میں جبریل امین کا وجود ہے، اس کا نفس قدسیہ ملاءِ اعلیٰ کے غایت درجہ مشابہ ہو۔

نبی میں قوت عاقلہ اور عاملہ کا کمال

نبوت کے لوازم بلکہ اجزاء میں سے یہ امر ہے کہ نبی کا نفس ناطقہ اپنی دونوں قوتوں یعنی قوت عاقلہ اور قوت عاملہ میں تمام عالم سے بلند اور برتر ہو۔

حق جل شانہٗ جس کو منصب نبوت پر فائز فرماتے ہیں اس کو محض اپنے فضل اور رحمت سے، بلا کسی سعی کے اور بلا کسی جدوجہد کے اس کو ایک ایسی خاص قوتِ عاقلہ عطا فرماتے ہیں کہ جس کی وجہ سے اس کا نفس ناطقہ عالم غیب کی وحی اور الہام کو سن سکے اور سمجھ سکے، اور ملائکہ اور جنت اور جہنم اور عالم ملکوت کی چیزوں کا مشاہدہ کرسکے، اور آئندہ کے جو واقعات صور مثالیہ کے ذریعہ اس کو خواب میں دکھلائے جائیں ان کو کماحقہ سمجھ سکے۔

نبی کی قوت عاملہ میں بھی اکتساب کو دخل نہیں

اسی طرح حق تعالیٰ اس کو محض اپنی رحمت اور عنایت سے بلا کسی مجاہدہ اور ریاضت کے ایسی بے مثال

قوتِ عاملہ عطا فرماتے ہیں کہ جس کی وجہ سے اس کا نفس ناطقہ تمام اخلاقِ فاضلہ اور ملکاتِ صالحہ کا معدن اور منبع بن جاتا ہے اور اس کے اعضاء اور جوارح سے افعال جمیلہ اور اعمال صالحہ کا صدور نہایت سہولت بلکہ لذت اور فرحت کے ساتھ ہونے لگتا ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ رویائے صالحہ نبوت کا چھیالیسواں جزء ہے یہ قوت عاقلہ کی طرف اشارہ ہے۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ صمت صالح (عمدہ خصلتیں) نبوت کا پچیسواں جزء ہے۔ یہ قوت عاملہ کی طرف اشارہ ہے (قرۃ العینین۔ شاہ ولی اللہ دہلوی۔ ص ۱۰، نیز ازالۃ الخفاء۔ ۱/۲ (مقصدِ دوم))

خواص نبوت کی ایک عجیب مثال

اگر نبوت کے خواص اور لوازم کو سمجھنا چاہتے ہو تو یہ فرض کرو کہ چار شخص ہیں کہ ایک تن میں جمع کر دیئے گئے ہیں اور اس مجموعہ کا نام نبی اور پیغمبر رکھ دیا گیا ہے۔ وہ بادشاہ عادل ہو، حکیم فاضل ہو، مرشد کامل ہو اور قوت ملکیہ کا حامل ہو۔ (قرۃ العینین ص ۴۱)

پہلا شخص

وہ بادشاہ عادل ہے کہ جس کے نفس ناطقہ پر ملاء اعلیٰ سے سیاست ملکیہ کے علوم کلیہ کا القاء ہوتا ہے۔ حکمرانی اور عدل عمرانی کے اصول وفروع کا دمبدم اس کو القاء ہوتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ سلطنت کے لئے جس قدر امور ضروری ہیں مثلاً حکمت ومعدلت اور سخاوت اور شجاعت یہ اس بادشاہ سے فطری طور پر ظہور میں آتے ہیں۔ جس کا اثر یہ ہے کہ نظامِ سلطنت غایت درجہ منظم اور مرتب ہے، اور سارے ملک کی کثرت مبدل بوحدت ہو چکی ہے جیسا کہ:

لوانفقت ملفی الارض جمیعا ماالفت بین قلوبھم ولکن اللہ الف بینھم (۸ انفال ۶۳) اور **فاصبحتم بنعمتہ اخواناً (۳ آل عمران ۱۰۳)** اس طرف مشیر ہے۔

(ترجمہ ا) اور اگر آپ دنیا بھر کا مال بھی خرچ کرتے تب بھی ان کے قلوب میں اتفاق پیدا نہ کر سکتے۔ لیکن اللہ ہی نے ان کے دلوں میں اتفاق پیدا کر دیا۔

باہمی اتفاق کی تصدیق الٰہی۔۔۔ فاصبحتم بنعمتہ اخوانا

(ترجمہ ۲) سو تم اللہ تعالیٰ کے اس انعام سے آپس میں بھائی بھائی ہو گئے۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ اپنی رحمت سے تمام مسلمانوں کو ایک دل بنا دیا کہ ساری دشمنیاں مبدل بہ محبت واخوت ہوگئیں کہ اگر اس کے لئے روئے زمین کے خزائن بھی خرچ کئے جاتے تو یہ الفت پیدا نہ ہوتی ان آیات میں اسی صفت کی طرف اشارہ ہے۔

دوسرا شخص

وہ حکیم (فاضل) کامل ہے کہ جس کے قلب سے اس کی زبان پر علم وحکمت کے چشمے جاری ہیں، اور لوگوں کو حکمت واخلاق کی تعلیم وتلقین میں مصروف ہے، اور

اس کا نفس ناطقہ خود بھی ان اخلاق فاضلہ کے ساتھ علیٰ وجہ الکمال تحققا وتخلقا موصوف ہے، اور اس کا ظاہر وباطن ان صفات اور ملکات کے رنگ میں رنگا ہوا ہے، بمصداق: کل اناء یترشح بمافیه برتن میں جو کچھ ہے وہی اس سے چھلکتا ہے۔

انہیں صفات کی خوبو اس سے ظاہر ہوتی ہے، جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَاءُ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا (۲ بقرة ۲۶۹)

(ترجمہ) اللہ جسے چاہتا ہے حکمت عطا کرتا ہے اور جسے حکمت عطا کی گئی، اسے خیر کثیر عطا کی گئی۔

اور قرآن کریم میں جس نبی کا ذکر کیا گیا ہے **اٰتینٰه الحكمة** بھی اس کے حق مین بیان کیا گیا ہے، ان آیات میں اسی صفت حکمت کی طرف اشارہ ہے۔

تیسرا شخص

وہ عارف کامل اور صوفیِ کامل اور مرشدِ کامل ہے کہ جو تہذیب نفس اور تزکیۂ قلب کے طریقوں سے بخوبی واقف ہے صاحب مقام اور صاحب حال، اور صاحب کشف والہام ہے، منبع انوار وبرکات اور مصدر کرامات ہے، مریدین اور سالکین کے حلقہ میں بیٹھا ہوا ہے. ان کو مجاہدہ اور ریاضت نفس کے طریقے تلقین کررہا ہے، اور اپنے فیضِ صحبت سے ان کی تربیت کررہا ہے۔ حق جلّ شانہٗ کے اس ارشاد وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ (۲ بقرہ ۱۲۹)

(اور انہیں حکمت کی تعلیم دیتا ہے، اور ان کا تزکیۂ نفس کرتا ہے) میں اس طرف اشارہ ہے تعلیم الکتاب والحکمت سے تعلیم اخلاق مراد ہے، اور تزکیہ سے فیض صحبت کے ذریعہ باطنی تربیت مراد ہے۔

چوتھا شخص

وہ جبریل امین ہے جو سمٰوات میں مطاع اور مکین (صاحب مرتبہ) ہے، اور خداوند ذوالجلال اور اس کے انبیاء و رسل کے درمیان سفیر اور واسطہ ہے اور وحی اور الہام اور علم کا فرشتہ ہے، اور تدبیر الٰہی کا ایک جارحہ ہے اور ملائکہ مدبرات امر اُس کے سرخیل ہیں، اور

لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَا اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ (٦٦ التحریم ٦)

(کسی بات میں اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے، اور وہی کچھ کرتے ہیں جو ان کو حکم دیا جاتا ہے)۔ ان کی خاص الخاص صفات ہیں، اس جگہ جبریل سے ہماری مراد وہ قوت ملکیہ ہے، جو جارحۂ تدبیر الٰہی اور واسطۂ اخذِ علمِ خداوندی ہو یعنی اس کی اصل جبلت جبریئلی ہو کہ جس کے لئے حظیرۃ القدس کی راہیں کشادہ ہوں، اور ملاء اعلیٰ سے جو علوم اس کے عقل اور قلب پر القاء ہوں، ان کو بہ سہولت اخذ اور جذب کر سکے۔

لہٰذا نبی ان چار شخصوں کے مجموعہ کا نام ہے کہ جو ایک تن اور ایک بدن میں جمع کر دیئے گئے ہوں، اور یہ تمام صفات سرور عالم محمد رسول اللہ ﷺ میں علیٰ وجہ الکمال والتمام موجود تھیں اللہ تعالیٰ کا ارادہ لطف و کرم اس طرف متوجہ ہوا کہ عالم ہدایت اور اصلاح کے لئے ایک رسولِ اعظم کو مبعوث کیا جائے کہ دنیا پر اللہ کی آیتوں کی تلاوت کرے، اور کتاب و حکمت یعنی مکارمِ اخلاق اور محاسنِ اعمال اور حکمت ملکیہ اور منزلیہ کی ان کو تعلیم دے، اور جبریل امین کی طرح اپنے فیض صحبت اور تربیت سے ان کے قلوب اور نفوس کا ایسا تزکیہ کرے کہ ان کے قلوب آئینہ کی طرح صاف اور مجلّی ہو جائیں اور علوم الٰہیہ اور تجلیاتِ ربانیہ کے عکس کو پورا قبول کر سکیں۔ حق جل شانہ کے اس ارشاد

هو الذی بعث فی الامیین رسولاً منهم يتلوا عليهم اٰياته ويزكيهم ويعلمهم الكتاب والحكمة وان كانوا من قبل لفی ضلال مبين (٦٢ الجمعه ٢)

میں اسی طرف اشارہ ہے۔ (قرۃ العینین ص۴۲ ازالۃ الخفاء ۱/۲)

(ترجمہ) وہی ہے زبردست حکمت والا۔ جس نے ناخواندہ لوگوں میں، انہی میں سے ایک رسول بھیجا، جو اُن کو اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے، ان کو پاک کرتا ہے، اور انہیں کتاب اور دانشمندی کی باتیں سکھاتا ہے

خلافت الٰہیہ اور خلافت نبوت میں اصل اور ظل کی نسبت

پہلے خلافت الٰہیہ کے یہ پیرائے سامنے رکھئے

(اول) حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام خداوند ذوالجلال کے خلیفہ ہوتے ہیں جیسے حضرت آدم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے خلیفہ تھے، کما قال اللہ تعالیٰ:

واذ قال ربّك للملئكة انّى جاعل فى الارض خليفة ط(۲ بقره ۳۰)

(ترجمہ) اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں ایک نائب بنانے والا ہوں۔

اور خلیفہ راشد نبی اور رسول کا خلیفہ ہوتا ہے۔

خلیفۂ خداوندی، معاذ اللہ خدا نہیں ہوتا لیکن صفات خداوندی کا ایک ظل اور عکس ضرور ہوتا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ:

خلق الله اٰدم علىٰ صورته

یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو اپنی تجلّی خاص کا مظہر بنایا۔

پس خلیفہ ساخت صاحب سینۂ ۔۔۔ تا بود شاہیش را آئینہ

(ترجمہ) پس اس نے ایک صاحب دل کو اپنا خلیفہ بنایا کہ اس کی بادشاہی اس آئینہ میں منعکس ہو۔

(دوم) یہ کہ اس کا وجود باجود دنیا میں ربوبیت کے اجراء اور تنفیذ کے لئے بمنزلہ جارحہ الٰہیہ کے ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جن امور اور علوم اور اصلاحات کو بنی نوع انسانی میں جاری کرنا چاہتے ہیں۔ ان کے اجراء اور نفاذ کے لئے اس نبی کو واسطۂ تدبیر بناتے ہیں، کہ جو کچھ بھی من جانب اللہ ظہور میں آئے اس کا ظہور اس پیغامبر کے ہاتھ سے ہو۔ گویا کہ یہ نبی بلاتشبیہ وتمثیل تدبیر خداوندی کے ظہور کے لئے بمنزلہ جارحہ الٰہیہ کے ہوتا ہے، جیسا کہ

ومارميت اذ رميت ولٰكن الله رمٰى (۸انفال، ۱۷)

اور آپ نے خاک کی مٹھی نہیں پھینکی جس وقت کہ پھینکی مگر وہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی۔

میں اس طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے۔

فانت حسام الملك والله ضارب وانت لواء الدين والله عاقد

قرآن پاک سے ایک دوسری مثال

وقال اللہ تعالیٰ: ان الذین یبایعونك انما یبایعون اللہ یداللہ فوق ایدیھم (۴۸ الفتح ، ۱۰)

(ترجمہ) جولوگ آپ سے بیعت کرر ہے ہیں، وہ حقیقت میں اللہ سے بیعت کرر ہے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ پر۔

یہ ارشاد بھی اسی کا مؤید ہے۔

(سوم) یہ کہ اس کی قوت علمیہ اور قوت عملیہ کو ملاء اعلیٰ کی قوت علمیہ اور قوت عملیہ کے ساتھ خاص تشبہ حاصل ہوتا کہ قوت علمیہ کے تشبہ کی وجہ سے ملاء اعلیٰ کے علوم کی تلقی اور اخذ اس کے لئے آسان ہو، اور قوت عملیہ کے تشبہ کی بناء پر اس کو ملائکہ کرام جیسی عصمت اور طہارت اور نزاہت حاصل ہوسکے۔

نقش آدم لیک معنی جبرئیل　　　رستہ از جملہ ہواء وقال وقیل

قال تعالیٰ: ولوجعلناہ ملکاً لجعلناہ رجلاً (٦ الانعام ، ۹)

(ترجمہ) اور اگر ہم اس کو فرشتہ تجویز کرتے تو ہم اس کو آدمی ہی بناتے۔

یعنی اگر فرشتہ کو ہی نبی بنا کر بھیجتے تو انسان ہی کی شکل میں بھیجتے تا کہ لوگ اس کے حسن و جمال کا تحمل کرسکیں، اور ہم جنس ہونے کی وجہ سے اس سے استفادہ اور استفاضہ کرسکیں۔

(چہارم) یہ کہ ملاء اعلیٰ کی تائید، ہر موقعہ اور محل میں اس کی معین اور مددگار ہوتا کہ ملاء اعلیٰ کی تائید اس خلیفہ کے ہاتھ پر ظہور خوارق کا سبب بنے اور خلیفہ اول کے حق میں

واذ قلنا للملٰئکۃ اسجدوا (۲ بقرہ ، ۳٤)

(ترجمہ) اور جس وقت حکم دیا ہم نے فرشتوں کو کہ سجدے میں گرجاؤ۔ میں اسی تائید ملاء اعلیٰ کی طرف اشارہ ہے اور خداوند ذوالجلال کے آخری خلیفہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی تائید کے لئے جنگ بدر اور حنین میں ملائکہ مسومین کا نزول بھی اسی تائید ملاء اعلیٰ کی طرف اشارہ ہے۔

(پنجم) یہ کہ اس کے نفس قدسیہ کے انوار و تجلیات کا عکس حاضرین پر پڑتا ہو کہ جس کی بناء پر سلیم الطبع

لوگ ظلمت سے نکل کر نور کی طرف آنے لگیں اور اس کے فیض صحبت سے دلوں کی ظلمتیں اور کدورتیں صاف ہونے لگیں اور

یخرجھم من الظلمٰت الیٰ النور ط(۲ بقرہ ، ۲۵۷)

(ترجمہ) تاکہ نکالے ان کو تاریکیوں سے نور کی طرف

کا مشاہدہ آنکھوں سے ہونے لگے۔

(**ششم**) یہ کہ اس کے قوائے ثلاثہ، یعنی قوت عقلیہ اور قوت شہویہ اور قوت غضبیہ غایت درجہ معتدل ہوں کہ ایک قوت دوسری قوت کے حقوق مختصہ میں مداخلت نہ کرے۔ جس سے ایک خاص صورت اعتدال پیدا ہو جائے، اور اسی اعتدال کی بناء پر انسان فرشتوں سے بھی بازی لے جاتا ہے، اسی وجہ سے حضرت آدم کی تسبیح وتحمید ملائکہ کی تسبیح وتحمید سے افضل واکمل تھی، اس لئے کہ ملائکہ چونکہ امور حسیہ اور جسمانیہ کھانا پینا وغیرہ وغیرہ کو کماحقہ نہیں جانتے، اس لئے فرشتوں کی تسبیح وتحمید فقط امور معنویہ پر ہوتی ہے، اور حضرت آدم کی تسبیح وتحمید امور معنویہ اور حسیہ دونوں پر تھی اس لئے کہ حضرت آدم روحانیت اور جسمانیت دونوں کے جامع تھے، اور فرشتے فقط روحانی ہیں۔ اس لئے حضرت آدم کی تسبیح وتحمید ملائکہ کی تسبیح وتحمید سے اعم اور اتم ہوئی۔

(**ہفتم**) یہ کہ بخت مسعود اور فتح ونصرت اور غلبۂ اعداء اور محبوبیت قلوب اس کی ہمرکاب ہو:

کتب اللہ لاغلبن انا ورسلی (۵۸ مجادلہ ، ۲۱)

(ترجمہ) اور اللہ نے یہ بات اپنے حکم ازلی میں لکھ دی ہے کہ میں اور میرے پیغمبر ہی غالب ہوں گے

ولقد سبقت کلمتنا لعبادنا المرسلین ۞ انھم لھم المنصورون ۞ وان جندنا لھم الغالبون ۞ (۳۷ صافات ، ۱۷۳)

(ترجمہ) اور ہمارے بھیجے ہوئے (پیغمبروں) خاص بندوں کے لئے ہمارا قول پہلے ہی مقرر ہو چکا ہے، کہ بے شک وہی غالب کئے جائیں گے۔ اور ہمارا ہی لشکر غالب رہتا ہے۔

اور اس قسم کی آیات میں اسی طرف اشارہ ہے۔

خلافت نبوت یا خلافت راشدہ

خلافت الٰہیہ کے سمجھ لینے کے بعد اب خلافت نبوت کو سمجھئے کہ جس طرح خلیفۂ خداوندی خدا نہیں ہوتا اسی طرح خلیفۂ نبی، نبی اور رسول نہیں ہوتا مگر نبی کی صفات کا نمونہ اور ظل اور عکس ہوتا ہے، پس خلیفہ راشد وہ ہے کہ جس کا نفس ناطقہ اپنی دونوں قوتوں یعنی قوت عقلیہ اور قوت عملیہ میں نبی کی قوت عاقلہ اور قوت عاملہ کے مشابہ اور ہم رنگ ہو۔

۲۔ اور جن اغراض و مقاصد کے لئے نبی کی بعثت ظہور میں آتی ہو ان اغراض و مقاصد کی تکمیل اس خلیفہ کے ہاتھ پر ہو یعنی نبی اور رسول جس کام کی بنیاد رکھ گئے ہوں مگر وہ کام ابھی پورا نہ ہوا تھا کہ نبی دنیا سے رحلت فرما گئے تو اللہ تعالیٰ اپنی خاص تائید سے ان کاموں کو اس نبی کے خلیفہ خاص کے ہاتھ پر پورا فرماتے ہیں پس جو خلیفہ نبی کے باقی ماندہ امور کا علماً، عملاً اور فتوحاً اعتداداً مکمل اور متمم ہو وہ اس کا خلیفۂ خاص اور خلیفۂ راشد ہے۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام کے باقی ماندہ امور کی تکمیل یوشع علیہ السلام نے کی، اور داؤد علیہ السلام کے باقی ماندہ امور کی تکمیل و تتمیم سلیمان علیہ السلام سے ہوئی۔ حق جل شانہ کے اس ارشاد میں اسی طرف اشارہ ہے:۔

اما نرینك بعض الذی نعدھم او نتوفینّك فالینا یرجعون (٤٠ المومن ٧٧)

(ترجمہ) پھر جس عذاب کا ہم ان سے وعدہ کر رہے ہیں، اس میں سے تھوڑا سا آپ کو دکھلا دیں، یا اس سے پہلے آپ کو وفات دے دیں۔ سو ہمارے ہی پاس ان کو آنا ہوگا۔

اس میں بتلایا گیا کہ جو وعدے ہم نے آپ سے کئے کچھ تو آپ کی وفات سے پہلے آپ کی زندگی میں ہی پورے ہو جائیں گے، اور جو وعدے باقی رہ جائیں گے وہ آپ کی وفات کے بعد آپ کے خلفاء کے ہاتھ پر پورے ہو جائیں گے۔ جو وعدے آپ سے کئے گئے ہیں وہ اپنے اپنے وقت پر پورے ہو جائیں گے۔

خلافت کا ظاہر اور باطن

خلافت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے۔ خلافت کا ظاہر وہ ریاست اور فرمانروائی ہے، جو دین

متین کی تمکین اور اس کی اقامت اور استحکام کے لئے ہو، اور خلافت کا باطن، وہ خاص تشبہ ہے یعنی آنحضرت کے ساتھ ان افعال اور صفات میں مشابہ ہوتا ہے جو افعال اور صفات آنحضرت ﷺ کو بحیثیت پیغمبری حاصل تھے ...... پس جس طرح حقیقت نبوت ارادۂ الٰہیہ ہے جو عالم کی صلاح اور فلاح، اور مفسدین اور کفار کے اہلاک اور دین متین اور شریعت الٰہیہ کی ترویج کے متعلق ہو، اسی طرح حقیقت خلافت، ارادۂ الٰہیہ ہے کہ جو کسی شخص کے ہاتھ پر پیغمبر کے اقوال وافعال اور اس کی شریعت اور اس کے دین کی اشاعت اور ترویج اور غلبہ کی تکمیل اور تمیم کے متعلق ہو۔

اور یہ وہ شخص ہوتا ہے کہ جو قوت عاقلہ اور قوت عاملہ اور قوت اعتدالیہ (جو قوت عاقلہ اور عاملہ کے امتزاج اور اتصال سے پیدا ہوتی ہیں) میں آنحضرت ﷺ سے خاص مناسبت اور خاص مشابہت رکھتا ہو آنحضرت ﷺ کی ذات مبارک میں قوت عاقلہ کے کمال ثمرات اور نتائج میں سے صدیقیت اور محدثیت اور الہام فراستِ صادقہ ہے۔ جس کی وجہ سے اس کے مظنونات حکم میں یقینیات کے ہوتے ہیں، اور اکثر واقعات میں اس کی رائے وحی الٰہی کے مطابق قائم ہوتی تھی پھر وحی اس کی تصدیق کرتی تھی۔ اور آنحضرت ﷺ کی ذات بابرکات میں قوت عاملہ کے کمال کے ثمرات ونتائج میں سے عصمت کاملہ اور سیرت صالحہ تھی اور خلیفۂ راشد کے حق میں قوت عاملہ کے کمال اثرات اور نتائج میں سے صلاح کامل اور عفت کاملہ ہے جس کو اصطلاح میں محفوظیت سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ کی شان میں فرمایا:

انّ الشیطان یفر من ظلّ عمر

(ترجمہ) تحقیق شیطان عمر کے سایہ سے بھاگتا ہے۔

اور قوت اعتدالیہ سے ہماری مراد یہ ہے کہ حق جل شانہٗ نے انسان میں دو خصلتیں رکھی ہیں۔ ایک خصلتِ بہائم اور ایک خصلتِ ملائکہ پس خصلتِ بہیمیت اور خصلتِ ملکیت کے درمیان اعتدال اور میانہ روی اختیار کرے نہ ملکیت کو بیکار چھوڑے اور نہ بہیمیت کو ہر ایک کے حق ادا کرے، کسی کی حق تلفی نہ کرے۔ اعتدال اور میانہ روی، ان دونوں قوتوں کے درمیان حد فاصل ہے، اور یہی میانہ روی ہمیشہ انبیاء کرام کا مطمح نظر رہی ہے۔

اور آنحضرت ﷺ کے حق میں قوت براعت یعنی قوت اعتدالیہ اور قوت امتزاجیہ کے ثمرات میں سے معجزات اور خوارق عادات اور عجیب وغریب واقعات کا ظہور تھا اور خلیفہ راشد کے حق میں قوت اعتدالیہ کے ثمرات اور نتائج میں مقامات عالیہ اور کرامات خارقہ اور تاثیر دعوات صالحہ اور تاثیر مواعظ خلیفہ ہیں۔ جیسا کہ آیت کریمہ:

ان اٰیة ملکه ان یاتیکم التابوت فیه سکینة من ربکم و بقیة مما ترک اٰل موسیٰ واٰل هرون تحمله الملئکة (پ۲ البقرہ ۲۴۸)

اس امر پر دال ہے کہ نبی کا مقرر فرمودہ بادشاہ اسی قسم کے خیرات و برکات اور کرامات کا مصدر ہوتا ہے۔
(ترجمہ) ان کے (من جانب اللہ) بادشاہ ہونے کی علامت یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق آجائے گا جس میں تسکین ہے تمہارے رب کی طرف سے، اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں جن کو آل موسیٰؑ اور آل ہارون چھوڑ گئے ہیں۔
پس جب خلیفہ میں یہ تینوں صفتیں پائی جائیں تو اس کو آنحضرت ﷺ سے تین قسم کا تشبہ حاصل ہوگا۔
ان تینوں صفتوں میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ تشبہ خلافت کا باطن ہے، اور تمکین دین اور ترویج ملت کے لئے ریاست اور فرمانروائی یہ خلافت کا ظاہر ہے۔
پس نبی کا خلیفۂ خاص وہ شخص ہے کہ جس میں خلافت کے ظاہر اور باطن دونوں پہلو پائے جائیں اور یہ خلافت خاصہ مراتب ولایت کا اعلیٰ ترین مرتبہ ہے جو مقام نبوت سے اقرب اور اشبہ ہے۔ امت محمدیہ علی صاحبها الف الف صلاۃ والف الف تحیہ کے علماء و صلحاء کو دین محمدی کی ترویج و تجدید کی وجہ سے جو مدارج و مراتب حاصل ہوئے وہ اپنی جگہ پر ہیں، اور خلافت ان تمام مدارج اور مراتب کی جامع ہے جو علماء اور صلحاء اور امراء اور ملوک کو حاصل ہوئے۔

آنحضرت ﷺ کے خلیفہ خاص کی صفات

اوپر جو کچھ بیان کیا وہ زیادہ تر مطلق نبی اور مطلق پیغمبر کے خلیفۂ خاص سے متعلق تھا۔ اب ہم خاص آنحضرت ﷺ کے خلیفۂ خاص کی صفات کو بیان کرنا چاہتے ہیں...... ہمارے نبی اکرم ورسول اعظم ﷺ تمام انبیاء ورسل سے افضل تھے، اور آپ کی شریعت کاملہ تمام شرائع الٰہیہ سے اکمل اور افضل

تھی، اور آپ کی کتاب تمام کتب سماویہ سے افضل تھی، اور آپ کی بعثت عام اور دائم تھی۔ یعنی تمام عالم کے لئے تا قیامت آپ کی بعثت تھی، اور آپ کی ذات بابرکات جامع الفضائل والکمالات تھی، اور آپ سے پہلے جس قدر حضرات انبیاء ومرسلین گزرے ان کو خاص خاص معجزات اور کرامتیں عطا فرمائیں، اور خاص خاص قوموں کی طرف ایک محدود زمانہ کے لئے ان کو مبعوث فرمایا۔

آپ سے پیشتر نبوت ورسالت کا ظہور مختلف صورتوں اور مختلف شکلوں میں ہوتا رہا۔

۱۔ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کی نبوت بصورت بادشاہت تھی۔ تاکہ اس بے مثال اور خارق عادت بادشاہت کو دیکھ کر اس زمانہ کے بادشاہوں کی گردنیں بارگاہ نبوت کے سامنے خم ہوجائیں۔

۲۔ اور حضرت زکریا علیہ السلام کی نبوت بصورت حبریت عالمیت تھی یعنی وہ بنی اسرائیل کے سب سے بڑے حَبر اور عالم تھے جو ان کو اپنے علوم اور معارف اور مواعظ بلیغہ سے سیراب فرماتے تھے۔

۳۔ اور حضرت یونس اور حضرت یحیٰ علیہما السلام کی نبوت بصورت زہد وعبادت تھی۔ دونوں بزرگ عابد وزاہد نبی تھے۔

۴۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت ورسالت بصورت اصلاح وتربیت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو توریت جیسی روشن کتاب دے کر بھیجا تاکہ بنی اسرائیل کی اصلاح اور تربیت اور ان کی دینی اور دنیوی عزت ورفعت کا سبب بنے، اور بنی اسرائیل کی دشمن قوم یعنی فرعون اور قبطی ذلیل اور مقہور ہوں اور بنی اسرائیل ان کے تخت وتاج کے وارث بنیں اور سحر اور معجزہ کا فرق واضح ہوجائے۔

۵۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت ورسالت بصورت طب وحکمت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو احیاء موتی اور ابراء اکمہ وابرص کا اعجاز عطا فرمایا جس کو دیکھ کر فلاسفہ اور اطباء دنگ اور حیران رہ گئے۔

صد ہزراں طب جالینوس بود   پیش عیسیٰ ودمش افسوں بود

بہر حال نبوت جس وقت بھی جس صورت میں نمودار ہوئی ہر صورت میں اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کو عزت وجاہت اور غلبہ عطا فرمایا اور امت کو انقیاد اور اطاعت کی توفیق عطا فرمائی۔

حضرات انبیاء کرام کا یہ غلبہ اور عزت و جاہت اور قوم کا انقیاد بمنزلہ بدن انسانی کے تھا۔ اور اس کے اندر جو عنایت الٰہیہ اور فتح غیبی مستور تھی وہ بمنزلہ نفس ناطقہ کے اندر ہی اندر کارفرما تھی۔ وہ نبوت کی روح تھی اور آیت کریمہ:

انا فتحنا لك فتحا مبيناOليغفرلك الله ماتقدم من ذنبك وماتأخر(٤٨ الفتح، ١)

(ترجمہ) بے شک ہم نے آپ کو ایک کھلی فتح عطا کی، تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف فرمادے۔

میں اسی روح نبوت کی طرف اشارہ ہے۔ بدن میں جو حرکت نظر آتی ہے وہ روح کا اثر ہے مگر وہ نظروں سے پوشیدہ ہے۔

جنبش از باد باشد دم بدم　　ما ہمہ شیراں وے شیر علم

آنحضرت ﷺ چونکہ افضل الرسل اور خاتم الانبیاء تھے، اس لئے من جانب اللہ آپ کی نبوت ان تمام صورتوں کی جامع ہوئی یعنی بادشاہت اور حبریت اور علم وحکمت اور زہد اور عبادت اور فقیری اور درویشی آپ کی نبوت ان سب کی جامع تھی، آنحضرت ﷺ کی نبوت کی ابتداء علم اور حکمت اور فقر اور درویشی اور زہد اور عبادت سے ہوئی جیسا کہ

هوالذی بعث فی الامیین رسولا منهم یتلوا علیهم أیاته ویزکیهم ویعلمهم الکتاب والحکمة وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین (٦٢ الجمعه ٢)

(ترجمہ) وہی ہے زبردست حکمت والا جس نے ناخواندہ لوگوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا، جو ان کو اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتا ہے، ان کو پاک کرتا ہے، اور انہیں کتاب اور دانشمندی کی باتیں سکھاتا ہے۔

میں اسی طرف اشارہ ہے، چنانچہ حضور پرنور نے بعثت کے بعد اہل مکہ کو توحید اور رسالت کی دعوت دی چند لوگ آپ کے پیرو ہوگئے اور پھر اسی طرح سے ترقی ہوتی گئی، اور دن بدن آفتاب نبوت کی روشنی اطراف اور جوانب میں پھیلنے لگی، اور روز بروز حق کے قبول کرنے والے بڑھنے لگے یہاں تک کہ آپ کی نبوت ایک رئیس شہر کی صورت میں نمودار ہوئی، بعد ازاں آپ کو ہجرت کرنے کا حکم

ہوا۔ چنانچہ آپ نے مدینہ طیبہ ہجرت فرمائی، مدینہ طیبہ اوراس کے اطراف و جوانب کے لوگ اسلام میں داخل ہو گئے، اوراسی طرح اسلام کی جمعیت بڑھتی گئی، یہاں تک کہ مکہ معظمہ فتح ہوا، اور قبائل عرب جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے، اور وعدہ الٰہی

اذا جاء نصرالله والفتح ورايت الناس يدخلون فى دين الله افواجا (۱۱۰النصر،۱)

کا ظہور ہوا۔

(ترجمہ) اے محمد ﷺ! جب اللہ تعالیٰ کی مدد، اور (مکہ کی) فتح آ پہنچے اور آپ لوگوں کو اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوتا دیکھ لیں۔

فتح مکہ میں دس ہزار صحابہؓ آپ کے ہم رکاب تھے، اس کے بعد آپ نے غزوۂ تبوک کا ارادہ فرمایا، تو ایک روایت میں ہے کہ چالیس ہزار مجاہدین اور ایک روایت میں ہے کہ ستر ہزار مجاہدین آپ کے ہمرکاب تھے، اور ایک سال بعد حجۃ الوداع میں ایک لاکھ چوبیس ہزار مجاہدین آپ کے ہمرکاب تھے۔ اس وقت یمن، تہامہ، نجد اور نواحی شام، آپ کے دستِ تصرف میں تھے، اور آنحضرت ﷺ کی طرف سے ان مقامات اور شہروں میں زکوٰۃ اور جزیہ وصول کرنے کے لئے عامل مقرر تھے۔

آنحضرت ﷺ کی حیات سراپا خیرات و برکات میں مدینہ طیبہ ایک دارالسلطنت کی صورت میں تھا اور آپ کی نبوت بشکل بادشاہت تھی، شیر خوار بچہ کی طرح یہ اسلام کی ابتداء کی حالت تھی مگر لحہ بہ لحہ ترقی پر تھی۔ ترقی کے مدارج ابھی پورے نہ ہوئے تھے کہ آنحضرت نے اس عالم سے رحلت فرمائی، اور درجہ جو ترقی کا ابھی باقی تھا وہ ذوالقرنین جیسی سلطنت تھی کہ جملہ سلاطینِ وقت ان کے لواء سلطنت کے مطیع اور منقاد ہوں اور یہ وہ سلطنت ہے جس کا بادشاہ شہنشاہ کہلاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو بارہا اس کی بشارت دی لیکن جب آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ نداء آئی:

يايتها النفس المطمئنة○ارجعىٓ الىٰ ربك راضية مرضية (۸۹ الفجر،۲۷، ۲۸)

(ترجمہ) اے اطمینان والی روح! تو اپنے پروردگار کی طرف لوٹ جا، اس حال میں تو اس سے خوش، اور وہ تجھ سے خوش۔

اور آنحضرت ﷺ نے کہا لبیک، تو اللہ تعالیٰ کا وہ وعدہ آپ کے بعد روم اور فارس کی فتح سے خلفاء

راشدین کے ہاتھوں پر پورا ہوا، اور فارس اور روم کے خزانے مسلمانوں کے ہاتھ آئے، اور یہ سب کارہائے نمایاں آنحضرت ﷺ کے پلۂ حسنات میں محسوب ہوئے، اور اسی طرح مضمون آیت کریمہ:

هُوَ الَّذِیٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ (۹ توبہ ۳۳)

(ترجمہ) وہ اللہ ایسا ہے کہ اس نے اپنے رسول کو ہدایت، اور سچا دین دے کر بھیجا ہے۔ تاکہ اُسے دوسرے تمام دینوں پر غالب کر دے۔

ظہور پذیر ہوا، **فالحمدللہ علیٰ ذٰلک**۔ یہ صورت سلطنت تھی۔

اور صورت حبریت اور عالمیت یہ تھی کہ حضور پر نورؐ نے جہلاء عرب کو کتاب وحکمت کی تعلیم دی۔ عرب نے یہ دیکھا کہ آنحضرت ﷺ اُمّی ہیں۔ لکھے پڑھے نہیں مگر ایسی کتاب کی آیتیں پڑھ کر ہم کو سناتے اور سمجھاتے ہیں کہ جس کی فصاحت اور بلاغت حیطۂ ادراک سے باہر ہے، اور وہ کتاب باعتبار معانی اور مضامین ہر قسم کے دینی اور دنیوی اور تہذیبی اور تمدنی احکام پر مشتمل ہے ایسا کلام بندہ کی طاقت سے باہر ہے، ایسا کلام تو اللہ تعالیٰ کا ہی ہو سکتا ہے، اور پھر آپ کی زبان فیض ترجمان سے جو احادیث سنیں وہ بھی عجیب وغریب علوم ومعارف کا خزینہ اور گنجینہ تھیں۔ سمجھ گئے کہ یہ شخص کوئی خدا تعالیٰ کا فرستادہ ہے۔ رفتہ رفتہ حضورؐ کی پیروی کرنے لگے، اور علم ورشد کی روشنی عربوں میں پھیلنی شروع ہوئی اور اتنی پھیلی کہ گھر گھر علمی روشنی سے منور ہو گیا حتی کہ جو لوگ بادیہ نشین تھے وہ بھی علماء وقت اور فضلاء ملت بن گئے۔

آنحضرت ﷺ نے وحی الٰہی کی حفاظت اور نگہداشت شروع کی اور ایک جماعت کو اس کی کتابت کے لئے متعین فرمایا۔ اور ایک جماعت کو حفظ احادیث کی، اور ایک جماعت کو قضاء اور افتاء کی تعلیم دینی شروع کی کہ شریعت الٰہیہ کے چشمۂ آب حیات اور حوض کوثر کی اس طرح ایک حد بندی ہو جائے تاکہ قیامت تک کے مسلمان اس چشمہ سے سیراب اور فیض یاب ہو سکیں۔

تعلیم کتاب وحکمت کے یہ مراحل تو حضور پر نور کی زندگی میں طے ہو گئے، ہنوز کچھ مراحل اور مدارج باقی تھے۔ مشیت الٰہی یہ تھی کہ ان مراحل ومدارج کی تکمیل خلفائے راشدین کے ہاتھوں پر ہو اور پھر ایسا ہی ہوا۔

سوانح سقیفہ بنی ساعدہ

اور پھر یہ خلافت آگے کیسے چلی؟

علامہ شبلی نعمانی

الحمدلله رب العالمین والصلوٰة علی رسوله محمد واله واصحابه اجمعین اما بعد

یہ واقعہ بظاہر تعجب سے خالی نہیں کہ جب آنحضرت ﷺ نے انتقال فرمایا تو فوراً خلافت کی نزاع پیدا ہو گئی اور اس بات کا انتظار نہ کیا کہ پہلے رسول اللہ ﷺ کی تجہیز و تکفین سے فراغت حاصل کر لی جائے، کس کے قیاس میں آسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ انتقال فرمائیں اور جن لوگوں کو ان کے عشق و محبت کا دعویٰ ہو وہ ان کو بے گور و کفن چھوڑ کر چلے جائیں اور اس بندوبست میں مصروف ہوں کہ مسندِ حکومت اوروں کے قبضے میں نہ آجائے۔

تعجب پر تعجب یہ ہے کہ یہ فعل ان لوگوں سے (حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ) سے سرزد ہوا، جو آسمانِ اسلام کے مہر و ماہ تسلیم کئے جاتے ہیں، اس فعل کی ناگواری اس وقت اور زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے۔ جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ جن لوگوں کو آنحضرت ﷺ سے فطری تعلق تھا۔ حضرت علی و خاندان بنی ہاشم، ان پر فطرتی تعلق کا پورا اثر ہوا اور اس وجہ سے ان کو آنحضرت ﷺ کے درد و غم اور تجہیز و تکفین سے ان باتوں کی طرف متوجہ ہونے کی فرصت نہ ملی۔

ہم اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ کتب و حدیث و سیر سے بظاہر اسی قسم کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ لیکن درحقیقت ایسا نہیں ہے۔ یہ سچ ہے کہ حضرت عمرؓ (ابوبکر صدیقؓ وغیرہ) آنحضرت ﷺ کے تجہیز و تکفین چھوڑ کر سقیفہء بنی ساعدہ کو چلے گئے، یہ بھی سچ ہے کہ انہوں نے سقیفہ میں پہنچ کر خلافت کے باب میں انصار سے معرکہ آرائی کی اور اس طرح ان کوششوں میں مصروف رہے کہ گویا ان پر کوئی حادثہ

پیش ہی نہیں آیا تھا۔ یہ بھی سچ ہے کہ انہوں نے قریش کی خلافت نہ صرف انصار بلکہ بنو ہاشم اور حضرت علیؓ سے بھی بزور منوانا چاہی۔ گو بنو ہاشم نے آسانی سے اُن کی خلافت تسلیم نہیں کی، لیکن اس بحث میں غور طلب جو باتیں ہیں وہ یہ ہیں۔

۱۔ کیا خلافت کا سوال، حضرت عمرؓ وغیرہ نے اُٹھایا تھا؟

۲۔ کیا یہ لوگ خود اپنی خواہش سے سقیفہ بنی ساعدہ میں گئے تھے؟

۳۔ کیا حضرت علیؓ اور بنو ہاشم خلافت کی فکر سے بالکل فارغ تھے؟

۴۔ ایسی حالت میں جو کچھ حضرت عمرؓ وغیرہ نے کیا، وہ کرنا چاہئے تھا یا نہیں؟

دو پہلی بحثوں کی نسبت ہم حدیث کی نہایت مستند کتاب، مسند ابی یعلی کی عبارت نقل کرتے ہیں جس سے واقعہ کی کیفیت اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے۔

بینما نحن فی منزل رسول الله ﷺ اذا رجل ینادی من وراء الجدار ان اخرج الی یا ابن الخطاب فقلت الیك عنی فانا عنك مشاغیل یعنی عنده بامر رسول الله ﷺ فقال له قد حدث امر فان الانصار اجتمعوا فی سقیفة بنی ساعدة فادرکوا هم ان یحد ثوا امرا یکون فیه حرب فقلت لابی بکر انطلق (فتح الباری جلد ۷ صفحہ ۳۰)

(ترجمہ) حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے خانہ مبارک میں بیٹھے تھے کہ دفعۃً دیوار کے پیچھے سے ایک آدمی نے آواز دی کہ ابن الخطاب! (حضرت عمرؓ) ذرا باہر آؤ۔ میں نے کہا کہ چلو ہٹو ہم لوگ آنحضرت کے بندوبست میں مشغول ہیں۔ اس نے کہا ایک حادثہ پیش آیا ہے یعنی انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں اکٹھے ہوئے ہیں۔ اس لئے جلد پہنچ کر ان کی خبر لو ایسا نہ ہو کہ انصار کچھ ایسی بات کر اٹھیں جس سے لڑائی چھڑ جائے اس وقت میں نے ابوبکر سے کہا کہ چلو۔

اس سے ظاہر ہو گیا کہ نہ حضرت عمرؓ وغیرہ نے، خلافت کی بحث کو چھیڑا تھا نہ وہ اپنی خوشی سے سقیفہ بنی ساعدہ کو جانا چاہتے تھے۔

تیسری بحث کی یہ کیفیت ہے کہ اس وقت جماعت اسلامی تین گروہوں میں تقسیم ہوگئی تھی۔ بنو ہاشم جس میں حضرت علی شامل تھے۔ مہاجرین جن کے رئیس وافسر حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ تھے۔ انصار جن کے شیخ القبیلہ سعد بن عبادہ تھے۔ ان تینوں میں سے ایک گروہ بھی خلافت کے خیال سے خالی نہ تھا۔ انصار نے تو علانیہ اپنا ارادہ اظہار کردیا تھا بنو ہاشم کے خیالات ذیل کی روایت سے معلوم ہوں گے۔
آنحضرت کی وفات کے دن حضرت علیؓ مکان سے باہر نکلے، لوگوں نے ان سے پوچھا کہ رسول اللہ کا مزاج کیسا ہے۔ چونکہ آنحضرت ﷺ کی ظاہری حالت بالکل سنبھل گئی تھی۔ حضرت علی نے کہا خدا کے فضل سے آپ اچھے ہوگئے ہیں۔ حضرت عباس نے ان کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ خدا کی قسم تم تین دن کے بعد غلامی کرو گے۔ میں آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ عنقریب اس مرض میں وفات پائیں گے کیونکہ مجھ کو اس کا تجربہ ہے کہ خاندانِ عبدالمطلب کا چہرہ موت کے قریب کس طرح متغیر ہو جاتا ہے۔ آؤ چلو، رسول اللہ ﷺ سے پوچھ لیں کہ آپؐ کے بعد یہ منصبِ خلافت کس کو حاصل ہوگا۔ اگر ہم اس کے مستحق ہیں تو رسول اللہ ﷺ ہمارے لئے وصیت فرمادیں گے۔ حضرت علیؓ نے کہا میں نہ پوچھوں گا کیوں کہ اگر پوچھنے پر آنحضرت ﷺ نے انکار کردیا تو پھر آئندہ کوئی امید نہیں رہے گی۔ اس روایت سے حضرت عباسؓ کا خیال تو صاف معلوم ہوتا ہے۔ حضرت علیؓ کو آنحضرت ﷺ کی وفات کا اس وقت تک یقین نہ تھا، اس لئے انہوں نے کوئی تحریک کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ اس کے علاوہ ان کو اپنے انتخاب کئے جانے پر بھروسہ نہ تھا۔
آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد حضرت فاطمہ کے گھر میں ایک مجمع ہوا جس میں تمام بنو ہاشم اور ان کے اتباع شریک تھے اور حضرت علیؓ ان کے پیش رو تھے۔ صحیح بخاری میں حضرت عمرؓ کی زبانی روایت ہے۔

کان من خبرنا حین توفی الله بیه ان الانصار خالفونا واجتمعوا باسرهم فی سقیفة بنی ساعدة و خلف عنا علی والزبیر ومن معهما واجتمع المهاجرون الیٰ ابی بکرؓ۔ (صحیح بخاری کتاب الحدود باب رجم الحبلی)

(ترجمہ) ہماری سرگزشت یہ ہے کہ جب خدا نے اپنے پیغمبر کو اٹھا لیا تو انصار نے قاطبۃً ہماری مخالفت کی اور سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے اور علیؓ وزبیرؓ اور ان کے ساتھیوں نے مخالفت کی اور مہاجرین ابوبکر کے پاس جمع ہوئے۔ (صحیح بخاری کتاب الحدود باب رجم الحبلی)

یہ تقریر، حضرت عمرؓ نے ایک بہت بڑے مجمع عام میں کی تھی جس میں سینکڑوں صحابہؓ موجود تھے۔ اس لئے اس بات کا گمان نہیں ہوسکتا کہ انہوں نے کوئی امر خلاف واقع کہا ہو ورنہ لوگ ان کو وہیں ٹوکتے۔ امام مالک کی روایت میں یہ واقعہ اور صاف ہوگیا ہے اس کے یہ الفاظ ہیں۔

و ان علیا و الزبیر و من کان معهماتخلفوا فی بیت فاطمة بنت رسو ل اللہؐ

(فتح الباری شرح حدیث مذکور)

(ترجمہ) ''اور علیؓ وزبیر اور جو لوگ ان کے ساتھ تھے وہ حضرت فاطمہ زہراؓ کے گھر میں ہم سے الگ ہوکر جمع ہوئے''۔

تاریخ طبری میں ہے۔

و تخلف علی والزبیر واخترط الزبیر سیفه وقال لااغمد ہ حتی یبایع علی

(تاریخ طبری ص ۱۸۲۰)

(ترجمہ) ''اور حضرت علیؓ وزبیرؓ نے علیحدگی اختیار کی اور زبیرؓ نے تلوار میان سے کھینچ لی اور کہا کہ جب تک علیؓ کے ہاتھ پر بیعت نہ کی جائے تلوار کو میان میں نہ ڈالوں گا''۔

ان تمام روایتوں سے صاف یہ نتائج نکلتے ہیں کہ۔

۱۔ آنحضرت ﷺ کی وفات کے ساتھ ہی خلافت کے باب میں تین گروہ ہوگئے انصار، مہاجرین اور بنو ہاشم۔

۲۔ مہاجرین حضرت ابوبکرؓ اور بنو ہاشم حضرت علیؓ کے ساتھ تھے۔

۳۔ جس طرح حضرت عمرؓ وغیرہ آنحضرت کو چھوڑ کر سقیفہ کو چلے گئے تھے۔ حضرت علیؓ بھی آنحضرت کے پاس سے چلے آئے تھے اور حضرت فاطمہؓ کے گھر میں بنو ہاشم جمع تھے۔

سقیفہ میں حضرت علیؓ کا نہ جانا اس وجہ سے نہ تھا کہ وہ آنحضرت کے غم والم میں مصروف تھے اور ان کو ایسے پُر درد موقع پر خلافت کا خیال نہیں آسکا تھا بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ سقیفہ میں مہاجرین وانصار جمع تھے اور ان دونوں گروہ میں سے کوئی حضرت علیؓ کے دعویٰ کی تائید نہ کرتا کیونکہ مہاجرین حضرت ابوبکرؓ کو پیشوا تسلیم کرتے تھے اور انصار کے رئیس سعد بن عبادہ تھے۔

اخیر بحث یہ ہے کہ جو کچھ ہوا وہ بے جا تھا یا بجا؟ اس کو ہر شخص جو ذرا بھی اصولِ تمدن سے واقف ہو بآسانی سمجھ سکتا ہے۔ آنحضرت نے جس وقت وفات فرمائی مدینہ منورہ منافقوں سے بھرا پڑا تھا جو مدت سے اس بات کے منتظر تھے کہ رسول اللہ ﷺ کا سایہ اُٹھ جائے تو اسلام کو پامال کر دیں۔ اس نازک وقت میں آیا یہ ضروری تھا کہ لوگ جزع وفزع اور گریہ وزاری میں مصروف رہیں یا یہ کہ فوراً خلافت کا انتظام کر لیا جائے اور ایک منتظم حالت قائم ہو جائے انصار نے اپنی طرف سے خلافت کی بحث چھیڑ کر، حالت کو اور نازک کر دیا کیونکہ قریش جو انصار کو اس قدر حقیر سمجھتے تھے کہ جنگ بدر میں جب انصار ان کے مقابلے کو نکلے تو عتبہ نے آنحضرت کو مخاطب کر کے کہا کہ محمد ﷺ! ہم ناجنسوں سے نہیں لڑ سکتے وہ کسی طرح انصار کے آگے سر تسلیم خم نہیں کر سکتے تھے۔ قریش پر کیا موقوف ہے، تمام عرب کو انصار کی متابعت سے انکار ہوتا۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے سقیفہ میں جو خطبہ دیا اس میں صاف اس خیال کو ظاہر کیا اور کہا **وان العرب لاتعرف هذا لامرالالهذالحی من قریش** اس کے علاوہ انصار میں خود دو گروہ تھے۔ اوس اور خزرج اور ان میں باہم اتفاق نہ تھا۔ اس حالت میں ضرور تھا کہ انصار کے دعویٰ خلافت کو دبا دیا جائے اور کوئی لائق شخص فوراً انتخاب کر لیا جائے مجمع میں جو لوگ موجود تھے ان میں سب سے بااثر اور بزرگ اور معمر حضرت ابوبکرؓ تھے اور فوراً اُن کا انتخاب ہو بھی جاتا۔ لیکن لوگ، انصار کی بحث ونزاع میں پھنس گئے تھے اور بحث طول پکڑ کر قریب تھا کہ تلواریں میان سے نکل آئیں۔ حضرت عمرؓ نے یہ رنگ دیکھ کر دفعتہً حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا کہ سب سے پہلے میں بیعت کرتا ہوں، ساتھ ہی حضرت عثمانؓ، ابوعبیدہ جراحؓ، عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے بھی ہاتھ بڑھائے اور پھر عام خلقت ٹوٹ پڑی اس کارروائی سے ایک اُٹھتا طوفان رُک گیا اور

لوگ مطمئن ہوگئے۔ صرف بنو ہاشم اپنے اِدعا پرُ کے رہے اور حضرت عباسؓ اور حضرت فاطمہؓ کے گھر میں وقتاً فوقتاً جمع ہوکر مشورے کرتے رہتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے بزوران سے بیعت لینی چاہی لیکن بنو ہاشم حضرت علیؓ کے سوا اور کسی کے آگے سر نہیں جھکا سکتے تھے۔ ابن ابی شیبہ نے مصنف میں اور علامہ طبری نے تاریخ کبیر میں روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے، حضرت فاطمہؓ کے گھر کے دروازے پر کھڑے ہوکر کہا کہ یا بنت رسول اللہ ﷺ! خدا کی قسم آپ ہم کو سب سے زیادہ محبوب ہیں، تاہم اگر آپ کے ہاں لوگ اسی طرح مجمع کرتے رہے تو میں ان لوگوں کی وجہ سے، گھر میں آگ لگا دوں گا۔ اگرچہ سند کے اعتبار سے اس روایت پر ہم اپنا اعتبار ظاہر نہیں کرسکتے کیوں کہ اس روایت کے رواۃ کا حال ہم کو نہیں معلوم ہوسکا تاہم درایت کے اعتبار سے اس واقعہ کے انکار کی کوئی وجہ نہیں۔ حضرت عمر کی تندی اور تیز مزاجی سے یہ حرکت کچھ بعید نہیں، حقیقت یہ ہے کہ اس نازک وقت میں حضرت عمرؓ نے نہایت تیزی اور گرمی کے ساتھ جو کاروائیاں کیں ان میں گو بعض بے اعتدالیاں پائی جاتی ہوں لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ انہی بے اعتدالیوں نے اُٹھتے ہوئے فتنوں کو دبا دیا۔ بنو ہاشم کی سازشیں اگر قائم رہتیں تو اسی وقت جماعت اسلامی کا شیرازہ بکھر جاتا اور وہی خانہ جنگیاں برپا ہوجاتیں جو آگے چل کر جناب حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ میں واقع ہوئیں۔

حضرت ابوبکر کی خلافت کی مدت سوا دو برس ہے کیونکہ انہوں نے جمادی الثانی ۱۳ھ میں انتقال کیا، اس عہد میں اگرچہ جس قدر بڑے بڑے کام انجام پائے، حضرت عمر ہی کی شرکت سے ہی انجام پائے۔ تاہم ان واقعات کو ہم یہاں نہیں لکھ سکتے کیوں کہ وہ پھر بھی عہد صدیق کے واقعات ہیں اور اس شخص کا حصہ ہیں جن کو حضرت ابوبکرؓ کی سوانح عمری لکھنے کا شرف حاصل ہو۔

خلافت اپنی دوسری منزل پر

حضرت ابوبکرؓ کو اگرچہ مدتوں کے تجربہ سے یقین ہوگیا تھا کہ خلافت کا بارگراں حضرت عمرؓ کے سوا اور کسی سے اُٹھ نہیں سکتا، تاہم وفات کے قریب انہوں نے عام رائے کے اندازہ کرنے کے لئے اکابر صحابہ سے مشورہ کیا۔ سب سے پہلے عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو بلا کر پوچھا انہوں نے کہا کہ عمر کی قابلیت

میں کیا کلام ہے لیکن مزاج میں سختی ہے۔ حضرت ابو بکر نے فرمایا ان کی سختی اس لئے تھی کہ میں نرم تھا، جب کام اُنہیں پر آ پڑے گا تو وہ خود بخود نرم ہو جائیں گے۔ پھر حضرت عثمانؓ کو بلا کر پوچھا، انہوں نے کہا میں اس قدر کہہ سکتا ہوں کہ عمرؓ کا باطن ظاہر سے اچھا ہے اور ہم لوگوں میں ان کا جواب نہیں، جب اس بات کے چرچے ہوئے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ حضرت عمرؓ کو خلیفہ کرنا چاہتے ہیں تو بعضوں کو تردد ہوا۔ چنانچہ طلحہؓ نے حضرت ابو بکر سے جا کر کہا کہ آپ کے موجود ہوتے عمرؓ کا ہم لوگوں کے ساتھ کیا برتاؤ تھا؟ اب وہ خود خلیفہ ہوں گے تو خدا جانے کیا کریں گے، آپ اب خدا کے ہاں جاتے ہیں یہ سوچ لیجئے کہ خدا کو کیا جواب دیجئے گا۔ حضرت ابو بکرؓ نے کہا میں خدا سے کہوں گا کہ میں نے تیرے بندوں پر اس شخص کو افسر مقرر کیا جو تیرے بندوں میں سب سے زیادہ اچھا تھا۔ یہ کہہ کر حضرت عثمان کو بلایا اور عہد نامہ خلافت لکھوانا شروع کیا، ابتدائی الفاظ لکھوا چکے تھے کہ غش آ گیا۔ حضرت عثمانؓ نے یہ دیکھ کر یہ الفاظ اپنی طرف سے لکھ دیئے کہ ''میں عمرؓ کو خلیفہ مقرر کرتا ہوں'' تھوڑی دیر کے بعد ہوش آیا تو حضرت عثمان سے کہا کہ کیا لکھا تھا مجھ کو پڑھ کر سناؤ حضرت عثمان نے پڑھا تو بے ساختہ اللہ اکبر پکار اُٹھے اور کہا کہ خدا تم کو جزائے خیر دے۔ عہد نامہ لکھا جا چکا تو حضرت ابو بکرؓ نے اپنے غلام کو دیا کہ جا کر مجمع عام میں سنائے پھر خود بالاخانہ پر جا کر لوگوں سے جو نیچے جمع تھے مخاطب ہوئے اور کہا کہ میں نے اپنے کسی بھائی بند کو خلیفہ مقرر نہیں کیا بلکہ عمرؓ کو مقرر کیا۔ کیا تم لوگ اس پر راضی ہو، سب نے سمعنا و اطعنا کہا۔ پھر حضرت عمرؓ کو بلا کر نہایت موثر اور مفید نصیحتیں کیں جو حضرت عمرؓ کے لئے عمدہ دستور العمل کی بجائے کام آئیں۔

خلافت کا نظام حکومت

اسلام میں خلافت یا حکومت کی بنیاد اگر چہ حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں پڑی۔ لیکن نظامِ حکومت کا دَور حضرت عمرؓ کے عہد سے شروع ہوتا ہے۔ حضرت ابو بکرؓ کی دو سالہ خلافت میں اگر چہ بڑے بڑے مہمات کا فیصلہ ہوا یعنی عرب کے مرتدوں کا خاتمہ ہو گیا اور بیرونی فتوحات شروع ہوئیں، تاہم حکومت کا کوئی خاص نظام نہیں قائم ہوا اور نہ اتنا مختصر زمانہ اس کے لئے کافی ہو سکتا تھا۔ حضرت عمرؓ

نے ایک طرف تو فتوحات کو یہ وسعت دی کہ قیصر وکسریٰ کی وسیع سلطنتیں ٹوٹ کر عرب میں مل گئیں، دوسری طرف حکومت وسلطنت کا نظام قائم کیا اور اس کو اس قدر ترقی دی کہ ان کی وفات تک حکومت کے جس قدر مختلف شعبے ہیں سب وجود میں آچکے تھے۔

لیکن قبل اس کے کہ ہم حکومت کے قواعد وآئین کی تفصیل بتائیں پہلے یہ بتانا چاہئے کہ اس حکومت کی ترکیب اور ساخت کیا تھی؟ یعنی شخصی تھی؟ یا جمہوری؟ اگرچہ اس وقت عرب کا تمدن جس حد تک پہنچا تھا اس کے لحاظ سے حضرت عمرؓ کی خلافت پر جمہوری یا شخصی دونوں میں سے کسی ایک کا بھی اطلاق نہیں ہوسکتا۔ لیکن ایسے موقع پر صرف اس بات کا پتہ لگانا کافی ہے کہ حکومت کا جو انداز تھا وہ جمہوریت سے ملتا تھا یا شخصیت سے یعنی سلطنت کا میلان ذاتی اختیارات پر تھا یا عام رائے پر۔

جمہوری یا شخصی سلطنت کا موازنہ

جمہوری اور شخصی طریقِ حکومت میں جو چیز سب سے بڑھ کر مابہ الامتیاز ہے۔ وہ عوام کی مداخلت اور عدم مداخلت ہے یعنی حکومت میں جس قدر رعایا کو دخل دینے کا زیادہ حق حاصل ہوگا۔ اسی قدر اس میں جمہوریت کا عنصر زیادہ ہوگا۔ یہاں تک کہ سلطنت جمہوری کی اخیر حد یہ ہے کہ مسندِ نشین حکومت کے ذاتی اختیارات بالکل فنا ہو جائیں اور وہ جماعت کا رکن اور صرف ایک ممبر رہ جائے۔ برخلاف اس کے شخصی سلطنت میں تمام دارومدار صرف ایک شخص پر ہوتا ہے۔ اس بناء پر شخصی سلطنت سے خواہ مخواہ نتائج ذیل پیدا ہوتے ہیں۔

(۱) بجائے اس کے کہ ملک کے تمام قابل اشخاص کی قابلیتیں کام میں آئیں صرف چند ارکان سلطنت کی عقل وتدبیر پر کام چلتا ہے۔

(۲) چونکہ بجز چند عہدہ داروں کے اور لوگوں کو ملکی انتظامات سے کچھ سروکار نہیں ہوتا۔ اس لئے قوم کے اکثر افراد سے انتظامی قوت اور قابلیت رفتہ رفتہ معدوم ہونے لگتی ہے۔

(۳) مختلف فرقوں اور جماعتوں کے خاص خاص حقوق کی اچھی طرح حفاظت نہیں ہوتی کیوں کہ جن لوگوں کو ان حقوق سے غرض ہے ان کو انتظام سلطنت میں دخل نہیں ہوتا اور جن لوگوں کو دخل ہوتا ہے

ان کو غیروں کے حقوق سے اس قدر ہمدردی نہیں ہو سکتی جتنی خود ارباب حقوق کو ہو سکتی ہے۔
چونکہ بجز چند ارکانِ سلطنت کے کوئی شخص ملکی اور قومی کاموں میں دخل دینے کا مجاز نہیں ہوتا۔ اس لیے قوم میں ذاتی اغراض کے سوا قومی کاموں کا مذاق معدوم ہو جاتا ہے۔ یہ نتائج شخصی سلطنت کے لوازم ہیں اور کبھی اس سے جدا نہیں ہو سکتے۔ برخلاف اس کے جمہوری سلطنت میں اس کے برعکس نتائج ہوں گے۔ اس بناء پر جس سلطنت کی نسبت جمہوری و شخصی کی بحث ہو اس کی نوعیت کا اندازہ نتائج سے بھی کیا جا سکتا ہے۔
یہ نہیں خیال کرنا چاہئے کہ جمہوریت کا طریقہ عرب کا فطری مذاق تھا اور اس لئے عرب میں جو حکومت قائم ہوتی ہے وہ خواہ مخواہ جمہوری ہوتی۔ عرب میں مدت سے تین وسیع حکومتیں موجود تھیں ۱۔ لخمی ۲۔ حمیری ۳۔ غسانی۔ لیکن یہ سب شخصی تھیں۔ قبائل کے سردار البتہ جمہوری اصول پر انتخاب کئے جاتے تھے۔ لیکن ان کو کسی قسم کی ملکی حکومت حاصل نہ تھی بلکہ ان کی حیثیت سپہ سالاروں یا قاضیوں کی سی ہوتی تھی حضرت ابو بکرؓ کی خلافت نے بھی اس بحث کا کچھ فیصلہ نہیں کیا کیونکہ گو، ان کا انتخاب کثرت رائے پر ہوا تھا۔ لیکن وہ ایک فوری کاروائی تھی چنانچہ خود حضرت عمرؓ نے فرمایا:
فلا یغترن امرء ان یقول انما کانت بیعة ابی بکر فلتة و تمت الاو انها قد کانت کذالك لكن الله وقی شرها (صحیح بخاری مطبوعہ احمدی میرٹھ بار دوم جلد دوم ص ۱۰۰۹)۔
(ترجمہ) کسی شخص کو اس بات سے دھوکہ نہ ہو کہ وہ کہے کہ حضرت ابو بکر کی بیعت تو ایک ہنگامی کاروائی تھی اور وہ پوری ہو گئی۔ خبردار بات تو اسی طرح تھی لیکن اس کے برے پہلو سے اللہ تعالیٰ نے (ہمیں) بچا لیا۔

حضرت عمرؓ کی خلافت میں مجلس شوریٰ (کونسل)

حضرت عمرؓ کے گردو پیش جو سلطنتیں تھیں وہ بھی جمہوری نہ تھیں۔ ایران میں سرے سے کبھی یہ مذاق ہی پیدا نہیں ہوا۔ روم البتہ کسی زمانے میں اس شرف سے ممتاز تھا۔ لیکن حضرت عمرؓ کے زمانے سے بہت پہلے وہاں شخصی حکومت قائم ہو چکی تھی اور حضرت عمر کے زمانے میں تو وہ بالکل ایک جابرانہ خودمختار

سلطنت رہ گئی تھی۔ غرض حضرت عمرؓ نے بغیر کسی مثال اور نمونے کے جمہوری حکومت کی بنیاد ڈالی اور اگرچہ وقت کے اقتضاء سے اس کے تمام اصول وفروع مرتب نہ ہو سکے تاہم جو چیزیں حکومت جمہوری کی روح ہیں سب وجود میں آگئیں۔ ان میں سب کا اصل الاصول مجلس شوریٰ کا انعقاد تھا یعنی جب کوئی انتظام پیش آتا تھا تو ہمیشہ ارباب شوریٰ کی مجلس منعقد ہوتی تھی اور کوئی امر بغیر مشورہ اور کثرت رائے کے عمل میں نہیں آسکتا تھا۔

مجلس شوریٰ کے ارکان اور اس کے انعقاد کا طریقہ

تمام جماعت اسلامی میں اس وقت دو گروہ تھے جو کل قوم کے پیشوا تھے اور جن کو تمام عرب نے گویا اپنا قائم مقام تسلیم کر لیا تھا یعنی مہاجرین وانصار مجلس شوریٰ میں ہمیشہ لازمی طور پر ان دونوں گروہوں کے ارکان شریک ہوتے تھے۔ انصار بھی دو قبیلوں میں منقسم تھے۔ اوس وخزرج۔ چنانچہ ان دونوں خاندانوں کا مجلس شوریٰ میں شریک ہونا ضروری تھا۔ مجلس شوریٰ کے تمام ارکان کے نام اگرچہ ہم نہیں بتا سکتے۔ تاہم اس قدر معلوم ہے کہ حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، عبدالرحمٰنؓ بن عوف، معاذؓ بن جبل، ابی بن کعبؓ، زیدؓ بن ثابت اس میں شامل تھے (کنز العمال بحوالہ ابن سعد ج ۳ ص ۱۳۴)۔ مجلس کے انعقاد کا یہ طریقہ تھا کہ پہلے ایک منادی اعلان کرتا تھا کہ ''الصلوۃ جامعۃ'' سب لوگ نماز کے لئے جمع ہو جائیں۔ جب لوگ جمع ہو جاتے تھے تو حضرت عمرؓ مسجدِ نبوی میں جا کر دو رکعت نماز پڑھتے تھے۔ نماز کے بعد منبر پر چڑھ کر خطبہ دیتے تھے اور بحث طلب امر پیش کیا جاتا۔

(تاریخ طبری ص ۲۵۷۴)

مجلس شوریٰ کے جلسے

معمولی اور روزمرہ کے کاروبار میں اس مجلس کے فیصلے کافی سمجھے جاتے تھے۔ لیکن جب کوئی امر اہم پیش آتا تھا تو مہاجرین اور انصار کا اجلاس عام ہوتا تھا اور سب کے اتفاق سے وہ امر طے پاتا تھا مثلاً عراق وشام کے فتح ہونے پر جب بعض صحابہ نے اصرار کیا کہ تمام مفتوحہ مقامات فوج کی جاگیر میں دے دیئے جائیں تو بہت بڑی مجلس منعقد ہوئی جس میں تمام قدمائے مہاجرین اور انصار

میں سے عام لوگوں کے علاوہ دس بڑے بڑے سردار جو تمام قوم میں ممتاز تھے۔ اور جن سے پانچ شخص قبیلہ اوس اور پانچ قبیلہ خزرج کے تھے۔ شریک ہوئے کئی دن تک اس مجلس کے جلسے رہے اور نہایت آزادی و بے باکی سے لوگوں نے تقریریں کیں۔ اس موقع پر حضرت عمرؓ نے جو تقریر کی (یہ تمام تفصیل کتاب الخراج قاضی ابو یوسف صفحہ ۱۴، ۱۵) میں ہے اس کے جستہ جستہ فقرے ہم اس لحاظ سے نقل کرتے ہیں کہ اس سے منصب خلافت کی حقیقت اور خلیفہ وقت کے اختیارات کا اندازہ ہوتا ہے۔

انی لم از عجکم الا لان تشرکوا فی امانتی فیما حملت من امورکم فانی واحد کا حدکم ولست اریدان تتبعوا ھذا الذی ھوای (کتاب الخراج قاضی ابو یوسف ص ۱۴، ۱۵)

۲۱ھ میں جب نہاوند کا سخت معرکہ پیش آیا اور عجمیوں نے اس سروسامان سے تیاری کی کہ لوگوں کے نزدیک خود خلیفہ وقت کا اس مہم پر جانا ضروری ٹھہرا تو بہت بڑی مجلس شوریٰ منعقد ہوئی۔ حضرت عثمانؓ، طلحہؓ بن عبداللہ، زبیر بن العوام، عبدالرحمنؓ بن عوف وغیرہ نے باری باری کھڑے ہو کر تقریریں کیں اور کہا کہ آپ کا خود موقع جنگ پر جانا مناسب نہیں پھر حضرت علیؓ کھڑے ہوئے اور ان لوگوں کی تائید میں تقریر کی۔ غرض کثرت رائے سے یہی فیصلہ ہوا کہ خود حضرت عمرؓ موقع جنگ پر نہ جائیں۔

اسی طرح فوج کی تنخواہ، دفتر کی ترتیب عمّال کا تقرر، غیر قوموں کو تجارت کی آزادی اور ان پر محصول کی تشخیص، اس قسم کے بہت سے معاملات ہیں جن کی نسبت تاریخوں میں تصریح مذکور ہے کہ مجلس شوریٰ میں پیش ہو کر طے پائے۔ ان امور کے پیش ہونے کے وقت ارکانِ مجلس نے جو تقریریں کیں وہ بھی تاریخوں میں مذکور ہیں۔

مجلسِ شوریٰ کا انعقاد اور اہل الرائے کی مشورت، استحسان وتبرع کے طور نہ تھی بلکہ حضرت عمرؓ نے مختلف موقعوں پر صاف صاف فرما دیا تھا کہ مشورے بغیر خلافت سرے سے جائز ہی نہیں ان کے خاص الفاظ یہ ہیں۔ **لاخلافة الاعن مشورة۔** (کنز العمال بحوالہ مصنف بن ابی شیبہ جلد ۳ ص ۱۳۹)

ایک اور مجلس

مجلس شوریٰ کا اجلاس اکثر خاص ضرورتوں کے پیش آنے کے وقت ہوتا تھا۔ لیکن اس کے علاوہ ایک اور مجلس تھی جہاں روزانہ انتظامات اور ضروریات پر گفتگو ہوتی تھی۔ یہ مجلس ہمیشہ مسجدِ نبوی میں منعقد

ہوتی تھی اور صرف مہاجرین صحابہ اس میں شریک ہوتے تھے۔ صوبجات اور اضلاع کی روزانہ خبریں جو دربارِ خلافت میں پہنچتی تھیں۔ حضرت عمرانؓ کو اس مجلس میں بیان کرتے تھے اور کوئی بحث طلب امر ہوتا تھا تو اس میں لوگوں سے استصواب کیا جاتا تھا۔ مجوسیوں پر جزیہ مقرر کرنے کا مسئلہ اوّل اسی مجلس میں پیش ہوا تھا۔ مورخ بلاذری نے اس مجلس کا حال ضمنی تذکرے میں ان الفاظ میں لکھا ہے۔

كان للمهاجرين مجلس فی المسجد فكان عمر يجلس معهم فيه ويخد ثهم عماينتهی اليه من امرالافاق فقال يوما ما ادری كيف اصنع با المجوس۔

عام رعایا کی مداخلت

مجلس شوریٰ کے ارکان کے علاوہ، عام رعایا کو انتظامی امور میں مداخلت حاصل تھی۔ صوبجات اور اضلاع کے حاکم اکثر رعایا کی مرضی سے مقرر کئے جاتے تھے بلکہ بعض اوقات بالکل انتخاب کا طریقہِ عمل میں آتا تھا۔ کوفہ، بصرہ اور شام میں عمالِ خراج مقرر کئے جانے لگے تو حضرت عمرؓ نے ان تینوں صوبوں میں احکام بھیجے کہ وہاں کے لوگ اپنی اپنی پسند سے ایک ایک شخص انتخاب کر کے بھیجیں جو ان کے نزدیک تمام لوگوں سے زیادہ دیانت دار اور قابل ہو۔ چنانچہ کوفہ سے حضرت عثمانؓ بن فرقد، بصرہ سے حجاج بن علاط، شام سے معنؓ بن یزید کو لوگوں نے منتخب کر کے بھیجا اور حضرت عمرؓ نے انہیں لوگوں کو ان مقامات کا حاکم مقرر کیا۔ قاضی ابو یوسفؒ صاحب نے اس واقعہ کو جن الفاظ میں بیان کیا ہے وہ یہ ہیں۔

كتب عمر بن الخطاب الی اهل الكوفة يبعثون اليه رجلا من اخير هم واصلحهم والی اهل البصرة كذلك والی اهل الشام كذلك قال فبعث اليه اهل الكوفة عثمان بن فرقد وبعث اليه اهل الشام معن بن يزيدبعث اليه اهل البصرة الحجاج بن علاط كلهم سلميون قال فاستعمل كل واحد منهم علىٰ خراج ارضه۔ (كتاب الخراج ص ٦٤)

سعدؓ بن ابی وقاص بہت بڑے رتبے کے صحابی اور نوشیروانی پائے تخت کے فاتح تھے۔ حضرت عمرؓ نے

ان کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا تھا۔ لیکن جب لوگوں نے ان کی شکایت کی تو معزول کر دیا۔

حکومت جمہوری کا ایک بہت بڑا اصول یہ ہے کہ ہر شخص کو اپنے حقوق اور اغراض کی حفاظت کا پورا اختیار اور موقع دیا جائے۔ حضرت عمرؓ کی حکومت میں ہر شخص کو نہایت آزادی کے ساتھ یہ موقع حاصل تھا اور لوگ اعلانیہ اپنے حقوق کا اظہار کرتے تھے۔ اضلاع سے قریباً ہر سال سفارتیں آتی تھیں جن کو وفد کہتے تھے۔ اس سفارت کا صرف یہ مقصد ہوتا تھا کہ دربارِ خلافت کو ہر قسم کے حالات اور شکایات سے مطلع کیا جائے اور دادرسی چاہی جائے۔ حضرت عمرؓ نے خود بار بار مختلف موقعوں پر اس حق کا اعلان کر دیا تھا یہاں تک کہ خاص اس کے لئے مجمع عام میں خطبہ پڑھا، ان فرمانوں میں تصریح کی اور ایک دفعہ تمام عمالانِ سلطنت کو حج کے مجمع عام میں طلب کر کے اس کا اعلان کیا۔ چنانچہ اس کی پوری تفصیل عمالوں کے بیان میں آئے گی۔

خلیفہ کا عام حقوق میں سب کے ساتھ مساوی ہونا

حکومتِ جمہوری کا اصل زیور یہ ہے کہ بادشاہ ہر قسم کے حقوق میں عام آدمیوں کے ساتھ برابری رکھتا ہو یعنی کسی قانون کے اثر سے مستثنیٰ نہ ہو، ملک کی آمدنی میں سے ضروریاتِ زندگی سے زیادہ نہ لے سکے۔ عام معاشرت میں اس کی حاکمانہ حیثیت کا کچھ لحاظ نہ کیا جائے، اس کے اختیارات محدود ہوں ہر شخص کو اس پر نقطہ چینی کا حق حاصل ہو یہ تمام امور حضرت عمرؓ کی خلافت میں اس درجے تک پہنچے تھے کہ اس سے زیادہ ممکن نہ تھا اور جو کچھ ہوا تھا خود حضرت عمرؓ کے طریقِ عمل کی بدولت ہوا تھا۔ انہوں نے متعدد موقعوں پر ظاہر کر دیا تھا کہ حکومت کے لحاظ سے ان کی کیا حیثیت ہے اور ان کے کیا اختیارات ہیں؟ ایک موقع پر انہوں نے اس کے متعلق جو تقریر کی تھی اس کے بعض بعض فقرے اس موقع پر لکھنے کے قابل ہیں۔

انما انا ومالکم کولی الیتیم ان استغنیت استعففت وان افتقرت اکلت بالمعروف ولکم علی ایهاالناس خصال فخذولی بها۔ لکم علی ان لا اجتبی شیئا من خراجکم ولا مماافاء الله علیکم الامن وجهه ولکم علیّ اذاوقع فی یدی

ان لایخرج منی الا فی حقه و لکم علی ان لا ازید نی اعطیاتکم واسد ثغورکم ولکم علی ان لاالقیکم فی المهالك.(کتاب الخراج ص ٦٧)

(ترجمہ) مجھ کو تمہارے مال (یعنی بیت المال میں اس قدر حق ہے جتنا یتیم کے مال میں)۔اگر میں دولت مند ہوں گا تو کچھ نہ لوں گا اور ضرورت پڑے گی تو دستور کے موافق کھانے کے لئے لوں گا۔ صاحبو! میرے اوپر تم لوگوں کے متعدد حقوق ہیں جس کا تم کو مجھ سے مواخذہ ادا کرنا چاہئیے ایک یہ کہ ملک کا خراج اور مال غنیمت آئے تو بے جا طور سے جمع نہ کیا جائے۔ایک یہ کہ جب میرے ہاتھ میں خراج اور غنیمت آئے تو بے جا طور سے خرچ نہ ہونے پائے۔ایک یہ کہ میں تمہارے روزینے بڑھاؤں اور سرحدوں کو محفوظ رکھوں ایک یہ کہ تم کو خطروں میں نہ ڈالوں۔

"ایک اور موقع پر ایک شخص نے کئی بار حضرت عمرؓ کو مخاطب کر کے کہا کہ اتق اللہ یا عمر یعنی اے عمر اللہ سے ڈر۔حاضرین میں سے ایک شخص نے اس کو روکا اور کہا کہ بس بہت ہوا۔حضرت عمرؓ نے فرمایا۔نہیں کہنے دو۔اگر یہ لوگ نہ کہیں تو یہ بے مصرف ہیں۔ہم لوگ نہ مانیں تو ہم۔(دیکھو کتاب الخراج ص ٦٧) ان باتوں کا یہ اثر تھا کہ خلافت اور حکومت کے اختیارات اور حدود تمام لوگوں پر ظاہر ہو گئے تھے۔اور شخصی شوکت اقتدار کا تصور دلوں سے جاتا رہا تھا۔معاذ بن جبل نے رومیوں کی سفارت میں حضرت عمرؓ کی خلافت کے متعلق جو تقریر کی تھی وہ درحقیقت حکومتِ جمہوری کی اصلی تصویر ہے اور حکومتِ جمہوری کی حقیقت آج بھی اس سے واضح تر اور صحیح تر نہیں بیان کی جا سکتی۔

حضرت عمر کی جوہر شناسی

صوبجات اور اضلاع کی تقسیم کے بعد سب سے مقدم جو چیز تھی ملکی عہدہ داروں کا انتخاب اور ان کی کاروائی کا دستور العمل بنانا تھا۔کوئی فرمانروا کتنا ہی بیدار مغز اور کوئی قانون کتنا ہی مکمل کیوں نہ ہو لیکن جب تک حکومت کے اعضاء و جوارح یعنی عہدہ داران ملکی قابل لائق راست باز اور متدین نہ ہوں اور ان سے نہایت بیدار مغزی کے ساتھ کام نہ لیا جائے ملک کو کبھی ترقی نہیں ہو سکتی۔حضرت عمرؓ نے اس باب میں جس نکتہ رسی اور تدبر و سیاست سے کام لیا، انصاف یہ ہے کہ تاریخ عالم کے ہزاروں

ورق الٹ کر بھی اس کی نظیر نہیں ملتی۔اس مرحلے میں اس بات سے بڑی مدد ملتی ہے کہ ان کی طبیعت شروع سے جوہر شناس واقع ہوئی تھی۔یعنی جس شخص میں جس کی قابلیت ہوتی تھی وہ اس کی تہہ کو پہنچ جاتے تھے۔اس کے ساتھ انہوں نے ملک کے تمام قابل آدمیوں سے واقفیت بہم پہنچائی تھی، یہی بات تھی کہ انہوں نے جس شخص کو جو کام دیا اس کے انجام دینے کے لئے اس سے بڑھ کر آدمی نہیں مل سکتا تھا۔عرب میں چار شخص تھے جن کو دہاۃ العرب کہا جاتا تھا یعنی جو فن سیاست و تدبیر میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔امیر معاویہ، عمرو بن العاص، مغیرۃ بن شعبہ، زیاد بن سمیۃ (اسد الغابہ تذکرہ مغیرہ بن شعبہ جلد ۵، ص ۲۶۱) حضرت عمر نے زیاد کے سوا تینوں کو بڑے بڑے ملکی عہدے دیئے۔اور چونکہ یہ لوگ صاحب ادعا بھی تھے اس لئے اس طرح ان پر قابو رکھا کہ کبھی کوئی کسی قسم کی خودسری نہ کرنے پائے۔زیاد ان کے زمانے میں شانزدہ سالہ نوجوان تھا۔اس لئے اس کو کوئی بڑا عہدہ نہیں دیا۔لیکن اس کی قابلیت اور استعداد کی بناء پر ابو موسیٰ اشعری کو لکھا کہ کاروبار حکومت میں اس کو مشیر بنائیں۔فن حرب میں عمرو معدی کرب اور طلیحہ بن خالد نہایت ممتاز تھے لیکن تدبیر و سیاست میں ان کو دخل نہ تھا۔حضرت عمرؓ نے اُن دونوں کو نعمان بن مقرن کی ماتحتی میں عراق کی فتوحات پر مامور کیا لیکن نعمان کو لکھ بھیجا کہ ان کو کسی صیغے کی افسری نہ دینا کیوں کہ ہر شخص صرف اپنا فن خوب جانتا ہے (استیعاب قاضی ابن عبدالبر و طبری ص ۲۶۱۷)۔

عبداللہ بن ارقم ایک معزز صحابی تھے۔ایک دفعہ رسول ﷺ کے پاس کہیں سے ایک جواب طلب تحریر آئی۔آپ نے فرمایا کہ اس کا جواب کون لکھے گا؟ عبداللہ بن ارقم نے عرض کی کہ "میں" یہ کہہ کر آپؓ خود اپنی طبیعت سے جواب لکھ کر لائے۔آنحضرت ﷺ نے سنا تو نہایت پسند آیا۔حضرت عمر بھی موجود تھے۔ان کی اس قابلیت پر اُن کو خاص خیال ہوا اور جیسا کہ علامہ ابن الاثیر وغیرہ نے لکھا ہے ان کی اس قابلیت کا اثر اُن کے دل میں ہمیشہ قائم رہا یہاں تک کہ جب خلیفہ ہوئے تو ان کو میر منشی مقرر کیا۔نہاوند کی عظیم الشان مہم کے لئے جب مجلس شوریٰ کا عام اجلاس ہوا اور حضرت عمر نے رائے طلب کی اس مہم پر کون بھیجا جائے؟ تو تمام مجمع نے باتفاق کہا کہ آپ کو جو واقفیت ہے اور آپ

نے ایک ایک کی قابلیت کا جس طرح اندازہ کیا ہے کسی نے نہ کیا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے نعمان بن مقرن کا نام لیا اور سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ یہ انتخاب بالکل بجا ہے۔ عمار بن یاسر بڑے رتبے کے صحابی تھے۔ اور زہد و تقدس میں بے نظیر تھے لیکن سیاست و تدبیر سے آشنا نہ تھے۔ قبولیت عام اور بعض مصلحتوں کے لحاظ سے حضرت عمرؓ نے ان کو کوفہ کا حاکم مقرر کیا لیکن چند روز کے بعد جب ان سے کام چل نہ سکا معزول کر دیا اور ان کے طرف داروں کو دکھا دیا کہ وہ اس کام کے لئے موزوں نہ تھے اس قسم کی سینکڑوں مثالیں ہیں جن کا استقصاء نہیں کیا جا سکتا۔ کسی شخص کو شوق ہو تو رجال کی کتابوں سے عرب کے تمام لائق آدمیوں کا پتہ لگائے اور پھر دیکھے کہ حضرت عمرؓ نے ان پرزوں کو حکومت کی کل میں کیسے مناسب موقعوں لگایا تھا۔

تاہم اتنا بڑا کام ایک شخص کی ذمہ داری پر چھوڑا نہیں جا سکتا اس لئے حضرت عمرؓ نے مجلس شوری منعقد کی اور صحابہ سے خطاب کر کے کہا کہ۔ اگر آپ لوگ میری مدد نہ کریں گے تو کون کرے گا۔ (کتاب الخراج ص ۶۵۔ اصل عبارت یہ ہے۔ **ان عمر بن الخطاب دعا اصحاب رسول الله فقال اذالم تعینونی فمن یعیننی الخ** ۱۲۔ کتاب الخراج ص ۶۴۔)

حضرت ابو ہریرہ نے کہا کہ ہم آپ کو مدد دیں گے۔ لیکن اس وقت ملکی انتظام میں حصہ لینا زہد اور تقدس کے خلاف سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت ابو عبیدہؓ نے فرمایا کہ اے عمر تم رسول اللہ کے اصحاب کو دنیا میں آلودہ کرتے ہو۔ حضرت عمرؓ نے کہا میں ان بزرگوں سے مدد نہ لوں تو کس سے لوں؟ ابو عبیدہؓ نے کہا اگر ایسا ہی ہے تو تنخواہیں بیش قرار مقرر کرو کہ لوگ خیانت کی طرف مائل نہ ہونے پائیں (کتاب الخراج ص ۶۵)

اشاعت اسلام کا طریقہ

اس صیغے کا سب سے بڑا کام اشاعت اسلام تھا۔ اشاعتِ اسلام کے یہ معنی نہیں کہ لوگوں کو تلوار سے مسلمان بنایا جائے۔ حضرت عمرؓ اس طریقہ کے بالکل خلاف تھے اور جو شخص قرآن مجید کی اس آیت لا اکراہ فی الدین پر بلا تاویل عمل کرنا چاہتا ہے وہ ضرور اس کے خلاف ہو گا۔ حضرت عمرؓ نے

خود ایک موقع پر یعنی ان کا غلام باوجود ہدایت وترغیب کے اسلام نہ لایا تو فرمایا کہ **لااکراہ فی الدین** (یہ روایت طبقات بن سعد میں موجود ہے۔ دیکھو کنز العمال ج پنجم ص ۴۹ مطبوعہ حیدر آباد)

اشاعت اسلام کے معنی یہ ہیں کہ تمام دنیا کو اسلام کی دعوت دی جائے اور لوگوں کو اسلام کے اصول اور مسائل سمجھا کر اسلام کی طرف راغب کیا جاوے۔

حضرت عمرؓ جس ملک پر فوجیں بھیجتے تھے تاکید کرتے تھے کہ پہلے ان لوگوں کو اسلام کی ترغیب دلائی جائے اور اسلام کے اصول وعقائد سمجھائے جائیں چنانچہ فاتح ایران سعدؓ وقاص کو جو خط لکھا اس میں یہ الفاظ تھے **وقد كنت امرتك ان تدعوا من لقيت الى الاسلام قبل القتال** : قاضی ابو یوسف صاحب نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کا معمول تھا کہ جب ان کے پاس کوئی فوج مہیا ہوتی تھی تو ان پر ایسا افسر مقرر کرتے تھے جو صاحبِ علم اور صاحبِ فقہ ہوتا تھا (کتاب الخراج ص ۱۲۰) یہ ظاہر ہے کہ فوجی افسروں کے لئے علم وفقہ کی ضرورت اسی تبلیغِ اسلام کی ضرورت سے تھی۔ شام وعراق کی فتوحات میں تم نے پڑھا ہوگا کہ ایرانیوں اور عیسائیوں کے پاس جو سفارتیں گئیں۔ انہوں نے کس خوبی اور صفائی سے اسلام کے اصول وعقائد ان کے سامنے بیان کئے۔

اشاعتِ اسلام کی سب سے بڑی تدبیر یہ ہے کہ غیر قوموں کو اسلام کا جو نمونہ دکھلایا جائے وہ ایسا ہو کہ خود بخود لوگوں کے دل اسلام کی طرف کھنچ آئیں۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں نہایت کثرت سے اسلام پھیلا اور اس کی بڑی وجہ یہی تھی کہ انہوں نے اپنی تربیت اور ارشاد سے تمام مسلمانوں کو اسلام کا اصلی نمونہ بنا دیا تھا۔ اسلامی فوجیں جس ملک میں جاتی تھیں لوگوں کو خواہ مخواہ ان کے دیکھنے کا شوق پیدا ہوتا تھا۔ کیونکہ چند بادیہ نشینوں کا دنیا کی تسخیر کو اُٹھنا حیرت اور استعجاب سے خالی نہ تھا۔ اس طرح جب لوگوں کو ان کے دیکھنے اور ان سے ملنے جلنے کا اتفاق ہوتا تھا تو ایک ایک مسلمان سچائی، سادگی، پاکیزگی، جوش اور اخلاص کی تصویر نظر آتا تھا۔ یہ چیزیں خود بخود لوگوں کو کھینچتی تھیں اور اسلام ان میں گھر کرتا جاتا تھا۔ شام کے واقعات میں تم نے پڑھا ہوگا کہ رومیوں کا سفیر جارج، ابوعبیدہؓ کی فوج میں جا کر کس اثر سے متاثر ہوا اور کس طرح دفعتہً قوم اور خاندان سے الگ ہو کر مسلمان ہو گیا۔ شطا جو

مصر کی حکومت کا ایک بڑا رئیس تھا۔ مسلمانوں کے حالات ہی سن کر اسلام کا گرویدہ ہوا اور آخر دو ہزار آدمیوں کے ساتھ مسلمان ہو گیا (تاریخ مقریزی ص ۲۲۶ میں ہے:۔

فخرج شطا فی الفین من اصحابه ولحق بالمسلمین وقد کان قبل ذلك یحب الخیر و یمیل الی ما یسمعه من سیرة اهل الاسلام)

اشاعتِ اسلام کے اسباب

اسلامی فتوحات کی بوالعجبی نے بھی اس خیال کو قوت دی۔ یہ واقعہ کہ چند صحرانشینوں کے آگے بڑی بڑی قدیم اور پُر زور قوموں کا قدم اُکھڑتا جاتا ہے، خوش اعتقاد قوموں کے دل میں خود بخود یہ خیال پیدا کرتا تھا کہ اس گروہ کے ساتھ تائید آسمانی ہے۔ یزدگرد شہنشاہِ فارس نے جب خاقانِ چین کے پاس استمداد کی غرض سے سفارت بھیجی تو خاقان نے اسلامی فوج کے حالات دریافت کئے اور حالات سن کر یہ کہا کہ ایسی قوم سے مقابلہ کرنا بے فائدہ ہے۔ فارس کے معرکہ میں جب پارسیوں کا ایک مشہور بہادر بھاگ نکلا اور سردار فوج نے اس کو گرفتار کر کے بھاگنے کی سزا دینی چاہی۔ تو اس نے ایک بڑے پتھر کو تیر سے توڑ کر کہا کہ یہ تیر بھی جن لوگوں پر اثر نہیں کرتے خدا ان کے ساتھ ہے اور ان سے لڑنا بے کار ہے (طبری واقعات جنگ فارس) ابورجاء فارسی کے دادا کا بیان ہے کہ قادسیہ کی لڑائی میں حاضر تھا اور اس وقت تک میں مجوسی تھا۔ عربوں نے جب تیر اندازی شروع کی تو ہم نے تیروں کو دیکھ کر کہا ''تکلے'' ہیں لیکن انہی تکلوں نے ہماری سلطنت برباد کر دی ہے۔ مصر پر جب حملہ ہوا تو سکندریہ کے بشپ نے قبطیوں کو لکھا کہ رومیوں کی سلطنت ختم ہو چکی اب تم مسلمانوں سے مل جاؤ۔ (مقریزی ج ۱ ص ۲۸۹)

ان باتوں کے ساتھ اور اسباب بھی اسلام کے پھیلنے کا سبب ہوئے۔ عرب کے قبائل جو عراق اور شام میں آباد تھے اور عیسائی ہو گئے تھے۔ فطرۃً جس قدر ان کا میلان ایک عربی نبی ﷺ کی طرف ہو سکتا تھا کسی دوسری قوم کی طرف نہیں ہو سکتا تھا، چنانچہ جس قدر زمانہ گزرتا گیا وہ اسلام کے حلقے میں آتے گئے۔ یہی بات ہے کہ اس عہد کے نومسلم جس قدر عرب تھے اور قومیں نہ تھیں۔ ایک وجہ یہ

بھی تھی کہ بعض بڑے بڑے پیشوائے مذہبی مسلمان ہو گئے تھے مثلاً دمشق جب فتح ہوا تو وہاں کا بشپ جس کا نام ادرکون تھا۔ حضرت خالدؓ کے ہاتھ پر اسلام لایا (معجم لبلدان ذکر قنطرہ سنمان۔ فتوح البلدان ص ۲۶۵)۔ ایک پیشوائے مذہب کے مسلمان ہونے سے اس کے پیروؤں کو خواہ مخواہ اسلام کی طرف رغبت ہوئی ہوگی۔

ان مختلف اسباب سے نہایت کثرت کے ساتھ لوگ اسلام لائے۔ افسوس ہے کہ ہمارے مورخین نے کسی موقع پر اس واقعہ کو مستقل عنوان سے نہیں لکھا جس کی وجہ سے ہم تعداد کا اندازہ نہیں بتا سکتے۔

مختلف الانواع فضائل ایک شخص میں جمع دیکھے

قانون فطرت کے نکتہ شناس جانتے ہیں کہ فضائل انسانی کی مختلف انواع ہیں اور ہر فضیلت کا جدا راستہ ہے۔ ممکن بلکہ کثیر الواقع ہے کہ ایک شخص ایک فضیلت کے لحاظ سے تمام دنیا میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔ لیکن اور فضائل سے اس کو بہت کم حصہ ملا تھا۔ سکندر سب سے بڑا فاتح تھا لیکن حکیم نہ تھا، ارسطو حکیم تھا لیکن کشورستان نہ تھا بڑے بڑے کمالات ایک طرف۔ چھوٹی چھوٹی فضیلتیں بھی ایک شخص میں مشکل سے پیدا ہوتی ہیں۔ بہت سے نامور گزرے ہیں جو بہادر تھے لیکن پاکیزہ اخلاق نہ تھے، بہت سے پاکیزہ اخلاق تھے لیکن صاحب تدبیر نہ تھے، بہت سے دونوں کے جامع تھے لیکن علم و فضل سے بے بہرہ تھے۔

اب حضرت عمرؓ کے حالات اور ان کی مختلف حیثیتوں پر نظر ڈالو، صاف نظر آئے گا کہ وہ سکندر بھی تھے اور ارسطو بھی تھے مسیح بھی تھے اور سلیمان بھی تھے، تیمور بھی تھے اور نوشیرواں بھی، امام ابو حنیفہ بھیؒ تھے اور ابراہیم ادھمؒ بھی۔

سب سے پہلے حکمرانی اور کشورستانی کی حیثیت سامنے کرلو۔ دنیا میں جس قدر حکمران گذرے ہیں، ہر ایک کی حکومت کی تہہ میں کوئی نہ کوئی مشہور مدبر یا سپہ سالار مخفی تھا۔ یہاں تک کہ اگر اتفاق سے وہ مدبر یا سپہ سالار نہ رہا تو دفعتاً فتوحات رک گئیں یا نظام حکومت کا ڈھانچہ بگڑ گیا۔
سکندر ہر موقع پر ارسطو کی ہدایتوں کا سہارا لے کر چلتا تھا۔ اکبر کے پردے میں ابوالفضل اور ٹوڈرمل کام کرتے تھے۔ عباسیہ کی عظمت و شان برامکہ کے دم سے تھی لیکن حضرت عمرؓ کو صرف اپنے دست

بازو کابل تھا حضرت خالدؓ کی عجیب وغریب معرکہ آرائیوں کو دیکھ کر لوگوں کو خیال پیدا ہو گیا تھا کہ فتح و ظفر کی کلید انہی کے ہاتھ میں ہے لیکن جب حضرت عمرؓ نے ان کو معزول کر دیا تو کسی کو احساس تک نہ ہوا کہ کل میں سے کون سا پرزہ نکل گیا ہے۔ سعد بن ابی وقاصؓ بن ابی فاتح ایران کی نسبت بھی لوگوں کو اسی قسم کا وہم پیدا ہو چلا تھا۔ وہ بھی الگ کر دیئے گئے اور کسی کے کان پر جوں بھی نہ رینگی۔ یہ سچ ہے کہ حضرت عمرؓ خود سارا کام نہیں کرتے تھے اور نہ کر سکتے تھے۔ لیکن جن لوگوں سے کام لیتے تھے ان میں سے کسی کے پابند نہ تھے وہ حکومت کی کل کو اس طرح چلاتے تھے کہ جس پرزے کو جہاں سے چاہا نکال لیا اور یہاں چاہا لگا دیا۔ مصلحت ہوئی تو کسی پرزے کو سرے سے نکال دیا اور ضرورت ہوئی تو نئے پرزے تیار کر لئے۔

دنیا میں کوئی ایسا حکمران نہیں گزرا جس کو ملکی ضرورتوں کی وجہ سے، عدل وانصاف کی حدود سے تجاوز نہ کرنا پڑا۔ نوشیرواں کو زمانہ عدل وانصاف کا پیغمبر تسلیم کرتا ہے لیکن اس کا دامن بھی اس داغ سے پاک نہیں۔ بخلاف اس کے حضرت عمرؓ کے تمام واقعات کو چھان ڈالو۔ اس قسم کی ایک نظیر بھی نہیں مل سکتی۔ دنیا کے اور مشہور سلاطین جن ممالک میں پیدا ہوئے، وہاں مدت سے حکومت کے قواعد اور آئین قائم تھے۔ اور اس لئے ان سلاطین کو کوئی نئی بنیاد نہیں قائم کرنی پڑی تھی۔ قدیم انتظامات یا خود کافی ہوتے تھے یا کچھ اضافہ کرنا پڑتا تھا۔ بخلاف اس کے حضرت عمرؓ جس خاک سے پیدا ہوئے وہ ان چیزوں کے نام سے آشنا نہ تھی۔ خود حضرت عمرؓ نے ۴۰ برس تک حکومت وسلطنت کا خواب بھی نہیں دیکھا تھا اور آغاز شباب تو اونٹوں کے چرانے میں گزرا تھا۔ ان حالات کے ساتھ ایک وسیع مملکت قائم کرنی اور ہر قسم کے ملکی انتظامات مثلاً تقسیم صوبجات و اضلاع انتظام محاصل، صیغۂ عدالت، فوجداری اور پولیس، پبلک ورکس، تعلیمات، صیغہ فوج کو اس قدر ترقی دینی اور ان کے اصول اور ضابطے مقرر کرنے حضرت عمرؓ کے سوا اور کس کا کام ہو سکتا تھا؟

تمام دنیا کی تاریخ میں کوئی ایسا حکمران دکھا سکتے ہو؟ جس کی معاشرت یہ ہو کہ قمیص میں دس دس پیوند لگے ہوں، کاندھے پر مشک رکھ کر غریب عورتوں کے ہاں پانی بھر آتا ہو۔ فرشِ خاک پر پڑا رہتا رہتا ہو، بازاروں میں پڑا پھرتا ہو جہاں جاتا ہو جریدہ تنہا جاتا ہو، اونٹوں کے بدن پر اپنے ہاتھ سے تیل ملتا ہو۔ درودربار نقیب وچاؤش، حشم وخدم کے نام سے آشنا نہ ہو، اور پھر یہ رعب وداب ہو کہ عرب و

عجم اس کے نام سے لرزتے ہوں۔اور جس طرف رُخ کرتا ہوز مین دہل جاتی ہو۔سکندر و تیمور تیس تیس ہزار فوج رکاب میں لے کر نکلتے تھے، جب ان کا رعب قائم ہوتا تھا۔عمر فاروق ؓ کے سفر شام میں آپ کے ساتھ سواری کے ایک اونٹ کے سوا اور کچھ نہ تھا لیکن چاروں طرف غل پڑا ہوا تھا کہ مرکزِ عالم جنبش میں آ گیا ہے۔

اب علمی حیثیت پر نظر ڈالو۔صحابہ میں سے جن لوگوں نے خاص اس کام کو لیا تھا وہ رات دن اسی شغل میں بسر کرتے تھے مثلاً حضرت عبداللہ بن عباسؓ، زید بن ثابتؓ، ابو ہریرہؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن مسعودؓ۔ان کے مسائل اور اجتہادات کا حضرت عمر کے مسائل اور اجتہادات سے موازنہ کرو صاف مجتہد و مقلد کا فرق نظر آئے گا۔زمانہ مابعد میں اسلامی علوم نے بے انتہا ترقی کی اور بڑے بڑے مجتہدین اور ائمہ فن پیدا ہوئے مثلاً امام ابوحنیفہؒ، شافعی بخاریؒ، غزالیؒ، رازیؒ لیکن انصاف سے دیکھو حضرت عمرؓ نے جس باب میں جو کچھ ارشاد فرمایا اس پر کچھ اضافہ ہو سکا؟ مسئلہ قضا و قدر تعظیم شعائر اللہ، حیثیت نبوت، احکام شریعت کا عقلی یا نقلی ہونا۔احادیث کا درجہ اعتبار۔خبر احاد کی قابلیتِ احتجاج۔احکام خمس و غنیمت۔یہ مسائل شروع اسلام سے آج تک معرکہ آرا رہے ہیں۔اور ائمہ فن نے ان کے متعلق ذہانت و طباعی کا کوئی دقیقہ نہیں اُٹھا رکھا لیکن انصاف کی نگاہ سے دیکھو حضرت عمرؓ نے ان مسائل کو جس طرح حل کیا تھا تحقیق کا ایک قدم بھی اس سے آگے بڑھ سکا؟ تمام ائمہ فن نے یا ان کی پیروی کی یا انحرف کیا تو علانیہ غلطی کی۔

اخلاق کے لحاظ سے دیکھو تو انبیاء کے سوا اور کون شخص اُن کا ہم پایہ مل سکتا تھا؟ کیا لقمانؒ، ابراہیم ادہمؒ، ابوبکر شبلیؒ، معروف کرخیؒ میں یہ اس سے بڑھ کر پائے جا سکتے تھے؟

شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے حضرت عمر کی اس خصوصیت یعنی جامعیت کمالات کو نہایت خوبی سے بیان کیا ہے۔وہ تحریر فرماتے ہیں:

''سینہ فاروق اعظمؓ رابمنز لہ خانہ تصور کن کہ درہائے مختلف دارد۔در ہر درزے صاحب کمالے نشستہ در یک در مثلاً سکندر ذوالقرنین باآں ہمہ سلیقہ ملک گیری و جہان ستانی و جمع جیوش و برہم زدن اعداء و در در دیگر نوشیروانے باآں ہمہ رفق ولین و رعیت پروری و دادگستری (اگرچہ ذکر نوشیرواں در مبحث فضائل

حضرت فاروق ؓ سوادب ست) و در درِ دیگر امام ابوحنیفہ یا امام مالک باآں ہمہ قیام بہ علم فتوے و احکام و در درِ دیگر مرشدے مثل سید عبدالقادر جیلانی ؒ یا خواجہ بہاؤ الدین ؒ و در درِ دیگر محدثے بروزن ابو ہریرہ ؓ و ابن عمرؓ، و در درِ دیگر حکیمے مانند مولانا جلال الدین رومی یا شیخ فرید الدین عطارؒ و مردمان گرداگرد این خانہ ایستادہ اند۔ و ہر محتاجے حاجت خود را از صاحب فن درخواست ے نماید کامیاب می گردد۔"

(ترجمہ) فاروق اعظم کے سینہ کو ایک ایسا گھر سمجھو کہ جس کے مختلف دروازے ہوں ہر دروازے پر ایک صاحب کمال بیٹھا ملے گا ایک دروازے پر تم دیکھو گے کہ سکندر ذوالقرنین ملک گیری جہان ستانی لشکروں کو جمع کرنے اور دشمنوں کو گرانے کے پورے سلیقہ سے بیٹھا ہے۔ دوسرے دوازے پر تم نوشیرواں کو پاؤ گے جو اپنی پوری نرمی خیر خواہی، رعیت پروری اور عدل و انصاف کی داد لے رہا ہے (گو نوشیرواں کو حضرت عمرؓ کے فضائل میں بطور مثال لانا حضرت عمرؓ کی بے ادبی ہے) اور ایک دروازے پر امام ابوحنیفہ یا امام مالک علم و فتوے کے پورے تثبت اور احکام شریعت کے پورے انضباط سے جلوہ افروز ہیں۔ اور ایک دروازے پر شیخ عبدالقادر جیلانی ؒ اور خواجہ بہاؤالدین زکریا ملتانی سا مرشد کامل بیٹھا نظر آئے گا ایک دوازے پر آپ کو ابو ہریرہ ؓ اور حضرت عبداللہ بن عمر سے محدث بیٹھے ملیں گے۔ اور ایک دروازے پر مولانا جلال الدین رومی یا شیخ فرید الدین عطار جیسے حکماء امت نظر آئیں گے اور بھی کئی طرح طرح کے اہل کمال اس مکان کے گرداگرد بیٹھے نظر آئیں گے۔ ہر ضرورت مند اپنی اپنی درخواست اس نوع کے صاحب فن کے سامنے لا رہا ہے اور ہر ایک کامیاب واپس لوٹ رہا ہے"۔

(ترجمہ از مرتب عفا اللہ عنہ ۷ انومبر ۱۹۹۸ء)

ایک پوری صدی بعد

حضرت عمرؓ کی اولیات

علامہ شبلی نعمانی

الحمد لله و کفیٰ و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد

ان میں سے اکثر کتاب الاوائل لابی ہلال العسکری اور تاریخ طبری میں یکجا مذکور ہیں باقی جستہ جستہ موقعوں سے یکجا کی گئی ہیں۔

۱۔ مستقل بیت المال یعنی خزانہ قائم کیا۔ ۲۔ عدالتیں قائم کیں اور قاضی مقرر ہوئے۔

۳۔ مسلمانوں کی اپنی تاریخ اور اپنا سنہ قائم کیا جو آج تک جاری ہے اسے حضورؐ کی ہجرت سے شروع کیا

۴۔ امیر المومنین کا لقب اختیار کیا ۵۔ فوجی دفتر ترتیب دیا۔

۶۔ والنٹیروں کی تنخواہیں مقرر کیں۔ ۷۔ دفتر مال قائم کیا۔

۸۔ زمینوں کی پیمائش جاری کی۔ ۹۔ مردم شماری کرائی۔

۱۰۔ نہریں کھدوائیں۔ ۱۱۔ نئے شہر آباد کرائے یعنی کوفہ، بصرہ، جیزہ، فسطاط اور موصل

۱۲۔ ممالک مقبوضہ کو صوبوں میں تقسیم کیا۔ ۱۳۔ دہ عشور یعنی دہ یکی مقرر کی (اس کی تفصیل صیغہ محاصل میں گزر چکی ہے)

۱۴۔ دریا کی پیداوار مثلاً عنبر وغیرہ پر محصول لگایا اور محصل مقرر کیے۔

۱۵۔ حربی تاجروں کو ملک میں آنے اور تجارت کرنے کی اجازت دی۔

۱۶۔ جیل خانہ قائم کیا۔ ۱۷۔ عام تعزیری سزاؤں میں درہ کا استعمال

۱۸۔ راتوں کو گشت کر کے رعایا کے دریافت حال کا طریقہ نکالا۔

۱۹۔ پولیس کا محکمہ قائم کیا۔ ۲۰۔ جا بجا فوجی چھاؤنیاں قائم کیں۔

۲۱۔ گھوڑوں کی نسل میں اصیل اور مجلس کی تمیز قائم کی جو اس وقت عرب میں نہ تھی۔

۲۲۔ پرچہ نویس مقرر کیے۔

۲۳۔ مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تک مسافروں کے آرام کے لئے مکانات بنوائے۔

۲۴۔ راہ میں پڑے ہوئے بچوں کی پرورش اور پرداخت کے لیے روزینے مقرر کئے۔

۲۵۔ مختلف شہروں میں مہمان خانے تعمیر کرائے۔

۲۶۔ یہ قاعدہ قرار دیا کہ اہلِ عرب (گو کافر ہوں) غلام نہیں بنائے جا سکتے۔

۲۷۔ مفلوک الحال عیسائیوں اور یہودیوں کے روزینے مقرر کئے۔

۲۸۔ مکاتب قائم کیے۔ ۲۹۔ معلموں اور مدرسوں کے مشاہرے مقرر کیے۔

۳۰۔ حضرت ابوبکرؓ کو اصرار کے ساتھ قرآن مجید کے یکجا جمع کرنے پر آمادہ کیا اور اپنے اہتمام سے اس کام کو پورا کیا۔

۳۱۔ قانون میں قیاس کا اصول قائم کیا۔ ۳۲۔ فرائض میں عول کا مسئلہ ایجاد کیا۔

۳۳۔ فجر کی اذان میں الصلوٰۃ خیر من النوم کہنے کی تاکید فرمائی (چنانچہ مؤطا امام مالک میں اس کی تفصیل مذکور ہے)

۳۴۔ نماز تراویح پورا مہینہ جماعت سے قائم کی۔

۳۵۔ تین طلاقوں کو جو ایک ساتھ دی جائیں طلاق بائن قرار دیا۔

۳۶۔ شراب کی حد کے لیے اسّی کوڑے مقرر کیے۔

۳۷۔ تجارت کے گھوڑوں پر زکوٰۃ مقرر کی۔

۳۸۔ بنو تغلب پر بجائے جزیہ کے زکوٰۃ مقرر کی۔

۳۹۔ وقف کا طریقہ ایجاد کیا۔

۴۰۔ نماز جنازہ میں چار تکبیروں پر تمام لوگوں کا اجماع کرا دیا۔

۴۱۔ مساجد میں وعظ کا طریقہ قائم کیا۔ تمیم داری نے وعظ کہا یہ اسلام میں پہلا وعظ تھا۔

۴۲۔اماموں اور موذنوں کی تنخواہیں مقرر کیں۔ ۴۳۔مساجد میں راتوں کو روشنی کا انتظام کیا۔

۴۴۔ہجو کہنے پر تعزیر کی سزا قائم کی۔

۴۵۔غزلیہ اشعار میں، عورتوں کے نام لینے سے منع کیا حالانکہ یہ طریقہ عرب میں مدتوں سے جاری تھا۔

ان کے سوا اور بہت سی ان کی اولیات ہیں۔ جن کو ہم طوالت کے خوف سے قلم انداز کرتے ہیں۔

(نوٹ) صبح کی نماز میں دو دفعہ الصلوٰۃ خیر من النوم کہنا حضورؐ سے ثابت ہے سنن ابن ماجہ میں یہ روایت موجود ہے۔ حضور ﷺ نے حضرت ابو محذورہ کو اذان سکھلائی تو اس میں یہ کلمہ کہنا بھی بتلایا حضرت عمر کا اسے اذان میں لازم کرنا صرف یہ بتلانے کے لئے تھا کہ اذان کے بعد کسی کو نماز کے لئے کہنا مکروہ ہے جو کہنا تھا کہا جا چکا۔ بعض لوگ اذان کے بعد بھی لوگوں کو نماز کے لیے جگاتے رہتے ہیں حضرت عمرؓ چاہتے تھے کہ یہ بات اذان میں ہی کہی جائے بعد میں کسی کلمہ سے کسی کو نماز کی طرف لانا مکروہ ہے یہ مطلب نہیں کہ حضرت عمرؓ معاذ اللہ ان کلمات کا موجد تھے۔

اس طرح محدثین کے نزدیک وہی تین طلاق ایک سمجھی جائے گی جو بیوی کو گھر لانے سے پہلے متفرق طور پر دی گئی۔ تین طلاقیں اس میں مراد نہیں۔

امام نسائی نے حضرت ابن عباس کی اس روایت پر باب باندھا ہے:۔

باب طلاق الثلث المتفرقة قبل الدخول بالزوجه

(ترجمہ) متفرق طور پر دی گئی تین طلاقیں جبکہ بیوی ابھی گھر نہ لائی گئی ہو۔

ان ابا الهبا جاء الیٰ ابن عباس فقال یا ابن عباس ترحم تکلم ان الثلث کانت علیٰ عهد رسول الله ﷺ و ابی بکر و صدراً من خلافة عمر رضی الله عنهما ترد الیٰ الواحدة قال نعم (سنن نسائی ۲ ص ۸۳)

ہاں وہ تین طلاقیں بھی پہلے ایک شمار ہوتی تھیں جو ایک پہلی طلاق کے تکرار سے تین ہوں طلاق دینے والے کا ارادہ اس بار نئی طلاق ڈالنا نہ ہو دوسری تیسری طلاق پہلی طلاق کا ہی تکرار ہو ان میں انشاء نہ ہو۔ جب عوام میں صحابہ بہت کم رہ گئے اور گمان ہوتا تھا کہ بعض لوگ غلط بیانی سے انشاء طلاق

کو تکرار کو کہہ دیں تو اس وقت حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اب انہیں نیت بیان کرنے کا موقع نہ دیا جائے تین کو تین انشاء سمجھا جائے گا۔ کوئی صورت بھی ہو حضرت عمرؓ کی عبقری شخصیت سے یہ گمان نہیں کیا جاسکتا کہ معاذ اللہ انہوں نے شریعت میں کوئی ترمیم کی ہو۔

سو علامہ شبلی کی بیان کردہ اولیات میں نمبر ۳۳ اور نمبر ۳۵ اس نوٹ کی روشنی میں پڑھی جائیں۔

نبوت جامعہ کے جامع جانشین درکار تھے

خلفاء راشدین ہی اس معیار پر پورے اترے

علامہ ڈاکٹر خالد محمود

الحمد لله وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ امابعد

جس طرح کی نبوت ہو اسی نہج کی اس کی خلافت ہونی چاہئے اسے خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کہہ سکیں گے آنحضرت ﷺ کی نبوت ایک عام نبوت نہیں یہ نبوت جامعہ ہے جو زندگی کے تمام اہم دوائر کو شامل ہے یہ نبوت اپنے اوصاف میں ایک جامعیت رکھتی ہے یہاں ایک شخص میں پہلی تمام نبوتیں جمع ہیں اور اس کے کئی کمالات ان کے سوا بھی ہیں سو اس پیغمبر کی خلافت میں بھی اس کے جامع النبیین ہونے کی ایک پوری جھلک ہونی چاہئے۔ خلافت علی منہاج النبوۃ ایک تتمہ نبوت کے درجہ میں سمجھنی چاہئے گو اس میں باب وحی پورے طور پر مسدود رہا یہ اصل ہمیشہ ذہن میں رہے کہ خلیفہ جس کی خلافت کرے اس کی ہر بات میں نمائندگی بھی کرے جیسے حضور اکرم ﷺ کی نبوت عام نہیں آپ کی خلافت بھی مطلق خلافت نہیں یہ وہ ریاست عامہ ہے جو دینی عزت اور دنیوی وجاہت دونوں کو شامل ہے اس میں دینی مکارم، دنیا اور آخرت دونوں کو محیط نظر آتے ہیں ہماری یہ ملی دعا اسی نبوت کی آئینہ دار ہے۔

ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنة و فی الاٰخرة حسنة وقنا عذاب النار

کیا اس میں دنیا اور آخرت دونوں میں اچھائی کی طلب مسلمانوں کی زبان پر نہیں اتاری گئی۔ یہی حاصل جامع النبیین کی نبوت اور خلفائے راشدین کی خلافت کا ہے۔

نبوت کی تعریف

النبی انسان بعثه الله لتبلیغ ماانزل الیه من الاحکام

یہ احکام دونوں طرح کے ہیں دنیوی بھی اور اُخروی بھی۔ عیسائیوں نے دین میں صرف آخرت کو سامنے رکھا اور دنیا کے بارے میں جان چھڑانے کی تلقین کی مگر اسلام میں ایسا نہیں۔

کلیسا کی بنیاد رہبانیت تھی — سمائی کہاں اس فقیری میں میری
سیاست نے مذہب سے پیچھا چھڑایا — چلی کچھ نہ پیر کلیسا کی پیری

مطلق نبی وہ ہے جو خدا سے غیب کی خبریں پائے اور ان خبروں کا دوسرے انسانوں میں تسلیم کیا جانا ضروری ہو اگر اسے نئے احکام بھی ملیں تو وہ نبی صاحب شریعۃ جدیدہ نبی ہے اور اگر اسے نئے احکام نہ ملیں اسے پہلی شریعت پر چلنے کا ہی حکم ہو تو پہلی شریعت کے حامل اور عامل ہونے کی جہت سے وہ بھی صاحب شریعت ہے گو اسے نئے احکام نہ ملیں وہ نبی ہے اور قانون الٰہی میں وہ نبی ہے۔ شرعاً وہ نبی کہلائے گا وہ پہلی شریعت پر ہو یا اسے کچھ نئے احکام ملیں وہ مشرع ہے ہر نبی مشرع ہے اور اس کے لئے کوئی نہ کوئی شریعت ضرور ہے وہ نبی ہی کیا جس کے لئے کوئی شریعت نہ ہو بلکہ نبی کے واسطہ سے ہر امت بھی حامل شریعت ہوئی ہے خدا نے ہر امت کا آئین اور اس کا طریق کار اس کے احوال واستعداد کے مطابق رکھا ہے۔ قرآن کریم میں ہے۔

لکل جعلنا منکم شرعة ومنهاجا (پ ٦ ، المائده ٤٨)

(ترجمہ) دی ہم نے تم میں سے ہر ایک کو ایک شریعت اور ایک راہ۔

آنحضرت کی نبوت جامعہ

آنحضرت ﷺ صرف مطلق نبی نہیں ایک خاص درجے کے نبی ہیں آپ جامع النبیین بھی ہیں اور خاتم النبیین بھی اور سید المرسلین بھی ہیں۔

تلك الرسل فضلنا بعضهم علىٰ بعض منهم من كلّم الله (پ ٣ البقره)

(ترجمہ) وہ رسولوں کی جماعت ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ان میں وہ بھی جس سے اللہ نے کلام کیا آنحضرت ﷺ رسول اعظم ہیں اور تمام انبیاء ورسل سے افضل ہیں آپ نے خود فرمایا۔

فضلت على الانبياء بست (رواه مسلم)

آپ نے ان چھ امور میں اپنی ختم نبوت کا بھی ذکر کیا آپ کی ختم نبوت کا اقرار تبھی صحیح ہوگا کہ آپ پر تمام مراتب نبوت کی انتہا مانی جائے اور خاتم النبیین ﷺ کے آنے پر سلسلہ انبیاء یکسر منقطع ہو پائے حضرت خاتم النبیین نے ختم نبوت کو انقطاع سلسلہ نبوت سے بھی تعبیر کیا ہے۔

انقطعت النبوۃ والرسالۃ اور اس انقطاع پر **لا نبی بعدی** کا کلمہ ارشاد فرمایا۔ اس سے لا نبی بعدی کا مضمون اور واضح ہو گیا۔

جامع النبیین کا جامع مرتبہ رسالۃ

آپ تمام نبیوں کے کمالات کے جامع ہو کر مبعوث ہوئے اور آپ دنیا کے ہر آئندہ دور کے لئے نبی اور رسول قرار پائے اور جس طرح موصوف بالعرض کا سلسلہ موصوف بالذات پر ختم ہو جاتا ہے آپ محمد رسول اللہؐ کہلائے کہ اب رسالت اپنے اس مقام پر آ پہنچی جو وصف نبوت سے موصوف بالذات تھا **اللہ یصطفیٰ من الملٰئکۃ رسلاً ومن الناس (پ ۱۷ ، الحج ۷۵)** کے الٰہی عمل کے تحت آپ اپنے اس دور کے لئے عہد کا رسول ٹھہرے۔ یہ دور قیامت تک پھیلا ہے اور اب آئندہ ہر آسمانی رہنمائی کے لئے یہی نبوت کاملہ کافی ہے۔ آپ پر جملہ مراتب نبوت کی انتہا ہونے کے یہی معنی ہیں۔

مناسب ہوگا کہ ہم پہلے کچھ دوسرے انبیاء کی صفات اور ان کے کمالات کا ذکر کریں تا کہ ان کے آئینہ میں جامع کمالات نبوت حضرت خاتم النبیین کی نبوت کی جلوہ گری دیکھی جا سکے اور پھر اس نبی خاتم کی خلافت میں بھی آپ کی اس نبوت جامعہ کا عکس جمیل نظر آ سکے اور آنحضرت ﷺ کی خلافت میں دنیا اور آخرت کی حسنات جمع دکھائی دیں اور آپ کی خلافت نبوت کے تمام پہلوؤں کی آئینہ دار ثابت ہو۔

کلیسا کی بنیا د ر ہبا نیت تھی ۔۔۔ سمائی کہاں اس فقیری میں میری
یہ ا عجا ز ہے ایک صحرا نشیں کا ۔۔۔ بشیری ہو آ ئینہ دا ر نذ یر ی

کمالات نبوت کس طرح مختلف انبیاء میں جلوہ گر ہوئے

آنحضرت ﷺ کل بنی نوع انسان کے لئے اللہ کے پیغمبر ہیں اور کل زمین آپ کی نبوت کی آماجگاہ بنی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو کل روئے زمین کی خلافت دی تھی آپ کا یہ امتیاز حضور کی نبوت جامعہ میں حقیقت بن کر سامنے آیا۔

۱۔ حضرت آدم علیہ السلام پورے کرہ ارضی کے لئے خدا کی آواز تھے جامع کمالات نبوت میں یہ وصف ہونا بھی ضروری تھا کہ وہ کل بنی آدم کی طرف مبعوث ہو اور پورا کرہ ارضی اس کا مھبط وحی ہو۔ آدم کے لئے یہ آواز اس طرح لگی تھی کہ وہ کل بنی آدم کی طرف مبعوث ہوں اور پورا کرہ ارضی ان کا مھبط وحی ہو۔ آدم کے لئے یہ آواز اسطرح لگی تھی۔

واذ قال ربك للملٰئكة انی جاعل فی الارض خليفه (پ ۱، البقرة)

حضرت آدم کسی ایک علاقے کے پیغمبر نہ تھے آپ پورے روئے زمین کے لئے خدا کے نائب تھے اور آپ کو تمام روئے زمین کے اسماء کا علم ودیعت کیا گیا تھا۔

وعلّم آدم الاسماء كلها (البقرة)

(ترجمہ) اور اللہ نے آدم کو سکھا دیئے سب کے سب نام۔

سو اب جو بھی جامع النبیین ہو ضروری ہے کہ اس کی نبوت کسی ایک علاقہ ارضی کے لئے نہ ہو، وہ کہے **انی ارسلت الیٰ الناس كافة**۔ وہ پورے صفحہ کائنات میں جملہ بنی نوع انسان کے لئے خدا کی نمائندگی کا شرف پائے ہوئے ہو۔

اللہ تعالیٰ نے آدم کی خلافت میں جو کل روئے زمین پر آسمانی خلافت کا ارادہ کیا تھا وہ حضور اکرم کی بعثت عامہ سے پورا ہوا۔ آپ کسی ایک رنگ یا کسی ایک نسل یا کسی ایک علاقے کے لئے پیغمبر نہ تھے کل بنی آدم کے لئے مبعوث ہوئے۔ آپ پوری آسمانی خلافت کی علت غائی ہیں۔ انسان کہیں بھی ہو مشرق میں یا مغرب میں یا زمین کے کسی کٹے حصے میں یا سمندروں کی تہ میں بسائے جانے والے شہروں میں، آپ زمین کی کل مخلوق کے لئے وہ انسان ہوں یا جنات پیغمبر بنا کر بھیجے گئے اور سارا کرہ

ارضی آپ کا مہبط نبوت ٹھہرا۔ حضرت خاتم النبیین نے یہ اعلان اس طرح کیا۔

ارسلت الیٰ الخلق کافۃ (صحیح مسلم جلد ۱، ص۱۹۹)

اور یہ بھی فرمایا۔ **بعثت الیٰ کل احمر و اسود (رواہ مسلم)**

حضرت آدم علیہ السلام نے بجسدہ العنصری آسمان سے زمین کا سفر کیا تو جامع النبیین نے بھی زمین سے آسمان کا سفر کیا اسے معراج کہتے ہیں۔ حضرت آدم کا یہ سفر یکطرفہ تھا اور حضرت خاتم النبیین کا دوطرفہ بھی تھا اور زیادہ وسیع بھی تھا آپ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے۔

۲۔ حضرت نوح علیہ السلام نے حق و باطل کا فیصلہ اسی دنیا میں ہوتا دکھایا آپ نے اخروی نجات کو اس دنیا میں ہی وہ قطعی اور حسی صورت دی کہ سب نے حق و باطل کا فیصلہ یہیں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا بنی نوع انسان کے لئے کشتی نوح کا لفظ اب تک نجات کا پیمانہ سمجھا جاتا ہے۔ حضرت خاتم النبیین کی پیروی میں بھی نجات اخروی اسی طرح قطعی اور یقینی ہے جس طرح دنیا نے حضرت نوح کے دامن کے سوا ہر کسی کو طوفان میں ڈوبے دیکھا۔ کوئی نہیں جانتا کہ دنیا نے رات کی تاریکی میں مدینہ ہجرت کرنے والے کو دس سال کے قلیل عرصہ میں آسمانی نصرت سے پھر مکہ داخل ہوتے دیکھا اب وہ پہلا دور نہ تھا جب آپ نے کہا تھا:۔

وما ادری ما یفعل بی ولا بکم (پ۲۶،الاحقاف ۹)

سو جو لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ آیت آخرت کے بارے اسلام میں نجات یقینی اور قطعی نہیں ہے ان کی بات درست نہیں وہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح نجات ایک پہلے نبی کی پیروی میں جلی طور پر رکھی تھی۔ اب جو بھی جامع النبیین ہوگا ضروری ہے کہ اس کی پیروی بھی جلی طور پر نجات کی ضمانت ہو اور اس پر ایمان لانے والا بھی جلدی یا بہ دیر ہر صورت میں خدا کی بادشاہی میں جگہ پائے اسلامی عقیدہ میں گناہ کبیرہ کا مرتکب کوئی مومن ہمیشہ کے لئے جہنم میں نہ رہ پائے گا اس دین میں نجات یقینی ہے کسی نے ذرہ بھی نیکی کی ہو وہ اس کا اجر ضرور پائے گا۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح حضرت نوح کا ساتھ دینے میں کشتی کی نجات ضروری رہی۔ ایمان اور کفر کا ایسا قطعی فیصلہ کسی دین میں نہیں۔ حضرت شیخ الہند لکھتے ہیں:۔

مسلمان کتنا ہی گناہگار ہو چونکہ اس کی خرابی صرف اعمال تک ہے اس کا عقیدہ اور تعلق و توقع سب جوں کی توں موجود ہے۔ اس کی مغفرت ضرور ہوگی جلدی یا دیر کے بعد۔ اللہ جب چاہے گا بخش دے گا۔ (تفسیر موضح الفرقان ص ۱۲۷)

۳۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نبوت بھی پوری شان سے حضرت جامع النبیین میں جلوہ آراء ہوئی مثلاً:

(ا) حضرت ابراہیم نے بنی نوع انسان کے دلوں میں خدا کی محبت کی وہ آگ بھڑکائی کہ خدا کی محبت اور عبادت میں انسانی جان قربان کرنا اب کوئی مشکل کام نہ رہا یہی جذبہ قربانی حضرت جامع النبیین کی نبوت میں بھی شعلہ طور بنا یہ آپ میں اس شان سے جلوہ گر ہوا کہ آپ ﷺ نے بدر کے میدان میں ۳۱۳ ساتھی جان دینے کے لئے کھڑے کر دیئے۔ چھری حضرت اسمٰعیل پر بھی نہ چل پائی اور یہ ۳۱۳ بھی سب شہید نہ ہو پائے لیکن خاتم النبیین کی شریعت میں جہاد اور قربانی کا وہ نقش ضرور قائم ہو گیا جس نے رہتی دنیا تک بنی نوع انسان کو یہ حق دے دیا کہ دکھی انسانوں کی مدد کے لئے اور ان سے ظلم کے حملوں کو روکنے کے لئے حکم جہاد ہمیشہ جاری رہے۔ یہ اس لئے باقی ہے کہ خدا کا نام اونچا رہے اسلام نے کسی غیر مسلم اقلیت سے زندگی کا حق نہیں چھینا اور نہ کسی کو جبراً مسلمان بنانے کی اجازت دی ہے۔

حضورؐ نے اپنی امت کے لئے ہر سال قربانی دینے کی سنت قائم رکھی یہ ابراہیمی قربانی حضرت جامع النبیین کی امت میں اس طرح نمایاں رہی کہ ابراہیمی ملت میں ہونے کے کسی دوسرے دعویدار کے لئے اپنی پہچان کرانی مشکل ہو گئی کسی دوسرے کے ہاں اس قربانی کا نشان نہیں ملتا۔ جو قوم ہر سال اس طرح خون آشنا ہے اس کے لئے کسی وقت اللہ کی راہ میں اپنی جان دینا پوری تاریخ میں کوئی مشکل مسئلہ نہ رہا۔

جب چمن کو خوں کی ضرورت پڑی　　　سب سے پہلے گردن ہماری کٹی

حضرت ابراہیم کی رسالت گو کل صفحہ کائنات کے لئے نہ تھی لیکن آپ کی امامت کل بنی نوع انسان

کے لئے تھی کہ اب جو بھی آسمانی ہدایت کا ستارہ چمکے گا وہ آپ کی ملت میں ہی سے ہوگا۔ ملت ابراہیمی کے اصول کلیہ (توحید خالص، ہجرت اور قربانی) آپ میں اس طرح ابدیت پا گئے کہ حضرت جامع النبیین کی شریعت میں بھی یہ اصول اسی طرح قائم رہے جس طرح یہ ملت ابراہیمی کا نشان تھے۔

(۳) حضرت ابراہیم پر بھی اللہ تعالیٰ نے درود بھیجا اور حضرت خاتم النبیین پر بھی اللہ تعالیٰ نے درود اتارا۔ اللہ تعالیٰ کے فرشتے بھی آپ پر درود پڑھتے رہے اور آپ کے پیروؤں کو بھی حکم ہوا کہ وہ آپ پر درود بھیجیں اور اپنے آپ کو آپ کے ہی سپرد کر دیں۔ اسلام میں یہی شان تسلیم ہے۔

(۴) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے گھر سے ہجرت کی تو حضرت خاتم النبیین نے بھی مکہ سے ہجرت کی حضرت ابراہیم نے کعبہ بنایا تو حضرت خاتم النبیین نے اسے بسایا۔ حضرت ابراہیمؑ نے آسمان کی طرف نگاہ کی کہ اللہ رب العزت! کچھ لوگوں کے دلوں کو اس کعبہ کی طرف پھیر دے۔ حضرت ابراہیم نے شیطان کو کنکریاں ماریں تو شریعت محمدی میں حج کے اعمال میں طویل ترین عمل رمی جمار (کنکریاں مارنا) ہی رہا۔ اس عمل کو اتنا طویل اس لئے رکھا گیا کہ اب حاجی عملاً ساری عمر شیطان کو کنکریاں ہی مارتا رہے اب یہ کام عمر بھر اس کے ذمہ رہے۔

الحاصل حضرت ابراہیم کی نبوت حضرت جامع النبیین کی نبوت میں اس طرح جمع ہے کہ مسلمان جس طرح امت محمدی کی نسبت میں عیدالفطر مناتے ہیں اسی طرح اپنی ابراہیمی نسبت میں ہر سال عیدالاضحیٰ مناتے ہیں۔

حضرت ابراہم کے بعد ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کچھ ذکر کرتے ہیں۔

۴۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ایک شریعت دی اور آپ کے بعد انبیاء بنی اسرائیل سب اسی شریعت کے مطابق فیصلے کرتے رہے۔

انا انزلنا التوراة فیها هدی ونوریحکم بها النبیون الذین اسلموا للذین هادوا (پ ٦، المائده ٤٤)

(ترجمہ) بے شک ہم نے تورات اتاری اس میں ہدایت اور روشنی تھی یہ پیغمبر جو اللہ کے حکم بردار تھے وہ یہود کے لئے اسی سے فیصلے دیتے رہے۔

حضرت داؤد کی زبور اور حضرت عیسیٰ بن مریم کی انجیل میں صرف محبت خداوندی کے نغمے ہیں شریعت ان انبیاء کے لئے بھی یہی تورات رہی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے صرف اس کے بعض احکام میں بحکم خداوندی ترمیم فرمائی۔ قرآن کریم سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو انجیل کے ساتھ تورات بھی پوری پڑھائی۔ حضرت مریم کو بشارت دی گئی کہ اللہ تعالیٰ اس کے بیٹے کو تورات انجیل اور قرآن و سنت سبھی میں تعلیم دے گا۔

ویعلمه الکتاب والحکمة والتوراة والانجیل ورسولاً الیٰ بنی اسرائیل (پ ۳ ، آل عمران ٤٨)

(ترجمہ) اور وہ سکھائے گا اسے کتاب وسنت اور تورات اور انجیل اور وہ رسول صرف بنی اسرائیل کے لئے ہوں گے۔

حضرت جامع النبیین کو بھی اللہ تعالیٰ نے ایک شریعت دی اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت موسیٰ کے مقنن ہونے میں حضور خاتم النبیین کی نبوت کی ہی ایک جھلک تھی جس سے آپ ایک مخصوص دور کے لئے مقنن ٹھہرے۔ حضور اکرمؐ کے لئے اس طرح شریعت اتری۔

ثم جعلناك علی شریعة من الامر فاتبعها (پ ۲۵، الجاثیه ۱۸)

(ترجمہ) پھر تمہیں دین کے کام میں ایک شریعت پر رکھا سو تو اسی پر چل اور نا چل نادانوں کی خواہشوں پر۔

خدا کی طرف سے جس رستے پر چلنے کا حکم ہو وہ شریعت ہے اور وہی مومنین کی شاہراہ ہے جس طرح زمین پر دو جگہیں ہی قبلہ بنیں، کعبہ شریف اور بیت المقدس۔ دو شریعتیں ہی آسمانی لائحہ عمل بنیں شریعت موسوی اور شریعت محمدی۔ جامع النبیین ﷺ سے پہلے حضرت موسیٰ ایک مقنن تھے اس کی کامل ترین صورت حضرت جامع النبیین میں جلوہ گر ہوئی۔

اب آیئے حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے پیرایہ نبوت پر بھی کچھ نظر کریں۔

۵۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ

السلام کو اللہ تعالیٰ نے نبوت کے ساتھ ساتھ بادشاہت بھی عطا کی اور پھر حضرت سلیمان کی حکومت جنات تک کو شامل تھی۔

واذکر عبدنا داؤد ذاالاید انّہ اواب انا سخرنا الجبال معہ یسبّحن بالعشی والاشراق ـــــ وشددنا ملکہ واتیناہ الحکمہ وفصل الخطاب

(پ ۲۳ ص۱۷۔۲۰)

(ترجمہ) اور یاد کر ہمارے بندے داؤد قوت والے کو وہ اللہ کے حضور رجوع لانے والا تھا ہم نے تابع کئے پہاڑ اس کے ساتھ وہ شب و روز پاکی بولتے تھے۔

حضرت داؤد علیہ السلام درویشی میں نہ رہتے تھے آپ کی ایک عظیم سلطنت تھی پہاڑ اور پرندے بھی آپ کے ساتھ اللہ کے حضور اس کی پاکی بولتے تھے۔

یہ وصف داؤدی حضرت جامع النبیین میں اپنی پوری شان سے ابھرا اور آپ مدینہ میں ایک عظیم سلطنت کے سربراہ بنے۔ آپ نے اس کے تحفظ کے پورے انتظامات کئے۔ تاہم آپ کی اپنی زندگی ایک درویش کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو شاہانہ جاہ و جلال سے بالکل محفوظ رکھا حضرت داؤد اپنے وقت میں فصل خصومات کرتے رہے تو حضور ﷺ نے بھی اپنے وقت میں فصل خصومات کئے۔ حدود جاری کیں پہاڑ آپ کے ساتھ ساتھ مناجات باری کرتے تو جبل احد نے بھی حضور اکرمؐ سے محبت کی۔ پتھر اور درخت بھی آپ کو چلتے ہوئے سلام کہتے تھے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنات پر حکومت کی جن غیب نہ جانتے تھے انہیں آپ کی وفات کا بھی بروقت علم نہ ہو سکا۔

فلما خرّ تبینت الجن ان لوکانوا یعلمون الغیب ما لبثوا فی العذاب المھین

(پ ۲۲، السبا ۱۴)

(ترجمہ) جب آپ کا دھڑ نیچے آیا تو جنات نے جان لیا کہ وہ غیب جانتے ہوتے تو اس وقت تک تعمیر کی اس محنت میں نہ لگے رہتے۔

وانصرفنا اليك نفراً من الجن يستمعون القرآن فلما حضروه قالوا انصتوا (پ ٢٦، الاحقاف ٢٩)

(ترجمہ) اور جب ہم نے آپ کی طرف کچھ جنات کو لگا دیا کہ وہ قرآن سنیں جب وہ (آپ کے پاس) حاضر ہوئے تو کہا انہوں نے چپ رہو (قرآن پڑھا جا رہا ہے)۔

۶۔ حضرت یوسف علیہ السلام اپنے حسن میں کل بنی آدم میں ممتاز ہوئے اور اپنی شان عفت اور پاکیزگی میں زبان زد عام و خاص ٹھہرے۔ تو حضرت جامع النبیین کے حسن و جمال سے چودھویں کا چاند بھی شرماتے نظر آیا آپ کی شان عفت و پاکیزگی کی سب اہل مکہ قسم کھاتے رہے کیونکہ اس وقت تک آپ نے اعلان نبوت نہ کیا تھا۔ تاہم یہ ضرور ہے کہ جامع النبیین میں حضرت یوسف کا حسن و جمال ایک اعجازی شان سے چمکا۔

۷۔ حضرت یحیٰ اور حضرت یونس علیہما السلام زہد و تقویٰ اور درویشی میں نمایاں شان رکھتے تھے تو حضرت خاتم النبیین نے بھی بادشاہی میں فقیری کی ادا قائم رکھی۔ رہبانیت سے ہٹ کر آپ زہد و عبادت میں کل بنی نوع انسان کے لئے نمونہ بنے بایں ہمہ آپ کا رعب ایک مہینے کی مسافت پر اثر کرتا تھا آپ نے خود فرمایا۔ نصرت بالرعب۔ آپ نے درویشی کو یہ ایک نیا اعزاز بخشا۔

کلیسا کی بنیاد رہبانیت تھی — سماتی کہاں اس فقیری میں میری
سیاست نے مذہب سے پیچھا چھڑایا — چلی کچھ نہ پیر کلیسا کی پیری
یہ اعجاز تھا ایک صحرانشیں کا — بشیری ہو آئینہ دار نذیری

۸۔ حضرت زکریا علیہ السلام بنو اسرائیل کے جلیل القدر عالم اور حبر ملت تھے آپ اپنی دعا میں ہمیشہ مستجاب الدعوات رہے۔ خود فرمایا، **ولم اكن بدعائك رب شقيا**، آپ کے مواعظ و خطبات آپ کی حکمت اور دانش کے تاریخی نقوش ہیں حضرت جامع النبیین میں یہ وصف نبوت اور زیادہ شان سے چمکا تو آپ نے اپنے رسول اللہ ہونے کے ساتھ اپنے لئے دوسرا عنوان معلم کا اختیار فرمایا آپ نے پوری اخلاقی بزرگیوں کی تکمیل فرمائی اور یعلمہم الکتاب والحکمۃ کی پوری ذمہ داری قبول کی۔ خود ارشاد فرمایا:

انما بعثت معلما

میں تعلیم دینے کے لئے بھیجا گیا ہوں (رواہ الدارمی جلد۱ص ۶۹، مشکوٰۃ ص ۳۶)
آپ کی اس تعلیم کا نصاب وحی متلو (قرآن) اور وحی غیر متلو (سنت) دونوں رہے اور آپ نے اپنی امت کے لئے آگے اجتہاد کی راہیں بھی کھولیں۔
حضرت لقمان بھی مکارم اخلاق کی تعلیم میں حضرت زکریا کی لائن کے تھے، آپ کی اعلیٰ پایہ کی اخلاقی تربیت کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے۔ حضرت جامع النبیین میں بھی تہذیب اخلاق کی یہ نوع اپنی پوری شان سے جلوہ گر رہی۔ آپ نے اس جہت سے تمام اخلاقی بزرگیوں کو فروغ بخشا۔ آپ نے فرمایا:۔
بعثت لاتمم حسن الاخلاق (رواه مالك علیٰ انه بلغه ص ٣٦٤)
(ترجمہ) آپ کا پہلا جلی عنوان (۱) رسول اللہ کا رہا اس نے کلمہ میں جگہ پائی (۲) دوسرا عنوان معلم امت کا رہا اور (۳) تیسرا عنوان ایک مزکی کا جو اپنے فیض صحبت سے ایک پورے طبقے کی تربیت کرے۔ آپ نے ایک نہایت امتیازی پیرایہ میں دنیا میں ایک اخلاقی تعلیم دی۔ یہ ایک اعجازی شان میں صاحب سیرت کی سیرت سازی تھی۔
۹۔ حضرت خضر پر اللہ تعالیٰ نے اپنے بہت سے تکوینی راز کھولے تھے آنحضرت پر بھی کئی دفعہ آسمانی جلوے کھلے اللہ تعالیٰ نے آپ کے اس زمین پر رہتے ہوئے آپ کے سینہ مبارکہ پر اپنی قدرت کا ہاتھ رکھا آپ نے اس کی ٹھنڈک اپنی چھاتیوں میں محسوس کی اور آپ سے ملاء اعلیٰ کے پردے اٹھ گئے۔ آپ نے فرشتوں کو آپس میں باتیں کرتے ہوئے سنا، ملاء اعلیٰ کی یہ جلوہ نمائی گو بقول حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی ہمیشہ کے لئے نہ تھی تاہم اس میں شک نہیں کہ محدثین نے حضرت جامع النبیین میں حضرت خضر کے علوم کی بھی ایک جھلک دیکھی آپ کی نظریں ان سے بھی زیادہ روحانی شان سے اقصائے عالم تک دوڑیں۔
یہ صحیح ہے کہ حضرت لقمان اور حضرت خضر کے نبی ہونے میں اختلاف ہے لیکن اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ حضور اکرم کل اولاد آدم کے سردار ہیں اور جہاں بھی کمالات انسانی کی کوئی چمک پائی گئی وہ

حضورؐ کے کمالات کا ہی ایک بہتا دریا نظر آیا جس میں سب اہل کمال اپنے اپنے وقت میں اپنے اپنے طور پر غوطہ زن رہے۔

۱۰۔ حضرت عیسیٰ بن مریم خاتم الانبیاء بنی اسرائیل تھے اور آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اور انبیاء اکرام کی نسبت سب سے زیادہ قریب رہے۔ حضور نے خود بھی فرمایا، **انی اولی الناس بابن مریم**۔ آپ کے عجیب وغریب معجزات اس دور کے طب وحکمت کے تجرباتی کمالات کے لئے ایک بڑا چیلنج تھے۔ یہی وہ نازک موڑ ہے جہاں نبوت تجرباتی کمالات اور اعمال سحر سے جدا ہوتی ہے حضرت جامع النبیین ﷺ نے بھی کئی مریضوں کو اپنے دم سے شفا بخشی۔ علماء اسلام نے آپ کے معجزات پر کتابیں لکھی ہیں تاہم یہ صحیح ہے کہ اسلامی عقیدے میں معجزات فعل خداوندی سے وجود میں آتے ہیں اور یہ سب انسانوں کو اس کی مثل لانے سے عاجز کر دیتے ہیں اسی لئے انہیں معجزات کہا جاتا ہے (وہ امور جو دوسروں کو عاجز کر دیں)

آنحضرت نے قرآن کریم کو اس شان اعجاز سے پیش کیا کہ اس پر پندرہ صدیاں گزرنے کے باوجود کوئی شخص اس کی مثل لانے پر قادر نہیں ہوسکا۔ آپ کا یہ معجزہ اب تک زندہ ہے اور باقی ہے اور آپ کے ہر امتی کے پاس موجود ہے۔

ہمارے ان پیش کردہ دس تاریخی نقشوں پر پوری نظر رکھیں یہ پچھلے انبیاء کرام کے کمالات نبوت جو اپنے اپنے مواقع پر بہت عزت وشان سے پھیلے حضرت جامع النبیین کی نبوت میں سب سمٹ کر آ گئے۔

داستان حسن جب پھیلی تو لامحدود تھی — اور جب سمٹی تو تیرا نام ہوکر رہ گیا

اب اس نبوت جامعہ کی خلافت جو منہاج نبوت پر قائم ہو ضروری ہے کہ (۱) اس میں سیاسی اقتدار بھی ہو (۲) اس میں علم وحکمت کے چراغ بھی روشن ہوں اور (۳) اس میں روحانی کمالات کی پرواز بھی ہو یہی اگر پہاڑ کو سکون کا حکم دے تو اس کا خلیفہ دریا کے نام حکمنامہ بھیج دے اور آسمان میں عقاب کو پیچھے چھوڑ دے خلافت راشدہ کو جو خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کہا جاتا ہے وہ اسی لئے کہ اس میں سیاسی اقتدار بھی رہا علم وحکمت کا فروغ بھی رہا اور ان کے احکام چٹانوں، دریاؤں اور ہواؤں کو بھی پوری روحانی شان سے عبور کرتے رہے۔

اب ہم یہاں خلافت راشدہ کے عنوان خلافت جامعہ کو ان تینوں پہلوؤں سے کچھ تفصیل سے ذکر کرتے ہیں۔

ا۔ خلافت راشدہ میں سیاسی اقتدار لازمی ہے

اسلام کے نظام زکوٰۃ کو عوام کی تحویل میں نہ دیا گیا کہ وہ جسے چاہیں خود زکوٰۃ دے سکیں زکوٰۃ پوری سیاسی قوت سے بیت المال میں لائی گئی۔حکومت پوری غریب رعایا کی معاشی کفیل بنی اور حکومت و عوام ایک معیار زندگی میں شریک ہوئے۔سو سیاسی اقتدار کے بغیر خلافت راشدہ کا تصور تک نہیں کیا جاسکتا۔

قیصر وکسریٰ کی بڑی بڑی سلطنتیں خلافت کی باجگذار رہیں روم وشام اور مصر وایران پر اسلامی پرچم لہرایا اور دنیا کا ایک بڑا حصہ جغرافیائی سرحدوں سے نکل کر ایک نظریاتی مملکت بنا جس میں ہر رنگ اور نسل کے لوگ موجود تھے اور غیر مسلم اقلیتوں کو ان کے پورے حقوق دیئے گئے اس سنہری دور میں کسی مذہب کے پیروؤں کو زبردستی مسلمان کرنے کی قطعاً اجازت نہ تھی۔حضرت عمرؓ نے مملکت اسلامی میں فوج کا باقاعدہ نظام قائم کیا حضرت عثمان کے عہد میں مسلمان کچھ اور بڑھے اور بحری بیڑے کا قیام عمل میں آیا مسلمان اپنے اس سیاسی اقتدار میں سمندروں میں اترے اور فتح پائی۔

سو اس میں کوئی شک نہیں کہ جس طرح حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کو سیاسی اقتدار حاصل ہوا خلافت راشدہ نے حضرت جامع النبیین کی اس شان نبوت کی بھی کامل پذیرائی کی اور سیاسی لگام کسی اور کے ہاتھ میں نہ جانے دی یہ بات نہ چلنے دی کہ درویشی کچھ اور ہے اور سیاسی اقتدار کچھ اور ہے۔ حضور کی نظر میں اسلامی حکومت کے لئے اگر سیاسی اقتدار ضروری نہ ہوتا تو آپ حضرت امیر معاویہؓ کے لئے ان الفاظ میں دعا نہ کرتے، اے اللہ! اس کو (معاویہ کو) کتاب اللہ کا علم عطا فرما اور اسے حکومتی عزت بھی عطا فرما۔(دیکھئے البدایہ ۸ص ۱۲۱)

ہوسکتا ہے حضرت حسنؓ کو حضور کی یہ دعا بھی پہنچی ہو جس نے آپ کو امیر معاویہ کے حق میں دستبردار ہونے پر آمادگی دی ہو۔

حضرت علی بن الحسین، حضرت امام محمد باقر، حضرت امام جعفر صادق، حضرت امام موسیٰ کاظم، حضرت امام رضا، حضرت امام مالک، امام محمد، امام احمد اور امام بخاری بے شک علم وحکمت اور فقر وتصوف کے امام تھے لیکن جس صاحب علم کی نظر حضور کی نبوت جامعہ پر ہوگی وہ ان ائمہ کبار پر بھی خلیفہ کا لفظ اطلاق نہ کر سکے گا اسی طرح سلسلہ عالیہ قادریہ یا سلسلہ سہروردیہ یا سلسلہ چشتیہ اور نقشبندیہ میں جن بزرگوں نے خلافت پائی کسی صاحب علم نے ان پر خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا اطلاق نہیں کیا۔ حضورؐ کی امت کے ائمہ دوازدہ کے لئے بارہ خلفاء کے الفاظ بھی وارد ہیں سو ان کے لئے سیاسی اقتدار لازمی سمجھا جائے گا ان میں سے جو نبوت کے طریقے پر رہے۔ ان کی حکومت خلافۃ علی منہاج النبوۃ مانی جائے گی اور جو اس طریقے پر نہ چلے وہ مطلق خلیفہ (سیاسی حکمران) سمجھے جائیں گے ہاں جو بزرگ کبھی سیاسی قوت نہ پا سکے وہ اس بارہ کے ذیل میں نہ آسکیں گے سو امام محمد باقر، امام جعفر صادق، امام مالک اور امام محمد کو بھی بارہ امام کی روایت کا مصداق نہ شمار کیا جا سکے گا، پھر یہ بھی ملحوظ رہے کہ بخلافت علیٰ منہاج النبوۃ میں صرف سیاسی اقتدار نہیں علم وحکمت کا فروغ بھی ضروری طور پر جلوہ گر ہونا چاہیئے۔

۲۔ خلافت راشدہ میں علم وحکمت کا فروغ بھی ضروری ہے

دینی علوم کا سرچشمہ قرآن کریم ہے وہ حضرت ابوبکر کے دور خلافت میں حضرت عمر کی تجویز سے ایک کتابی شکل میں آیا حضور اکرم نے اسے ترتیب نزول سے نہ لکھوایا تھا نہ آپ نے کبھی اس کی ترتیب نزول سے تلاوت کی تھی قرآن کریم کی اصل ترتیب وہ رہی جس کے مطابق حضرت جبریل ہر رمضان میں آپ کے ساتھ قرآن کا دور کرتے تھے حضور اکرمؐ نمازوں میں قرآن اسی ترتیب سے پڑھتے تھے ترتیب نزول محض ایک وقتی ضرورت تھی اس کی اس امت میں کبھی تلاوت جاری نہ ہوئی پوری امت نے ترتیب رسولی کو اپنی نمازوں اور اپنے مصاحف میں کارفرما رکھا۔

خلفائے راشدین قرآن کریم کو ایک کتابی صورت دے کر ارادہ الٰہی (انّ علینا جمعہ وقراٰنہ) کی تکمیل کا مظہر بنے وہ لوگ کس قدر خوش قسمت تھے جن کے ہاتھوں میں اللہ تعالیٰ کا ارادہ پورا ہوا ہو۔

حضرت عمرؓ کے دور میں مسلمانوں کا یہی مخزن علمی رمضان میں پورا مہینہ تراویح میں پڑھا جاتا رہا حضرت عثمانؓ نے اسے نئے سرے سے لغت قریش میں لکھوایا چوتھے خلیفہ راشد حضرت علی مرتضی نے قرآن کے معانی و مرادات کا پوری علمی قوت سے تحفظ کیا ہے ترجمان القرآن حضرت ابن عباس کو خوارج سے مناظرہ کے لئے بھیجا، خود بانی رفض عبداللہ بن سبا کو زندہ آگ میں جلوایا اس کی یاد میں اب تک یہ لوگ آگ میں ماتم کرتے ہیں۔

چار خلافتوں میں قرآن کی خدمت

قرآن پاک کب یکجا لکھا گیا؟ پہلی خلافت میں۔ کب یکجا پڑھا گیا؟ دوسری خلافت میں۔ پورا ماہ تراویح میں۔ کب اسے سات قرائتوں میں سے ایک قراۃ پر خاص کیا گیا؟ تیسری خلافت میں۔ اور کب اس کے معانی اور اس کی مرادات کی حفاظت بزور قدرت کی گئی؟ چوتھی خلافت میں۔

الحاصل خلافت راشدہ (خلافت جامعہ) نے اپنے اس مرکز علمی کے گرد جس فکر و وفا سے پہرہ دیا دنیائے علم میں اس کی نظیر شاید صدیوں نہ دیکھی جاسکے۔ پھر قرآن کریم کو احادیث کی روشنی میں سمجھنے کے لئے ان حضرات نے سنن و روایات کو فروغ دیا اور اس سے بھی انہوں نے قرآن کریم کی بے مثال خدمت کی۔ جب کوئی اہم مقدمہ سامنے آتا آپ صحابہ کرام سے اس کی کوئی نظیر نہ پوچھتے۔

عہد راشدین میں سنن و روایات کا تجسس اور ان کا فروغ

حضرت ابوبکر صدیق اپنے عہد خلافت میں صحابہ سے بار بار آثار نبوت پوچھتے۔ جس صحابیؓ نے حضورؐ سے کوئی بات سنی ہوتی یا دیکھی ہوتی وہ آپ کے سامنے اس کی شہادت دے دیتا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت طلحہ کو احرام کی رنگت پر ٹوکا اور کہا:

انکم ایها الرهط ائمة یقتدی بکم الناس (رواه مالك)

اے قافلہ والو! تم اس امت کے امام ہو لوگ آئندہ تمہاری پیروی میں چلیں گے۔

اس سے امت میں صحابہؓ کی پیشوا حیثیت کا پتہ واضح الفاظ میں ملتا ہے حضرت عمرؓ نے عراق میں حضرت عبداللہ بن مسعود کو کتاب وسنت کے فروغ کے لئے بھیجا اور حضرت عثمان نے سیرت شیخین کی

پابندی کی حضرت علی نے بھی اسی تسلسل میں خلافت کی حضور کی نبوت جامعہ پوری قلمرو اسلامی میں پورے عہد راشدین میں شمع فروزاں رہی ان حضرات نے علم پھیلانے میں اپنی عزت سمجھی، علم چھپانے میں نہیں۔ کبھی اپنے ساتھیوں کو یہ نہیں کہا کہ **انکم علیٰ دین: من کتمه اعزه الله ومن اذاعه اذله الله۔**

پھر اس دور میں ان حضرات نے ملک کی جغرافیائی سرحدوں کی نہ صرف پوری قوت سے حفاظت کی بلکہ ظلم کے خاتمہ کے لئے جہاد کے گھوڑے ہر سو برابر دوڑتے رہے۔ اثنا عشری حضرات اس پر بھی بہت نالاں ہیں کہ ان حضرات نے جوش جہاد میں سلطنت اسلامی کو اس قدر وسیع کیوں کر دیا سرگودھا کا ایک ڈھ گو رافضی لکھتا ہے:۔

اے کاش یہ لوگ یہ مُلکی فتوحات نہ کرتے انہی لوگوں اور انہی کی ان مزمومہ فتوحات نے اسلام کو اغیار کی نظروں میں بدنام کیا اور ان کو یہ کہنے کا موقع دیا ہے کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا ہے۔

(تجلیات صداقت ص ۱۰۲)

حدیث میں بارہ خلفاء کی خبر

خلافت علیٰ منہاج النبوۃ اور خلافت علی الوجہ الاعم میں فرق ہے خلافت علی وجہ الاعم میں ظالم حکمرانوں کا سیاسی اقتدار بھی آسکتا ہے۔ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ وہی خلافت ہے جس میں (۱) سیاسی اقتدار ہو (۲) علم و فضل اور نظر و فکر کی آبیاری بھی ہو اور (۳) روحانی زہد و تقویٰ بھی ہو۔

یہ وعدہ محل مدح میں ہے اور ظاہر ہے کہ محض سیاسی اقتدار محل مدح میں نہیں آتا۔

حدیث میں جن بارہ خلفاء کی خبر دی گئی ہے ان میں قدر مشترک ان کی سیاسی قوت ہے کہ ان کے عہد میں کوئی غیر مسلم اقتدار ان کے اقتدار کو چیلنج نہ کر سکے گا گو ان میں بعض ارباب اقتدار زہد و تقویٰ میں راشدین ہوں اور بعض اپنے نظم و عمل میں کسی طرح لائق مدح نہ ہوں تاہم یہ صحیح ہے کہ اپنی سیاسی قوت میں یہ کفار کے لئے اسلام کا ایک ناقابل فتح قلعہ ہوں۔ حضور نے ان بارہ خلفاء کا اس طرح ذکر فرمایا۔

لا یزال هذا الدین عزیزاً منیعاً الیٰ اثنی عشر خلیفه (صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۱۹)

(ترجمہ) یہ دین بارہ حکمرانوں تک ایسا غالب رہے گا کہ باہر سے کوئی طاقت ان پر غالب نہ آسکے گی پہلی بات کو آپ نے لفظ عزیز میں رکھا اور دوسری بات کو لفظ منیع میں۔ ہاں ان بارہ میں صاحب اقتدار ہونا قدر مشترک ہے یعنی ان میں کوئی ایسا نہ ہوگا کہ اسے حکومت نہ ملے صحیح بخاری میں انہیں لفظ امیر سے ذکر کیا گیا ہے۔

یکون اثنا عشراً امیراً (صحیح بخاری جلد ۲، ص۱۰۷۲)

یکون من بعدی اثنا عشرا امیراً (جامع ترمذی جلد۲ س۱۱۳)

دوسرا ان کا وصف یہ بتلایا گیا کہ ان سب پر پوری امت جمع ہوگی سب ایک جھنڈے۔ تلے ہوں گے۔

کلّهم تجتمع علیه الامّة (سنن ابی داؤد جلد۲ ص۵۸۸)

ان بارہ میں جو نیک ہوئے وہ حقیقی طور پر حضورؐ کے جانشین ہوئے اور جو اس معیار پر پورے نہ اترے وہ مجازی طور پر حضورﷺ کے جانشین شمار ہوئے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:۔

لم یرد الحدیث لمدحهم والثناء علیهم بالدین وعلیٰ هذا فاطلاق اسم الخلافة فی هذا الحدیث بالمعنی المجازی واما حدیث الخلافة من بعدی ثلثون سنةفالمراد به خلافة النبوة (فتح الباری جلد۱۳ ص۱۸۰)

(ترجمہ) یہ حدیث ان بارہ خلفاء کی مدح وثنا میں وارد نہیں ہوئی سو اس میں لفظ خلافت کا اطلاق ایک مجازی معنی میں ہے اور یہ جو حدیث ہے کہ میرے بعد خلافت تیس سال رہے گی اس سے مراد خلافت علی منہاج النبوۃ ہے۔

ان بارہ میں صرف سات ہیں جن کی ایمانی قوت اپنی جگہ بے مثال تسلیم کی گئی ہے (۱) حضرت ابوبکر (۲) حضرت عمر (۳) حضرت عثمان (۴) حضرت علی (۵) حضرت حسن (۶) حضرت معاویہ (۷) حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ۔ یہ ساتویں امیر صحابی نہ تھے تابعی تھے۔

اثنا عشری عقیدے میں ان کے بارہ اماموں میں سے صرف حضرت مہدی صاحب الامر کہلانے کے مستحق ہیں وہ حضرت علی مرتضیٰ کو امیر اس لئے نہیں مانتے کہ آپ حقیقی معنی میں صاحب الامر نہ تھے آپ کی خلافت پہلے تین خلفاء کا ہی ایک تسلسل تھی اور حضرت حسن اس لئے صاحب الامر نہیں مانے

جاتے کہ آپ نے خلافت حضرت معاویہ کے کیوں سپرد کردی۔ یہ خلافت تامہ نہیں سمجھی جاتی کیونکہ آپ کی وفات خلافت پر نہ ہوئی تھی۔

سو اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ جو لوگ اپنے علم و تقویٰ میں اپنے وقت کے امام مانے گئے جیسے حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت زین العابدین، امام محمد باقر، امام ابوحنیفہ، امام جعفر صادق، امام مالک، امام محمد۔ یہ کتنی ہی اونچی ہستیاں کیوں نہ ہوں انہیں جامع اعتبار سے جانشینانِ رسول نہیں کہا جاسکتا۔ حضور اکرم ﷺ کے جامع مقام رسالت کا تقاضا ہے کہ آپ کے جانشین بھی جامع احکام خلافت میں جلوہ افروز ہوں۔ یہی آئندہ کے لئے مقام امامت ہے اور یہی حضورؐ کی خلافت ہے صرف دینی اعتبار سے ظلِّ رسولؐ بننا یہ مرزا غلام احمد قادیانی کا دینی تصور ہے جو اس نے صرف اس لئے اختراع کیا تھا کہ جس طرح بھی ہو سکے مسلمانوں کا سیاسی اقتدار انگریزوں کے سپرد کیا جاسکے، زمینی بادشاہت ان کی ہو۔

تو نے پوچھی ہے امامت کی حقیقت مجھ سے ۔۔۔ حق تجھے میری طرح صاحب اسرار کرے

ہے وہی تیرے زمانے کا امام برحق ۔۔۔ جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے

موت کے آئینہ میں تجھ کو دکھا کر رخ دوست ۔۔۔ زندگی اور بھی تیرے لئے دشوار کرے

فتنہ ملت بیضا ہے امامت اس کی

جو مسلماں کو سلاطین کا پرستار کرے

ہم اس مضمون کو امیر المومنین حضرت عمرؓ کی عظمت کو سلام کرتے ہوئے ختم کرتے ہیں جنہوں نے وصیت کی کہ میرے بعد میرے بیٹے کو خلافت پر نہ لانا، خطاب کی نسل سے اس امتحان میں صرف میرا آنا کافی ہے، اب یہ امامت کسی اور کے سپرد کی جائے۔ اسلام میں یہی امامت ہے جو منہاج نبوت پر چلی۔ سو اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں کہ نبوت جامعہ کے جامع جانشین خلفائے راشدین ہی اس معیار پر پورے رہے اور انہی پر اللہ رب العزت نے وہ وعدے پورے کئے جو اس نے اپنے آخری نبی ﷺ سے کئے تھے انہوں نے حضور ﷺ کے کام کو سنبھالا اور خوب سنبھالا۔

فجزاھم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء

خلافت راشدہ کے حق میں کھلی آسمانی شہادتیں

جسٹس علامہ ڈاکٹر خالد محمود

الحمد لله وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد

برصغیر پاک و ہند میں علمی حلقوں میں چوتھے خلیفہ راشد حضرت علی مرتضٰی کی خلافت پر کوئی جرح نہیں پائی جاتی۔ سب دعویداران اسلام ان کی شخصیت کریمہ کو سلام عقیدت پیش کرتے ہیں لیکن اس دلفگار حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ پہلے تین خلفاء راشدین کے خلاف ایک طبقے کی مدت سے یہ جرح چلی آرہی ہے کہ یہ حضرات حسب ضرورت اس منصب پر نہ چنے گئے تھے انہوں نے بزور اپنی حکومت قائم کی تھی اس اختلاف میں دونوں طرف سے جو دلائل دیئے گئے وہ آپ سے مخفی نہیں۔ آپ انہیں پڑھ آئے ہیں لیکن اس طرف بہت کم لوگوں نے سوچا ہوگا کہ ان تین حضرات کی صداقت پر کئی اتفاقی آسمانی شہادتیں بھی موجود ہیں۔

حضرات خلفاء ثلثہ کی اصطلاح اہل سنت کے ہاں کہیں نہ ملے گی ان کی اصطلاح ہمیشہ خلفاء راشدین رہی ہے جس میں تین نہیں چار خلفاء کرام آتے ہیں چوتھے خلیفہ کی خلافت اہل سنت کے ہاں خلفاء ثلثہ کی خلافت کا ہی ایک تسلسل تھی اور صحابہ کرام نے آپ کی بیعت انہی شرائط سے کی تھی جن سے انہوں نے پہلے تین خلفاء کے ہاتھ میں ہاتھ دیا تھا۔ اہل سنت اس چوتھے خلیفہ کو پہلے تین سے جدا کرنے میں عجیب ذہنی کوفت محسوس کرتے ہیں اور ان چاروں کو یکجا رکھنا ان کے ہاں اتحاد امت کا نشان سمجھا جاتا ہے جو اس اتحاد سے نکل گیا وہ امت سے نکل گیا۔

عدالتوں میں اتفاقی شہادت جو کہیں سر راہ مل جائے غرض مند گواہوں کے طلسم کو اکثر توڑ دیتی ہے یہ اتفاقی آواز جس کے من میں لگ جائے اس کا پلڑا بھاری ہو جاتا ہے کسی فریق کا لایا گواہ جھوٹ بول سکتا ہے لیکن اتفاقی آواز کبھی غلط نہیں آتی۔ اسے Accidental Evidence کہتے ہیں پھر

یہ اتفاقی شہادت اگر اس راہ سے آئے جس میں انسانی تدبیر کا کوئی دخل نہ ہو پائے تو ہم اسے آسمانی شہادت بھی کہہ سکتے ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت پر آسمانی شہادت

۱۔ حضور اکرمؐ نے دو مدعیان نبوت کی خبر دی جو حضورؐ کے بعد صنعاء اور یمامہ سے بڑی قوت سے نکلیں گے حضرت عبداللہ بن عباس کہتے ہیں پھر اسی طرح ہوا ایک ان میں سے عیسیٰ تھا جو صنعاء سے نکلا اور دوسرا مسیلمہ کذاب جو یمامہ سے اٹھا اس نے دعویٰ تو حضورؐ کے یہاں ہوتے ہی کر دیا تھا لیکن قوت اس نے حضورؐ کے بعد پائی۔ حضورؐ نے خواب میں انہیں پھونک لگائی اور یہ دونوں کنگن اڑ گئے حضرت ابوبکرؓ نے ان دونوں کا مقابلہ کیا اور انہیں شکست دی یہ دونوں اڑ گئے خواب کی تعبیر حضورؐ کی پھونک عملاً حضرت ابوبکر کی بھیجی وہ فوج تھی جس نے ان دونوں کو ختم کیا۔ دیکھئے صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۴۴۔ حضرت ابوبکر صدیق کے خلیفہ برحق ہونے پر یہ ایک کھلی آسمانی شہادت ہے۔

اس عہد خلافت میں حضورؐ کا پھونک لگانے کا عمل جس فوج کے ہاتھوں پورا ہوا وہ فوج صحیح خلیفہ راشد کی بھیجی ہوئی نہ ہوتی تو یہ ارادہ رسالت کبھی پورا نہ ہوتا مسیلمہ کا مارا جانا خلیفہ اول کی خلافت کے حق ہونے کا ایک کھلا آسمانی نشان رہا۔

۲۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت خود اپنے ذمہ لی۔ پہلی کتابوں کی حفاظت کی ذمہ داری خود ان کے علماء پر تھی، وہ اس ذمہ داری کو پورا نہ کر سکے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی حفاظت کی ذمہ داری خود لی۔ **انّا نحن نزّلنا الذّکر وانّا له لحافظون** ۔ یہ ارادہ خداوندی حضرت ابوبکر کے عہد خلافت میں جمع قرآن کی عظیم خدمت سے پورا ہوا سو یہ خلافت عملاً ارادہ الٰہی کی ایک تکمیل تھی جو پورا ہوا۔ ساری دنیا نے دیکھا حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے حق پر یہ بھی ایک کھلی آسمانی شہادت رہی۔

۳۔ حضورؐ نے فرمایا اب قیصر و کسریٰ کی سلطنتیں قائم نہ رہیں گی اور میری امت وہاں تک پہنچے گی تاریخ نے یہ شہادت دی کہ واقعی کسریٰ کے بعد کسریٰ نہ آیا اور قیصر پر سلطنت روم معرض زوال

میں آئی اور یہ سب کچھ حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں پورا ہوا۔ سو یہ حضرت عمرؓ کی خلافت کے برحق ہونے پر ایک کھلی آسمانی شہادت رہی۔ حضور اکرمؐ نے ان دو عظیم سلطنتوں کے بارے میں جو بات کہی تھی وہ ارائت ربانی سے کہی تھی سو یہ ایک یقیناً آسمانی شہادت ہے کہ جس دور میں یہ تصدیق واقع ہوئی وہ واقعی اس خلافت کے برحق ہونے کا ایک کھلا نشان سمجھا جائے گا۔

حضرت عمرؓ کی خلافت کے برحق ہونے پر آسمانی شہادت

حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں ایک دفعہ بارش رکنے سے ایک بڑا قحط واقع ہوا۔ آپ نے حضرت عباس کو اپنے ساتھ لے کر کھلے میدان میں دعا استسقاء کی۔ تاریخ گواہ ہے کہ اس وقت رحمت کی گھٹائیں اٹھیں اور بڑی بارش ہوئی۔ یہ اس خلافت کے برحق ہونے پر ایک کھلی آسمانی شہادت ہے۔ اور ایسا ایک دفعہ نہیں کئی بار ہوا۔

ان عمر بن الخطابؓ کان اذا قحطوا استسقیٰ بالعباس بن عبدالمطلب فقال اللّٰهم انّا کنّا نتوسل الیك بنبیك صلی الله علیه وسلم فتسقینا وانا نتوسل الیك بعم نبیّنافاسقنا قال فیسقون (صحیح بخاری جلد۱ ص۱۳۷)

(ترجمہ) جب قحط ہوتا تو حضرت عمر، حضرت عباس بن عبدالمطلب کے وسیلہ سے بارش طلبی کی دعا کرتے (آپ لوگوں کے ساتھ استسقاء کے لئے باہر میدان میں جاتے) اور کہتے اے اللہ ہم پہلے تیرے نبی پاک کے وسیلہ سے تجھ سے بارش مانگتے تھے اور تو ہمیں سیراب کرتا تھا اب ہم تیرے نبی کے چچا کے واسطہ سے تجھ سے بارش مانگتے ہیں ہمیں پانی سے سیراب فرما، سو اسی وقت بارش ہو جاتی۔

حضرت عمرؓ کی دعا کے بعد حضرت عباس بھی دعا کرتے:

اللّٰهم لم ینزل بلاء الّا بذنب ولم یکشف الابتوبة وقد توجه بی القوم الیك لمکانی بنبیّك وهذه ایدینا الیك بالذنوب ونواصینا بالتوبة فاسقنا الغیث

(عینی علی البخاری جلد ص)

(ترجمہ) اے اللہ! کوئی بلاء نہیں اترتی مگر کسی نہ کسی گناہ کے سبب اور وہ نہیں اٹھتی مگر توبہ سے۔ اور اب قوم میرے واسطہ سے تیری طرف متوجہ ہے اس وجہ سے کہ میرا تیرے نبی کے ساتھ ایک رشتہ ہے اور یہ ہمارے ہاتھ تیرے حضور اپنے گناہوں کے اقرار سے اٹھے ہوئے ہیں اور ہماری پیشانیاں توبہ کے پسینے سے تر ہیں۔ سو تو ہمیں بارش عطا فرما۔

اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں حضرات بنو ہاشم کا خلافت راشدہ سے پورا تعاون تھا اور سب مل کر قوم کی کشتی کھیتے تھے ان حضرات کے باہمی تعاون سے ہی قوم کی کھیتی اتنی فصلیں لاتی رہی۔

حضرت عمرؓ کی خلافت پر یہ کھلی شہادت کسی غرضمند گواہ کی گواہی نہیں یہ آسمانی شہادت بتا رہی ہے کہ اللہ رب العزت کے ہاں یہ حکومت کوئی ظلم کی حکومت نہ تھی یہ خلافت راشدہ تھی۔

۵۔ حضرت عمرؓ کی خلافت کے برحق ہونے پر ایک اور آسمانی شہادت

آپ ایک دفعہ ایک پہاڑ پر کھڑے تھے کہ پہاڑ لرزا۔ یہ زلزلے کی ایک کیفیت تھی۔ آپ نے سنت نبویؐ کی پیروی میں زمین پر پاؤں مارا اور فرمایا، اے زمین! سکون کر۔ کیا تجھ پر عمر نے عدل نہیں کیا۔ یہ زمین کا سکون سب کے سامنے رشد راشدین کی ایک آسمانی شہادت تھی۔

۶۔ حضرت عثمانؓ کی خلافت کے حق ہونے پر ایک کھلی آسمانی شہادت

وحدت امت اور اختلاف امت میں تاریخی نقطہ امتیاز

آنحضرت کی وفات کے بعد امت مسلمہ ربع صدی تک پوری طرح متحد رہی اور صحابہؓ خلافت راشدہ میں حق کے جھنڈے اٹھائے، بر و بحر میں دوڑے۔ سلطنت اسلامی کی جغرافیائی سرحدیں پھیلتی ہی گئیں اور جہاں یہ جاتے، کامیابی ان کے قدم چومتی۔ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت میں انکار زکوٰۃ اور انکار ختم نبوت کے فتنے اٹھے لیکن وہ صرف بغاوت کے درجے میں رہے یہاں تک کہ خلافت نے ان پر فتح پائی۔ تاہم امت مسلمہ تقسیم ہونے سے بچی رہی۔ سب مسلمان سیاسی اور اعتقادی پیرایوں میں ایک امت واحدہ تھے۔

ایک پیشگوئی پہلے سے چلی آ رہی تھی کہ اس امت میں ایک امام ہوگا اور اس کے قتل پر مسلمانوں کی تلوار ایسی بے نیام ہوگی کہ قیامت تک پھر نیام میں نہ جائے گی۔ حضرت علی مرتضیٰؓ نے یہ اندیشہ حضرت عثمانؓ کے سامنے بیان کیا کہ کہیں آپ ہی امت کے وہ امام نہ ہوں جن کی وفات پر مسلمان اختلاف امت کے دور میں داخل ہو جائیں۔ حضرت عثمانؓ باہمی اختلاف میں مسلمانوں کے خون کی ارزانی نہ دیکھنا چاہتے تھے۔ آپ کے ہاں مسلمانوں کا خون بہت قیمتی تھا اسے وہ اپنے لئے گرانے کے حق میں نہ تھے۔ آپ کو اپنی جان کی پروانہ تھی۔ آپ چاہتے تھے کہ آپ کے سامنے مسلمانوں کی باہمی خونریزی نہ ہو۔ علامہ شریف رضی بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی حضرت عثمان کے آخری ایام خلافت میں آپ کے پاس گئے اور لوگوں کی بات بطور نصیحت آپ کی خدمت میں عرض کی، آپ نے کہا:

ان الناس ورای وقد استفسرونی بینك و بینهم ...... وانی انشدك ان لا تکون امام هذه الامة فانه کان یقال یقتل فی هذه الامة امام یفتح علیها القتل والقتال الیٰ یوم القیٰمة ویلبس امورها علیها ویثبت الفتن علیها فلا یبصرون الحق بالباطل وفیموهون فیها موجاً و یمرحون فیها مرجا

(ترجمہ) لوگ میرے پیچھے ہیں اور انہوں نے مجھے اپنے اور آپ کے مابین سفیر بنا کر بھیجا ہے...... میں آپ کو توجہ دلاتا ہوں کہ کہیں آپ اس امت کے وہ امام نہ ہوں جو قتل کیا جائے کیونکہ یہ بات پہلے سے چلی آرہی ہے کہ اس امت میں ایک امام قتل ہوگا اور اس کے قتل پر امت میں قتل و قتال چلے گا اور یہ سلسلہ پھر قیامت تک نہ رکے گا۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ اس امام کے ہوتے ہوئے مسلمان باہمی خونریزی سے بچے ہوں گے اور اس کے قتل پر امت میں دور اختلاف کا آغاز ہوگا اور مسلمانوں کی تلوار پھر قیامت تک نیام میں نہ جا سکے گی۔ وہ امام کیا ہوگا؟ وہ وحدت امت اور اختلاف امت میں ایک نقطۂ امتیاز ہوگا۔

حالات نے بتایا کہ آپ ہی اس پیشگوئی کے مصداق بنے۔ آپ مرتے دم تک وحدت امت کی دھن میں لگے رہے۔ لیکن یہ صحیح ہے کہ آپ کے بعد امت اعتقاداً نہیں تو امارۃً آپس میں مختلف ہوئی اور حالات نے یہ ترتیب پائی کہ:

۱۔ حضرت عثمان کے باغی خلیفہ راشد حضرت علیؓ کے لئے ایک چیلنج بن گئے اور حضرت علیؓ کو کہنا پڑا، **یملکوننا ولا نملکھم**۔ان کی بات ہم پر چلتی ہے، ہماری بات ان پر نہیں چلتی۔

۲۔ حضرت علی کی اس بے بسی پر حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ ان کا ساتھ چھوڑ گئے۔ان کا نظریہ یہ تھا کہ جو ظالموں پر قابو نہ پا سکے وہ قوت خلافت نہیں رکھتا حضرت علی نے اسے نقض بیعت قرار دیا۔تاہم معرکہ جمل میں وہ حالات کی نزاکت کو سمجھ گئے اور انہوں نے حضرت علی سے مصالحت کر لی اور ان کی مخالفت سے دستکش ہو گئے۔لیکن مفسدین نے انہیں پھر بھی نہ چھوڑا۔

۳۔ گورنر شام حضرت معاویہؓ اور فاتح مصر عمرو بن العاصؓ نے اپنی بیعت کو ایسا معرض التوا میں ڈالا کہ حضرت علی ان کے خلاف چڑھائی پر مجبور ہوئے۔جنگ صفین دو حکموں کے تحکیم پر ختم ہوئی اور وہ کسی درجے میں بھی فیصلہ کن نہ ہو سکی۔

۴۔ تحکیم کے نتیجہ میں مسلمانوں میں پہلا اعتقادی فتنہ اٹھا اور یہاں تک نوبت پہنچی کہ خوارج حضرت علی اور حضرت معاویہ دونوں کے خلاف اٹھے۔انہوں نے خلیفہ راشد حضرت علی کو شہید کر دیا اور حضرت معاویہ کے خلاف ان کی سازش قتل ناکام رہی۔

امت میں یہ اختلافات کب اٹھے؟ حضرت عثمان کے بعد۔اس سے پوری دنیا نے جان لیا کہ حضرت عثمان واقعی وحدت امت اور اختلاف امت میں ایک تاریخی فاصلہ رہے ہیں۔سو حضرت عثمان کا اپنے آخری وقت تک وحدت امت کا نشان بنا آپ کی خلافت کے برحق ہونے کی ایک کھلی تکوینی شہادت ہے۔حالات کی یہ ترتیب تو ان کے بس کی بات نہ تھی۔ہاں وحدت امت کے لئے آپ کا اپنی جان تک قربان کر دینا بتاتا ہے کہ آپ وحدت امت کے لئے کیا جذبہ ایمان رکھتے تھے کہ جان بے شک جائے مگر مسلمانوں کی آپس میں خونریزی نہ ہو۔

حضرت حذیفہ بن الیمان (۳۵ھ) سے قتل عثمان کے بارے میں پوچھا گیا آپ نے فرمایا کہ اس کا فیصلہ ان حالات کی روشنی میں کرو جو آپ کی شہادت کے بعد دنیا میں رونما ہوئے۔آپ نے فرمایا:

لو کان قتل عثمان ھدیً ورحمة لاحتلیت به الامة لبناً ولکن کان عمی وضلالة

فاحلبت به الامة دما (البدایه والنهایه جلد٦)

(ترجمہ) اگر حضرت عثمان کا قتل ہونا امت کے لئے ھدایت اور رحمت ہوتا، جائز اور درست ہوتا تو امت کو اس سے دودھ ملتا (اس میں امت کی تعمیر ہوتی) لیکن یہ سراسر ایک بے بصری اور گمراہی کا عمل تھا سو امت نے اس سے خونریزی کے سوا کچھ کشید نہ کیا۔

محدث عبدالرزاق (۲۱۰ھ) نے المصنف میں قتل عثمان کا ایک عنوان قائم کیا ہے آپ اس میں لکھتے ہیں:
نبی کا ناحق خون زمین پر گرے تو زمین اس کے انتقام میں ستر ہزار خون مانگتی ہے یعنی نبی کے قتل پر دنیا میں خونریزی ہو کر رہتی ہے اور نبی کے خلیفہ کا ناحق خون زمین پر گرے تو یہ زمین اس کے انتقام میں اس کا نصف یعنی پینتیس ہزار خون مانگتی ہے۔

حمید بن ہلال حضرت عبداللہ بن سلام سے روایت کرتے ہیں، آپ نے فرمایا، آپ نے حضرت عثمانؓ کے خلاف اٹھنے والے باغیوں سے فرمایا:۔

ان الملئكة لم تزل محيطة بمدينتكم هذه منذ قدمها رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى اليوم فوالله لئن قتلتموه ليذهبن ثم لا يعودوا ابداً فوالله لا يقتله رجل منكم الا لقى الله اجذم لا يدله وانّ سيف الله لم يزل مغموداً عنكم وانكم والله لئن قتلتموه يسلّنه الله ثم لا يغمده منكم (اما قال ابداً واما قال الى يوم القيٰمة) وماقتل نبى قط الا قتل به سبعون الفاً ولا خليفة الا قتل به خمسة وثلٰثون الفا قبل ان يجتمعوا واذكر انه قتل علىٰ دم يحى بن زكريا سبعون الفا (المصنف لعبد الرزاق جلد١١، ص٤٤٥)

(ترجمہ) بے شک فرشتے تمہارے اس مدینہ شہر کو برابر گھیرے ہوئے ہیں جب سے اس میں حضور اکرم ﷺ تشریف لائے اور اب تک ایسا ہی ہے۔ سو خدا کی قسم اگر تم نے حضرت عثمان کو قتل کیا تو یہ چلے جائیں گے اور پھر کبھی پھرے پر نہ آئیں گے۔ بخدا تم میں سے جو شخص بھی آپ کو شہید کرے گا وہ جذام کا مریض ہو کر خدا کو ملے گا۔ اس کا ہاتھ کٹا ہوگا۔ اللہ کی تلوار اب تک تم سے نیام میں رہی ہے

بخدا اللہ تعالیٰ وہ تلوار سونت لیں گے اگر تم نے اسے قتل کر دیا تو وہ تلوار پھر تم سے کبھی ٹھنڈی نہ ہو پائے گی۔ نبی جب بھی کبھی مارا گیا تو اس کے بدلے ستر ہزار خون واقع ہوئے اور جب کوئی نبی کا خلیفہ مارا گیا تو اس کے بدلے پینتیس ہزار آدمی مارے، جاتے رہے۔ پھر کہیں جا کر ان کو اکٹھا ہونا نصیب ہوتا ہے اور کہتے ہیں کہ حضرت یحیٰ علیہ السلام کے قتل پر ستر ہزار آدمیوں پر خدا کا عذاب برسا تھا جب وہ قتل ہوئے۔"

تاریخ گواہ ہے کہ حضرت عثمان کی شہادت کے بعد امت مسلمہ بہت خطرناک خونریزی کا شکار ہوئی خون کی اس چمک میں حضرت عثمان کی مظلومانہ شہادت کی تصویر صاف نظر آرہی ہے حافظ ابن تیمیہ (۷۲۴ھ) وحدت امت اور اختلاف امت کے اس نقطۂ امتیاز کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

لا اجعل من خاض فی دماء المسلمین کمن لم یخض فیہا (منہاج السنۃ)

(ترجمہ) جو مسلمانوں کے خون میں گھرا اُسے میں اس درجے میں نہیں سمجھتا جو اس میں ملوث نہ ہو جائے۔

یہ حضرت عثمان کی خلافت۔ کے برحق ہونے کی ایک کھلی آسمانی شہادت ہے۔

خلافت راشدہ معیار افضلیت کی رو سے

شیخ الحدیث والتفسیر مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ

الحمدللہ رب العٰلمین والعاقبة للمتقین والصلوٰة والسلام علیٰ سید الاولین والاٰخرین سیدنا ومولٰنا محمد و علیٰ آلہ واصحابہ وازواجہ اجمعین اما بعد

حق جل شانہٗ نے صحابہ کرامؓ کو ایک مرتبہ پر نہیں رکھا بلکہ بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ ادلہ شرعیہ کے تتبع اور استقراء سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فضیلت کا معیار دو امر ہیں، اول سوابق اسلامیہ۔ دوم کمالات نفسانیہ، جیسے صدیقیت وشہیدیت وحواریت۔ اور آیات واحادیث سے یہ امر بخوبی ثابت ہے کہ حسن و جمال اور کثرت مال اور حسب ونسب وغیرہ وغیرہ ان امور کو فضیلت معتبرہ عندالشرع میں دخل نہیں کما قال تعالٰی:

وَمَا اَمْوَالُكُمْ وَلَا اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِیْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰی اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحاً (٣٤ سبا، ٣٧)

(ترجمہ) اور تمہارے مال اور تمہاری اولاد وہ نہیں کہ نزدیک کردے ہمارے پاس تمہارا درجہ، مگر یہ کہ جو کوئی یقین لایا اور اس نے بھلا کام کیا۔

وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْباً وَ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ (٤٩ حجرات، ١٣)

(ترجمہ) اور رکھیں تمہاری ذاتیں اور قبیلے تا کہ آپس کی پہچان ہو۔ تحقیق عزت اسی کی اللہ کے ہاں بڑی ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔

اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَاباً وَ خَيْرٌ اَمَلاً (١٨، الكهف، ٤٦)

(ترجمہ) مال اور بیٹے رونق ہیں دنیا کی زندگی میں، اور باقی رہنے والی نیکیوں کا بہتر ہے تیرے رب کے یہاں بدلہ، اور بہتر ہے توقع۔

سوابق اسلامیہ سے مراد یہ ہے کہ ایمان اور اسلام اور جہاد اور ہجرت اور دین کی نصرت اور اعانت میں اول اور سابق ہونا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

والسابقون الاوّلون من المهاجرين والانصار والّذين اتبعوهم باحسان رضى الله عنهم ورضوا عنه واعد لهم جنّٰت تجرى تحتها الانهار خٰلدين فيها ابداً ط ذٰلك الفوز العظيم (۹، توبه، ۱۰۰)

اور جو لوگ قدیم ہیں، سب سے پہلے ہجرت کرنے والے، اور مدد کرنے والے، اور جو اُن کے پیرو ہوئے نیکی کے ساتھ، اللہ تعالیٰ راضی ہوا ان سے، اور وہ راضی ہوئے اس سے، اور تیار کر رکھے ہیں ان کے واسطے باغ کہ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں، رہا کریں انہی میں ہمیشہ۔ یہی ہے بڑی کامیابی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص ہجرت اور نصرت میں گوئے سبقت لے جائے اور ایمان اور اسلام کے میدان امتحان میں جو نمبر اول آئے وہ افضل ہے۔ سوابق اسلامیہ کے متعلق حق جل شانہ کا ایک اور صریح ارشاد ہے وہ یہ ہے:

لایستوی القٰعدون من المؤمنین غیر اولی الضرر و المُجٰهدون فی سبیل الله باموالهم وانفسهم فضّل الله المجٰهدین باموالهم وانفسهم علی القٰعدین درجة وکلّاوعدالله الحسنیٰ ط وفضّل الله المجٰهدین علی القٰعدین اجراً عظیماً۔ درجٰت منه ومغفرة ورحمة ط وکان الله غفوراً رحیماً (٤، النساء، ۹۵)

(ترجمہ) برابر نہیں بیٹھ رہنے والے مسلمان جن کو کوئی عذر نہیں، اور وہ مسلمان جو لڑنے والے ہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے مال سے اور جان سے، اللہ نے بڑھا دیا درجہ اپنے جان اور مال سے لڑنے والوں کا بیٹھ رہنے والوں پر، اور ہر ایک سے وعدہ کیا اللہ نے بھلائی کا، اور زیادہ کیا اللہ نے لڑنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں سے اجر عظیم میں، جو کہ درجے ہیں اللہ کی طرف سے اور بخشش ہے اور مہربانی ہے اور اللہ تعالیٰ ہے مہربان، بخشنے والا۔

نیز حق جل شانہ کا ارشاد ہے:

وما لکم الا تنفقوا فی سبیل الله و لله میراث السمٰوٰت والارض لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولئٰك اعظم درجة من الذین انفقوا من بعد و قاتلوا وکلا وعدالله الحسنیٰ ط والله بما تعملون خبیر (۵۷، الحدید، ۱۰)

(ترجمہ) اور تم کو کیا ہوا کہ خرچ نہیں کرتے اللہ کی راہ میں، اور اللہ تعالیٰ ہی کو بچ رہتی ہے ہر شے آسمانوں میں اور زمین میں، برابر نہیں تم میں سے جس نے خرچ کیا فتح مکہ سے پہلے، اور لڑائی کی، ان لوگوں کا درجہ بڑا ہے ان لوگوں سے جو کہ خرچ کریں اس کے بعد اور لڑائی کریں، اور اللہ تعالیٰ نے سب سے وعدہ کیا خوبی کا، اور اللہ تعالیٰ کو خبر ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔

یہ دونوں آیتیں اس بات پر صراحۃً دلالت کرتی ہیں کہ تمام صحابہؓ ایک مرتبہ پر نہ تھے بلکہ بعض بعض سے افضل تھے، اور مدار افضلیت جہاد فی سبیل اللہ اور انفاق فی سبیل اللہ پر ہے پس جو لوگ ابتدائے اسلام سے تا زیست جان و دل سے شریک جہاد رہے، اور مال سے دین اسلام کے معین اور مددگار رہے، وہی سردار امت تھے اور منزلت علیا رکھتے تھے، اور وہی افضل تھے۔

آخر آیت میں حق جل شانہٗ کے اس ارشاد سے معلوم ہوتا ہے

وکلًا وعدالله الحسنیٰ (٤، النساء، ۹۵)

(ترجمہ) اور ہر ایک سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا بھلائی کا۔

کہ صحابہ کرامؓ میں سے وہ طبقہ کہ جس نے پہلے جہاد و قتال کیا اور خدا کی راہ میں فتح مکہ سے پہلے خرچ کیا اس طبقہ سے افضل ہے، جس نے بعد میں جہاد کیا اور بعد میں خرچ کیا، اور دوسرا طبقہ اس سے پہلے طبقہ سے کم درجہ ہے لیکن وعدۂ حسنیٰ (جنت) کا دونوں سے ہے۔ معلوم ہوا کہ تمام صحابہؓ خواہ قدیم الاسلام ہوں یا متاخر الاسلام سب کے سب جنتی ہیں، اور سب سے وعدہ حسنیٰ کا ہے اور جس سے حق جل شانہ حسنیٰ کا وعدہ فرمائیں وہ کبھی جہنم میں نہیں داخل ہو سکتا۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ سَبَقَتۡ لَهُمۡ مِّنَّا الۡحُسۡنٰۤی اُولٰٓئِكَ عَنۡهَا مُبۡعَدُوۡنَ ۝ لَا یَسۡمَعُوۡنَ حَسِیۡسَهَا ۚ وَ

هُمْ فِیْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ۝ لَا یَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَکْبَرُ وَ تَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِکَةُ، هٰذَا یَوْمُکُمُ الَّذِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ (پ ۲۱، الانبیاء ۱۰۴، ۱۰۳)

(ترجمہ) جن کے لئے پہلے سے ٹھہر چکی ہماری طرف سے نیکی، وہ اس سے دور رہیں گے نہیں سنیں گے اس کی آہٹ، اور وہ اپنے جی کے مزوں میں سدا رہیں گے، نہ غم ہوگا ان کو اس بڑی گھبراہٹ میں، اور لینے آئیں گے ان کو فرشتے۔ آج دن تمہارا ہے، جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔

نیز حق جل شانہ کا ارشاد ہے:

وَالذین اٰمنوا وهاجروا وجاهدوا فی سبیل الله و الذین اٰوَوْ وَّ نَصَرُوا اُولئك هم المُؤمنون حقاً، لهم مّغفرة ورزق کریم ۝ والذین اٰمنوا من بعد و هاجروا و جاهدوا معکم فاولئك منکم (۸، الانفال، ۷۴، ۷۵)

(ترجمہ) اور جو لوگ ایمان لائے اور اپنے گھر چھوڑے، اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑے، اور جن لوگوں نے ان کو جگہ دی، اور ان کی مدد کی، وہی ہیں سچے مسلمان، ان کے لئے بخشش ہے، اور روزی عزت کی، اور جو ایمان لائے اس کے بعد، اور گھر چھوڑے اور لڑے تمہارے ساتھ ہو کر، سو وہ لوگ بھی تمہی میں سے ہیں۔

پس اس آیت میں لفظ **فاولئك منکم** اس بات پر صراحۃً دلالت کرتا ہے کہ جو لوگ ہجرت اور جہاد اور انفاق مال میں مقدم تھے وہ دوسروں سے زیادہ فضیلت رکھتے تھے۔

حقیقت فضل۔ اور فضل کلی اور فضل جزئی کا فرق

فضل: لغت میں مطلق زیادتی کو کہتے ہیں، اور عرف میں دو چیزوں میں سے ایک چیز کا دوسری چیز پر وصف مشترک میں زائد ہونے کا نام فضل ہے مثلاً دو شخص عالم ہیں اور مطلق صفت علم دونوں میں پائی جاتی ہے مگر ایک میں صفت علم دوسرے سے زیادہ پائی جاتی ہے، تو یہ کہا جائے گا کہ یہ شخص علم میں دوسرے سے افضل ہے اس لئے کہ مطلق صفت دونوں میں مشترک ہے مگر ایک شخص اس وصف مشترک میں دوسرے سے زیادہ ہے۔ پس اس وصف مشترک میں زیادتی کا نام فضل ہے، اور جو شخص اس فضل کے ساتھ موصوف ہوگا وہ افضل ہوگا۔

اور فضل کلی اس زیادتی کا نام ہے کہ جو جنس یا نوع کی صفات مخصوصہ اور اغراض مقصودہ کے اعتبار سے ہو، اور جو زیادتی اوصاف غیر مقصودہ اور امور عارضہ کی وجہ سے ہو وہ فضل جزئی ہے مثلاً طبقہ ملوک اور سلاطین میں فضل کلی کا معیار، تدبیر ملکی اور حسن سیاست کی زیادتی ہے جو بادشاہ دوسرے بادشاہ سے تدبیر ملکی حکمرانی اور عدل عمرانی میں زیادہ حاذق اور ماہر ہوگا وہ دوسرے سے افضل ہوگا، اور اسی کو فضل کلی حاصل ہوگا۔

اور طبقہ فقہاء میں فضل کلی اس شخص کو حاصل ہوگا کہ جو فقہ، استنباط اور اجتہاد میں دوسرے سے بڑھا ہوا ہوگا، اور طبقۂ محدثین میں فضل کلی اس شخص کو حاصل ہوگا کہ جو حفظ اور ضبط اور ملکۂ استحضار میں فوقیت رکھتا ہوگا، اور زمرۂ زرگراں اور آہن گراں میں ان کی اپنی اپنی صفت کے اعتبار سے زیادتی اور فوقیت کا اعتبار ہوگا، اور اگر ان طبقات میں کسی کو ایسی فضیلت حاصل ہو کہ جس کا اصل علم اور اصل صفت سے تعلق نہ ہو مثلاً کوئی بادشاہ یا عالم یا کاریگر دوسرے بادشاہ یا عالم یا کاریگر سے شرافت نسبی یا حسن و جمال میں زیادہ ہو تو یہ فضیلت، فضیلت جزئی ہوگی اس لئے کہ یہ فضیلت بادشاہت، علم و معرفت اور صنعت کے اعتبار اور حیثیت سے نہیں بلکہ جنس اور نوع کے اوصاف غیر مقصودہ کے اعتبار سے ہے۔

پس جس طرح بادشاہ کا افضل ترین وزیر وہ شخص ہے کہ جو تدبیر ملکی اور سیاست مدنیہ اور عزل و نصب اور انتظام مملکت میں بادشاہ کا نمونہ ہو اور امور سلطنت میں بادشاہ کا دست و بازو ہو، بادشاہ کے اغراض و مقاصد اس کے ہاتھ سے انجام پاتے ہوں، اسی طرح نبی برحق کا افضل ترین خلیفہ وہ ہے جو کمالات نبوت میں نبی کا نمونہ اور اس کی صفات فاضلہ کا آئینہ ہو، اور نبی کا دست و بازو ہو، اور اس کا وجود دین کی عزت اور تقویت کا باعث ہو، اور کارخانہ ملت اور امت کے انتظام اور انصرام میں نبی کا شریک حال ہو اور ملت کی نشر و اشاعت میں نبی اور امت کے درمیان واسطہ ہو، اور امت کی تعلیم و تربیت منہاج نبوت پر کرے۔ غرض یہ کہ جو خلیفہ صفات نبوت اور کمالات رسالت کی جہت سے نبی اور رسول کے زیادہ مشابہ اور قریب ہوگا اس کو فضیلت کلیہ حاصل ہوگی۔ اور اگر کوئی خلیفہ ایسے اوصاف اور کمالات میں زیادہ ہوا کہ جو اصل نبوت کے لئے لازم نہیں جیسے حسن صورت اور قوت بطش اور علو نسب، وغیر ذلک تو یہ زیادتی فضیلت کلیہ نہ ہوگی بلکہ فضیلت جزئیہ ہوگی۔

خلاصۂ کلام

یہ کہ کتاب اللہ نے دو صفتوں کو معیار افضلیت قرار دیا ہے، ایک سوابق اسلامیہ، دوم کمالات نفسانیہ جن سے حق جل شانہ کا قرب خاص حاصل ہو، صدیقیت اور شہیدیت سے اسی طرف اشارہ ہے اور سنت سنیہ اور احادیث نبویہ کے استقراء اور تتبع سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ معیار فضیلت چار خصلتیں ہیں:

اوّل: اوصاف قرب معنوی یعنی امت کے اعلیٰ طبقہ سے ہونا یعنی صدیق یا محدث من اللہ یا شہید ہونا۔

دوم: سوابق اسلامیہ یعنی آنحضرت ﷺ کی جان و مال سے مدد کرنا، اور بوقت غربت اسلام کی ترویج اور اشاعت میں جدوجہد کرنا اور اس کی ذاتی عزت و وجاہت سے اسلام کو عزت حاصل ہونا۔

سوم: کارہائے مطلوبہ نبوت اور مقاصد ملت اس کے ہاتھوں سے انجام پانا۔

چہارم: قیامت میں درجات عالیہ کا اس کو حاصل ہونا اور صحابہ کرامؓ نے اور چند اوصاف زائد بیان کئے ہیں از انجملہ علم بکتاب وسنت ہے کہ ابوبکرؓ سب سے زیادہ علم والے تھے۔ دوم حزم اور احتیاط اور حسن سیاست ہے۔ سوم قوت وامانت جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔

انّ خیر من استأجرت القوی الامین (پ۲۸، القصص ۲۶)

(ترجمہ) البتہ بہتر نوکر جس کو تو رکھنا چاہے وہ ہے جو زور آور ہو، امانت دار

نہ کسی سے ڈرنا اور نہ کسی کی ملامت کی پرواہ کرنا اور نہ کسی کی رعایت کرنا، چہارم زہد اور ورع کہ بیت المال کی اس درجہ کڑی نگرانی کہ شبہات سے بھی اجتناب اور پرہیز ہو۔ پنجم اخلاق مرضیہ غرض یہ کہ کسی نے مقام فضیلت میں کمالات کسبیہ کو ذکر کیا اور کسی نے کمالات جبلیہ اور نظریہ کو ذکر کیا کسی نے کوئی کمال ذکر کیا اور کسی نے کوئی اور کمال ذکر کیا اور حق یہ ہے کہ ان کی ذات ان تمام کمالات کی جامع تھی۔ اور یہ تمام صفات و کمالات جو احادیث نبویہ اور اقوال صحابہؓ میں اسباب فضیلت قرار دیئے گئے انہیں دو صفتوں کی شرح اور تفصیل ہیں جن کو قرآن کریم نے سبب افضلیت قرار دیا ہے یعنی (۱) کمالات نفسانیہ...... (۲) اور سوابق اسلامیہ۔ جس قدر اوصاف در بارۂ افضلیت احادیث اور اقوال

صحابہ میں مذکور ہیں وہ سب کے سب انہی دو صفتوں کی طرف راجع ہیں کہ جو قرآن کریم میں مذکور ہیں فرق فقط اجمال اور تفصیل کا ہے۔

فائدہ

فضائل دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک وہ کہ جو انسان کی افضلیت کا باعث ہوتے ہیں اور جن کے ذریعہ سے انبیاء کرام کے ساتھ خاص تشبہ حاصل ہوتا ہے، اور بارگاہ خداوندی میں قرب خاص کا ذریعہ ہوتے ہیں، اور قسم دوم وہ فضائل ہیں کہ جو بذاتہ شریعت میں معتبر نہیں جیسا کہ نسب اور مصاہرت قوت اور شجاعت اور فصاحت اور وجاہت کیوں کہ یہ اوصاف مسلمان اور متقی اور فاسق و فاجر سب کو یکساں حاصل ہوتے ہیں پس یہ اوصاف اگر چہ فی حدذاتہ معتبر نہیں لیکن اگر یہ فضائل، قسم اول کے فضائل کے ساتھ حاصل ہوں تو مزید زیادتی رونق کا باعث بن جاتے ہیں، اور بعض اوقات اس قسم کے فضائل کو فضائل معتبرہ میں اس لئے داخل کرلیا جاتا ہے کہ یہ فضائل قسم اول کے فضائل کا کہ جو دراصل فضائل ہیں ان کے اکتساب اور حصول کا ذریعہ بن جاتے ہیں ورنہ محض قسم دوم کے فضائل شریعت میں انسان کو بالا اور برتر بنانے کے لئے کافی نہیں اور ظاہر ہے کہ بدوں عقل و علم کے محض نسب اور مصاہرۃ انسان کو کیسے بلند اور برتر بنا سکتی ہے۔

اثبات افضلیت شیخین رضی اللہ عنہما

افضلیت کے اس معیار کو سمجھ لینے کے بعد شیخین کی افضلیت بالکل واضح ہوجاتی ہے۔

۱: صدیق اکبرؓ کا سوابق اسلامیہ میں سب سے سابق اور اول ہونا روز روشن کی طرح واضح ہے کہ ابوبکرؓ نے ابتداء بعثت سے جان و مال سے رسالت مآب کی مدد کی اور مکہ کی زندگی میں بارہا کفار مکہ سے نبی اکرم ﷺ کی حمایت اور حفاظت کے لئے لڑے بھی۔ حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

''دنیا میں مجھ پر سب سے زیادہ احسان کرنے والا محض ابوبکر ہے جس نے اپنے مال اور جان دونوں سے میری مدد کی۔''

اور حدیث میں ہے کہ حضور پُر نورؐ نے ارشاد فرمایا:

کوئی نبی ایسا نہیں گزرا مگر اس کے دو وزیر تھے اہل آسمان سے اور دو وزیر تھے اہل زمین سے، سو میرے دو وزیر آسمان والوں سے جبرئیل اور میکائیل ہیں، اور اہل زمین سے ابوبکرؓ و عمرؓ میرے وزیر ہیں۔

آنحضرت ﷺ تمام امور میں انہی دو حضرات سے مشورہ کرتے تھے اور آیۃ شاورھم فی الامر۔ ابوبکر عمرؓ کے بارے میں نازل ہوئی۔

اور ایک حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ یہ دونوں ابوبکرؓ و عمرؓ دین کے حق میں بمنزلہ سمع و بصر کے ہیں، اور علیٰ ہذا ہجرت سے قبل حضرت عمرؓ کا کفار مکہ سے جہاد و قتال کرنا روایات کثیرہ سے ثابت ہے، اور آپ کے مشرف باسلام ہونے سے جو اسلام کو قوت، اور عزت اور غلبہ حاصل ہوا وہ اظہر من الشمس ہے۔

حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے بعد مسلمانوں کو مسجد حرام میں نماز پڑھنے پر قدرت ہوئی، ورنہ اس سے پہلے مسلمان مسجد میں علانیہ طور پر نماز نہیں پڑھ سکتے تھے۔

غرض یہ کہ ان دونوں حضرات کا آنحضرت ﷺ کی جان و مال سے اعانت کرنا اور غربت اور بے کسی کے وقت میں اسلام کی ترویج اور ان کے وجود سے اسلام کو عزت اور غلبہ کا حاصل ہونا روز روشن کی طرح واضح ہے۔

۲۔ اور کمالات نفسانیہ میں شیخین کا مقربین اور سابقین سے ہونا اس طرح ثابت ہے۔ حضرت ابوبکرؓ عہد نبوت میں صدیق کے لقب سے ملقب ہوئے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکرؓ کو بناتا مگر وہ میرے بہترین بھائی اور دوست ہیں۔ معلوم ہوا کہ خلّت کے باوجود جو درجہ اور مقام ہوسکتا ہے وہ ابوبکرؓ کو حاصل تھا۔ اور حضرت عمر فاروق اعظمؓ محدث اور مُلہم کہلائے اور پھر شہید ہوئے اور حسب فرمان خداوندی:

ومن يطع الله والرسول فاولئك مع الذين انعم الله عليهم من النبيين والصديقين والشهداء والصالحين (٤، النساء ٦٩)

(ترجمہ) اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی اور رسول کی فرماں برداری کرے گا تو ایسے اشخاص بھی ان کے

ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین۔
اہل انعام کے طبقۂ علیاء یعنی صدیقین اور شہداء کے زمرہ میں داخل ہوئے، اور سورۂ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ نے تمام مسلمانوں کو اس طرح عرض و معروض کرنے کا حکم دیا ہے۔

اهدنا الصراط المستقيم۔ صراط الذين انعمت عليهم (فاتحه ٦، ٧)

(ترجمہ) بتلا دیجئے ہم کو سیدھا راستہ ان لوگوں کا جن پر آپ نے انعام فرمایا ہے۔
جو اس امر کی صریح دلیل ہے کہ جن لوگوں کے طریقہ پر چلنے کا حق تعالیٰ نے حکم دیا ہے وہ عند اللہ افضل تھے ورنہ مفضول اور مساوی کی طلب سراسر غیر معقول ہے اور ابوبکرؓ و عمرؓ بھی **الذين انعمت عليهم** میں داخل ہیں اور گزشتہ آیت نے یہ متعین کر دیا کہ **الذين انعمت عليهم** سے نبیین اور صدیقین اور شہداء مراد ہیں۔ اور احادیث متواترہ نے یہ متعین کر دیا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ تھے، اور حضرت عمر فاروقؓ شہید تھے جس سے صاف ظاہر ہے کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ امت کے طبقۂ علیاء یعنی مقربین اور سابقین میں تھے اس لئے کہ آیات اور احادیث اس بات پر متفق ہیں کہ امت تین گروہ میں منقسم ہے۔ اول مقربین اور سابقین، دوم ابرار و مقتصدین، سوم **ظالم لنفسه مبين** اور مقربین اور سابقین امت کے سر دفتر ہیں اور صدیقین اور شہداء منجملہ مقربین و سابقین ہیں اور شیخین کا صدیقین اور شہداء میں سے ہونا مسلم ہے، اسی وجہ سے حسن بصری اور ابو العالیہ سے صراط مستقیم کی تفسیر میں یہ منقول ہے کہ صراط مستقیم سے آنحضرت ﷺ اور آپ کے صاحبین ابوبکرؓ اور عمرؓ کا طریقہ مراد ہے، اور حضرت ابی بن کعبؓ (۱۹ھ) وصالح المومنین کی تفسیر شیخین ابوبکرؓ اور عمرؓ سے کرتے تھے اور شیخین کے ہاتھوں سے کارہائے نبوت کا انجام پانا بے شمار احادیث سے ثابت ہے، مثلاً قرآن کا بین الدفتین جمع ہونا اور احادیث نبویہ کی نشر و اشاعت کرنا، اور تحقیق کر کے احادیث کے مطابق لوگوں کے مقدمات کا فیصلہ کرنا، اور لوگوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا جس کو حق جل شانہ نے اس امت کی خیر و فلاح کا مدار اور معیار قرار دیا ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ:

كنتم خير امة اخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر (٣، آل عمران، ١١٠)

(ترجمہ) تم لوگ اچھی جماعت ہو، جو عام لوگوں کے لئے ظاہر کی گئی ہے، تم لوگ نیک کاموں کا حکم دیتے ہو، اور بری باتوں سے روکتے ہو۔

اور شیخین کے ہاتھوں سے قیصر و کسریٰ کی حکومتوں کا درہم برہم ہونا اور ان کے بجائے اسلام کی حکومت کا قائم ہونا یہی وہ تمکین دین تھی کہ جو استخلاف کی غرض و غایت تھی کما قال اللہ تعالیٰ:

وعداللہ الذین اٰمنوا منکم و عملوا الصالحٰت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضی لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا (۲٤، النور، ٥٥)

(ترجمہ) تم میں سے جو لوگ ایمان لائیں، اور نیک کام کریں، ان سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے کہ ان کو زمین میں حکومت عطا فرمائیں گے جیسے ان سے پہلوں کو دی تھی، اور جس دین کو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے پسند کیا ہے اس کو ان کے لئے قوت دے گا، اور ان کے خوف کے بعد اسے امن سے بدل دے گا۔

اس آیت کے مصداق خلفاء ثلثہ ہیں۔ حق جل شانہ کی مراد تمکین دین مرتضٰی انہیں بزرگواروں کے زمانۂ خلافت میں ظاہر ہوئی۔

دوسری آیت میں ارشاد ہے:

الذین ان مکنٰھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف و نھوا عن المنکر وللہ عاقبۃ الامور (۲۲، الحج، ٤۱)

(ترجمہ) یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو دنیا میں حکومت دیں تو یہ لوگ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں (دوسروں کو) نیک کاموں کا حکم دیں اور برے کاموں سے منع کریں۔

اور اس آیت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اس طرح فرمایا ہے:

ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لھدمت صوامع وبیع وصلوات و مساجد یذکر فیھا اسم اللہ کثیراً (۲۲، الحج، ٤۰)

(ترجمہ) اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کا ایک دوسرے کے ہاتھ سے زور نہ گھٹواتا تو اپنے اپنے زمانے میں نصاریٰ کے خلوت کدے اور عبادت خانے اور یہود کے عبادت خانے، اور مسلمانوں کی وہ مسجدیں جن میں اللہ تعالیٰ کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے، سب منہدم ہو گئے ہوتے۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ استخلاف حق جل شانہ کی غرض وغایت دفع کفار واحیاءِ دین اسلام تھی نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثها عبادی الصالحون (۲۱، انبیاء، ۱۰۵)

(ترجمہ) اور ہم سب آسمانی کتابوں میں لکھنے کے بعد لکھ چکے ہیں کہ اس زمین کے مالک میرے نیک بندے ہوں گے۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مراد حق غیب الغیب میں قبل بعثت آنحضرت ﷺ یہ تھی کہ ارض شام صالحین کے ہاتھ پر فتح ہو، جب دنیا نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ ارض شام شیخین کے ہاتھ پر فتح ہوئی تو جان لیا کہ یہ گروہ صالحین ہے، اور یہی اس آیت کے مصداق ہیں۔

نیز حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

یا ایها الذین اٰمنوا من یرتد منکم عن دینه فسوف یاتی الله بقوم یحبهم ویحبونه (۵، مائده، ۵۴)

(ترجمہ) اے ایمان والو! تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ تعالیٰ بہت جلد ایسی قوم پیدا کر دے گا جن سے اللہ تعالیٰ کو محبت ہوگی، اور وہ بھی اللہ تعالیٰ سے محبت رکھیں گے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ علم الٰہی میں مقدر ہو چکا تھا کہ عنقریب فتنہ ارتداد ظہور میں آئے گا، اور اس کا استیصال ایسی قوم کے ہاتھ سے ہوگا جو ان صفات کے ساتھ موصوف ہوگی کہ جو آیت میں مذکور ہیں اور یہ پیشین گوئی حضرت صدیقؓ کے عہد خلافت میں پوری ہوئی، نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

ستدعون الی قوم اولی باس شدید تقاتلونهم او یسلمون (۴۸، الفتح، ۱۶)

(ترجمہ) عنقریب تم لوگ ایسی قوم کی طرف بلائے جاؤ گے جو سخت لڑنے والے ہوں گے، یا تو ان سے لڑتے رہو یا وہ فرمانبردار (مسلمان) ہو جائیں۔

اس آیت سے مفہوم ہوا کہ عنقریب ایک وقت آئے گا کہ خلیفہ وقت لوگوں کو جہاد فارس اور روم کی دعوت دے گا اور شرعاً قوم پر اس کا حکم واجب الانقیاد ہوگا، اور یہ پیشین گوئی شیخین کے عہد خلافت میں واقع ہوئی۔

ان آیات میں اگرچہ زمان اور اشخاص کی تعیین نہیں لیکن جب آپ کی وفات کے بعد یہ تمام وعدے خلفاء ثلاثہ کے ہاتھ پر پورے ہوئے اور غیب سے اللہ تعالیٰ نے ان کی فوق العادت مدد فرمائی، اور ان کو بے مثال فتح ونصرت اور بے نظیر کامیابی اور کامرانی نصیب فرمائی تو معلوم ہوگیا کہ قرآن کریم نے جس فتح ونصرت کی خبر دی تھی وہ یہی فتح اور نصرت ہے جو خلفاء ثلاثہ کو حاصل ہوئی، اور لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ کس نے مرتدین سے قتال کیا اور کس نے فتح فارس وروم کا سنگ بنیاد رکھا اور کس کے عہد خلافت میں یہ بلاد فتح ہوئے۔

درحقیقت تمام روئے زمین بمنزلہ ایک پرندے کی تھی جس کا سر عراق تھا اور فارس اور روم اس کے دو بازو تھے، اور ہندوستان اور انگلستان، یا ہندوستان اور ترکستان اس کے دو پیر تھے، پس بتلاؤ کہ اس پرندے کا سر کس نے کچلا اور اس کے بازو کس نے کاٹے یہی دو پیر جو اُن سے بچ رہے تھے تا حال باقی ہیں (ازالۃ الخفاء ، ۲/۷)

اور پھر ان آیات قرآنیہ کے ساتھ ان ارشادات نبویہ کو ملا لیا جائے جو خلفاء راشدین کے بارہ میں آئے ہیں مثلاً حدیث (۲) رؤیائے دلو۔ وحدیث رؤیائے میزان اور حدیث رؤیائے ظلہ۔ یہ تینوں حدیثیں پہلے گزر چکی ہیں، اور مثلاً حدیث وضع احجار اور حدیث تسبیح حصاۃ اگر ان احادیث کی طرف رجوع کیا جائے تو حقیقت امر اور بھی منکشف ہو جائے گی اور معمہ حل ہو جائے گا۔

اور پھر آپ کی یہ وصیت کہ میرے بعد ابوبکرؓ وعمرؓ کی اقتداء کرنا، اور مرض الوفات میں ابوبکرؓ کو اپنی جگہ پر کھڑا کر دینا۔ اگر اس قسم کے اشارات پر غور کرو تو انشاء اللہ تعالیٰ تصریحات سے بھی ابلغ اور الطف

نظر آئیں گے اور یہ امر بخوبی واضح ہو جائے گا کہ تمام اشارات اسی اجمال کی تفصیل ہیں کہ جو آیات خلافت میں مندرج اور منطوی تھا اور یہ وہ خاص ہے کہ جو عموم قرآنی کے تحت مندرج تھا۔

خلاصۂ کلام

یہ کہ جس طرح حضرات انبیاء کی امت پر فضیلت کا راز یہ ہے کہ وہ جارحۂ تدبیر الٰہی ہوتے ہیں اور ان کے ذریعہ اور ان کے ہاتھوں اصلاح عالم اور ارشاد امت ظہور میں آتا ہے جیسا کہ **وما رمیت اذ رمیت ولکن اللّٰہ رمی** 'اس طرف مشیر ہے، اسی طرح خلفاء کو رعیت پر فضیلت کا راز یہ ہے کہ خلیفہ کا وجود نبی کے لئے بمنزلہ جارحہ اور بمنزلہ سمع اور بصر کے ہوتا ہے اور کارہائے نبوت اس کے ہاتھ پر پورے ہوتے ہیں، اور علیٰ ہذا شیخین کا قیامت کے دن درجات عالیہ پر فائز ہونا یہ بھی احادیث صحیحہ اور معتبرہ سے ثابت ہے مثلاً حدیث میں ہے کہ حضور پرنور نے شیخین کو کہول اہل جنت کا سردار فرمایا اور یہ فرمایا کہ حشر کے دن یہ دونوں میرے ساتھ اٹھیں گے وغیرہ وغیرہ۔

غرض یہ کہ شیخین میں یہ چاروں خصلتیں علی وجہ الکمال موجود تھیں جو مدار فضیلت ہیں، اول کمالات نفسانیہ کے اعتبار سے اعلیٰ مراتب امت سے ہونا اور صدیقیت اور شہیدیت اسی سے عبارت ہے، دوم آنحضرت ﷺ کی مدد کرنا اور بوقت عسرت وغربت اسلام کی ترویج میں پوری سعی کرنا سوم کارہائے مطلوبہ نبوت کا شیخین کے ہاتھوں پر پورا ہونا۔ چہارم قیامت کے دن شیخین کا درجات عالیہ پر فائز ہونا۔

دلیل دوم: شیخین کی افضلیت کی دوسری دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانۂ سعادت میں لوگوں کی زبان پر یہ تھا کہ حضور پرنور کے بعد افضل امت ابوبکرؓ ہیں اور ان کے بعد حضرت عمرؓ ہیں، اور ان کے بعد حضرت عثمانؓ جیسا کہ بخاری کی حدیثوں میں ہے۔

جس سے صاف ظاہر ہے کہ مشائخ ثلاثہ کی ترتیب مذکور کے ساتھ فضیلت عہد نبوت ہی میں لوگوں کے زبان زد تھی اور کسی کو اس میں کوئی شک اور شبہ نہ تھا اور نہ کسی کو اس ترتیب پر کوئی اعتراض تھا اور سقیفۂ بنی ساعدہ اور دیگر مقامات میں جب کبھی خلیفہ کے متعلق کوئی گفتگو اور بحث ہوئی تو ابوبکرؓ کے لئے لفظ خیر الامت اور لفظ افضل الناس اور لفظ احق بالخلافت اس طریق سے بولا گیا کہ گویا ان کے

نزدیک یہ امر پہلے ہی سے ایسا محقق تھا کہ احتیاج استدلال و احتیاج تحقیق و مقام نہ رکھتا تھا فقط اس کا یاد دلا دینا کافی تھا۔

دلیل سوم: افضلیت شیخین پر تمام صحابہؓ کا اجماع ہے، کسی کا اس میں اختلاف نہیں، اور صحابہؓ اور تابعین کے جو اقوال اور آثار اس بارہ میں منقول ہیں وہ شمار سے باہر ہیں۔ تفصیل کے لئے ازالۃ الخفاء کی مراجعت کی جائے۔

دلیل چہارم: عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے بوقت استخلاف عثمان غنیؓ سے مہاجرین اور انصار کی موجودگی میں جو بیعت کی اس میں یہ شرط لگائی کہ آپ کو اپنے زمانۂ خلافت میں شیخین کے طریقہ پر عمل کرنا اور ان کی سیرت پر چلنا ہوگا۔

مجمع عام میں عثمان غنیؓ کے ہاتھ پر اس شرط پر بیعت کی گئی اور حاضرین نے اس کو تسلیم کیا یہ بھی شیخین کی افضلیت کی قطعی دلیل ہے اس لئے کہ ایک خلیفہ مجتہد کو اپنے سے مفضول یا مساوی کے طریقہ پر چلنے کی دعوت دینا سراسر غیر معقول ہے۔

دلیل پنجم: حضرت علی کرم اللہ وجہ سے یہ امر بطریق تواتر ثابت ہے، کہ آپ اپنے ایام خلافت میں برسر منبر اور برسر مجالس بہ ترتیب خلافت افضلیت شیخین کو بیان فرماتے تھے، اور جو لوگ کسی غلط فہمی کی بناء پر اس مسئلہ میں اختلاف رکھتے تھے ان کو زجر و توبیخ فرماتے تھے اور فقہاء صحابہؓ اس وقت حاضر تھے کسی نے کبھی اس کا انکار نہیں کیا، اور اس بارہ میں صحابہؓ اور تابعین کے اقوال حد تواتر کو پہنچے ہیں

(ازالۃ الخفاء، ۲/۱۲۰)

خلفاء راشدین کے اقوال وافعال حجت شرعیہ ہیں

شیخ الحدیث والتفسیر مولانا محمد ادریس کاندھلوی

الحمدلله رب العٰلمين والعاقبة للمتقين والصلوٰة والسلام علىٰ سيد الاولين والاٰخرين سيدنا ومولٰنا محمد و علىٰ آله واصحابه وازواجه اجمعين اما بعد

خلافت راشدہ کا زمانہ، زمانہ نبوت کا بقیہ ہے، فرق اتنا ہے کہ زمانۂ نبوت میں نبی خود اپنی زبان مبارک سے صراحۃً امور کو بیان فرماتے تھے، اور زمانۂ خلافت میں نبی ساکت وصامت بیٹھے ہیں، لسان نبوت خاموش ہے، اور ہاتھ اور سر اور پیر سے اشارے کر رہے ہیں، اور اہل فہم اور اہل دانش مقصود کو سمجھ رہے ہیں اور جس نے اعضاء وجوارح (یعنی خلفاء راشدین) کی حرکات وسکنات کے سمجھنے میں غلطی کی وہ اس کی سمجھ کا قصور ہے۔ یہی وجہ ہے خلفاء راشدین کے اقوال اور افعال باجماع امت حجت شرعیہ ہیں ان کا اتباع واجب اور لازم ہے۔ خلفائے راشدین کی سنت کی اتباع اور خاص ابوبکر وعمرؓ کی اقتداء کے لزوم اور تاکید کے بارہ میں بکثرت احادیث آئی ہیں۔

حق جل شانہٗ نے آیت استخلاف میں وعدۂ خلافت کے بعد یہ ارشاد فرمایا:

وليمكنن لهم دينهم الّذى ارتضىٰ لهم (٢٤ النور، ٥٥)

(ترجمہ) اور تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے لئے ان کے دین کو مضبوط اور مستحکم کرے جسے اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے۔

اس آیت شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے دین کو خلفاء راشدین کی طرف منسوب فرمایا یا یوں کہو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے کاموں پر دین کا اطلاق کیا جو خلفاء کے ہاتھوں سے ظاہر ہوں گے اور پھر **الذی ارتضیٰ لھم** سے اس کا پسندیدۂ خداوندی ہونا بیان فرمایا، یہ اس کی صریح دلیل ہے کہ خلفاء راشدین کے اقوال وافعال داخل دین ہیں، اور خدا تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ائمہ مجتہدین کے نزدیک خلفاء راشدین کے اقوال اور افعال ادلہ شرعیہ میں شمار ہوتے ہیں، اوران کو قیاس پر مقدم رکھا جاتا ہے۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ خلفاء راشدین ان صفاتِ فاضلہ کے ساتھ موصوف تھے جو بارگاہ خداوندی کے مقربین اور کاملین کے ساتھ مخصوص ہیں۔ علم وحکمت، فہم اور فراست، حسن معاملہ اور حسن عبادت اور افعال اور صفات میں نبی اکرم ﷺ کا نمونہ تھے، ان حضرات کی حزم اور احتیاط، شجاعت اور سیاست اور رعیت شناسی جس سے حکومت اور سلطنت حاصل ہوتی ہے اور چلتی ہے، وہ ایسی بے مثال تھی، جس کی مثال پیش کرنے سے دنیا آج تک عاجز و درماندہ ہے۔

خلفائے راشدین کا دور خلافت۔ عہد نبوت کا تتمہ تھا، جو وعدے نبی اکرم ﷺ سے کئے گئے تھے وہ خلفاء راشدین کے ہاتھ پر پورے ہوئے فرق صرف اتنا تھا کہ آسمان سے وحی نہیں آتی تھی۔ مثل:

انا نحن نزلنا الذکر وانالهٗ لحافظون (۱۵ الحجر، ۹)

ہم نے قرآن کو نازل کیا ہے، اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔

ان علینا جمعه وقرأنه (۷۵ قیامه، ۱۷)

اس کا جمع کرنا، اور پڑھوا دینا ہمارے ذمہ ہے۔

لیظهره علی الدین کله (۹، توبه، ۳۳)

تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کردے۔

ستدعون الیٰ قوم اُولی باس شدید (۴۸ الفتح، ۱۶)

عنقریب تم ایسے لوگوں کی طرف بلائے جاؤ گے جو سخت لڑنے والے ہوں گے۔

ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثها عبادی الصالحونo (۲۱ الانبیاء، ۱۰۵)

اور لوح محفوظ کے بعد ہم سب آسمانی کتابوں میں لکھ چکے ہیں کہ اس زمین کے مالک میرے نیک بندے ہوں گے۔

یعنی حفاظت قرآن، غلبۂ اسلام، فتح روم وفارس اور روئے زمین کی وراثت یعنی اقتدار اعلیٰ۔ اللہ تعالیٰ کے یہ تمام وعدے خلفائے راشدین کے ہاتھ پر پورے ہوئے۔

خلفاء کی افضلیت کی قوی وجہ یہ ہے کہ دین کی بوقت غربت اور بوقتِ عسرت جان، مال، تبلیغ، جہاد اور مناظرہ سے مدد کی، اور سب سے سبقت لے گئے، ظاہر ہے کہ حضور پرنور ابتداء میں تن تنہا تھے، اور اللہ تعالیٰ کا ارادۂ ازلیہ دین کے غالب کرنے کا ہو چکا تھا، عالم اسباب میں حق تعالیٰ نے اس کی یہ صورت پیدا کی کہ ان لوگوں کے دلوں میں نبی کریم کی اعانت اور نصرت اور حمایت کا خاص داعیہ پیدا فرمایا، نیز خلفاء کی افضلیت کی ایک قوی وجہ یہ ہے کہ نبی کریم اور امت کے درمیان واسطہ بنے، قرآن وحدیث کی ترویج میں سب سے آگے رہے، اور عرب اور عجم سے جہاد کیا اور اسلام کا پرچم بلند کیا۔

شیخین کی افضلیت کو سب سے زیادہ صاف اور واضح کرنے والے حضرت علیؓ مرتضیٰ ہیں کہ جن سے باسانید صحیحہ اور متواترہ مروی ہے کہ کوفہ میں منبر پر کھڑے ہو کر اپنے عہد خلافت میں یہ فرمایا کرتے تھے کہ:

امت میں سب سے بہتر ابوبکرؓ اور ان کے بعد عمرؓ ہیں۔

خلافت کا اصل مقصد تمکین دین ہے، لہٰذا یہ دیکھنا چاہئے کہ یہ مقصد کس کس خلیفہ کے ہاتھ سے حاصل ہوا، مقاصد کی تحصیل اور تکمیل کے ذرائع اور وسائل پر بحث کرنا فضول ہے۔

یہ بالکل ایسا ہے کہ بادشاہ کو مقصود کسی دشمن کو قتل کرانا ہے۔ جس سے دنیا مصیبت میں مبتلا ہے، ایک جوانمرد اٹھا اور اس نے جس طرح ہو سکا اس کا کام تمام کیا، گلا گھونٹ کر مار دیا یا پتھر سے مارا یا تیر سے مارا۔ اب ایک بے وقوف کہتا ہے کہ اگر اس دشمن کو بجائے تیر کے تلوار سے مارا جاتا تو زیادہ شجاعت ہوتی، یا یہ کہے کہ فلاں شخص قوت اور شجاعت میں اس سے بہتر تھا۔ یہ باتیں اس کی احمقانہ اور ابلہانہ ہیں۔ اسی طرح یہ بحث کرنا کہ حضرت علیؓ شجاعت میں حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ سے بڑھ کر تھے فضول ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ خلافت کا یہ مقصد کس سے زیادہ حاصل ہوا اور مقاصد خلافت کس سے باحسن وجوہ انجام پائے! وہی شخص افضل ہے، شجاعت مقصود بالذات نہیں، مقصود بالذات تمکین دین سے اللہ کی خوشنودی حاصل کرنا ہے جو حاصل ہو گئی۔

آیت استخلاف میں حق تعالیٰ نے دو وعدے فرمائے ایک استخلاف فی الارض کا دوسرے تمکین دین کا۔ اور یہ دونوں وعدے حاضرین وقت سے کئے گئے، اب اگر یہ وعدے صحابہ کے زمانہ میں پورے نہ ہوئے تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ خدا کا وعدہ پورا نہیں ہوا، اور جاہل ہے وہ شخص جو یہ کہتا ہے کہ خلافت مستحق سے غصب کر لی گئی۔ اللہ تعالیٰ کے وعدے میں نہ تخلف ممکن ہے اور نہ غصب ممکن ہے۔ جو اس وعدے کے پورے ہونے میں رکاوٹ بنے۔

وعدۂ خداوندی امر تکوینی ہے جس کی مخالفت ناممکن ہے۔ امر تشریعی میں مخالفت ممکن ہے جیسے کسی کو حکم ہو کہ نماز پڑھو اور وہ نماز نہ پڑھے۔

خلیفہ اور بادشاہ میں فرق

سلیمان بن ابی لعوجاء سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے یہ فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ میں خلیفہ ہوں یا بادشاہ۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ اے امیر المومنین! خلیفہ اور بادشاہ میں تو فرق ظاہر ہے، وہ یہ کہ خلیفہ نہیں مال لیتا مگر حق کے ساتھ نہیں خرچ کرتا مگر حق کے ساتھ۔ اور آپ بحمد اللہ ایسے ہی ہیں۔ اور بادشاہ ظلم کرتا ہے کہ جس سے چاہتا ہے لیتا ہے اور جسے چاہتا ہے دیتا ہے۔ حضرت عمرؓ سن کر خاموش ہو گئے۔

روایت کیا گیا کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ (۶۰ھ) جب منبر پر بیٹھے تو فرمایا کہ: ''خلافت نہ مال جمع کرنے کا نام ہے، اور نہ خرچ کرنے کا بلکہ خلافت اس کا نام ہے کہ حق پر عمل کرے، حکم میں عدل کرے، اور لوگوں کو امر الٰہی پر قائم رکھے۔''

ایک مجلس، جس میں حضرت زبیرؓ (ھ) اور کعب احبارؒ (۳۴ھ) بھی موجود تھے، حضرت سلمان فارسیؓ (۳۳ھ) سے پوچھا گیا کہ خلیفہ اور بادشاہ میں کیا فرق ہے۔ سلمان فارسیؓ نے فرمایا۔ خلیفہ وہ ہے جو رعیت میں عدل کرے اور مال غنیمت ان میں برابر تقسیم کرے، اور اپنے اہل و عیال کی طرح رعیت پر شفقت کرے اور کتاب اللہ کے ساتھ اُن کے درمیان فیصلہ کرے۔ کعب احبارؒ کہنے لگے کہ میرا تو خیال یہ تھا کہ اس مجلس میں میرے سوا کوئی خلیفہ کے معنی نہیں جانتا ہوگا۔

دیکھو تحت تفسیر آیت بست و ہشتم (۲۸) یعنی آیت:

اَمۡ نَجۡعَلُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالۡمُفۡسِدِيۡنَ فِى الۡاَرۡضِ اَمۡ نَجۡعَلُ الۡمُتَّقِيۡنَ كَالۡفُجَّارِ (۳۸ صٓ ۲۸)

(ترجمہ) تو کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے، اور اچھے کام کئے، انہیں ان لوگوں کے برابر کر دیں گے جو دنیا میں فساد مچاتے پھرتے ہیں۔ یا ہم پرہیزگاروں کو بدکاروں کے برابر کر دیں گے؟

نبی اور خلیفہ راشد کی تعریف

نبی کی تعریف یہ ہے کہ وہ جو شریعت الٰہیہ کی تبلیغ پر مامور، اور نفس اس کا نفسِ قدسی ہو جو نورانیت اور صفائی میں ملاء اعلیٰ کے ہم رنگ ہو۔ اسی طرح خلیفہ خاص کی تعریف یہ ہے کہ جو نبی کی شریعت کو لوگوں میں جاری کرے، اور خدا تعالیٰ کے وہ وعدے جو نبی سے کئے گئے تھے وہ اس کے ہاتھ پر پورے ہوں اور اس کی قوت عاقلہ اور قوت عاملہ نبی کی قوت عاقلہ اور قوت عاملہ کی ہمرنگ ہو، اور نبی کا اتباع اس کے حق میں تقلیدی نہ ہو بلکہ تحقیقی ہو۔

خلفاء راشدین کی خلافت کا ثبوت

خلفاء راشدین کی خلافت مختلف طریقوں سے ثابت ہے۔ منجملہ ان کے اجماع صحابہ کرامؓ ہے۔ عبداللہ بن مسعودؓ نے اسی مسلک کو اختیار فرمایا اور فرمایا کہ جس بات کو مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھی ہے، اور جس کو وہ بُرا جانیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بری ہے۔

چونکہ صحابہ کرامؓ خدا تعالیٰ کے برگزیدہ اور پسندیدہ تھے، اور کتاب وسنت کے سب سے زیادہ جاننے والے، اور خدا اور اس کے رسول کے عاشق صادق تھے وہ خوب جانتے تھے کہ کون افضل ہے، اور کون مفضول۔ اس لئے کسی امر پر اُن کا اتفاق اور اجماع اس امر کے حق اور صدق ہونے کی قطعی دلیل ہوگا۔ تمام صحابہؓ نے صدیق اکبرؓ کو بہتر جانا اس لئے ان کو خلیفہ بنایا، اور ان کے بعد عمرؓ کو اور پھر عثمانؓ اور پھر علیؓ کو۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

اثبات خلافت خلفاء بطریق دیگر

آنحضرت ﷺ کی نبوت کے دلائل میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ: حضور پُرنور کے ظہور کی بشارتیں توریت اور انجیل اور دیگر کتب الہیہ میں موجود ہیں، کما قال تعالیٰ:

اَوَلَمْ یَكُنْ لَّهُمْ اٰیَةً اَنْ یَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ (۲۶ شعراء ۱۹۷)

(ترجمہ) کیا ان لوگوں کے لئے یہ بات دلیل نہیں ہے کہ اس پیشین گوئی کو علمائے بنی اسرائیل جانتے ہیں۔

وَقَالَ تَعَالٰی: یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ط (۲ بقرہ ۱۴۶)

(ترجمہ) وہ نبی علیہ السلام کو ایسا پہچانتے ہیں جیسا اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔

توریت اور انجیل میں جس قدر بھی حضور ﷺ کے اوصاف موجود تھے اگرچہ ظاہری طور پر ان سے کسی خاص فرد کی تعیین نہیں ہو جاتی لیکن ان نصوص کے تواتر اور تسلسل سے یہ امر درجۂ یقین تک پہنچ جاتا ہے کہ ان اوصاف موعودہ کا جامع ایک ہی شخص ہوگا جو مدت دراز کے بعد ظاہر ہوگا۔ اور جس وقت وہ ظاہر ہوگا تو لوگ ان اوصاف کو دیکھتے ہی یقین کریں گے کہ یہ وہی شخص موعود ہے کہ جس کی انبیاء سابقین بشارتیں دیتے چلے آئے۔ اسی طرح قرآن کریم نے متعدد جگہ خلافت راشدہ کی بشارت دی، اور خلفاء راشدین کے اوصاف بیان کئے، اور ان کی مدح اور ثناء میں یہ بھی بیان کیا کہ جس طرح نبی اکرم ﷺ کی توریت اور انجیل میں بشارتیں مذکور ہیں، اسی طرح صحابۂ کرام اور خلفاء راشدین کی بھی مثالیں اور صفتیں توریت اور انجیل میں مذکور ہیں۔ کما قال تعالیٰ:

ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ (الفتح، ۲۹)

(ترجمہ) یہ ہے ان کی مثال توریت میں، اور یہ ہے ان کی مثال انجیل میں۔

ان آیات میں اگرچہ خلفاء کے نام کی صراحت نہ تھی لیکن جن صفات اور افعال کا ذکر تھا جب وہ صفات اور افعال خلفاء راشدین میں لوگوں نے دیکھے اور عرب اور عجم کی بے مثال فتح اور دین اسلام کی تمکین اور غلبہ ان کے ہاتھوں پر ظاہر ہوتا ہوا دیکھا تو تمام مسلمانوں کا دل مطمئن ہو گیا کہ خلافت

راشدہ کی بشارت کا مصداق یہی حضرات ہیں، اور مسلمانوں نے اپنی آنکھ سے دیکھ لیا کہ حضرت آدمؑ سے لے کر اس وقت تک کسی زمانہ میں کسی کے ہاتھ پر دین کی ایسی تمکین ظاہر نہیں ہوئی کہ جو ابو بکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ کے زمانہ میں ہوئی بلکہ کسی ملت اور مذہب میں اس تمکین کا عشر عشیر بھی دیکھنے اور سننے میں نہیں آیا۔

پس جس طرح نبی آخر الزمان کے ان اوصاف اور کمالات کے ظاہر ہونے سے کہ جن کی توریت و انجیل میں بشارت دی گئی تھی، اہل کتاب پر حجت پوری ہوئی اور وہ آپ پر ایمان لانے کے مکلف ہوئے اسی طرح خلفاء راشدین میں ان اوصاف اور لوازم کے پائے جانے سے جو حق تعالیٰ نے خلافت راشدہ کے متعلق بیان فرمائے ہیں۔ خلفاء کی خلافت کی حقانیت ثابت ہوئی، اور ان خلفاء کا ماننا اور ان کی اطاعت کا ضروری ہونا بدیہی طور پر معلوم ہوگیا۔ قرآن کریم کے اصلی مفسر آنحضرت ﷺ ہیں۔ قرآن کریم کے متعلق جہاں اشکال پیش آئے وہاں حدیث نبوی کی طرف رجوع کیا جائے گا جیسا کہ حق جلّ شانہ کا ارشاد ہے۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ

(ترجمہ) اے نبیؐ! ہم نے یہ قرآن تم پر اس لئے نازل کیا کہ تم اس کی تفسیر کرو، اور لوگوں کے لئے اس کے معانی بیان کرو۔

چنانچہ خلافت کے بارہ میں جب آیتیں نازل ہوئیں تو ان میں باعتبار معنی اور مفہوم کے کوئی غموض اور ابہام نہ تھا لیکن مدت خلافت اور تعیین اسماء خلفاء اور ترتیب خلافت کے اعتبار سے کچھ غموص اور ابہام تھا جس کو نبی اکرم ﷺ نے عالم غیب کے اشاروں سے واضح اور متعین فرمایا۔

حق تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ انبیاء کرام کو کبھی بذریعہ وحی بیداری میں کسی امر کی خبر دیتے ہیں، اور کبھی بذریعہ رویائے صالحہ اس سے آگاہ کرتے ہیں جیسے شب قدر اور اذان کے متعلق بذریعہ خواب بتلایا گیا۔ اسی طرح اسماء خلفاء کی تعیین اور ان کی ترتیب خلافت، اور مدت خلافت کے متعلق آپ کو اور آپ کے اصحاب کو مختلف طور پر خواب دکھلائے گئے جن سے معلوم ہوا کہ حضور کے بعد یہ لوگ اس ترتیب سے خلیفہ ہوں گے۔

۱۔ مثلاً حضورؐ نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ایک کنویں پر ہوں جس پر ایک ڈول رکھا ہوا ہے۔ میں نے اس کنویں سے پانی نکالا جس قدر خدا تعالیٰ کو منظور تھا، پھر مجھ سے وہ ڈول ابوقحافہ کے بیٹے یعنی ابوبکرؓ نے لے لیا، اور ایک دو ڈول نکال لئے مگر ان کے نکالنے میں کچھ کمزوری تھی اللہ تعالیٰ ان کو معاف کرے، پھر ایک چمڑے کا بڑا ڈول بن گیا، اور ان کے ہاتھ سے ابن خطاب نے اس کو لے لیا، اور اتنا پانی نکالا کہ لوگ سیراب ہو گئے، اور اپنے اونٹوں کو بھی سیراب کر لیا۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم، کتاب المناقب، دیکھئے ازالۃ الخفاء۔۱/۵۸)

۲۔ سنن ابی داوٗد میں حضرت ابوبکرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا، یارسول اللہؐ! میں نے خواب دیکھا کہ آسمان سے ایک ترازو اتری جس میں حضورؐ پر نور اور ابوبکرؓ تولے گئے، تو آپ بھاری نکلے پھر ابوبکر و عمرؓ تولے گئے تو ابوبکر بھاری نکلے، پھر عمرؓ اور عثمانؓ تولے گئے تو عمرؓ بھاری نکلے، پھر وہ ترازو اٹھالی گئی۔ آنحضرت ﷺ یہ سن کر رنجیدہ ہوئے۔

(ازالۃ الخفاء۔۱/۵۸۔ سنن ابی داوٗد جلد۲ص (۶۳۷) ھٰذا حدیث حسن صحیح جامع ترمذی ۲ص ۵۲۔ مسند امام احمد جلد۷ص ۳۲۰۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (۱۳ھ)، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ (۲۳ھ)، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ (۳۵ھ)، حضرت علی کرم اللہ وجہ (۴۰ھ)۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما (۶۸ھ)

۳۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا یارسول اللہ! آج کی شب میں نے یہ خواب دیکھا کہ ایک ابر کا ٹکڑا ہے جس سے گھی اور شہد ٹپک رہا ہے اور لوگوں کو دیکھ رہا ہوں کہ دونوں ہاتھوں سے اس کو لے رہے ہیں۔ کوئی کم اور کوئی زیادہ، اور میں نے یہ دیکھا کہ ایک رسی ہے جو آسمان سے زمین تک لٹک رہی ہے، پھر میں نے دیکھا کہ یارسول اللہ! آپ نے اس رسی کو پکڑ لیا، اور اس کے ذریعہ آسمان پر چڑھ گئے، پھر آپ کے بعد ایک اور شخص آیا کہ اس نے وہ رسی پکڑی، اور اس کے ذریعہ آسمان پر چڑھ گیا، پھر اس کے بعد ایک دوسرا شخص آیا جس نے اس رسی کو پکڑا اور وہ اس کے ذریعہ آسمان پر چڑھ گیا۔ پھر اس

کے بعد ایک تیسرا شخص آیا جس نے اس رسی کو پکڑا تو وہ رسی ٹوٹ گئی مگر پھر جڑ گئی اور وہ شخص بھی آسمان پر چڑھ گیا۔ابو بکرؓ نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں اگر آپ مجھ کو اجازت دیں تو میں اس خواب کی تعبیر عرض کروں، آپ نے فرمایا، اچھا اس کی تعبیر بیان کرو۔ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: ابر سے مراد تو اسلام ہے، اور اس سے ٹپکنے والی چیز قرآن کی نرمی اور شیرینی وہ گھی اور شہد ہے جس سے کوئی زیادہ اور کوئی کم لے رہا ہے، اور وہ رسی جو آسمان سے زمین تک لٹکی ہوئی ہے، وہ دین حق اور شریعت حقہ کی رسی ہے جس پر آپ قائم ہیں اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ آپ کو علو اور رفعت عطا کرے گا، پھر آپ کے بعد کوئی دوسرا شخص اس رسی کو تھامے گا اور بلندی حاصل کرے گا، اور پھر ایک اور شخص اس رسی کو پکڑے گا اور اس کے ذریعہ بلندی پر چڑھ جائے گا، اور پھر اس کے بعد ایک تیسرا شخص اس رسی کو پکڑے گا اور پھر وہ رسی ٹوٹ جائے گی، اور پھر وہ رسی اس کے لئے جوڑی جائے گی، اور پھر وہ شخص بھی اسی رسی کے ذریعہ بلندی پر چڑھ جائے گا۔اخرجہ البخاری ومسلم والدارمی وابوداؤد والترمذی۔

اور اس قسم کے خوابوں کے علاوہ ایک دوسرے طریقہ سے آنحضرت ﷺ نے خلفاء کے اسماء اور ترتیب خلافت کو بیان فرمایا یعنی آئندہ واقعات کی اس طرح خبر دی کہ جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ آپ کے بعد یہ لوگ خلیفہ ہوں گے۔

۱۔ مثلاً حدیث میں ہے کہ جب حضورؐ نے مسجد نبوی کی بنیاد رکھی تو سب سے پہلے آپ نے ایک پتھر رکھا اور پھر فرمایا کہ میرے پتھر کے برابر ابو بکرؓ ایک پتھر رکھیں، پھر فرمایا کہ ابو بکرؓ کے پتھر کے برابر عمرؓ ایک پتھر رکھیں، کسی نے حضورؐ سے اس کے متعلق دریافت کیا۔آپ نے فرمایا یہ لوگ میرے بعد خلیفہ ہوں گے۔

ایک مرتبہ حضورؐ نے چند کنکریاں اپنے ہاتھ میں لیں تو ان کنکریوں نے آپ کے ہاتھ میں تسبیح پڑھی جس کو تمام حاضرین نے سنا۔پھر آپؐ نے وہ کنکریاں حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ میں رکھ دیں ان کنکریوں نے آپؓ کے ہاتھ میں بھی تسبیح پڑھی پھر آپؐ نے وہ کنکریاں عمرؓ کے ہاتھ میں رکھ دیں، اُن کے ہاتھ میں بھی کنکریوں نے تسبیح پڑھی جس کی آواز کو تمام حاضرین نے سنا۔پھر آپؐ نے وہ

کنکریاں عثمانؓ کے ہاتھ میں رکھ دیں، ان کے ہاتھ میں کنکریوں نے تسبیح پڑھی جس کی آواز کو تمام حاضرین نے سنا۔ بعد ازاں آپ نے فرداً فرداً ہمارے ہاتھوں پر وہ کنکریاں رکھیں مگر کسی کے ہاتھ میں کنکریوں نے تسبیح نہ پڑھی۔ غرض یہ کہ اس کے غیبی اضافات اور اشارات بے شمار ہیں مثلاً میرے بعد زکوٰۃ ابوبکرؓ کو دینا، اگر ابوبکرؓ نہ ہوں تو عمرؓ کو دینا اور اگر عمرؓ نہ ہوں تو عثمانؓ کو دینا۔ یا یہ فرمانا کہ: میرے بعد ابوبکرؓ وعمر کی اقتداء کرنا۔ (یہ تمام روایات کتب احادیث میں بھی ہیں، اور شاہ ولی اللہ نے ازالۃ الخفاء میں بھی نقل کی ہیں)۔

حضور ﷺ نے اپنے مرض الوفات میں فرمایا: میرا دل چاہتا تھا کہ ابوبکرؓ کو بلاؤں اور ایک وصیت نامہ لکھوا دوں تا کہ کہنے والے کچھ نہ کہہ سکیں، اور تمنا کرنے والے تمنا نہ کرسکیں کہ میں ابوبکر سے اولیٰ ہوں۔ لیکن میں نے اپنے دل میں کہا کہ اللہ تعالیٰ اور مسلمان سوائے ابوبکرؓ کے کسی پر راضی نہ ہوں گے۔ (صحیح مسلم اور دیگر کتب حدیث میں (ابواب لمناقب میں) یہ روایت موجود ہے)۔

لہٰذا لکھوانے کی ضرورت نہیں، اور بجائے تحریر وصیت کے عملی طور پر امامتِ صلوٰۃ ابوبکرؓ کے سپرد کی جو دین کا ستون ہے، اور اس کے بعد آپ نے کسی کتابت اور صراحت کی ضرورت نہ سمجھی، یہ عملی استخلاف قولی استخلاف سے بڑھ کر ثابت ہوا، اور یہ تمام احادیث، آیاتِ استخلاف کی ایسی ہی تفسیر ہیں جیسا کہ احادیث وضوء آیت وضوء کی تفسیر ہیں، اور جب ان احادیث کو آیات خلافت کے ساتھ ملا لیا جائے تو ایسا معلوم ہوگا کہ گویا ان بزرگوں کا نام بھی آیات میں بیان کر دیا گیا ہے۔ اور حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں جو خلیفہ بنانے کا وعدہ فرمایا تھا وہ ان ہی بزرگوں کی صورت میں ظاہر ہوا۔

طریق معرفت خلیفۂ راشد

جس طرح مدعیان نبوت میں سے نبی برحق کا پہچاننا دشوار اور مشکل تھا (مگر جس پر اللہ تعالیٰ آسان فرمائے) اسی طرح مستعد خلافت کا پہچاننا دشوار اور مشکل ہے مگر اس حیرت سے بچنے کے لئے دو راہیں ہیں جس طرح نبی کی وجوہ معرفت اور طریق شناخت میں سب سے سہل دو وجہیں ہیں ایک وجہ سابق اور ایک وجہ لاحق۔ نبی برحق کی شناخت کی وجہ سابق یہ ہے کہ نبی سابق اپنی امت کو لاحق کی

بشارت دے، اوراس کے اتباع اوراطاعت کی وصیت کرے جیسے عیسیٰ علیہ السلام نے نبی اکرم ﷺ کی بشارت دی کما قال تعالیٰ:

مبشرا برسولٍ یاتی من بعد اسمہٗ احمد(الصف،٦)

(ترجمہ) خوش خبری سنانے والا ایک رسول کی، جوآئے گا میرے بعداس کا نام ہے احمد۔

اولم یکن لھم اٰیۃ ان یعلمہٗ علماء بنی اسرائیل(پ ١٩، الشعراء ١٩٧)

(ترجمہ) کیاان کے واسطے نشانی نہیں یہ بات کہ اس کی خبر رکھتے ہیں، پڑھے (لکھے) لوگ بنی اسرائیل کے۔

اسی بناء پراللہ تعالیٰ نے اہل کتاب پر حجت قائم کی۔

اوروجہ لاحق یہ ہے کہ پیغمبر آخر کی شریعت، پیغمبر سابق کی شریعت کی مصدق ہواور معجزات اور دلائل نبوت اس کے ہاتھ پرظاہرہوں۔

لیھلك من ھلك عن بینۃ ویحیٰ من حی عن بینۃ(پ ١٠، الانفال ٤٢)

(ترجمہ) تاکہ مرے جس کومرنا ہے، قیام حجت کے بعد، اورجیوے جس کو جینا ہے قیام حجت کے بعد اسی طرح خلافت خلفاء میں جب حیرت واقع ہوتواس سے خلاصی اور رہائی کی بھی دوراہیں ہیں ایک وجہ سابق اورایک وجہ لاحق، وجہ سابق یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صراحۃً یااشارۃً اور کنایۃً، قولاً یافعلاً اس کا مستحق خلافت ہونا بیان فرمایاہو۔

اوروجہ لاحق یہ ہے کہ خلیفہ کی ذات میں خلافت خاصہ کے اوصاف اورآثارنمایاں طور پر پائے جاتے ہوں، جیسے کوئی طبیب دعویٰ کرے کہ میں طب میں مہارت تامہ رکھتا ہوں تو محض یہ دعویٰ اس کی طبابت کے ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں البتہ اگراس سے مریضوں کا علاج کرایا جائے، اور ہرمرض تشخیص کرکے اس کے اسباب وعلامات بتلائے، اور پھر ہر مرض کے مطابق اور مناسب نسخہ تجویز کرلے اور پھراس کے نسخوں سے مریض شفایاب ہوں تواس کی طبابت کالشمس فی نصف النہار واضح اورروشن ہوجائے گی۔

نکتہ: علماء اہل سنت کا ایک گروہ کہتا ہے کہ خلفاء راشدین کی خلافت نص سے ثابت ہے، اور اس بارہ میں یہ حضرات متعدد حدیثیں نقل کرتے ہیں، اور اکثر متکلمین اور محدثین کا مسلک یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا، اور یہ دونوں قول اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں، جمہور متکلمین اور محدثین کی مراد یہ ہے کہ نص جلی اور صریح حکم سے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا، اور صراحۃً کسی کو اپنے بعد خلافت کے لئے نامزد نہیں فرمایا لیکن خلافت کو بطریق اشارہ اور بطریق رمز و کنایہ بیان فرمایا جیسا کہ حدیث:

اقتدوا بالّذین من بعدی ابی بکر و عمر۔ اور حدیث

اٰمنت به انا وابوبکر وعمر ودخلت انا وابوبکر و عمر

وغیرہ وغیرہ اور اس قسم کی بے شمار احادیث ہیں جو تمام کی تمام متحد المعنی ہیں اور قدر مشترک اور مجموعی حیثیت سے بمنزلہ قطعی الدلالت ہیں: یہ احادیث جو اثبات خلافت کے بارہ میں مروی اور منقول ہیں فرداً فرداً اگرچہ وہ اخبار آحاد ہیں لیکن جب ان کے مجموعہ پر نظر ڈالی جائے تو ان کا قدر مشترک متواتر المعنی ہے جو بمنزلہ نص کے ہوتا ہے۔

پھر یہ کہ آیات خلافت کو احادیث خلافت سے جدا کر کے دیکھا جائے تو وہ سب کی سب اجمال کی وجہ سے اشارہ خفی کے درجہ میں ہیں، اور اگر اُن آیات کے ساتھ ان احادیث کو بھی ملا لیا جائے کہ جو خلفاء کے بارہ میں میں آئی ہیں تو مجموعہ مل کر بمنزلہ نص جلی ہو جاتا ہے۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں صحابہ کا تعیین خلیفہ کے لئے مشورہ کرنا اس کی دلیل نہیں کہ خلافت کا مسئلہ منصوص نہ تھا بلکہ یہ گفتگو تمام تر محض تذکیر یعنی یاد دہانی اور استحضار کے لئے تھی کہ حضور نے اس بارہ میں جو کچھ فرمایا ہے وہ سب یک لخت نظروں کے سامنے آ جائے، اور اس کے بارے میں کوئی اخفاء اور ابہام باقی نہ رہے۔

خلفاءِ ثلٰثہ کی جہاد سے کنارہ کشی کی وضعی داستانیں روافض کی پیش کردہ روایات کا ایک مختصر تحقیقی جائزہ

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفیٰ اما بعد

خلفائے راشدین اہل سنت کے پیشوا ہیں اور اہل سنت کے ہاں ان کا ایمان دلائل قطعیہ و یقینیہ سے ثابت ہے۔ جب ان سے کوئی مخالف کہے کہ ان حضرات کا مومن ہونا ثابت کرو تو ظاہر ہے کہ اہل سنت اسے اپنی کتابوں سے ہی ثابت کریں گے، یہ تو نہیں ہوسکتا کہ عقیدہ تو اہل سنت کا ہو اور اسے ثابت کرنا لازم ٹھہرے روافض یا خوارج کی کتابوں سے۔ جن کا مذہب ہو وہ انہی کی کتابوں میں سے ملتا ہے اور اس پر جو اعتراضات ہوں ان کی وضاحت بھی انہی کی کتابوں سے کی جاسکتی ہے۔ اہل سنت کی حدیث کی کتابوں میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علیؓ کے مناقب وفضائل اسی ترتیب سے مذکور ہیں قرآن پاک میں نہ حضرات خلفاء ثلٰثہ اور نہ چوتھے خلیفہ (حضرت علیؓ) کے کہیں نام مذکور ہیں۔ قرآن پاک میں ان سابقین اولین کے بے شک تذکرے ہیں اور ان کا برسراقتدار آنا بھی عمومی طور پر مذکور ہے اور یہ صحیح ہے کہ اہل سنت کتب تفاسیر میں ان صفات کا مصداق یہی حضرات بتاتے ہیں اور قرآن کریم میں نازل شدہ پیشگوئیاں بے شک انہی پر پوری اترتی ہیں۔ جہاں تک ناموں کا تعلق ہے قرآن پاک میں صحابہؓ میں سے صرف حضرت زید کا نام ملتا ہے اور کسی کا نہیں۔

سوان حضرات خلفائے راشدین پر جب کوئی شخص جرح کرے تو ظاہر ہے کہ اس کا جواب یا کسی واقعہ کی وضاحت اہل سنت کتب سے ہی کی جائے گی یہ حضرات اہل سنت کے پیشوا ہیں لہٰذا ان کا مومن ہونا، مہاجر ہونا، حضورؐ کے غزوات میں شامل ہونا، خلیفہ برحق ہونا اور جنتی ہونا بطور تحقیق اہل سنت کی

دوراول کی کتب سے ہی لیا جائے گا محققین کبھی غلط فہمی میں یہ نہیں کہتے کہ پیشوا تو یہ اہل سنت کے ہیں لیکن ان کے ایمان اوران کی عظمت کا ثبوت کتب شیعہ سے ہونا چاہئے۔ یہ بے تکی کوئی نہ ہانکے گا۔ یہ بات ہم اس لئے کہہ رہے ہیں کہ جب ہم ان حضرات کا ایمان یاان کی صحابیت اپنی کتابوں اور اپنے راویوں سے بیان کرتے ہیں تو بسا اوقات شیعہ کہتے ہیں کہ یہ اہل سنت کی کتابیں ہیں یا یہ سنی راویوں کی روایت ہے بھائی جب بزرگ ان کے ہیں تو ان کی بزرگی کا ثبوت بھی تو انہی کی کتابوں سے ملے گا نہ کہ ان کے مخالفین کی کتابوں سے۔ آغا تیغ درمیان کن۔ حضور اکرم ﷺ نے جب یہود سے ان کے موقف پر دلیل طلب کی تھی تو ان کی کتاب سے ہی اس کی تصدیق چاہی تھی نہ یہ کہ عقیدہ تو ان کا ہو اور ثبوت اس کا وہ قرآن سے دیں۔ قرآن پاک میں ہے کہ آپ نے انہیں کہا تھا:۔

قل فاتوا بالتوراة فاتلوها ان كنتم صادقين (پ ۳ آل عمران ۹۳)

اس سے پتہ چلا کہ جس مذہب والوں سے کوئی بات پوچھی جائے وہ اس کا جواب اپنی کتابوں سے ہی لائیں گے نہ کہ اپنے مخالفوں کی کتابوں سے اور اسی طرح اگر کسی بات کی کہیں وضاحت مطلوب ہو تو وہ بھی انہی کتابوں میں دیکھی جائے گی۔ یہ صحیح ہے کہ کبھی اپنے حق میں مخالفین کی کتابوں سے بھی استدلال کیا جاتا ہے لیکن اس کی حیثیت محض ایک الزامی جواب کی ہوتی ہے اسے پیرایہ تحقیق نہیں کہا جاتا۔

وہ قواعد کلیہ جن سے بحث نتیجہ خیز کی جاسکتی ہے

۱۔ بنیادی عقائد دلائل قطعیہ سے ثابت کئے جاتے ہیں یہ قطعیت ثبوت اور دلالت دونوں میں مطلوب ہوتی ہے جو چیز تواتر سے منقول ہو وہ قطعی ہوتی ہے گو یہ تواتر قدر مشترک ہی کیوں نہ ہو اور پھر یہ بھی ضروری ہے کہ اس کی دلالت بھی اپنے مدعا پر قطعی ہو اور ایسی واضح ہو کہ اس کا محمل کچھ اور نہ ہو سکے۔

۲۔ کسی مذہب کی مشہور اور متواتر روایات کے خلاف انہی کی کتابوں میں کوئی خبر واحد پائی جائے تو اسے شاذ سمجھا جائے گا اسے ان کا مذہب نہ قرار دیا جائے، قوی کے مقابلے میں کمزور روایت کو ضعیف کہہ کر چھوڑ دیا جائے گا۔

۳۔ اگر کسی بات میں دو پہلو نکلتے ہوں تو اس میں اس بات کو اختیار کیا جائے جو دونوں میں سے بہتر ہو۔ قرآن پاک نے اچھے لوگوں کے اس عمل کی تعریف کی ہے۔

الذین یستمعون القول فیتبعون احسنه (پ ،الزمر ۱۸)

عدالتوں میں بھی احتمال کا فائدہ ہمیشہ ملزم کو پہنچا دیا جاتا ہے اپنی مرضی کی توجیہہ سے کسی ملزم کو لائق سزا قرار نہیں دیا جاتا۔

۴۔ اعتبار آخری بات کا ہوتا ہے پہلی بات گناہ ہی کیوں نہ ہوا سے (۱) توبہ یا (۲) نیکیوں کی کثرت بہا کر لے جاتی ہے اہل سنت اور شیعہ دونوں اس اصول کو صحیح مانتے ہیں۔

انما یوخذ بالاخر من امررسول الله صلی الله علیه وسلم (الخطابی جلد۱ ص۱۲۳)

انّما یوخذ بآخر امررسول الله صلی الله علیه وسلم (فروع کافی جلد٤ ص۱۲۷)

اور حضورؐ نے خود بھی فرمایا، العبرۃ بالخواتیم اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت علیؓ نے بھی کہا:

اذا حدثتم بالحدیث عن رسول الله صلی الله علیه وسلم فظنوابه الذی هو اهیاء والذی هواهدی والذی هو اتقی (رواہ الدارمی)

۵۔ اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ گناہوں سے انسان ایمان سے نہیں نکلتا قرآن کریم میں ایمان اور اعمال صالحہ میں عطف تغائر ہے۔ **الاالذین اٰمنوا وعملواالصالحات (پ ۳۰، العصر)** مگر شیعہ اس مسئلے میں خارجیوں کے مذہب پر ہی ہیں کہ گناہ کبیرہ سے انسان ایمان سے نکل جاتا ہے یہ اعمال کو ایمان کا آئینہ سمجھتے ہیں۔ اور ملزم کے اقرار ایمان کی پرواہ نہیں کرتے۔

اب اس صحرائے بے کنار میں رافضیوں کی صحابہؓ کے خلاف پیش کردہ چند کہانیاں سنیں اور پھر ان اصولوں کی روشنی میں جو ہم اوپر پیش کر آئے ہیں خود ہی ان باتوں کی تصدیق یا تکذیب فرمائیں۔

صحابہؓ کے جہاد سے فرار ہونے کی وضعی داستانیں

۱۔ حضرت ابوبکر جنگ بدر میں حضورؐ کے ساتھ عریش بدر پر بیٹھے جنگ کا نظارہ کرتے رہے جنگ میں شریک نہ ہوئے (دیکھئے تجلیات صداقت ص ۴۸)

الجواب:

اعلیٰ فوجی افسر پوری جنگ کا جائزہ لیتے ہیں اور ہدایات دیتے ہیں، سپاہی بن کر نہیں لڑتے جنگ میں موجود ہونا ہی جنگ میں شرکت سمجھا جاتا ہے تاریخ کی کتابوں میں کسی کی جنگ میں شرکت اس کے وہاں حاضر ہونے کو ہی کہتے ہیں کسی کی شرکت اس پیمانے میں نہیں ناپتے کہ اس نے کتنے مارے ظاہر ہے کہ نوجوان جنگ میں زیادہ پھرتیلے اور زور والے ہوتے ہیں، اگر بزرگ اس درجے میں زور نہ دکھا سکیں تو چھوٹوں اور بڑوں یا جوانوں اور بوڑھوں کا مقابلہ نہیں کیا جاتا۔ آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ دونوں عریش بدر میں بیٹھے پوری جنگ پر نظر رکھے ہوئے تھے حضور کو اور حضرت ابوبکر کو قاعدین میں شمار کرنا اور اس پر یہ آیت لکھنا **فضل الله المجاهدين باموالهم وانفسهم على القاعدين درجه** اسی رافضی کا کام ہوسکتا ہے جو صحابہؓ کے بغض میں حضور کی شان میں بھی گستاخی کرنے سے نہ ٹلے۔ اس وقت آپ کا حضورؐ کے ساتھ بیٹھنا اگر کسی درجے میں بھی قابل اعتراض ہوتا تو حضورؐ اسی وقت فرما دیتے، یہاں نہ بیٹھو اب آپ ہی سوچیں یہ کون لوگ ہیں جو حضورؐ سے اپنی آواز اونچی کر رہے ہیں۔

خطیب تبریزی قتادہ بن نعمان کے ترجمہ میں لکھتا ہے **بدري شهد بعدها المشاهد كلها۔** قوامہ بن نظعون خود ترجمہ میں لکھتا ہے **شهد بدراً او سائر المشاهد۔** حضرت ابوبکر صدیق کے ترجمہ میں لکھتا ہے، **شهد مع النبیؐ المشاهد كلها لم يفارقه فى الجاهلية ولا فى الاسلام۔** حضرت براء بن عازبؓ کے ترجمہ میں لکھتا ہے، **شهد مع علی بن ابی طالب الجمل والصفين والنهروان** ۔ حضرت طلحہؓ کے ترجمہ میں لکھتا ہے **شهد المشاهد كلها غير بدر** اور حضرت علی کے ترجمہ میں لکھتا ہے، **شهد مع النبیؐ المشاهد كلها غير تبوك** ۔ اس پیرایہ بیان سے پتہ چلتا ہے کہ تاریخ و تراجم میں جنگ میں موجود ہونا ہی جنگ میں شرکت سمجھا جاتا ہے اور مختلف خدمات سرانجام دینے میں کوئی کسی پر انگلی نہیں اٹھا سکتا کہ کسی نے کتنے مارے اور نہ نوجوانوں کو زیادہ لڑنے پر بزرگوں پر کوئی ترجیح دی جاسکتی ہے۔ وہاں حاضری ہی اس معرکہ میں شرکت ہے۔

۲۔ ایک رافضی کہتا ہے جنگ احد سے اصحاب ثلثہ کے فرار کا اہل سنت کے علماء کبار نے اقرار کیا ہے۔ تاریخ خمیس جلد اص ۴۳۱ طبع مصر پر مرقوم ہے۔

قال ابوبکر لما صرف الناس یوم احد من رسول اللہ فکنت اول من جاء النبی

ابوبکر بیان کرتے تھے کہ جب احد کے دن تمام لوگ رسول خدا کو چھوڑ کر چلے گئے تو میں سب سے پہلے رسولؐ کے پاس واپس آ گیا۔ (یعنی صرف تین دن کے بعد) (تجلیات صداقت ص ۴۸)

الجواب: جنگ احد میں خالد بن ولید کے عقبی حملے سے مسلمانوں میں جو افراتفری پیدا ہوئی اس میں ایک ایسا وقت بھی آیا کہ سوائے حضرت طلحہ اور حضرت سعد کے حضورؐ سے سب لوگ دور ہو گئے حضرت علی مرتضیٰ بھی آپ سے دور تھے آپ کو پتہ نہ تھا کہ حضور کہاں ہیں۔ مولانا شبلی لکھتے ہیں:۔

جانبازوں کا زور بھی نہیں چلتا تھا جو جہاں تھا گھر کر رہ گیا تھا آنحضرت ﷺ کی کسی کو خبر نہ تھی حضرت علی تلوار چلاتے اور دشمنوں کی صفیں الٹتے جاتے تھے لیکن مقصود (آنحضرت ﷺ) کا پتہ نہ تھا۔

(سیرۃ النبی جلد اص ۳۷۸)

اب اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ حضرت علی حضورؐ کو چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ افراتفری میں کسی کو کسی کا پتہ نہ رہے یہ ایک جدا بات ہے۔ حضرت علیؓ خود بیان کرتے ہیں۔

جب کفار نے مسلمانوں پر غلبہ کیا اور حضورؐ میری نظروں سے اوجھل ہو گئے تو میں نے مقتدیوں اور شہیدوں میں جا کر تلاش کیا (گویا آپ کو بھی گمان ہو رہا تھا کہ شاید آپ شہید ہو گئے ہوں) تو میں نے اپنے آپ سے کہا ممکن ہے حق تعالیٰ نے ہمارے فعل کی بناء پر ہم پر غضب فرمایا ہو اور اپنے نبی کو آسمان پر اٹھا لیا ہو میں نے خود سے کہا اس سے بہتر یہی ہے کہ میں خوب جنگ کروں یہاں تک میں شہید ہو جاؤں (مدارج النبوۃ جلد ۲ ص ۲۱۰)

اس سے پتہ چلا کہ حضرت علی اس دن اس جوانمردی سے اس لئے لڑے کہ حضورؐ کے نہ ملنے کی وجہ سے وہ اپنی زندگی سے مایوس ہو گئے تھے کہ جب حضورؐ ہی نہ رہے تو ہمیں زندہ رہنے کی کوئی ضرورت نہیں اب ایسے فدا کاروں کے بارے میں یہ بدگمانی کہ وہ حضورؐ کو چھوڑ گئے تھے کسی طرح صحیح نہیں اگر

وہ حضور کو چھوڑ گئے ہوں تو پھر تلاش کیوں کرتے اگر وہ افراتفری میں حضورؐ کے ساتھ نہ رہے تو اس پر کوئی بدگمانی نہ کرنی چاہیئے۔ اس دن صحابہؓ سے درہ چھوڑنے کی جو غلطی ہوئی حضرت علی نے اپنے آپ کو اس سے بری نہیں کیا بلکہ فرمایا۔ ممکن ہے حق تعالیٰ نے ہمارے فعل کی بناء پر ہم پر غضب فرمایا ہو۔ اسی طرح حضرت ابوبکرؓ کے بارے میں یہ گمان کہ وہ بھی اس افراتفری میں حضورؐ سے چلے گئے تھے کسی طرح صحیح نہیں۔ ہاں آپ کا یہ کہنا کہ سب سے پہلے میں رسول اکرم ﷺ کے پاس واپس لوٹا جیسا کہ رافضی نے اسے نقل کیا ہے درست ہوسکتا ہے لیکن رافضی نے اس کے ساتھ یہ لکھ کر کہ آپ تین دن کے بعد آئے محض جھوٹ بولا ہے کیا باور کیا جاسکتا ہے کہ حضورؐ تین دن اس پریشانی میں اکیلے ہی رہے ہوں یا یہ کہ آپ یا صرف حضرت طلحہؓ اور حضرت سعد کے ساتھ اپنے سے دور جانے والے ساتھیوں کو واپس آنے کے لئے پکارتے رہے ہوں۔ اور حضرت ابوبکر اور حضرت علیؓ کو اس کی کوئی خبر نہ ہو بھلا یہ وضعی داستان قبول کرنے کی ہے؟ کسی طرح نہیں۔

الحاصل رافضی کے اس حوالے سے کہ اس دن سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ آپ کے پاس واپس لوٹے، حضرت ابوبکرؓ پر کوئی جرح وارد نہیں ہوئی۔ آپ کے تین دن بعد لوٹنے کی من گھڑت روایت پر رافضی نے کوئی حوالہ پیش نہیں کیا۔ جھوٹ، جھوٹ ہے اور وہ کھل کر رہتا ہے۔

۳۔ رافضی کا ایک یہ الزام بھی ملاحظہ فرمائیں، جنگ خندق پر حضور اکرمؐ نے حضرت ابوبکرؓ کو قریش مکہ کی خبریں لانے کے لئے بھیجنا چاہا آپ نے استغفر اللہ ورسولہ کہہ کر معذرت کردی۔ رافضی لکھتا ہے:۔

تیسری مرتبہ فرمایا یا ابا بکر تم جاکر خبر لاؤ۔ ابوبکرؓ نے کہا استغفر اللہ ورسولہ، میں خدا اور رسول سے معافی چاہتا ہوں پھر فرمایا ان شئت ذهبت یا عمر، اگر چاہو تو تم چلے جاؤ، عمر نے بھی کہا استغفر اللہ ورسولہ۔ پھر حذیفہ سے فرمایا اور وہ لبیک کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور تعمیل حکم کی۔

(تجلیات صداقت ص ۵۲)

اس سے رافضی نے یہ نتیجہ نکالا ہے:۔ ''اس واقعہ سے روز روشن کی طرح واضح ہوجاتا ہے کہ ان حضرات میں فداکاری اور حکم رسول کی پاسداری کا کس قدر جذبہ موجود تھا۔

یہ روایت اگر اس طرح ہو بھی تو اس سے حضورؐ کے حکم کا انکار کبھی ثابت نہیں ہوتا حضورؐ نے جب حضرت ابوبکرؓ کو کہا اور آپ نے استغفر اللہ ورسولہ کہہ کر حضورؐ سے اس کام کے بجالانے میں معذرت کی اور معافی کی درخواست کی اور حضورؐ نے بھی آپ کو معاف کر کے حضرت عمرؓ کو ان شئت ذهبت (تم چاہو تو تم جاسکتے ہو) کہہ کر قریش مکہ کے کیمپ میں جانے کا کہا اور آپ نے بھی معذرت چاہی اور اس خدمت سے معافی کی درخواست کی اور حضورؐ نے اسے بھی قبول کرلیا اور حضرت حذیفہؓ کو حکم دیا تو اس سے صاف سمجھا جاتا ہے کہ انہوں نے حضورؐ کے حکم کی نافرمانی نہیں کی تھی بلکہ حضورؐ نے ان حضرات کی درخواست پر اپنا حکم ہی ان سے اٹھالیا سو اب اسے ان حضرات کی جرح میں لانا کسی دانشور کا کام نہیں ہوسکتا۔ حضورؐ نے انہیں محض اس لئے کہا تھا کہ یہ حضرات یہ نہ کہیں کہ ہمیں یہ کام کیوں نہ سونپا گیا ورنہ حضور بھی جانتے تھے کہ دشمن کی خبر لانے کے لئے بڑے لوگوں کو نہیں نوجوانوں کو بھیجا جاتا ہے جن کے ان میں جانے اور گھسنے کا آسانی سے پتہ نہ چلے۔ حضرت ابوبکرؓ جیسے بزرگ کو ایسے خفیہ کام کے لئے کیسے بھیجا جاسکتا تھا۔ ان حضرات نے بھی حضورؐ کی اس بات کو ایک مشورے کے درجہ میں لیا اور حضورؐ سے اس کی معذرت کرلی اور حضورؐ نے بھی اسے قبول فرمالیا، حضرت حذیفہؓ کمزور بدن کے تھے اور ان کا دشمن کے کیمپ میں جانا آسان تھا، اس کا آسانی سے پتہ نہ چل سکتا تھا ایسے مواقع پر مختلف تدبیروں کا سامنے آنا کوئی اچنبھے کی بات نہیں۔

پھر یہ بات بھی نظر انداز نہیں کی جاسکتی کہ حضور اکرمؐ نے اس شخص کو جو قریش مکہ کی خبر لائے قیامت کے دن اپنی معیت کی بشارت دی تھی اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمرؓ ان حضرات میں سے تھے جنہیں اللہ تعالیٰ اپنے تکوینی فیصلے میں دنیا میں ہی حضور اکرم ﷺ کی معیت میں جگہ دے چکے تھے اور انہیں حضورؐ کے روضہ انور میں جگہ دینا ایک الٰہی فیصلہ ہو چکا تھا۔ حضرت حذیفہؓ جو مقام قیامت کے دن پائیں گے اللہ تعالیٰ نے معیت مصطفےٰؐ کی یہ فضیلت ان حضرات کو خود اسی دنیا میں ہی دے دی جس طرح حضرت ابوبکر صدیقؓ دنیا میں غار ثور میں حضورؐ کی زبان سے ان اللہ معنا کی فضیلت پاگئے اور قرآن کریم نے حضورؐ کی اس شہادت کو ہمیشہ کے لئے محفوظ کرلیا ہے۔

آیئے اب ہم آپ کو اصل روایت کا پتہ دیں اس سے آپ اندازہ کر سکیں گے یہود صحابہ کے خلاف کس حد تک آگے گئے ہیں۔

اصل روایت میں اس واقعہ میں ابو بکر و عمرؓ کا نام نہیں ہے

ہم نے گزشتہ تفصیل یہ کہہ کر کی ہے کہ یہ روایت اگر اس طرح ہے تو اس سے حضور کی نافرمانی لازم نہیں آتی۔ یہ ایک شورائی گفتگو تھی جو ہوئی۔ اب آیئے اس روایت کو پہلے دور کی کتابوں سے لیں امام مسلم نے یہ روایت صحیح مسلم میں جو تیسری صدی کی کتاب ہے اس طرح روایت کی ہے کہ اس میں حضرت ابو بکر اور حضرت عمرؓ کا نام تک نہیں اور اس کی سند بالکل صحیح ہے اور رافضی نے اسے درمنثور سے نقل کیا ہے جو دسویں صدی کی کتاب ہے۔ امام مسلم (۲۶۱ھ) حدیث کو اپنی سند سے لائے ہیں اور امام سیوطی (۹۱۱ھ) ائمہ تخریج سے ہیں وہ اپنی سند سے حدیث روایت کرنے والے نہیں، امام سیوطی نے یہ روایت کن کتابوں سے لی ہے ان کی کوئی اور ہی سند ہے۔ صحیح مسلم کے اس سے پہلے کے سب راوی ثقہ ہیں اور فریابی اور ابن عساکر کے رواۃ کون ہیں ان کا درمنثور جلد۵ ص ۳۵۴ میں یا جلد ۱۸۵ میں کہیں ذکر نہیں ملتا۔ صحیح مسلم میں یہ روایت اس طرح ہے۔ دیکھئے جلد۲ ص ۱۰۷

قال زهير اخبرنا جرير عن الاعمش عن ابراهيم التيمى عن ابيه قال كنا عند حذيفه۔۔۔ فقال حذيفه لقد رايتنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم ليلة الاحزاب واخذ تناريح شديدة وقرّ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم الاّ رجل ياتينى بخبر القوم۔ جعله الله عزوجل معى يوم القيمة فسكتنا فلم يجبه منا احد ثم قال ۔۔۔ فسكتنا فلم يجبه منا احد ثم قال ۔۔۔ فسكتنا فلم يجبه منا احد فقال قم يا حذيفه فاتنا بخبر القوم فلم اجد بداً اذ دعانى باسمى ان اقوم قال اذهب فاتنى بخبر القوم ولا تذعرهم على فلما وليت من عنده جعلت كانما امشى فى حمام حتى اتيتهم فرايت اباسفيان يصلى ظهره بالنار۔ الحديث

(ترجمہ) آنحضرت ﷺ نے فرمایا، ہے کوئی شخص جو مجھے قریش کے کیمپ کی خبر لادے اللہ تعالیٰ اسے

قیامت کے دن میری معیت دیں گے؟ ہم سب خاموش رہے اور کسی نے حضورؐ کے سامنے ہاں نہ کی (حضرت علی نے اس وقت کیوں ہاں نہ کی) یہ اس لئے کہ بنو امیہ اگر اس ہاشمی کو دیکھ پائیں تو ان کی عداوت اور بھڑکے گی اس لئے نہیں کہ آپ وہاں جانے سے ڈرتے تھے، ایسا تین دفعہ ہوا) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے حذیفہ! تو ہی اٹھ اور ہمیں ان لوگوں کی خبر لا دے۔ اب آپ نے جب میرا نام لے کر مجھے آواز دی تو میرے لئے اٹھنے سے چارہ نہ رہا، آپ نے کہا تو جا اور ان لوگوں کی خبر لا اور انہیں مجھ پر اور چڑھائی کرنے کا موقعہ نہ دینا۔ جب میں آپ کے پاس سے چلا تو میں اس حال میں تھا کہ گویا میں ایک حمام میں (گرم ہوا مین) چل رہا ہوں یہاں تک کہ میں ان کے پاس پہنچ گیا وہاں میں نے ابوسفیان کو دیکھا کہ اپنی پشت سے آگ تاپ رہے ہیں۔

اصل روایت یہ ہے جو سنداً صحیح ہے رافضی نے صحیح مسلم سے یہ روایت کیوں پیش نہیں کی، یہ اس لئے کہ اس میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمرؓ کا نام نہ تھا اور اس کا بغض باطنی اسے مجبور کر رہا تھا کہ گو اس روایت کی کوئی سند متصل نہ ہو اسے وہاں سے روایت کرو جہاں اس میں ابوبکر و عمرؓ کا نام آئے۔ صحیح مسلم میں روایت مل جانے سے بعد کی کتابوں کی کوئی روایت اس کے مقابل تسلیم نہیں کی جا سکتی۔

رافضی نے اپنی اس روایت پر مسند امام احمد کا بھی حوالہ دیا ہے اس میں بھی ہمیں حضرت ابوبکر و حضرت عمرؓ کا نام نہیں ملا۔ وہاں حضرت حذیفہ کی بجائے حضرت زبیر یہ خدمت سرانجام دیتے بتلائے گئے ہیں اور یہ تو بات ہی بدل گئی اس سے اور کسی جہت سے حضرت ابوبکر پر جرح نہیں ہو سکتی یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر حضرت زبیر جو والدہ کی طرف سے ہاشمی تھے یہ خدمت بجا لا سکتے تھے تو حضرت علی حضور کے اس حکم پر خود کیوں نہ اٹھے؟ کیوں بیٹھے رہے؟ یہ خیال کیوں کیا کہ اموی ہاشمیوں کے زیادہ دشمن ہیں۔ اسی لئے خود جانے کی پیش کش نہ کی۔

اس صورت حال میں بھی کسی کو حضرت زبیر کی اس ہمت پر حضرت علی کے خلاف یہ آیت پڑھنے کا حق نہیں ہے

فضل الله المجاهدين باموالهم وانفسهم على القاعدين درجه (پ۵، النساء، ۹۵)

حضرت زبیرؓ نے تین دفعہ ہاں کی

عن جابر بن عبداللہؓ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من یاتینی بخبر القوم یوم الاحزاب فقال الزبیر انا ثم قال من یاتینی بخبر القوم؟ قال الزبیر انا۔قال من یأ تینی بخبرالقوم؟ فقال الزبیر انا قال لکل نبی حواری وان حواری الزبیر (مسند امام احمد جلد۵، ص۱۵۲)

(ترجمہ) حضرت جابر سے روایت ہے کہ حضور اکرمؐ نے احزاب کے دن فرمایا کون مجھے دشمنوں کی خبر لاکر دے گا؟ حضرت زبیر نے کہا میں اس کے لئے حاضر ہوں۔آپ نے پھر یہی سوال کیا حضرت زبیرؓ نے پھر کہا میں یہ کام انجام دوں گا۔آپ نے فرمایا، ہر نبی کا ایک حواری ہوا ہے میرا حواری میرا پھوپھی زاد بھائی زبیر ہے۔

یہاں یہ سوال نہ اٹھایا جائے کی حضور کی اس تین دفعہ کی آواز پر حضرت عمر یا حضرت علی کیوں نہ اٹھے تاہم حضرت زبیرؓ نے یہاں جو تین دفعہ ہاں کی اسے تاریخ نے محفوظ رکھ لیا ہے۔

۴۔غزوہ احزاب کے بعد جنگ خیبر کا ایک واقعہ

حضرت ابوبکر کے خلاف،اس رافضی کی ایک اور وضعی داستان ملاحظہ ہو۔

سب سے زیادہ مضبوط قلعہ قموص تھا۔۔۔آنحضرت نے ایک بار حضرت ابوبکرؓ اور دوبار حضرت عمر کو اسلامی لشکر کی قیادت سونپی مگر ہر بار جونہی حارث برادر مرحب سے مڈبھیڑ ہوئی سوائے راہ فرار اختیار کرنے کے کوئی چارہ کار نظر نہ آیا جب بھاگتے تو آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ (تجلیات صداقت ص۵۳)

اگر تسلیم کیا جائے کہ حضرت ابوبکر اپنی پوری جدوجہد کے باوجود قلعہ قموص کو فتح نہ کر سکے اور اگلے دن حضرت عمر بھی اپنی پوری جدوجہد سے قتال کرتے اسے فتح نہ کر سکے اور حضور کی خدمت میں لوٹتے رہے لیکن اس میں فرار کی داستان قطعاً وضعی ہے۔حضور کی خدمت میں آنے کو کسی طرح فرار نہیں کہا جاسکتا۔کسی صحیح روایت میں ان کا میدان سے بھاگنا ثابت نہیں۔بھاگنے والا اپنے گھر کا رخ کرتا ہے نہ کہ آقا کے حضور حاضری دیتا ہے۔رافضی خود یہاں لکھتا ہے: جب بھاگتے تو آنحضرت کی

خدمت میں حاضر ہوتے۔اب آپ ہی سوچیں کیا اسے بھاگنا کہہ سکتے ہیں۔اتنی کمزور بات کہتے کچھ تو اسے علمی حجاب آنا چاہیئے تھا۔

مولف سیرت مصطفیٰ لکھتا ہے:

جب اس قلعہ کا محاصرہ ہوا تو آنحضرت دردشقیقہ کی وجہ سے میدان میں تشریف نہ لا سکے اس لئے نشان دے کر ابوبکر صدیق کو بھیجا باوجود پوری جدوجہد کے قلعہ فتح نہ ہوسکا واپس آگئے دوسرے روز فاروق اعظم کو نشان دے کر روانہ فرمایا۔حضرت عمر نے پوری جدوجہد سے قتال کیا لیکن بغیر فتح کئے ہوئے واپس آگئے۔ص۱۰۱، رواہ احمد والنسائی وابن حبان والحاکم عن بریدۃ (سیرت مصطفیٰ جلد۳ص۶)

کسی صحیح روایت میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے یہاں سے بھاگنے کا ذکر نہیں۔رافضی کی یہ پیش کردہ داستان بالکل وضعی ہے وما تخفی صدورھم اکبر۔

بھاگنا اور فرار کرنا کسے کہتے ہیں

میدان جنگ سے بھاگنا اور فرار کرنا کسے کہتے ہیں؟ فرار یہ ہے کہ کوئی لڑائی سے بچ کر کسی اپنی جگہ پر آکر پناہ لے لیکن اگر کوئی میدان سر کئے بغیر اپنے مرکز میں لوٹے تو اسے ایک جنگی حیلہ کہتے ہیں اور جنگوں میں اکثر ایسا کرنا ہوتا ہے۔خود قرآن کریم میں اس کی اجازت دی گئی ہے۔

یا ایھا الذین اٰمنوا اذا لقیتم الذین کفروا زحفاً فلا تولوھم الادبار O ومن یولّھم یومئذٍ دبرہ الا متحرفاً لقتالٍ او متحیّزاً الیٰ فئۃٍ فقد باء بغضب من اللہ وماواہ جھنم وبئس المصیر (پ ۹، الانفال ۱۶)

(ترجمہ) اے ایمان والو جب کافروں کے بڑے لشکر سے تمہارا مقابلہ ہو تو انہیں پیٹھ نہ دو اور جو اس دن انہیں پیٹھ دکھائے گا ماسوائے لڑائی کا ہنر دکھانے کے لئے یا اپنی جماعت میں مل جانے کے لئے تو وہ اللہ کے غضب میں پلٹا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بری جگہ ہے رہنے کی۔

قلعہ فتح ہوتا نظر نہ آئے تو مزید مشورہ اور ہدایت لینے کے لئے مرکز کی طرف رجوع کرنا اسے کبھی اہل دانش فرار نہیں کہتے۔یہ حضرات واپس آئے حضور کو صورت حال کی اطلاع دی حضور نے اللہ رب

العزت سے مزید نصرت مانگی اور اس معرکے کے لئے بوڑھوں کی بجائے ایک نوجوان کا انتخاب فرمایا تو اس سے بڑوں کی بڑائی اور ثقاہت مجروح نہیں ہوتی۔ پھر یہ جانتے ہوئے کہ اب ہم فتح نہ کر سکیں گے محض شوق شہادت کے لئے لڑتے رہنا اور صورت حال کا جائزہ نہ لینا دین فطرت اس کی اجازت نہیں دیتا یہی وجہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ان بزرگوں کے واپس چلے آنے پر انہیں ادنیٰ سرزنش بھی نہ فرمائی۔ اور پھر اس حقیقت سے بھی صرف نظر نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت عمرؓ نے پھر سے آرزو کی تھی کہ حضورؐ مجھے پھر اس قلعے کو فتح کرنے کے لئے بھیجیں۔ آپ نے کب یہ خواہش کی؟ جب حضورؐ نے خیبر کی فتح کی برسر میدان پیشگوئی کر دی تھی آپ نے فرما دیا تھا کہ صبح اللہ تعالیٰ فتح دیں گے یہ سعادت حضرت علی مرتضیٰ کے نام لکھی تھی ورنہ حضرت عمرؓ بھی چاہتے تھے کہ حضور آج اس لشکر کی قیادت مجھے سونپیں اور خیبر کا یہ قلعہ میرے ہاتھ پر فتح ہو، آپ خود فرماتے ہیں۔

عن ابی هریرة انّ رسول الله صلی الله علیه وسلم قال یوم خیبر لاعطین هذا الرایه رجلاً یحب الله ورسوله یفتح الله علیٰ یدیه قال عمر ابن الخطاب ما احببت للامارة الا یومئذٍ قال فتساورت لها رجاء ان ادعی بها (مسلم)

(ترجمہ) حضور اکرمؐ نے فرمایا میں آج یہ جھنڈا اس شخص کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول کو محبوب رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ پر فتح دیں گے۔ حضرت عمرؓ نے کہا میں نے کبھی امارت کی تمنا نہ کی مگر اس دن آپ کہتے ہیں، میں دل میں یہ آرزو رکھے رہا مجھے اس خدمت کے لئے آواز دی جائے۔

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ پہلے اس مورچہ سے کبھی ناکام واپس نہ لوٹے تھے ایسا ہوتا تو آپ کبھی وہاں دوبارہ جانے کی آرزو نہ کرتے صحیح مسلم کی اس روایت کے مقابلہ میں تاریخ کی کسی روایت کو ترجیح نہیں دی جا سکتی ہاں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ اب اس مہم کے لئے حضورؐ اکرم نے فتح کی پیش گوئی کر دی تھی۔ اور اب بہت سے صحابہ تمنا کر رہے تھے کہ یہ سعادت ان کے نام ہو۔ حضرت علی بھی حضور کی اس بشارت سے بہت شاداں و فرحاں تھے۔

حضرت عمرؓ کے خیبر سے ناکام لوٹنے کی روایت صحیح نہیں

طبری نے اسے جس سلسلہ سند سے نقل کیا ہے اس میں عوف ایک شیعہ راوی ہے اس سے حضرت عمرؓ

کے بارے میں کسی انصاف کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ ایک راوی عبداللہ بن بریدہ ہے وہ شیعہ تو نہیں لیکن یہاں وہ اسے باپ سے روایت کر رہے ہیں اور یہ ایک دوسری جرح ہے۔

حضرت علیؓ کے ہاتھوں قلعہ قموص فتح ہوا

اس نازک مرحلے پر حضور اکرم ﷺ نے تین علم تیار کرائے ایک حضرت خباب بن منذرؓ کو دیا دوسرا حضرت سعد بن عبادہ کو اور تیسرا حضرت علی کو اس مہم کے لئے عطا فرمایا۔ حضرت علی کا یہ علم حضرت عائشہ کے دوپٹہ سے بنا تھا اور ہزاروں برکات اپنے دامن میں لئے ہوا تھا۔ یہ فتح خیبر اسی دوپٹے کی برکت تھی جو حضرت علی کا نصیب رہی۔

اور خاص علم نبوی جس کا پھریرا حضرت عائشہ کی چادر سے تیار ہوا تھا جناب امیر کو مرحمت ہوا۔ فوج جب روانہ ہوئی تو حضرت عامر بن الاکوع یہ رجز پڑھتے ہوئے آگے چلے۔ (سیرت النبی جلد ۱ ص ۴۸۱)

سو اب اس معرکہ خیبر میں صرف حضرت علی ہی نہیں اس میں حضورؐ کا پرچم حضرت عائشہ کی عزت و حرمت کا واسطہ اور حضرت عامر کی اللہ رب العزت کے حضور یہ عاجزانہ صدا بھی شامل تھی۔

اللهم لولا انت ما اهتدينا	ولا تصدقنا ولا صلينا
فاغفر فداء لك ما اتقينا	والقين سكينة علينا

اب جب حضور کا پرچم ساتھ ہو حضرت عائشہ کے دوپٹے کا پھریرا ہو حضرت عامر کی عاجزانہ پکار ہو اور حضرت علی مرتضیٰ کی تلوار ذوالفقار ہو تو اللہ رب العزت کی طرف سے اس چہارگانہ صدا کی اجابت کیوں نہ ہو۔ تاریخ اسلام کا یہ ایک پائندہ نقش ہے کہ حیدر کرار کے ہاتھوں یہ قلعہ قموص فتح ہوا بیس روز تک اسی کا محاصرہ رہا اس میں مرحب کے مقابل حضرت علی نکلے اور پھر مرحب کا بھائی یاسر سامنے آیا تو ادھر سے حضرت زبیر نکلے اُنہوں نے مرحب کو واصل جہنم کیا اور اِنہوں نے یاسر کو وہاں پہنچایا۔

حضرت علی مرتضیٰ کے حیدر کرار ہونے سے یہ نہ سمجھا جائے کہ حضرت خالد بن الولید، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عمرو بن العاص اور ان جیسے کئی اور حضرات کرار نہ تھے، سب معاذ اللہ فرار تھے۔

یہ اسی طرح ہے کہ بارہ ائمہ اہل بیت میں سے صرف امام جعفرؒ کو صادق کہا اس کا یہ مطلب کسی نے نہیں لیا کہ دوسرے ائمہ کرام (معاذ اللہ) کاذب تھے۔

خیبر کے مختلف قلعے مختلف ہاتھوں فتح ہوئے

۱۔قلعہ ناعم　اس میں قیادت حضرت محمود بن مسلمہ نے فرمائی اور شہادت بھی پائی۔
۲۔قلعہ قموص　حضرت علی مرتضیٰ نے فتح کیا مرحب کے بھائی یاسر کے مقابل حضرت زبیر نکلے
۳۔قلعہ صعب　اس میں قیادت خود حضورؐ فرماتے رہے۔
۴۔قلعہ قلہ　غنائم کی تقسیم میں یہ حضرت زبیر کو ملا اسے اس لئے قلعہ زبیر بھی کہتے ہیں۔
۵۔قلعہ وطیح　اس میں بھی قیادت حضور اکرم کی رہی، قلعہ سلالم بھی اس کے ساتھ فتح ہوا۔

اور بھی کئی چھوٹے چھوٹے قلعے تھے جو سب فتح ہوئے لیکن ان میں سب سے اہم معرکہ قلعہ قموص کا رہا اس میں دوران قتال حضرت علیؓ کے ہاتھ سے ڈھال گر پڑی۔ حضرت علی کے ہاتھ سے ڈھال گرنے کو آپ کی بہادری میں موجب قدح نہ سمجھا جائے۔ آپ نے اس کے دروازے کی ایک پتھر کی شیٹ کو ڈھال بنالیا۔ اس پتھر کی وزنی شیٹ اٹھانے پر آگے کئی داستانیں وضع ہوئیں جن میں سب سے اونچی یہ رہی کہ آپ نے پورے باب خیبر کو اپنے بائیں ہاتھ سے اٹھالیا تھا۔

حافظ سخاوی (۹۰۲ھ) ان سب کے بارے میں کہتے ہیں، کلھا واھیۃ، ان میں سے ایک بھی صحیح طور پر ثابت نہیں ہو پائی۔ ملا باقر مجلسی نے اس پر کچھ جنوں کی کہانیاں بھی لکھی ہیں بچے انہیں بہت مزے لے لے کر پڑھتے ہیں لیکن یاد رہے کہ دین کوئی افسانوں کی دنیا نہیں ہے۔ حضورؐ جب مقام رجیع سے آگے قلعہ نطاۃ کی طرف نکلے تو آپ نے فوج کے ایک حصے کا انچارج حضرت عثمانؓ کو بنایا تھا سو جنگ خیبر میں حضرت عثمان نے بھی حضور کے حکم سے کچھ ذمہ داریاں ادا کی ہیں۔

پچھلوں کی کامیابی سے پہلے سپاہ سالار مجروح نہیں ہوتے

جنگ موتہ میں آنحضرتؐ نے تین سپہ سالار مقرر فرمائے تھے، (۱) حضرت زید بن حارثہ جنہیں حضورؐ نے اپنا بیٹا بنایا ہوا تھا (۲) حضرت جعفر بن ابی طالب، یہ حضرت علی کے بھائی تھے اور ان سے بڑے تھے، اور (۳) حضرت عبداللہ بن رواحہ۔ آنحضرت نے اس معرکہ کے لئے یہ ہدایت دی تھی:۔

ان قتل زید فجعفر و ان قتل جعفر فعبداللہ بن رواحۃ

(ترجمہ) اگر زید مارا جائے تو جعفر قیادت کرے وہ بھی مارا جائے تو عبداللہ بن رواحہ کمان سنبھالے

حضرت انس بن مالک کہتے ہیں:۔

ان النبیؐ نعیٰ زیداً و جعفراً وابن رواحۃ للناس قبل ان یاتیھم خبرھم فقال اخذالرایۃ زید فاصیب ثم اخذ جعفر فاصیب ثم اخذ ابن رواحۃ فاصیب و عیناہ تذرفان حتی اخذالرایہ سیف من سیوف اللہ حتی فتح اللہ علیھم (صحیح بخاری جلد ۲، ص ۶۱۱)

(ترجمہ) آنحضرت نے پیشتر اس کے کہ میدان موتہ سے خبر آئے صحابہؓ کو ان تینوں کی شہادت کی خبر دی اور آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے آپ نے فرمایا، اب اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار نے علم ہاتھ میں لے لیا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اسے ان پر فتح عطا فرمادی ہے۔

اب یہ کہنا کہ حضرت جعفر بن ابی طالب جو سابقین اولین میں سے ہیں تاریخ کی رو سے اکتیسویں مسلمان ہیں وہ فتح حاصل کرنے میں ناکام رہے اور حضرت خالد بن ولید ان پر بازی لے گئے یہ کہنا کسی طرح درست نہ ہوگا نہ اسے حضرت خالد بن ولید کے حضرت جعفرؓ سے افضل ہونے کی دلیل بنایا جاسکے گا اس طرح یہ کہنا بھی درست نہ ہوگا کہ خیبر کا قلعہ قموص فتح کرنے میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ ناکام رہے اور حضرت علی ان پر بازی لے گئے۔ ایسا ہوتا تو حضرت عمر پھر خیبر کے دن یہ تمنا نہ کرتے کہ حضور آج پرچم میرے ہاتھ میں دیں اور خیبر میرے ہاتھوں فتح ہو۔ سو یہ نہ کہا جائے گا کہ حضرت علی جن کا چوتھا درجہ ہے اس پہلے نمبر پر آگئے ہیں ہاں اس میں کوئی شک نہیں کہ واقعی قلعہ قموص کے فاتح حضرت علی رہے حضرت زبیر مرحب کے بھائی یاسر کے مقابلہ میں نکلے اور اس کا کام تمام کیا۔

الحمدللہ سیدنا حضرت ابوبکر صدیق کے خلاف اس رافضی نے جو چار طرف سے جنگوں سے بھاگنے کی داستانیں پیش کیں ہم نے ایک ایک سے پردے اٹھادیئے ہیں اور حقیقت حال لوگوں کے سامنے رکھ دی ہے رہی ضد تو اس کا کسی کے پاس کوئی علاج نہیں۔ مخالفین نے تو پیغمبروں پر بھی جرح کی اتنی راہیں نکالی ہیں کہ اب تک مسیحی منادانسان کو پیدائشی طور پر گناہگار کہنے سے نہیں رکتے اور جب تک وہ

پیغمبروں کو گناہگار ثابت نہ کرلیں انہیں حضرت عیسیٰ بن مریم کو خدا کا بیٹا قرار دینے کی کوئی راہ نہیں ملتی۔
آیئے اب ہم اس رافضی کے ان الزامات کا بھی ایک مختصر جائزہ لیں جو اس نے حضرت عمرؓ پر جنگوں سے بھاگنے کے لگائے ہیں اور اپنے عوام کو صحابہ کے خلاف اکسانے کے لئے ان لوگوں نے یہ داستانیں وضع کی ہیں اور انہوں نے ان وضعی داستانوں کو اپنے بڑوں سے وراثت میں پایا ہے۔

۱۔ جنگ بدر میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمرؓ کی شرکت کا رافضی اس طرح اقرار کرتا ہے:۔

جناب ابوبکر وعمرؓ کا آنحضرتؐ کے ہمراہ جانے کا تو تاریخ سے پتہ چلتا ہے مگر تاریخ ان کا کوئی جنگی کارنامہ پیش کرنے سے قاصر نظر آتی ہے (تجلیات صداقت ص ۴۸)

کیا جنگ میں ساتھ ہونا ہی اس میں شرکت نہیں ہے آپ ان لوگوں کی بدگمانی کا کچھ اندازہ کیجئے۔ یہ رافضی ایک صفحہ پہلے یہ بھی کہہ آیا ہے:۔

ان کی زندگیوں کا ایک خاصا حصہ رسول خدا ﷺ کے ساتھ غزوات نبویہ میں شرکت کرنے میں گزر گیا...... مگر پورے زمانہ میں نہ کبھی کسی کو کوئی ضرب لگائی اور نہ کبھی کسی سے کوئی چوٹ کھائی (ص ۴۷)

جنگ میں شرکت ہی جنگ میں شمولیت سمجھی جاتی ہے کسی نے کتنے مارے اور کتنے نہیں ان کی فہرستیں نہیں بنائی جاتیں اگر کوئی شخص ان حضرات کے شرکاء جنگ میں سے کہے ماضر بوا و ماضر بوا. تو اس عینی گواہ کی بات پر غور ہوسکتا ہے کہ الزام کے لئے ایک سند مل گئی اور اگر کوئی شخص جو ان حضرات کو دیکھ بھی نہیں پایا نہ ان حضرات کے ساتھ وہ جنگ بدر میں ساتھی رہا وہ اس قسم کا منفی دعویٰ کرے تو اس کے دعویٰ میں کتنا وزن سمجھا جاسکتا ہے یہ اہل علم سے مخفی نہیں۔

۲۔ جنگ احد میں سب مسلمان شکست کھا گئے پھر شکست فتح میں بدلی

اس پر سب مورخین متفق ہیں کہ جنگ احد میں کچھ لوگوں کے درہ چھوڑنے پر سب مسلمان بطور قوم شکست کھا گئے خالد بن ولید کے عقبی حملے سے مسلمان دونوں طرف سے آگے اور پیچھے سے کافروں میں گھرے تھے اور اس افراتفری میں مسلمان فوجیوں کو یہ بھی پتہ نہ تھا کہ وہ کس کو مار رہے ہیں کسی مسلمان کو یا کافر کو۔ اس حال میں مسلمانوں نے دوڑ کر ایک پہاڑ پر پناہ لی یہاں تک کہ مسلمان پھر

وہاں جمعیت بن گئے وہاں یہ افواہ بھی بڑے زور سے پھیلی تھی کہ حضورؐ شہید ہو گئے ہیں اور بہت سے مسلمان اس غم میں ٹوٹے جا رہے تھے۔ حضرت علی بھی حضور کو ڈھونڈ رہے تھے اور حضورؐ کے ساتھ نہ رہے تھے۔ یہاں تک کہ حضور اکرم بھی پہاڑ پر آگئے کافروں نے مسلمانوں کو پھر سے جمع ہوتے دیکھا تو وہ مکہ کو بھاگ نکلے اور ان کی فتح پھر شکست میں بدل گئی۔

حضرت عمرؓ کے خطبہ میں احد کی شکست کا ذکر ایک قومی المیہ کے طور پر رہا

رافضی ص ۴۸ پر لکھتا ہے۔

ایک مرتبہ بروز جمعہ جناب عمرؓ نے خطبہ میں سورہ آل عمران پڑھی اور کہا احد کے دن ہم شکست کھا گئے تھے

لما كان يوم احد هزمنا ففررت حتى صعدت الجبل

یہاں یہ چند امور غور طلب ہیں۔

ا۔ حضرت عمر لفظ ھزمنا میں اس دن پورے مسلمانوں کی شکست کا ذکر کر رہے ہیں نہ کہ کسی اپنے ذاتی فعل کو بیان کر رہے ہیں۔ یہ اسی طرح ہے کہ جیسے حضرت علی نے اپنے ایک خطبہ میں بات کہی تھی۔

ولقد كنا مع رسول الله ﷺ نقتل آباء نا وابناء نا واخواننا واعمامنا

(نهج البلاغه جلد ا ص ۱۰۰)

(ترجمہ) اور ہم بے شک حضور کے ساتھ اپنے باپوں، اپنے بیٹوں، اپنے بھائیوں اور اپنے چچاؤں کو قتل کرتے رہے۔

یہاں کیا کوئی اس کا یہ مطلب لے سکتا ہے کہ یہاں حضرت علی، ابو طالب اور حضرت حمزہ حضرت عبدالمطلب کو قتل کرنے کا دعویٰ کر رہے ہیں؟ ہرگز نہیں یہ قومی سطح کا ایک عمل تھا جو ان دنوں مسلمان کرتے رہے اسی طرح جنگ احد کی ہزیمت بھی مسلمانوں کی ایک قومی درجہ کی ہزیمت تھی جس کی ذمہ داری بمع حضرت علی پوری قوم پر آتی ہے۔ سو اس میں حضرت عمر ھزمنا کا لفظ اسی سطح پر بول رہے ہیں نہ کہ وہ کوئی اپنی بات کہہ رہے ہیں، کوئی عقلمند اپنی ذاتی کمزوری کو کبھی مجمع عام میں بیان نہیں کرتا۔

حضرت علیؓ نے بھی اپنے آپ کو احد کی شکست میں ذمہ دار فرمایا ہے

آپ فرماتے ہیں:۔

ممکن ہے حق تعالیٰ نے ہمارے فعل کی بناء پر ہم پر غضب فرمایا ہو۔ (مدارج النبوۃ جلد۲ ص۲۱۰)
حضرت عمر کے خطبہ میں ھزمنا سے مراد فرار نہیں اپنی جگہ سے ہل جانا اور مختلف اطراف میں نکلنا ہے یہاں ھزم بھاگنے کے معنی میں نہیں بکھر جانے کے معنی میں ہے۔ چنانچہ ایک دوسرے خطبہ میں آپ نے اسے ان الفاظ میں ذکر کیا ہے یہ روایت بھی کلیب ہی کر رہے ہیں۔

عن کلیب قال خطبنا عمر فکان یقراء علی المنبر آل عمران ثم قال تفرقنا عن رسول اللہ یوم احد فصعدت الجبل فسمعت یھودیاً یقول قتل محمد فقلت لا اسمع احداً یقول قتل محمد الا ضربت عنقہ (درمنثور جلد۲، ص ۱۴۳)

(ترجمہ) حضرت عمر نے کہا ہم احد کے دن حضور اکرم ﷺ سے (عقبی حملے سے پیدا ہونے والی افراتفری میں) متفرق ہو گئے میں اس حال میں پہاڑ پر چڑھ گیا۔ وہاں میں نے ایک یہودی کو کہتے سنا کہ حضور مارے گئے ہیں میں نے جوابی آواز دی میں جس کو بھی یہ کہتے سنوں گا اسے جان سے مار دوں گا۔ اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ حضور بھی وہاں آئے اور لوگ آپ کی طرف چلے آ رہے ہیں۔
سو ھزمنا یہاں متفرق ہونے کے معنی میں ہے سو اس عبارت میں منھزمین کا معنی بھی متفرق ہو جانے والے ہی کیا جائے گا نہ کہ بھاگنے والے۔ رافضی نے امام رازی کے حوالے سے حضرت عمر پر احد کے دن بھاگ نکلنے کا الزام ان لفظوں سے لگایا ہے۔

ومن المنھز مین عمر الا انہ لم یکن فی اوائل المنھزمین ولم یتبعد (تفسیر کبیر جلد۹، ص۴۲)

(ترجمہ) اور احد کے دن (افراتفری میں) متفرق ہو جانے والوں میں عمر بھی تھے لیکن جو لوگ پہلے متفرق ہوئے آپ ان میں نہ تھے اور آپ دور بھی نہ گئے تھے۔ پہاڑ پر چڑھتے ہی آپ نے آواز لگائی تھی کہ جو شخص کہے گا کہ حضور مارے گئے میں اسے قتل کر دوں گا۔
اس صورت حال کو کوئی بھی جنگ سے فرار کا نام نہ دے سکے گا۔ بالخصوص جب کہ حضور بھی بالآخر اس پہاڑ پر آ گئے تھے اور یہ امت منتشرہ پھر وہاں جمع ہونے لگی۔ اس صورت حال کو اس بیان میں دیکھیں:

فلو استمروا علیٰ المکث ھناك لقتلھم العدو من غیر فائدۃ اصلاً فلھذا السبب

جاز لهم ان يتنحو عن ذلك الموضع الىٰ موضع يتحرزون فيه عن العدو الا ترى ان النبى ﷺ ذهب الىٰ الجبل فى جماعة من اصحابه ويحصنوابه ولم يكونوا عصاة بذلك فلما كان هذا الانصراف جائزاً اضافه الىٰ نفسه بمعنى انه كان بامره واذنه (تفسير كبير جلد۹، ص ۳۱)

(ترجمہ) اگر صحابہؓ وہیں ٹھہرے رہتے تو دشمن ان سب کو قتل کر دیتے اور اس میں سرے سے کوئی فائدہ نہ تھا۔ سو ان کے لئے اس مقام سے ہٹ کر ایک طرف ہو جانا جہاں وہ دشمن سے بچ سکیں، بالکل درست تھا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضورؐ خود بھی پہاڑ کی طرف اپنے صحابہؓ کے پاس پہنچے جو وہاں اپنے آپ کو بچائے ہوئے تھے اور وہ اس میں ہرگز گناہگار نہ تھے پس جب یہ ایک طرف مڑنا درست تھا تو اسے آپ نے اپنی طرف نسبت دی۔ گویا یہ آپ کا ہی امر اور اذن تھا۔

جب حضرت عمر میدان احد میں پہلے متفرق ہونے والوں میں نہ تھے اور اس وقت دونوں طرف تلواریں چل رہی تھیں تو خود سوچئے کیا آپ پر اس وقت کافروں کے حملے نہ ہوتے ہوں گے اور کیا آپ انہیں نہ روکتے ہوں گے ایسی گھمسان کی لڑائی میں کچھ عرصہ جمے رہنا اور ایک زخم تک نہ کھانا، کیا آپ کا محیر العقول جنگی کارنامہ نہیں؟ رہا یہ سوال کہ آپ وہاں کیوں گئے تو اگر یہی سوال حضرت علی پر آئے کہ آپ حضور سے دور کیوں رہے جیسا کہ ہم مدارج النبوۃ کے حوالے سے پہلے کہہ آئے ہیں تو اس صورت میں ہمارا جواب کیا ہوگا؟

حضرت عمر کے خطبہ میں اختلاف الفاظ

رافضی نے تجلیات کے ص ۷۴ پر حضرت عمر کا جو خطبہ نقل کیا ہے اس میں هزمنا اور فررت کے الفاظ ہیں اس پر رافضی نے درمنثور کا حوالہ دیا ہے۔ اور جو خطبہ ابن المنذر نے کلب سے روایت کیا ہے۔ اس میں هزمنا کی بجائے تفرقنا کا لفظ ہے اور فررت کا لفظ سرے سے ہے ہی نہیں اور وہ روایت بھی اسی کتاب میں ہے۔ (الدر المنثور، جلد۲، ص ۱۴۳)

سو فررت کا لفظ یہاں حقیقی فرار کے معنی میں نہیں، جگہ چھوڑتے جلدی سے پہاڑ پر چلے آنا ہے یہ بھی

اس صورت میں کہ اس کی سند متصل ہو۔ جب فررت کا لفظ ایک روایت میں ہے اور ایک میں نہیں اور اتصال روایت ایک روایت میں بھی نہیں تو بنیادی عقائد ایسے دلائل ظنیہ سے نہیں لئے جاتے ہیں یاد رہے کہ جن علماء نے انہیں اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے انہوں نے بھی ان سے اپنے عقائد نہیں لئے۔
خالد بن ولید کے عقبی حملے سے مسلمانوں کی فتح کس طرح شکست میں بدلی اور اس وقت حضرت عمرؓ کہاں تھے؟ اپنی شکست خوردہ افواج کے ساتھ ہی جو کفار کے دوطرفہ حملوں کی وجہ سے مورچوں سے ہٹ چکے تھے اس پریشان حالی میں حضرت عمرؓ کہاں تھے؟ وہیں اپنے ساتھیوں کو سہارا دے رہے تھے جیسے بڑا اپنے چھوٹوں کو تسلی دیتا ہے۔ آپ اسے خدا تعالیٰ کا ایک تکوینی امر بتا رہے تھے۔
اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ احد کی شکست میں مسلمان اپنے مورچے چھوڑ کر گھروں کی طرف نہیں بھاگے تھے وہیں پھر سے جمع ہو رہے تھے حضرت عمر نے اس صورت حال کو مشیت ایزدی کہا آنحضرت ﷺ نے بھی اس جگہ کو چھوڑ کر پہاڑ کا رخ اختیار کیا یہ بھاگنا نہیں تھا نئے سرے سے کھوئی طاقت کو جمع کرنا تھا، ارباب سیر لکھتے ہیں:
جب کچھ مسلمان حضور کے پاس جمع ہو گئے تو آپ پہاڑ کی طرف چلے، ابوبکر، عمر، علی، طلحہ، زبیر، اور حارث بن صمہ وغیرہ آپ کے ہمراہ تھے۔ (سیرت مصطفٰے، جلد ۲، ص ۳۰۹)

بھاگنے والوں اور واپس ہونے والوں میں جوہری فرق

اصول شرع میں اعتبار بعد کی بات کا ہوتا ہے بھاگنے والے وہی سمجھے جاتے ہیں جو آخر تک واپس نہ ہوئے ہوں، جو گئے سو گئے۔ اور جو اپنے مرکز پر واپس آ گئے گو کتنی دیر میں آئے اور قافلہ سالار نے بھی انہیں قبولیت بخشی۔ انہیں بھاگنے والے نہیں کہا جا سکتا انہیں ایسا کہنا خود قافلہ سالار کی گستاخی اور بے ادبی شمار ہوگی قرآن کریم نے ان کے پہلے عمل کو اگر **تولّوا** سے تعبیر کیا ہے (**انّ الذین تولّوا منکم یوم التقی الجمعان**) تو ساتھ ہی انہیں معاف کرنے کی بھی خبر دے دی اور یہ بدوں اس کے نہیں ہو سکتا کہ وہ حضورؐ کے پاس واپس ہوئے ہیں اور حضورؐ نے انہیں پذیرائی دی ہو۔
اب قرآن کریم میں ان کی **تولّی** کا ذکر مقربین کے پہلو سے ہے۔ ورنہ اسے بغیر توبہ معاف نہ کیا

جاتااور ظاہر ہے کہ قرآن کریم میں ان کی توبہ کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ بات یہ ہے کہ مقربین کی ذراسی کمزوری پر بھی اس کا نوٹس لیا جاتا ہے گو وہ کمزوری نیک آدمیوں کے ہاں خود ایک نیکی نہ ہو۔ حضورؐ کے وفات پانے کی خبر سے کچھ مخلصین کا بالکل ہمت ہار دینا اس غلط خبر کا ایک فطری اثر تھا مورخ اسلام مولانا سعید احمد اکبر آبادی لکھتے ہیں:۔

حضرت عثمان کا سب سے بڑا وصف حیا تھا اور حیا خود صفت الفعال ہے اس بناء پر آپ اس طبقہ میں شامل تھے حضرت عثمان اور ان کے ساتھیوں کا یہ فعل ایک سخت گیر وحشت انگیز خبر کا فوری اثر تھا اس کو میدان جنگ سے فرار نہیں کہا جا سکتا تاہم حسنات الابرار سیأت المقربین کے مطابق قرآن میں اس کو تولّی اور روگردانی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مگر ساتھ ہی ان کی معافی کا اعلان بھی کر دیا گیا (عثمان ذوالنورین ص ٦٧)

بات حضرت عمر کی ہو رہی تھی حضرت عثمان کا ذکر یہاں ضمناً آ گیا ہے۔

حضرت عمرؓ کا وارفتگی میں تڑپنا جنگ سے بھاگنا نہیں تھا

بھاگنے والا دور جا کر عافیت پاتا ہے یا گھر چلا جاتا ہے مگر حضرت عمر کے بارے میں رافضی بھی لکھتا ہے ''اور نہ ہی زیادہ دور گئے تھے'' ص ۴۸، سطر ۲۰۔ پوری قوم کو شکست ہونے کے بعد میدان جنگ کے قریب رہنا انہی کا کام ہوتا ہے جو مزید طاقت جمع کر کے پھر سے جنگ میں اترنا چاہتے ہوں حضرت عمرؓ کا پہاڑ پر چڑھے یہ کہنا کہ جو حضورؐ کے بارے میں کہے گا کہ آپ وفات پا گئے ہیں میں اسے قتل کر دوں گا اور آپ کا گھر واپس نہ جانا اور پہاڑ پر تڑپنا اور چھلانگیں لگانا اور دشمنوں کو للکارنا بتلاتا ہے کہ اس افراتفری کے عالم میں بھی آپ نئی جنگی تدبیر میں تھے کہ کب نیا حملہ کریں نہ کہ آپ کا یہ عمل جنگ سے فرار شمار کیا جائے۔

حضرت عمرؓ اپنی اس حالت کو برسر منبر بیان کر رہے ہیں کہ جنگ احد کی اس شکست پر میری کیا حالت تھی۔ اگر اس میں حضرت عمرؓ کی اپنی کمزوری کا کوئی پہلو ہوتا جسے آپ کے معائب میں بیان کیا جا سکے تو کیا آپ خود اپنی برائی بیان کرتے؟ ہرگز نہیں۔ اور پھر اس وقت جب آپ امیر المومنین اور پوری

امت کے امام تھے؟ آپ کو کس نے مجبور کیا تھا کہ آپ اپنی کمزوری برسر منبر بیان کریں۔ **فتفکّروا ولا تکن مّن الجاھلین** ۔ جنگ احد میں خالد بن ولید کے عقبی حملے سے دشمن فوج کے دوطرف آجانے سے جن لوگوں کے قدم پہلے اکھڑے آپ ان میں نہ تھے۔ آپ پہاڑ کی طرف تب گئے جب یہاں جان ضائع کرنے کے سوا اور کوئی نتیجہ عمل نہ تھا۔ اور ایسے موقع پر پھر سے اپنی جمعیت بنانے اور جنگ سے ہٹ جانے کی خود قرآن تعلیم دیتا ہے۔

حاصل اینکہ حضرت عمرؓ کے بارے میں یہ کہنا کہ آپ جنگ احد میں فرار کر گئے تھے، ایک نہایت سیاہ جھوٹ ہے۔

جنگ احد سے جانے والے جو پھر واپس نہ آئے

جنگ احد کے مقاصد میں ایک مقصد یہ تھا کہ منافقین مومنین سے جدا ہو جائیں اور دوسرا یہ تھا کہ مومنین ابتلاء کے مختلف پیرایوں سے گزارے جائیں اور آئندہ وہ پوری قوت سے ابھریں اور دنیا میں اللہ کے نام پر ایک عظیم سلطنت قائم ہو۔

(۱) ولیعلم اللہ الذین اٰمنوا ویتخذ منکم شھداء واللہ لا یحب الظٰلمین○ولیمحص اللہ الذین اٰمنوا و یمحق الکٰفرین (پ ٤ ،آل عمران ، ١٤١)

(ترجمہ) اور یہ کہ شہادت لے ان کی جو ایمان لائے اور لے تم سے کچھ شہید اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ اور یہ کہ اللہ پاک کرے مومنین کو (کافروں ۔سے) اور مٹا دے کافروں کو۔

(۲) ولیعلم الذین نافقوا وقیل لھم تعالوا قاتلوا فی سبیل اللہ او ادفعو قالوا لو نعلم قتالاً لا تبعنٰکم ھم للکفر یومئذٍ اقرب منھم للایمان (پ ٤ ،آل عمران، ١٦٧)

(ترجمہ) اور یہ کہ وہ جان لے (بطریق شہادت) ان لوگوں کو جو منافق تھے اور جب کہا گیا ان کو آؤ اور لڑو اللہ کی راہ میں یا پیچھے ہٹاؤ دشمن کو۔ بولے ہم جانتے لڑنا تو ہم تمہارے ساتھ رہتے اس دن وہ لوگ بہ نسبت ایمان کفر کے قریب تھے کہتے تھے منہ سے وہ بات جو ان کے دلوں میں نہ تھی۔

پہلی آیت میں ظالمین سے مراد اگر مشرکین ہیں جو احد میں فریق مقابل تھے تو مطلب یہ ہوگا کہ ان کی

عارضی کامیابی کا سبب یہ نہیں کہ خدا ان سے محبت کرتا ہے بلکہ دوسرے اسباب ہیں اور منافقین مراد ہوں جو عین موقع پر مسلمانوں سے الگ ہوئے تو یہ بتلا دیا کہ وہ خدا کے نزدیک مبغوض تھے اس لئے ایمان وشہادت کے مقام سے انہیں دور پھینک دیا گیا۔ (ص ۸۷)

جنگ ہونے سے پہلے جب رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی تین سو آدمیوں کو ساتھ لے کر واپس جانے لگا اس وقت کہا گیا کہ عین موقع پر کہاں بھاگتے ہو آؤ اگر دعویٰ اسلام میں سچے ہو تو اللہ کی راہ میں لڑو ورنہ کم از کم دشمن کو دفع کرنے میں حصہ لو یعنی مجمع میں شریک رہو، تا کہ کثرت تعداد کا اثر دشمن پر پڑے ......اس روز عین موقع پر پیغمبر علیہ السلام کو چھوڑ کر چلے جانے اور جھوٹے حیلے تراشنے سے اچھی طرح نفاق کی قلعی کھل گئی۔ اب ظاہر میں یہ بہ نسبت ایمان کے کفر سے زیادہ قریب ہو گئے (ص ۹۳ تفسیر عثمانی)

جنگ احد سے یہ جانے والے وہ تھے جو پھر نہ واپس آئے نہ وہ مسلمانوں میں پھر سے شامل ہوئے جنگ احد کا یہ جو مقصد تھا کہ منافقین مومنین سے جدا ہو جائیں وہ اس طرح پورا ہو گیا۔

جنگ احد میں مومنین پر بھی بہت سے مراحل آئے کچھ لوگوں نے خلاف حکم رسول درہ کو چھوڑ دیا اور مسلمان آگے سے اور پیچھے سے دونوں طرف سے مشرکین میں گھر گئے جب ان کے گرد مومنین جو منتشر ہوئے تھے پھر سے جمع ہونے لگے حضورؐ جہاں پہلے کھڑے تھے وہاں سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ آئے۔ حضرت طلحہ وسعدؓ تو ہر لمحہ حضورؐ کے ساتھ رہے حضرت علی بھی حضورؐ سے جدا ہو گئے تھے اب انہوں نے بھی حضورؐ کو تلاش کر لیا (دیکھو مدارج النبوۃ جلد ۲ ص)

سو اس حقیقت کے تسلیم کرنے سے چارہ نہیں کہ بالآخر سب حضورؐ کے پاس آ گئے اب ان کو بھاگنے والا کسی طرح نہیں کہا جا سکتا۔ امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں:۔

واعلم ان القوم لما انهزموا من النبیؐ یوم احد ثم عادوا لم یخاطبهم الرسول بالتغلیظ والتشدید وانما خاطبهم بالکلام اللین ثم انه سبحانه وتعالیٰ ...... عفا عنهم وزاد فی الفضل الاحسان بان مدح الرسول علی عفوه عنهم (تفسیر کبیر جلد ۹، ص ۵۰)

(ترجمہ) اور جان لو کہ احد کے دن جو لوگ نبیؐ سے متفرق ہو گئے تھے اور پھر آ گئے تھے (جلدی یا بدیر) حضورؐ نے ان سے غصے اور سختی کا برتاؤ نہ کیا نرمی سے ان سے بات کی پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بھی انہیں معاف کر دیا اور ان پر فضل واحسان فرمایا اور حضور کی ان سے درگزر کرنے پر مدح فرمائی۔

قال القفال والذی تدلّ علیه الاخبار فی الجمله ان نفراً منهم تولوا وابعدوا منهم من دخل المدینه ومنهم من ذهب الیٰ سائر الجوانب واما الاکثرون فانهم نزلوا عندالجبل واجتمعوا هناك ومن المنهزمین عمر الا انه لم یکن فی اوائل المنهزمین ولم یبعدبل ثبت علی الجبل الیٰ ان صعد النبیؐ (تفسیر کبیر جلد۹، ص۴۲)

(ترجمہ) تاریخ سے جو پتہ چلتا ہے مختصراً یہ ہے کہ مسلمانوں سے کچھ لوگ (مشرکین کے دوطرفہ حملے سے) بھاگ نکلے اور بہت دور چلے گئے ان میں وہ بھی نکلے جو مدینہ میں آ داخل ہوئے اور وہ بھی جو ادھر ادھر چل دیئے لیکن اکثر لوگ پہاڑ کے پاس جا نکلے اور وہاں پھر سے اپنی جمعیت بنائی ان اپنی جگہ سے ہلنے والوں میں عمرؓ بھی تھے۔ مگر وہ پہلے جگہ چھوڑنے والوں میں نہ تھے نہ دور تک گئے بلکہ پہاڑ پر ثابت قدم رہے یہاں تک کہ حضور بھی وہیں پہاڑ پر آ چڑھے۔

سو اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ سب مومنین بالآخر حضور ﷺ کے پاس حاضر جمع ہو گئے اور منتشر مومنین پھر ایک جمعیت بن گئے۔ اور اس جمعیت کا مشرکین پر اتنا رعب پڑا کہ انہوں نے اب مکہ کی طرف جانا غنیمت جانا اور ادھر مڑ کر بھی نہ دیکھا۔

ایسی جگہ سے پیچھے ہٹنا جہاں فوج بالکل دشمن کی زد میں ہو فوجی نقطہ نظر سے کوئی عیب نہیں گو رافضی نقطہ نظر یہ ہو کہ اسے وہیں مر جانا چاہیئے تاہم قانون فطرت کسی کو اس طرح خودکشی کی اجازت نہیں دیتا جنگ احد میں ساری قوم کو شکست ہوگئی اب اگر وہ پھر پہاڑ پر جمع ہوئے اور حضور ﷺ بھی ان میں آ گئے اور پھر مسلم فوج تازہ دم ہو گئی تو اس میں ہرگز کوئی عیب نہیں جس کی دیکھنے کی آنکھ ہی نکل چکی ہو اسے دوسرے کا ہنر بھی عیب دکھائی دیتا ہے۔ چشم بداندیش کہ برکندہ باد۔

اگر حضرت عمرؓ پہاڑ پر آ نکلے اور پھر حضور بھی پہاڑ پر آ چڑھے تو ظاہر ہے کہ حضرت علیؓ نے بھی دشمنوں

کے نرغے میں جان دینی مناسب نہ سمجھی ہوگی اس دوران اگر آپ بھی حضورؐ کے ساتھ نہ رہے اور آپ حضورؐ کو ڈھونڈتے رہے تو اس سے حضرت علیؓ کو بھگوڑا کہنا کسی بد بخت کا کام ہی ہوسکتا ہے بلکہ ان میں سے کسی کو حضرت عمرؓ کو یا حضورؐ کو کوئی ایمان والا ہرگز بھگوڑے نہ کہے گا۔

حضرت علیؓ مرتضیٰ حضورؐ کی تلاش میں

حضرت علی کے ایمان اور اخلاص کو دیکھئے کہ آپ جب حضورؐ سے دور جا نکلے تو کس بے قراری سے حضورؐ کی تلاش میں رہے۔ یہاں تک کہ حضورؐ کو پالیا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:۔

حضرت علی مرتضیٰ سے مروی ہے کہ جب کفار نے مسلمانوں پر غلبہ کیا اور حضور میری نظروں سے اوجھل ہو گئے تو میں نے آپ کو مقتولوں اور شہیدوں میں تلاش کیا مگر آپ نظر نہ آئے تو میں نے اپنے آپ سے کہا ممکن ہے حق تعالیٰ نے ہمارے فعل کی بناء پر ہم پر غضب فرمایا ہو اور اپنے نبی کو آسمان پر اٹھالیا ہو میں نے خود سے کہا اس سے بہتر یہی ہے کہ میں خوب جنگ کروں یہاں تک کہ میں شہید ہو جاؤں۔ میں نے تلوار سونت کر مشرکوں پر حملہ کر دیا اور ان کے پرے کے پرے الٹ دیئے اچانک میں نے حضور اکرمؐ کو دیکھا کہ صحیح وسلامت ہیں میں نے جان لیا کہ حق تبارک تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کے ذریعہ آپ کی حفاظت فرمائی ہے (مدارج النبوۃ ۲، ص ۲۱۰)

جنگ احد میں حضرت عمرؓ کے بارے میں بات واضح ہو چکی کہ وہ جنگ سے ہرگز نہ بھاگے تھے فوجی نقطہ نظر سے آپ پہاڑ پر آ گئے تھے اور پھر باقی لوگ بھی یہاں آ کر پھر سے جمع ہوئے تھے اور پھر حضورؐ بھی وہیں آ گئے تھے اور مسلم شیرازہ پھر سے بندھ گیا تھا۔

اب ہم حضرت عثمان کے بارے میں بھی کچھ گذارش کرتے ہیں۔

یہ حضرت علی کا اپنا اعتراف ہے کہ آپ اس دن ہر لحہ حضورؐ کے ساتھ نہ رہے تھے ورنہ یہ نہ کہتے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کے ذریعہ آپ کی محافظت فرمائی ہے آگے حضرت شیخ عبدالحق لکھتے ہیں:۔

جب مسلمانوں کو ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا اور وہ حضور اکرم ﷺ کو تنہا چھوڑ گئے۔ (الخ)

اس میں تصریح ہے کہ اس دن آپ پر ایک ایسا وقت بھی آیا ہے کہ آپ تنہا رہ گئے تھے ارباب سیر لکھتے

ہیں کہ سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ آپ کے پاس آئے پھر کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت علی بھی آپ کے پاس آ پہنچے۔ یہاں دیکھنا صرف یہ ہے کہ جب حضرت علی آپ کو مقتولوں اور شہیدوں میں تلاش کرر ہے تھے اس وقت آپ یقیناً حاضر خدمت نہ تھے۔

اس دن حضورؐ کے گرد صرف چودہ محافظین رہے تھے سات مہاجرین میں سے اور سات انصار میں سے ابن سعد لکھتے ہیں:۔

ثبت معه عصابة من اصحابه اربعه عشر رجلاً سبعة من المهاجرين فيهم ابوبكر الصديق رضى الله عنه وسبعة من الانصار (طبقات ابن سعد جلد۲ ص ۲۶)

(ترجمہ) حضورؐ کے پاس اس دن چودہ صحابی ٹھہرے رہے تھے سات مہاجرین میں سے، ان میں حضرت ابوبکر صدیق بھی تھے اور سات انصار میں سے۔

سو اگر اس دوران کسی وقت آپ اکیلے بھی رہے اسے کسی طرح حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت طلحہ اور حضرت علی کی بے وفائی نہیں کہا جاسکتا۔ بھیڑ بکری بھاگ جاتی ہے مگر پہاڑی بکری کودتی پھاندتی ہے اور ٹکرانا مانگتی ہے، بھاگنا نہیں جانتی، حضرت عمرؓ اس غلط خبر پر کہ حضورؐ مارے گئے ہیں، ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہے تھے مگر افسوس کہ رافضی انہیں گھر بھاگا کہہ رہا ہے اور بتلا رہا ہے کہ آپ اس دن میدان میں نہ رہے تھے (استغفر اللہ)

اگر وہ گھر بھاگ گئے ہوئے تھے تو حضور اکرمؐ پہاڑ پر آخر کس کے ساتھ آ کھڑے ہوئے تھے حضرت علیؓ تو ان کے ہاتھوں کو بوسہ دینا اپنی سعادت سمجھتے تھے۔

خلاصہ یہ کہ اس دن افراتفری کے عالم میں جتنے صحابہؓ آپ سے دور ہو گئے انہوں نے دامن نبوت میں دوبارہ آ پناہ لی۔ کئی دیر میں بھی آئے مگر حضورؐ نے انہیں بھی اپنے دامن محبت میں پذیرائی بخشی کسی پر ناراضگی کا اظہار نہ فرمایا۔ ہاں جو لوگ واپس نہ آئے اور حضور اکرمؐ سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئے وہ واقعی خبیث تھے جن سے اللہ تعالیٰ طیب اور پاک لوگوں کو الگ کرنا چاہتا تھا۔ دیکھئے (پ ۴، آل عمران ۱۶۷)

وما اصابكم يوم التقى الجمعان فباذن الله وليعلم المومنين○وليعلم الذين نافقوا

(ترجمہ) اور جو کچھ پیش آیا تم کو اس دن کہ ملیں دو فوجیں تو یہ سب اللہ کے علم سے تھا اور یہ کہ اللہ (بطریق شہادت) جان لیوے ان لوگوں کو جو منافق تھے۔

ملکان الله لیذرالمومنین علیٰ ما انتم علیه حتی یمیز الخبیث من الطیب (پ۴ آل عمران ۱۷۹)

(ترجمہ) اور اللہ تعالیٰ نہیں کہ چھوڑ دیں تم کو اس حالت پر جس پر کہ تم ہو، یہاں تک کہ جدا کر دے ناپاک کو پاک سے۔

مومن اور منافق میں اور خبیث اور طیب میں یہ فرق کیسے قائم ہوا؟ یہ اس طرح کہ منافقین نے اپنے نفاق کا اظہار کر دیا اور آنحضرت ﷺ سے کھلے طور پر جدا ہو گئے۔ شیخ الاسلام لکھتے ہیں:۔

رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی تین سو آدمیوں کو ساتھ لے کر واپس جانے لگا اس وقت کہا گیا تھا کہ اب کہاں بھاگتے ہو، آؤ اگر دعوے اسلام میں سچے ہو تو اللہ کی راہ میں لڑو (ص ۹۳)

عن ابن اسحٰق فی قوله ولیعلم المومنین ولیعلم الذین نافقوا ...... یعنی عبدالله بن ابی واصحابه (الدرالمنثور جلد۲ ص ۱۶۶)

اس آیت میں مومنین اور منافقین کے جانے سے مراد عبداللہ بن ابی اور اس کے (تین سو ساتھیوں) کا علیحدہ ہونا ہے یہ لوگ پہلے مسلمانوں کے ساتھ ملے ہوئے تھے جنگ احد میں انہوں نے اپنے نفاق کو ظاہر کر دیا۔ مومنین اور منافقین ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔

ان منافقین کے نکلنے سے مومن اور منافق میں ہمیشہ کے لئے ایک فاصلہ قائم ہو گیا اب منافق مسلمانوں کے ساتھ ملے جلے نہ رہتے تھے علامہ بغوی (۵۱۶ھ) لکھتے ہیں:۔

معنی الآیة حتی یمیز المنافق من المخلص فمیّزالله المومنین امن المنافقین یوم احد حیث اظهر واالنفاق وتخلفواعن رسول الله (معالم التنزیل ص ۲۰۰)

(ترجمہ) یہ آیت کہ اللہ تعالیٰ منافق کو مخلص سے جدا کر دے اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کو منافقین سے احد کے دن علیحدہ کر دیا۔ جب انہوں نے اپنا نفاق ظاہر کر دیا اور وہ حضور اکرم ﷺ کے پاس سے ہٹ گئے۔

امام رازی (۶۰۶ھ) بھی یہی کہتے ہیں:۔

أن عبدالله بن ابی بن سلول لما خرج بعسکره الیٰ احد قالوا لم نلقی انفسنا فی القتل فرجعوا وکانوا ثلث مائة من جمله الالف الذین خرج بهم رسول الله فقال لهم عبدالله بن عمرو بن حزام ابوجابر بن عبدالله الانصاری اذکرکم الله ان تخذلوا نبیکم وقومکم عند حضورا لعدو فهٰذا هوالمراد (تفسیر کبیر جلد۹،ص۶۹)

(ترجمہ) عبداللہ بن ابی جب اپنے لشکر کے ساتھ احد کی طرف نکلا تو وہ لوگ کہنے لگے ہم اپنے آپ کو موت کے منہ میں کیوں دیں اس پر وہ واپس لوٹے اور وہ تین سو اسی ہزار میں تھے جنہیں حضور اکرم ﷺ لے کر نکلے تھے انہیں عبداللہ بن عمرو بن حزام نے کہا میں تمہیں خدا کا واسطہ دیتا ہوں تم اپنے نبی کو اور اپنی قوم کو دشمن کے سامنے آ کر رسوا نہ کرو۔ یہاں حضور سے منافقین کی دوری مستقل طور پر قائم ہوئی اور حضور کی جمعیت میں پھر سے آجانے والے وہ حضرت عمر ہوں یا حضرت علی، وہ مستقل طور پر حضور سے جدا نہ ہوئے تھے اور انہیں دامن رسالت کے سوا اور کہیں قرار نہ تھا وہ پھر مرنے کے لئے آپ کے گرد جمع تھے۔

بہت مدت سے دل کی بے قراری کو قرار آیا　　　جسے مرنا نہیں آیا اسے جینا نہیں آیا

حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی جب بھی دنیا سے گئے مقام شہادت پا کر گئے یہ جنگ احد کا واقعہ ہو چکا جب آنحضرت نے جب آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان تھے احد کو مخاطب کر کے کہا تھا احد سکون کر تجھ پر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید کھڑے ہیں، احد پر اگر یہ حضرات شہادت پانے سے کچھ کنارہ کش ہو رہے ہوتے تو حضور احد پر ان کے مقام شہادت کا ذکر نہ کرتے۔

قرآن کریم کہتا ہے کہ میدان کارزار میں کبھی مومنین کے دل بھی دہل جاتے ہیں تاہم اس حالت اضطراب اور پریشانی میں ان کے ایمان کی نفی نہیں کی جا سکتی۔

یاایها الذین اٰمنوا اذکروا نعمة الله علیکم اذ جاء تکم جنود فارسلنا علیهم ریحاً و جنوداً لم تروها وکان الله بما تعملون بصیراً ○اذ جاء وکم من فوقکم

ومن اسفل منكم واذ زاغت الابصار وبلغت القلوب الحناجروتظنون بالله الظنونا، هنالك ابتلى المومنون وزلزلوا زلزالاً شديداً (پ ۲۱، الاحزاب ۱۱،۱۰)

(ترجمہ) اے ایمان والو! یاد کرو اللہ کا احسان اپنے اوپر، جب چڑھ آئیں تم پر فوجیں پھر ہم نے بھیج دی ان پر ہوا اور وہ فوجیں جو تم نے نہیں دیکھیں اور ہے اللہ دیکھنے والا جو تم کرتے ہو۔ جب وہ چڑھ آئے تم پر اوپر کی طرف سے اور نیچے سے اور جب بدلنے لگیں آنکھیں اور پہنچے دل گلوں تک اور انداز ے کرنے لگے تم اللہ کی باتوں پر۔ وہاں جانچے گئے ایمان والے اور ہلا کر رکھ دیئے گئے وہ زور سے ہلایا جانا۔

اس سے پتہ چلا کہ مومنین کا دشمنوں کی بڑی قوت دیکھنے سے حالت اضطراب میں آنا یہاں تک کہ ان کے دل دہل جائیں ہرگز ان کے ایمان کے منافی نہیں اگر دشمن کی کثرت افواج سے متاثر ہونا اور اپنے سالار اعظم سے صورت حال گذارش کرنا خلاف ایمان ہوتا تو قرآن کریم ایک مقام پر یہ نہ کہتا:

الآن خفف الله عنكم وعلم ان فيكم ضعفاً فان يكن منكم مأة صابرة يغلبوا مائتين (پ ۱۰، الانفال ٦٦)

(ترجمہ) اب بوجھ ہلکا کر دیا ہے اللہ نے تم پر سے اور جانا کہ تم میں کچھ سستی ہے سو اگر ہوں تم میں سو شخص ثابت قدم رہنے والے تو غالب رہیں گے دوسو پر اللہ کے حکم سے۔

اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ دشمن کی مقدار اسلحہ اور ان کی افرادی قوت کا جائزہ لینا ہرگز خلاف ایمان نہیں ہے۔ حدیبیہ کے موقع پر حضورؐ کا سفیر مکہ کے طور پر حضرت عمرؓ کو وہاں بھیجنا اور حضرت عمرؓ کا حضورؐ کو یہ مشورہ دینا کہ وہاں میری بجائے حضرت عثمان زیادہ بہتر ثابت ہوں گے اور یہ کہ ان کی عزت اہل مکہ کے ہاں زیادہ ہے ہرگز اپنی جان کے خوف سے نہ تھا کون سا فرد کہاں زیادہ مناسب رہے گا یہ امور فوجی کاروائی کا جزو سمجھے جاتے ہیں ایسی کوئی بات ہرگز ایمان کے خلاف نہیں۔

حضرت عثمان کے بارے میں بھی بدگمانی نہ کیجئے

شکست کی افراتفری میں حضرت عثمان دو انصاری ساتھیوں کے ساتھ جن کے نام سعد اور عتبہ تھے اپنی جگہ سے ہٹے اور دور تک چلے گئے، مسلمان پھر سے جمع ہوئے تو یہ حضرات بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے

پاس حاضر ہو گئے حضور ﷺ نے انہیں اس کے سوا کچھ نہ کہا کہ تم اس وادی میں بہت دور نکل گئے تھے؟ امام رازی لکھتے ہیں دیکھئے تفسیر کبیر جلد ۹ صفحہ ۵۰:۔

ولما دخل عليه عثمان مع صاحبيه ماز اد علىٰ ان قال لقد ذهبتم فيها عريضة

جب عثمان اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ حضورؐ کے پاس آئے تو آپ نے انہیں اس کے سوا کچھ نہ کہا کہ تم بہت دور نکل گئے تھے۔

یہ بات کہاں ہو رہی ہے؟ اسی میدان احد میں۔ معلوم ہوا حضرت عثمان بھاگ کر اپنے گھر نہ چلے گئے تھے حضورؐ کے پاس پھر حاضر ہو گئے تھے۔

حضور بھی سمجھتے تھے کہ ان کا جانا اسی غلط فہمی میں رہا کہ مسلمان شکست کھا گئے ہیں اور اب انہیں دوبارہ مدینہ آ کر تیاری پھر سے کرنی ہوگی۔ انہیں پتہ نہ چلا کہ انہیں پھر لڑنے کی نوبت نہ آئی تھی سو آپ کسی دوسرے سے عملاً پیچھے نہ رہے انہیں اگر پتہ چلتا کہ جنگ پھر سے شروع ہو گئی ہے تو ہو سکتا ہے کہ وہ جلد وہاں آ جاتے ان کی فراست بہت مشہور تھی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ سمجھے ہوں کہ اب پھر سے جنگ نہ ہوگی سو اب قریب رہنے اور دور جانے میں کیا فرق رہا۔ پھر آپ نے مرکز میں آنا مناسب جانا اور پھر سے حضور کی خدمت میں حاضر ہو گئے حضور بھی آپ کے جذبات اور احساسات کو جانتے تھے۔ آپ نے انہیں کچھ سرزنش نہ کی بلکہ جس نے بھی آپ پر کوئی انگلی اٹھائی آپ نے اسے اس سے روک دیا۔ حضرت علی نے کچھ کہا تو آپ ان سے ناراض ہوئے اور فرمایا:۔

يا علی اعيانی ازواج الاخوات ان يتخابوا (تفسیر کبیر جلد ۹ ص ۴۲)

(ترجمہ) اے علی، مجھے اس بات نے تھکا دیا ہے کہ ہم زلف آپس میں کیوں محبت میں نہیں رہتے۔

جب حضورؐ نے اسے کوئی بڑی غلطی قرار نہیں دیا بس اتنا کہا کہ تم اس وادی میں بہت دور چلے گئے تھے؟ اور حضرت عثمان بھی تین دن دیر سے آنے میں کسی ایسی بڑی نیکی سے محروم نہ رہے تھے کہ اور حضرات وہ سعادت پا گئے ہوں اور آپ اس سے محروم رہے ہوں جب ایسا نہیں تو پھر آپ پر بزدلی کی تہمت لگانا کیا حضورؐ سے اپنی آواز بلند کرنا نہیں ہے؟ کہ حضور تو اسے کوئی بڑی غلطی نہ سمجھیں اور

رافضی اس سے آپ کو منصب خلافت پر ہی نہ آنے دیں، معلوم نہیں روافض کو حضورؐ کے فیصلے کے خلاف یہ نفرت کا لاوا اگلنے میں کیا لذت محسوس ہوتی ہے۔

یا ایھا الذین اٰمنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ...... ان تحبط اعمالکم وانتم لاتشعرون (پ ۲۶، الحجرات ۲)

(ترجمہ) اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو نبیؐ کی آواز سے اونچا نہ کرو، اس سے تمہارے نیک اعمال ضائع ہو جائیں گے اور تمہیں خبر تک نہ ہوگی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسے اگر حضرت عثمانؓ کی کوئی کمزوری سمجھتے تو جنگ خیبر میں مقام رجیع کے بعد جب آپ قلعہ نطاۃ کی طرف گئے تھے تو حضرت عثمانؓ کو اپنی قیام گاہ کا ذمہ دار نہ بناتے اور نہ فوج کے کسی حصے کا آپ کو انچارج ٹھہراتے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:۔

دوسرے دن حضرت عثمان بن عفان کو نزل کی خلافت سپرد کر کے اور لشکر کے امور کی انجام دہی تفویض فرما کر قلعہ کے نیچے جنگ گاہ میں تشریف لے گئے (مدارج النبوۃ ۲، ص ۴۰۷)

کیا کوئی سمجھدار سربراہ میدان جنگ سے بھاگے ہوئے کسی فوجی کو کسی دوسری جنگ میں فوج کے کسی حصے کا چارج سپرد کرتا ہے؟ کبھی نہیں۔ تو حضورؐ کے اس طرز عمل سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ احد کے اس واقعہ کو حضرت عثمان کی بزدلی ہرگز نہ سمجھا تھا۔ پھر آپ نے جب حدیبیہ کے موقع پر حضرت عثمان کو اپنا سفیر بنا کر مکہ بھیجا تو آپ کو یہ اندیشہ کیوں نہ ہوا کہ مشرکین اسے کہیں قتل نہ کر دیں یا قید نہ کر لیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ کچھ وقت کے لئے انہوں نے انہیں قید بھی کیا۔ لیکن اس بات کے تسلیم کرنے سے چارہ نہیں کہ حضور اکرمؐ کے ذہن پر آپ کے بارے میں بزدلی کا کوئی ادنیٰ اندیشہ بھی نہ تھا۔ پھر آپ نے اپنے انقضائے خلافت پر جس حوصلے اور سکون سے موت کا استقبال کیا اور مسلم افواج میں سے کسی دستے کو اپنی حفاظت کے لئے نہ کہا اور اس عالی ظرفی سے اپنی جان جان آفرین کے سپرد کی کہ آسمان بھی اس وقت یہ شہادت دیتا ہوگا،

؎ یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

صحابہؓ کے مقام جنگ چھوڑنے سے قریش مکہ بھی اسے چھوڑ گئے

خالد بن الولید کے عقبی حملے سے جونہی مسلمانوں نے شکست کھائی اور سب مسلمان کچھ وقت کے لئے ادھرادھر منتشر ہوئے اللہ رب العزت نے ان کے انتشار اور اضطراب پر پردہ ڈال دیا اور قریش مکہ کے دلوں میں رعب اتارا اور وہ اپنی جیتی بازی ہار کر مکہ کو چل دیئے پھر کہیں رستے میں ان کو خیال آیا کہ وہ واپس لوٹ کر پھر سے مسلمانوں پر حملہ کریں مگر پھر بھی ان کو ادھر لوٹنے کی ہمت نہ ہوئی۔ یہ کس لئے ہوا؟ یہ اس لئے کہ اللہ رب العزت مومنین کی اس ھزیمت کو کچھ نہ ہونے کے درجے میں رکھنا چاہتے تھے۔

آنحضرت ﷺ نے پھر سے اکٹھے ہوئے مسلمانوں کو مخاطب کیا کہ کون ان کا (قریش مکہ کا) تعاقب کرے گا، فوراً ستر آدمیوں کی ایک جماعت اس مہم کے لئے تیار ہوگئی اور ان کا ایسا رعب ان پر پڑا کہ وہ پھر مدینہ کا رخ نہ کر سکے۔ ام المومنین حضرت عائشہ کہتی ہیں:۔

لما اصاب رسول الله صلى الله عليه وسلم ما اصاب يوم احد فانصرف عنه المشركون خاف ان يرجعوا فقال من يذهب فى اثرهم فانتدب منهم سبعون رجلاً قال فيهم ابوبكر والزبير (صحيح بخارى جلد٢ ص٥٨٤)

(ترجمہ) جب آنحضرتؐ احد کے دن اس مصیبت سے دوچار ہوئے تو مشرکین آپ سے واپس چلے، حضور کو (جو ہیں میدان میں ٹھہرے ہوئے تھے) اندیشہ ہوا کہ وہ پھر سے نہ چلے آئیں، آپ نے کہا کون ان کے پیچھے جاتا ہے؟ (کہ ان کے پروگرام کا پتہ لائے) ستر صحابہؓ تیار ہوئے ان میں حضرت ابوبکر اور حضرت زبیر بھی تھے۔

شارح صحیح بخاری علامہ قسطلانی لکھتے ہیں کہ ان دو کے علاوہ حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عمار، حضرت طلحہ، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت ابوحذیفہ، حضرت عبداللہ بن مسعود اور عبدالرحمن بن عوف بھی ان ستر میں سے تھے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمان پھر سے اس جماعت میں آملے تھے جو قریش مکہ کا جہاد کی نیت سے تعاقب کرنے چلی، اب حضرت عثمان بھی

وہ فضیلت پا گئے جو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ان مجاہدین کے لئے ذکر کی ہے۔

الذین استجابوا لله والرسول من بعد ما اصابهم القرح للذین احسنوا منهم واتقوا اجر عظیم (پ ٤، آل عمران ۱۰۲)

(ترجمہ) جن لوگوں نے حکم مانا اللہ اور اس کے رسول کا بعد اس کے کہ پہنچ چکے تھے ان کو زخم جو اُن میں نیک ہیں اور پرہیز گار، ان کو ثواب ہے بڑا۔

آپ ﷺ ان مجاہدین کی جمعیت لے کر مقام حمراء الاسد تک پہنچے۔ ابوسفیان کے دل میں یہ سن کر کہ مسلمان اس کے تعاقب میں چلے آرہے ہیں، سخت رعب طاری ہوا وہ دوبارہ حملے کا ارادہ ختم کر کے مکہ کی طرف بھاگا۔ حضور عملاً اس کے تعاقب میں نہ نکلے کیونکہ مکہ کی طرف رخ کر کے مسلمانوں کو ہتھیار اٹھا کر چلنے کی اجازت نہ تھی۔ حالات کیسے ہی کیوں نہ ہوں مسلمانوں کے دل میں بیت اللہ شریف کا ادب واحترام وہی تھا جو حرم کو حاصل ہے۔

(نوٹ) مسلمانوں کا یہ حمراء الاسد تک آنا جنگ احد کے تتمے کی حیثیت رکھتا ہے اور ظاہر ہے کہ اس میں حضرت عثمان بھی موجود تھے اور آپ حضرت علی کے رفیق جہاد تھے۔ اب ہم جنگ احد کی بات ختم کرتے ہیں۔ اب جنگ احزاب میں چلئے۔

جنگ احزاب میں مومنین کے زلزلہ کے سے حالات اور منافقین کا کھل جانا

قرآن کریم مومنین کے بارے میں بتلاتا ہے کہ وہ بہت گھبرائے ہوئے تھے گویا وہ سخت زلزلے میں ہلا دیئے گئے ہیں۔ معلوم نہیں ابھی کیا ہوتا ہے۔ جنگ کے موقع پر ایسی حالت ہو تو اس کا سنجیدگی سے جائزہ لینا ضروری ٹھہرتا ہے۔ قریش مکہ جنگ احزاب میں چوبیس ہزار کے قریب لوگوں کو جمع کر لائے تھے۔ اسے جنگ احزاب اسی لئے کہتے ہیں کہ اس میں بہت سے مخالفین کی اجتماعی یلغار تھی۔ اور ان کا نامی گرامی مبارز عمرو بن عبدودان کے ساتھ تھا وہ میدان میں نکلا اور اس نے حضورؐ سے مبارز طلب کیا، آپ نے صحابہؓ میں سے کسی کو سامنے آنے کا حکم نہ دیا۔ صرف ان سے پوچھا کہ اس کے مقابل کون نکلتا ہے؟ حضرت عمرؓ نے حضورؐ کو اس طرف توجہ دلائی کہ عمرو بن عبدود بڑا تجربہ کار فوجی ہے اب اس کے مقابل کس جرنیل کو سامنے لایا جائے؟ یہ بہت اہم مرحلہ ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ مشورہ وقت کی ایک بڑی ضرورت تھی اور ایسا مشورہ بڑے لوگ ہی دے سکتے ہیں، بجائے اس کے کہ کوئی عمر رسیدہ اس کے مقابل لایا جائے اس موقعہ پر کسی جوان شہسوار کی ضرورت تھی حضرت خالد بن ولید اس وقت تک صف اسلام میں نہ آئے تھے۔ سید الشہداء حضرت حمزہ جنگ احد میں شہید ہو چکے تھے اب اس کے مقابل کون آئے اس کا اثر پورے معرکہ پر پڑے گا۔

حضورؐ نے بالآخر حضرت علی کو میدان میں نکلنے کے لئے کہا وہ اس وقت ۲۸ سال کے جوان تھے آپ نے اپنے ہاتھ سے انہیں زرہ پہنائی قرآن کریم مومنین کی اس حالت کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ وہ اس وقت بہت گھبراہٹ محسوس کر رہے تھے گویا وہ سخت زلزلے میں ہیں بایں ہمہ وہ مومنین ہی تھے، نہ کہ منافقین۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:۔

هنالك ابتلى المومنون وزلزلوا زلزالاً شديداً (پ ۲۱، الاحزاب ۱۱)

(ترجمہ) اس وقت مومنین ایک ابتلاء میں ڈالے گئے اور وہ نہایت سخت طور پر ہلا دیئے گئے۔

صحابہؓ اس پریشان حالی میں آپس میں مشورہ میں تھے اور زندہ قومیں حالات کا سنجیدگی سے جائزہ لیتی ہیں۔ پہلے مقابلہ میں وہ فوجی نہ چاہئیں تھے جو محض شوق شہادت میں اٹھیں اور عمرو بن عبدود کے سامنے آئیں۔ پہلے مقابلہ میں اس جرنیل کی ضرورت تھی جو اس کافر کا کام اسی وقت تمام کرے ورنہ ان مسلمانوں کی ہرگز کوئی کمی نہ تھی جو نہایت شوق سے موت فی سبیل اللہ کا انتظار کر رہے تھے۔

قرآن کریم نے صحابہ کے اس وقت کے تفکر اور تدبر کا جو نقشہ پیش کیا ہے وہ آپ کے سامنے آچکا۔ اس پریشان حال میں بھی انہیں مومن ہی کہا گیا ہے۔ منافقین نے جو باتیں کہیں وہ اس سے اگلی آیت میں ہیں۔ اب آیئے صحابہؓ کا وہ نقشہ بھی ملاحظہ کریں جو اس رافضی نے کھینچا ہے۔ آپ کا دل شہادت دے گا کہ ان لوگوں کا ہرگز قرآن پر ایمان نہیں ہے۔ اس نے منافقین کی باتیں بھی صحابہؓ کے کھاتے میں ڈال دی ہیں، وہ لکھتا ہے:۔

ادھر اصحاب پیغمبر نے فوجوں کی یہ کثرت دیکھی تو اکثریت کی یہ حالت تھی کہ مارے خوف و ہراس کے کلیجے منہ کو آگئے۔ سکرات موت کی کیفیت طاری ہوگئی۔ خدا اور رسول پر اعتراض کرنے لگے کہ ہم سے فتح ونصرت کے جو وعدے کئے تھے وہ سب فریب اور دھوکہ تھے۔

سب سے زیادہ رعب جناب عمر بن الخطاب پر طاری تھا کیونکہ جب آنحضرتؐ نے صحابہؓ سے اس خاموشی کا سبب دریافت کیا تو جناب عمرؓ یوں گویا ہوئے، یارسول اللہ! یہ عمرو بن عبدود ہے، جو عرب کے بہادروں میں اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتا۔ اسے سن کر اصحاب کے اور بھی چھکے چھوٹ گئے۔ (تجلیات صداقت ص ۵۱)

اس عبارت کے ایک ایک لفظ سے صحابہؓ کے خلاف بغض ونفرت کی بو آرہی ہے۔ مولف پہلے سے اکثریت صحابہ کے خلاف ایک عقیدہ بنائے بیٹھا ہے، اب اسے سمجھ آئے تو کیسے آئے۔ وہ پہلے سے سمجھ رہا ہے کہ اس دن مومنین میں دو گروپ تھے (۱) ایک صحابہ کرامؓ اور (۲) حضرت علیؓ۔ حالانکہ حضرت علی بھی صحابہ کرامؓ کا ہی ایک فرد تھے۔ ان کی کوئی علیحدہ جماعت نہ تھی، صحابہؓ سے وہ کبھی علیحدہ نہ رہے تھے۔ مگر دیکھئے رافضی قرآن کی اس آیت کے مقابل کہ کفار پر سختی کرنے والے بھی بہت سے لوگ تھے، کس طرح اپنی بات کہتا ہے اور اشداء کو جمع نہیں مانتا، وہ لکھتا ہے (دیکھئے (ص ۵۱ نیچے سے دوسری سطر):

سوائے حیدر کرار کے اور کوئی شخص شمع رسالت کا پروانہ اشداء علی الکفار کا مظہر بن کر آمادہ پیکار نہ ہوا۔

(نوٹ) رافضی کی مذکورہ بالا پہلی عبارات میں خط کشیدہ فقرے قرآن کریم میں اس مقام پر نہیں بلکہ وہ اگلی آیت کے ہیں جو واذ یقول المنافقون سے شروع ہوتی ہے یہاں رافضی ان مومنین کو منافقین ثابت کرنے کے لئے اس اگلی آیت کے الفاظ کو مومنین کی آیت میں ڈال رہا ہے۔ قرآن کی تحریف معنوی کی اس سے بدتر مثال شاید ہی علمی دنیا میں کبھی کسی نے دیکھی ہو۔

حضرت زید بن حارثہؓ کی جنگ خندق میں خدمات

اس جنگ میں قریش مکہ نے ایک بڑی فوج مدینہ منورہ میں بھیج دی تھی انہوں نے تین چار ہفتے تک مدینہ کا محاصرہ کئے رکھا، حضورؐ کے حکم پر وہاں کوئی صحابی گھروں کی حفاظت کے لئے مامور نہ کئے گئے تھے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:۔

حضور اکرم ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ کو تین سو افراد کے ساتھ مدینہ منورہ کے مکانات، قلعوں

اور گھروں کی حفاظت کے لئے روانہ کر دیا اور قریش نے بیس روز یا چوبیس روز یا ستائیس روز تک مسلمانوں کا محاصرہ جاری رکھا یہاں تک کہ اس محاصرے سے تنگ آ گئے۔ اس محاصرے کے دنوں میں روزانہ رات کو حضرت عباد بن بشیر رضی اللہ عنہ ایک جماعت کے ساتھ نبی کریمؐ کے خیمہ کی پاسبانی کرتے تھے، مشرکین آتے تھے اور حضورؐ کے خیمہ کی طرف رخ کرتے تھے، لیکن اتنی طاقت نہ پاتے تھے کہ خندق کو عبور کر سکیں۔ (مدارج النبوۃ، جلد ۲، ص ۲۹۶)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس دن صرف حضرت علی ہی میدان میں نہ تھے، شمع رسالت کے اور کئی پروانے بھی اپنی اپنی جگہ مصروف کار تھے۔

حضرت سعد بن معاذؓ میدان جنگ میں

اس غزوۂ عظیمہ کے واقعات میں سے ایک قصہ حضرت سعد بن معاذ کے مجروح ہونے کا ہے، سیدہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ میں ان دنوں حضرت سعد بن معاذ کی والدہ کے ساتھ مدینہ کے قلعہ میں سے ایک قلعہ میں تھی کہ حضرت سعد بن معاذ ایک تنگ زرہ پہنے ہوئے گزرے، ام سعد نے کہا اے میرے بیٹے! جلدی جاؤ اور رسول اللہ کے حضور پہنچو۔ حضور ﷺ کے خیمہ کے برابر کفار نے جنگ شروع کر رکھی تھی۔ حضرت سعد خندق کے کنارے پہنچے تو حیان بن العرق نے ان کو للکارا اور ایک تیر پھینکا، وہ تیر حضرت سعد نے اکحل رگ پر کھایا (دیکھئے مدارج النبوۃ ۲ ص ۲۹۸)

سو رافضی کی یہ بات درست نہیں کہ اشداء علی الکفار کا مصداق صرف حضرت علی تھے، حقیقت یہ ہے کہ اور کئی صحابہؓ نے بھی غزوہ احزاب میں بڑی خدمات سرانجام دیں۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بڑے لوگوں میں سے تھے جنہیں حضورؐ مشورے کے لئے اپنے ساتھ رکھتے تھے۔

حضرت خباب المنذر نے حضورؐ سے گزارش کی تھی کہ یہود کے کھجوروں کے باغ کاٹ دیئے جائیں تو یہ ان کے لئے اور حسرت کا سامان ہوگا، وہ جلد ہتھیار ڈال دیں گے۔ کچھ صحابہؓ اس کام میں لگ گئے اور چار سو کے قریب درخت کاٹ ڈالے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اسی وقت حضورؐ سے کہا، حق تعالیٰ کا وعدہ ضرور پورا ہوگا۔ اب کھجور کے درختوں کو ہم کیوں کاٹیں۔ اب کاٹنے سے لوگوں کو روک دیا

جائے۔حضورؐ نے ابوبکرؓ کی رائے مان لی۔قرآن کریم نے اس کاٹنے سے رکنے کو بھی اذنِ الٰہی کہا۔

ما قطعتم من لينة او تركتموها قائمة على اصولها فباذن الله وليخزى الفاسقين (پ ۲۸، الحشر ۵)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ حضرت ابوبکر صدیق کی رائے کی آسمانی تصویب تھی۔

اس سے پتہ چلا کہ جنگوں میں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر جیسے اکابر بیشتر حضورؐ کے ساتھ ساتھ ہوتے تھے تاکہ اہم امور میں اور ہر وقت کئے جانے والے فیصلوں میں وہ حضورؐ سے بروقت گزارش کرسکیں۔ بڑے لوگوں کا سالارِ اعظم کے ساتھ رہنا ملکوں کی بڑی فوجی ضرورت سمجھی جاتی ہے مگر افسوس کہ رافضی کی آنکھیں اسی تلاش میں ہیں کہ وہ تمام فوجیوں کی طرح لڑتے کیوں کہیں نظر نہیں آرہے، اگر وہ (معاذ اللہ) کہیں پیچھے رہنے والوں میں ہوتے تو حضورؐ کے بعد صحابہؓ کی اکثریت ہرگز حضرت ابوبکر اور حضرت عمرؓ کے ساتھ نہ ہوتی، نہ حضرت عثمان کو انتخاب خلافت میں حضرت علی پر ترجیح دی جاتی۔ رافضی اکثر صحابہؓ کو منافقوں میں شمار کرتے رہے، رافضی کی یہ غلط بیانی بھی دیکھئے:۔

اصحاب پیغمبر نے جن کی تعداد کم وبیش تین ہزار تھی (مشرک) فوجوں کی یہ کثرت دیکھی تو اکثریت کی یہ حالت تھی کہ مارے خوف وہراس کے کلیجے منہ کو آگئے......سوائے حیدر کرار کے اور کوئی شمع رسالت کا پروانہ آمادہ پیکار نہ ہوا (ص ۵۱)

رافضی نے منافقین کے حالات کی آیت مومنین کے ذکر میں اس لئے درج کی ہے کہ کسی طرح ان مومنین پر (خلفاء ثلثہ پر) منافقین کا لیبل لگایا جاسکے۔ مومنین کس طرح حالات کے زلزلہ میں آگئے تھے۔ یہ آپ مطالعہ کرآئے ہیں اب اس سے اگلی آیت، جس میں منافقوں کی حالت کا بیان ہے، اسے بھی ملاحظہ فرمائیں۔

آیت مومنین کے مقابل منافقین کے کھل جانے کی آیت

منافقین نے جب کفر کا یہ جملہ کہا کہ ہم سے اللہ اور رسول نے دھوکہ کیا ہے تو وہ اپنے نفاق میں کھل گئے اور اب کھلے کافروں میں آملے۔ اب وہ منافق نہ رہے، کھلے کافر ہوگئے اور جو بہانے بنارہے

تھے کہ ہمارے گھر خالی ہیں انہیں بھی اب صرف بہانہ سازی نہ کہا جائے گا اسے بھی منافقوں کا اللہ اوراس کے رسولؐ کے مقابل آنا قرار دیا جائے گا۔قرآن کریم نے ان کو **واذ قالت طائفة منهم** کہہ کرانہی میں شمار کیا ہے۔اب جب اللہ تعالیٰ نے انہیں منافقوں میں شمار فرمایا تو ان کا بہانہ صرف ان کی کمزوری نہ سمجھی جائے گی وہ اپنے نفاق میں کھل کر کافروں سے آملے تھے۔قرآن کہتا ہے۔

واذ يقول المنافقون والذين فی قلوبهم مرض ماوعدنا الله ورسوله الا غروراO واذ قالت طائفة منهم يا اهل يثرب لا مقام لكم فارجعوا (پ۲۱،الاحزاب)

(ترجمہ)''اور جب منافق اور وہ لوگ جن کے دل مریض تھے کہنے لگے ہم سے اللہ اوراس کے رسول نے محض دھوکے سے وعدہ کیا اور انہی میں سے ایک گروہ کہنے لگا اے اہل یثرب تمہارے لئے کوئی ٹھہرنے کا مقام نہیں تم سب واپس ہو جاؤ''۔

اہل سنت جنہیں صحابہ کرامؓ مانتے ہیں، ان سب کے پیشوا حضرات خلفاء ثلثہ ہیں ان میں سے کسی کے منہ سے کوئی کلمہ کفر نکلا ہو یا ان میں سے کسی نے لوگوں کو واپس مدینہ لوٹنے کا کہا ہو تو چاہئے تھا کہ رافضی اس پر کوئی حوالہ پیش کرتا مگر افسوس کہ اپنے بغض باطنی سے اس نے منافقین کے بیان کی آیت دھکا زوری سے مومنین پر منطبق کر دی ہے۔

جنگ حنین میں مومنین کی ایک اور آزمائش

فتح مکہ کے بعد مومنین ایک دفعہ پھر آزمائش میں آئے یہ آزمائش جنگ حنین کی صورت میں آئی۔ قرآن کریم میں **یا ایها الذین اٰمنوا** سے اہل ایمان کو خطاب ہوتا ہے۔اس کے دو آیت بعد پھر انہی اہل ایمان کو کہا گیا:۔

لقد نصركم الله فی مواطن كثيرة ويوم حنين اذ اعجبتكم كثرتكم فلم تغن عنكم شيئاوضاقت عليكم الارض بما رحبت ثم وليتم مدبرين O ثم انزل الله سكينته علىٰ رسوله وعلىٰ المومنين وانزل جنوداً لم تروها وعذب الذين كفروا ط وذلك جزاء الكافرين ثم يتوب الله من بعد ذلك علىٰ من يشاء والله غفور رحيم (پ ۱۰، التوبه ۲۶-۲۵)

(ترجمہ) مدد کر چکا اللہ تمہاری بہت میدانوں میں اور حنین کے دن جب اچھی لگی تمہیں تمہاری کثرت۔ پھر وہ کچھ کام نہ آئی تمہارے۔اور تنگ ہو گئی تم پر زمین باوجود اپنی وسعت کے پھر ہٹ گئے تم پیٹھ پھیر کر۔ پھر اتاری اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے تسکین اپنے رسول پر اور مومنین پر اور اتاریں فوجیں کہ تم جن کو دیکھ نہ پائے اور عذاب دیا کافروں کو اور یہی سزا ہے منکروں کی۔ پھر اللہ نصیب کرے گا اس کے بعد توبہ جسے چاہے اور اللہ ہے بخشنے والا مہربان۔

یہ کن کو کہا گیا کہ اس دن تمہیں اپنی کثرت اچھی لگی اور وہ تمہارے کسی کام نہ آسکی؟ مومنین کو۔ پہلی دو آیتوں سے روئے سخن انہی کی طرف ہے۔ پھر یہ کن کو کہا گیا کہ زمین تم پر اپنی وسعتوں کے باوجود تنگ ہو گئی تھی؟ مومنین کو ہی۔ پھر یہ کن کو کہا گیا کہ ہٹ گئے تم پیٹھ پھیر کر؟ انہی مومنین کو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی تسکین کن پر اتاری؟ انہی مومنین پر۔اور اپنی طرف سے فرشتے اتارے کن کو حوصلہ دینے کے لئے؟ ان مومنین کو ہی۔اور اس دن عذاب پھر کن کا نصیب ٹھہرا؟ ان کافروں کا جو تیر اندازی میں سارے عرب میں شہرت رکھتے تھے اور وادی حنین کی پہاڑیوں میں گھات لگائے بیٹھے تھے۔تاریخ گواہ ہے کہ پھر ہوازن کو اس کے بعد توبہ نصیب ہوئی اور اکثر مسلمان ہو گئے۔

اس آیت میں **ثم ولیتم مدبرین** (پھر تم ہٹ گئے پیٹھ پھیر کر) ان ایمان والوں کو ہی کہا گیا ہے۔ جن پر اللہ تعالیٰ نے اس آزمائش میں سکینہ اتارا اور کافر انہی کو کہا گیا ہے جن پر اس آسمانی مدد سے عذاب اترا اور ظاہر ہے کہ یہ قبائل ہوازن تھے جو قریش مکہ کے بعد اب نئے ولولہ کفر سے مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے تھے۔

یہاں ہم قارئین کی توجہ آیت کے ان الفاظ **ثم ولیتم مدبرین** پر مبذول کرا رہے ہیں۔رافضی ان الفاظ کا یہ ترجمہ کرنے میں بہت لذت محسوس کر رہا ہے کہ پھر تم بھاگ گئے؟

مومنین کا یہ اپنے مقام سے ہٹنا اور پیٹھ پھیرنا کن ہنگامی حالات میں ہوا اسے تفسیروں میں دیکھئے:

صحیحین میں براء بن عازب کی روایت ہے کہ پہلے معرکہ میں کفار کو ہزیمت ہوئی وہ بہت سامال چھوڑ کر پسپا ہو گئے۔ یہ دیکھ کر مسلمان سپاہی غنیمت کی طرف جھک پڑے اس وقت ہوازن کے تیر اندازوں نے گھات سے نکل کر ایک دم دھاوا بول دیا آن واحد میں چاروں طرف سے اس قدر

تیر برسائے کہ مسلمانوں کو قدم جمانا مشکل ہو گیا اول طلقاء میں بھاگڑ پڑی۔ آخر سب کے پاؤں اکھڑ گئے (تفسیر عثمانی)

رافضی اس پس منظر پر بھاگ گئے بھاگ گئے کی گردان پوری کر رہا ہے اور وہ یہ نہیں دیکھتا کہ قوموں کو کبھی ایسے ہنگامی حالات سے بھی گزرنا پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ حنین کے دن ان حالات میں اللہ نے تمہاری مدد کی اور آسمان سے تم پر اپنی نصرت اتاری۔ پھر کیا ہوا کفار کنکریوں کے اثر سے اپنی آنکھیں ملتے رہے۔ جو مسلمان قریب تھے انہوں نے پلٹ کر حملہ کر دیا آناً فاناً مطلع صاف ہو گیا اور بہت سے بھاگے ہوئے مسلمان لوٹ کر حضورؐ کی خدمت میں پہنچے تو دیکھا لڑائی ختم ہو چکی ہے اور ہزاروں قیدی آپ کے سامنے بندھے کھڑے تھے۔ یہ کافروں کو دنیا میں ہی سزا مل گئی۔

اس سے یہ امور واضح ہوئے کہ ہنگامی حالات میں اپنی جگہ سے اس طرح ہٹنے سے ایمان کی نفی نہیں ہوتی۔ مومنین ایسے کمزور حالات میں بھی مومنین ہی رہے اور اللہ رب العزت نے ان پر اپنا سکینہ اتارا۔ یہ اتنی بڑی آزمائش تھی کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم مع چند رفقاء کے دشمنوں کے نرغہ میں تھے۔ شیخ الاسلام لکھتے ہیں:۔

حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم مع چند رفقاء کے دشمنوں کے نرغے میں تھے۔ ابوبکر وعمر، عباس وعلی، عبداللہ بن مسعود وغیرہ رضی اللہ عنہم تقریباً سو یا اسی صحابہ میدان جنگ میں باقی رہ گئے۔ جو پہاڑ سے زیادہ مستقیم نظر آتے تھے۔ یہ خاص موقعہ تھا جب کہ دنیا نے پیغمبرانہ صداقت، توکل اور معجزانہ شجاعت کا ایک محیر العقول نظارہ ان ظاہر آنکھوں سے دیکھا۔ آپؐ سفید خچر پر سوار ہیں۔ عباسؓ ایک رکاب اور ابوسفیان بن حارث دوسری رکاب تھامے ہوئے ہیں۔ چار ہزار کا مسلح لشکر جوش انتقام میں ٹوٹا پڑتا ہے۔ ہر چہار طرف سے تیروں کا مینہ برس رہا ہے۔ ساتھی منتشر ہو چکے ہیں۔ مگر رفیق اعلیٰ آپؐ کے ساتھ ہے، ربانی تائید اور آسمانی سکینہ کی غیر مرئی بارش آپؐ پر اور آپؐ کے گنے چنے رفیقوں پر ہو رہی ہے جس کا اثر بھاگنے والوں تک پہنچتا ہے جدھر سے ہوازن اور ثقیف کا سیلاب بڑھ رہا ہے۔

یہ خوارج کا عقیدہ ہے کہ گناہ کبیرہ سے مومن ایمان سے نکل جاتا ہے۔

دوسرے یہ بھی ملحوظ رہے کہ اگر ان صحابہ میں جو جنگ حنین میں اس آزمائش کی گھڑی میں حضورؐ کے

ساتھ پوری استقامت سے کھڑے رہے، حضرت عثمانؓ کا نام تک نہیں ملتا کہ وہ حضورؐ کی رکاب تھامے کیوں نہ سامنے آئے۔ تو اس سے یہ سمجھ لینا کہ آپ کہیں ادھر ادھر ہو گئے تھے غلط ہے۔ ہنگامی حالات میں ہر وفادار اپنی صوابدید سے وفا کے آداب بجالاتا ہے۔ بعض اکابر کا نام اس فہرست میں نہ ملنے سے آپ کی وہاں موجودگی کی نفی نہیں ہوتی۔ حضرت طلحہ وزبیرؓ کے نام بھی اگر یہاں نہیں ملتے تو ان کے بارے میں بھی کوئی بدگمانی نہ کی جائے۔ **ان بعض الظن اثم** ۔ حضرت طلحہ جنگ احد میں اپنی جاں نثاری میں وہ مقام پا گئے کہ خود حضورؐ نے فرمایا کہ وہ **لمن قضیٰ نحبه** کا مقام پا گئے۔

غزوہ تبوک میں بھی یہی اصول قائم بتلایا گیا

اب سن آٹھ ہجری (جنگ حنین) سے سن نو ہجری (جنگ تبوک) میں چلیں اس جنگ میں تین حضرات کعب بن مالکؓ، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن الربیع باوجود اپنے عزم وایمان کے محض اپنی غفلت اور لاپرواہی کے باعث غزوہ تبوک میں شرکت سے پیچھے رہ گئے۔ قرآن کریم نے انہیں دائرہ ایمان سے خارج قرار دیا نہ آنحضرتؐ نے انہیں منافقوں میں سے سمجھا اور نہ اس تخلف کو ان کے نفی ایمان کی دلیل بنایا جس طرح جنگ حنین کے مدبرین کے بارے میں کہا تھا کہ زمین ان پر اپنی پوری وسعت کے باوجود تنگ ہو گئی، تبوک میں پیچھے رہنے والوں کے لئے بھی زمین اسی طرح تنگ بتلائی گئی۔

ضاقت علیکم الارض بما رحبت ثم ولیتم مدبرین ثم انزل الله سکینته (التوبہ ۲۵)

(ترجمہ) اور تنگ ہو گئی تم پر زمین باوجود اپنی فراخی کے پر ہٹ گئے تم پیٹھ دے کر پھر اتاری اللہ نے اپنی طرف سے تسکین اپنے رسول پر اور مومنین پر۔

حنین میں یہ سامنے آکر پیچھے ہٹے انہیں صیغہ خطاب سے ذکر کیا اور تبوک میں یہ پیچھے رہے اس لئے انہیں صیغہ غائب سے ذکر کیا۔ ہم یہاں صرف کعب بن مالک کا بیان ہدیۂ قارئین کر رہے ہیں اس سے یہ بات اور واضح ہو جائے گی کہ جنگ سے کسی پیچھے رہنے والے پر منافقت کا لیبل لگانا ضروری نہیں، نہ اس سے کسی کے ایمان کی نفی ہوتی ہے جب حضورؐ تبوک سے واپس لوٹے تو کعب بن مالک آپ کے سامنے حاضر ہوئے اور یہ بیان دیا:-

یارسول اللہ! اگر میں اس وقت دنیاوالوں میں سے کسی دوسرے کے سامنے ہوتا تو آپ دیکھتے کہ کس طرح زبان زوری اور چرب لسانی سے جھوٹے حیلے حوالے کر کے اپنے کو صاف بچالیتا مگر یہاں تو معاملہ ایک ایسی ذات عالی سے ہے جسے جھوٹ بول کر اگر میں راضی بھی کرلوں تو تھوڑی دیر کے بعد خدا اس کو سچی بات پر مطلع کر کے مجھ سے ناراض کر دے گا۔ برخلاف اس کے سچ بولنے میں گو تھوڑی دیر کے لئے آپ کی خفگی برداشت کرنا پڑے گی لیکن امید رکھتا ہوں کہ خدا کی ذات کی طرف سے اس کا انجام بہتر ہوگا۔ آخر کار سچ بولنا ہی مجھے خدا اور رسول کے غصہ سے نجات دلائے گا۔ یارسول اللہ! واقعہ یہ ہے کہ میرے پاس غیر حاضری کا کوئی عذر نہیں جس وقت حضورؐ کی ہم رکابی کے شرف سے محروم ہوا اس وقت سے زیادہ فراخی اور مقدرت کبھی مجھ کو حاصل نہ ہوتی تھی۔ میں مجرم ہوں آپ کو اختیار ہے جو فیصلہ چاہیں میرے حق میں دیں۔

اس کے اس بیان پر آپؐ نے فرمایا: یہ شخص ہے جس نے سچی بات کہی، اچھا جاؤ اور خدائی فیصلے کا انتظار کرو کعب بن مالکؓ کہتے ہیں میں اٹھا اور تحقیق سے معلوم ہوا کہ ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع، یہ دو شخص بھی میرے ہی جیسے ہیں۔ ہم تینوں کے متعلق آپؐ نے یہ حکم دیا کہ کوئی ہم سے بات نہ کرے۔ سب علیحدہ رہیں۔ چنانچہ کوئی مسلمان ہم سے بات نہ کرتا تھا نہ سلام کا جواب دیتا تھا۔ وہ دونوں تو خانہ نشین ہو گئے شب و روز گھر میں وقف گریہ بکاء رہے۔ میں سخت اور قوی تھا۔ مسجد میں نماز کے لئے حاضر ہوتا۔ حضورؐ کو سلام کر کے دیکھتا تھا کہ جواب میں لب مبارک کو حرکت ہوئی یا نہیں۔ جب میں حضورؐ کی طرف دیکھتا تو آپؐ میری طرف سے منہ پھیر لیتے۔ مخصوص اقارب اور محبوب ترین اعزہ بھی مجھ سے بیگانہ ہو گئے تھے.......... غرض پچاس دن اسی حالت میں گزرے کہ خدا کی زمین مجھ پر باوجود فراخی کے تنگ تھی بلکہ عرصہ حیات تنگ ہو گیا تھا۔ زندگی موت سے زیادہ سخت معلوم ہوتی تھی کہ یکا یک جبل سلع سے آواز آئی۔

سمعت صوت صارخ اوفیٰ علیٰ جبل سلع یقول باعلی صوته

یا کعب بن مالک ابشر، اے کعب بن مالک تجھے بشارت ہو۔

فخررت ساجداً وعرفت ان جاء فرج واذن رسول الله للناس بتوبة الله علينا حين صلوٰۃ الفجر (البدایہ والنہایہ جلد۵، ص ۲۵)

میں سنتے ہی سجدہ میں گر پڑا۔ معلوم ہوا کہ اخیر شب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغمبر علیہ السلام کو خبر دی گئی کہ ہماری توبہ قبول ہے۔ آپ نے بعد نماز فجر صحابہؓ کو مطلع فرمایا۔

ایک سوار میری طرف دوڑا کہ بشارت سنائے مگر دوسرا شخص پہاڑ پر سے للکارا۔ اس کی آواز سوار سے پہلے پہنچی اور میں نے اپنے بدن کے کپڑے اتار کر آواز لگانے والے کو دیئے پھر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا لوگ جوق در جوق آئے اور مجھے مبارکباد دیتے تھے مہاجرین میں سے حضرت طلحہؓ نے کھڑے ہو کر مجھ سے مصافحہ کیا۔ حضورؐ کا چہرہ خوشی سے چاند کی طرح چمک رہا تھا۔ آپؐ نے فرمایا، خدا نے تیری توبہ قبول کر لی۔ (تفسیر عثمانی ص ۲۷۳)

اس واقعہ سے پتہ چلا کہ (۱) گناہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو، اس سے ایمان کی نفی نہیں ہوتی۔ (۲) گناہ سے توبہ مومنین کے لئے ہے۔ (۳) ایمان چھوڑنے والے کو گناہ سے نہیں کفر سے توبہ کرنی پڑتی ہے

غزوہ تبوک یہ آخری غزوہ ہے اس میں بھی یہی اصول کارفرما بتلایا گیا ہے کہ جنگ میں تخلف سے یا میدان جنگ میں پیچھے رہ کر پھر آملنے سے ایمان کی نفی نہیں ہوتی۔

رافضی کی پوری جدوجہد اس پر ہے کہ کسی صحابی کے کسی جنگ میں پیچھے رہ جانے سے اس کے ایمان کی نفی پر دلیل قائم کرے۔ اس نے اپنے اس موقف کو آنچ دینے کے لئے بہت سے صحابہ کرامؓ کو بہت سی جنگوں سے پیچھے رہنے والے کہا ہے اور اس کے لئے اس نے دل کھول کر جھوٹ بولے ہیں۔ اگر ان فرضی داستانوں کو قبول بھی کیا جائے تو اس سے ان میں سے کسی سے ایمان کی نفی نہیں ہوتی۔

رافضی نے اپنے اس غلط موقف پر اکابر صحابہؓ کے میدان جنگ سے بھاگنے کے کئی جھوٹے نقشے کھینچے ہیں اولاً یہ اس کی بغض باطنی سے بھری ایک جھوٹی کاروائی ہے۔ ثانیاً اس نے شکست کھانے کو بھی ہمیشہ بھاگ جانے سے تعبیر کیا ہے اور واپس لوٹنے کے باوجود وہ انہیں بھاگنے والے کہنے میں ہی ذہنی خوشی سمجھتا ہے۔

خلافت راشدہ کے سائے

ہندو پاک پر بھی آئے

الحمدلله وسلم علیٰ عباده الذین اصطفیٰ اما بعد

سرگودھا کے ایک مجتہد نے خلفائے راشدین کی فتوحات پر بڑی دلیری سے جرح کی ہے۔
اے کاش یہ لوگ ملکی فتوحات نہ کرتے۔ انہی لوگوں اور ان کی فتوحات نے اسلام کو اغیار کی نظروں میں بدنام کیا ہے اور انہیں یہ کہنے کا موقع دیا ہے کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا ہے۔ (تجلیات صداقت ص ۲۰۱)
مسلمانوں نے غیر مسلموں کے اس الزام کے بارہا جواب دیئے ہیں مگر یہ بات بہت کم لوگوں کے ذہن میں آئی ہوگی کہ کچھ دعویٰ اسلام کرنے والے بھی خلفاء راشدین کے بغض میں وہی بات کہتے ہیں جو یہود اور ہنود عرصہ سے مسلمانوں کے خلاف کرتے چلے آرہے ہیں۔
برِصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کے لئے یہ یاد عقیدت ہے کہ وہ اپنے پہلے محسنین میں خلفاء راشدین کے بھی رہین احسان ہیں ہندوستان اور پاکستان میں جب تک جبین عقیدت کعبہ کے آگے جھکتی رہے گی ہر مومن اور مومنہ دل و جان سے اپنے ان پہلے محسنین کا شکر گزار ہوگا کہ ہم نے ان کے زیرِ سایہ اس دائرہ اسلام میں قدم رکھا جو اپنے محسنین کا شکر گزار نہ ہو وہ اللہ رب العزت کا کیسے شکر گزار ہوگا

من لم یشکر النا س لم یشکر الله۔

یہ صحیح ہے کہ اسلام کا پہلا قافلہ ہندوستان میں اموی عہد میں محمد بن قاسم کی کمانڈ میں آیا لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اسلام کی ضیاباری برصغیر پاک و ہند میں خلافت راشدہ سے ہو رہی تھی خود

آنحضرت ﷺ اپنی امت کو غزوہ ہند کی نہ صرف خبر بلکہ بشارت دے چکے تھے اور اہل ہند عربوں کے لئے ان دنوں کوئی اجنبی قوم نہ تھے۔ عرب میں ان کی کچھ نہ کچھ پہچان موجود تھی۔

ایک دفعہ حضرت خالد بن ولیدؓ نجران سے ایک وفد کے ساتھ حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچے۔ یہ دس ہجری کا واقعہ ہے حضور ﷺ نے اس وفد کو دیکھ کر فرمایا:

من هؤلاء القوم الذين كانهم رجال الهند (طبقات ابن سعد جلد ا صفحہ ۳۳۹)

(ترجمہ) یہ کون لوگ ہیں جو ہندوستان کے آدمی دکھائی دیتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ اہلِ ہند کو کسی درجے میں پہچانتے تھے۔ یہ لوگ بنو حارث کے تھے مگر دیکھنے سے اہل ہند معلوم ہوتے تھے۔

ہندوستان میں بھی حضور ﷺ کی بعثت کی خبر ہو چکی تھی وہاں کے ایک راجہ نے مدینہ منورہ میں حضورؐ کی خدمت میں کچھ زنجبیل بطور تحفہ بھیجیں۔ حضرت ابو سعید الخدری کہتے ہیں:۔

اهدى ملك الهند الى النبى ﷺ جرة فيها زنجبيل فاطعم اصحابا قطعةً قطعة واطعمنى منها قطعة (مستدرک حاکم جلد ۴ ص ۳۵)

(ترجمہ) ہندوستان کے ایک راجہ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ایک گھڑا جس میں زنجبیل تھا بطور ہدیہ بھیجا آپ نے اس میں سے صحابہ کو بھی اس کے ٹکڑے کھانے کے لئے دیئے اور مجھے بھی آپ نے اس کا ایک ٹکڑا کھلایا۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کے دورِ خلافت میں جو فتنہ ارتداد اٹھا اس میں ہندوستان کے جاٹ لوگ (زط) اور سیابجہ جن کا پہلے سے عرب علاقوں میں آنا جانا تھا مرتدین سے مل گئے۔ جب اسلامی فوج نے فتح پائی تو یہ عرب علاقوں سے بھاگ کر ہندوستان آگئے۔ ان کے اس عمل نے گو عربوں اور ہندوستانیوں کے پہلے کے اچھے تعلقات کو مجروح کیا لیکن اس سے مسلمانوں کو یہ حوصلہ ضرور ملا کہ وہ ہندوستان کا بھی سامنا کر سکتے ہیں۔ اہلِ ہند پر یہ پہلی خلافت اس جہت سے ضیا بار ہوئی۔

حضرت ابو بکرؓ نے جب مثنیٰ بن حارث کی مہم ایران روانہ کی تو اس سے عربوں میں عجمیوں کی طرف

بڑھنے کی اخلاقی جرأت اور ہمت پیدا ہوئی۔ مثنیٰ بن حارث ایران کے اندرونی حالات سے اچھے باخبر ہو چکے تھے۔ حضرت عمرؓ کا دور آیا تو انہی مثنیٰ بن حارث نے حضرت عمرؓ کو ایران پر حملے کے لئے لکھا۔ ۱٦ھ میں جنگ قادسیہ ہوئی اور اسلامی لشکر باعزت کامیاب ہوا۔ اس جنگ قادسیہ نے عربوں کے لئے ان علاقوں کی فتوحات کا پورا دروازہ کھول دیا۔ اس تسلسل میں عرب پھر مکران اور سندھ کی طرف بڑھے اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ ایران و ہندوستان پر خلافت راشدہ کے سائے انہی ایام میں لہرا گئے تھے۔ یہاں تک کہ تیسری خلافت میں حضرت عثمان نے مستقل طور پر ادھر توجہ فرمائی اور ہندوستان کے اندرونی علاقوں کی دیکھ بھال کے لئے کچھ فوجی ادھر بھیجے اور ادھر کرمان، خراسان اور مکران میں پوری سختی سے کام لیا اور جو لوگ حضرت عثمان کو نرم پالیسی کا الزام دیتے تھے ان کی بھی آنکھیں کھل گئیں۔ ان دنوں عرب بلوچستان میں اپنی آبادیاں قائم کر چکے تھے۔ حکومت یہاں گو راجاؤں کی تھی لیکن یہ راجے اس وقت خلافت کے باجگذار ہو چکے تھے سو کہا جا سکتا ہے کہ برصغیر پاک و ہند پر خلافتِ راشدہ میں ہی اسلامی کیمپ لگ گئے تھے۔

عملاً سندھ کی فتح گو اموی دور میں محمد بن قاسم کے ہاتھوں ظہور میں آئی لیکن حق یہ ہے کہ ہندوستان میں عربوں کی آمد تیسری خلافت میں ہی کسی درجہ میں ہو چکی تھی۔

حضرت علی نے اپنے دورِ خلافت میں ان تمام علاقوں کی سرپرستی فرمائی جو قلمرو اسلامی میں آ چکے تھے آپ کے عہد میں ہندوستان میں مسلمان مکران سے آگے سندھ میں داخل ہوئے اور سندھ کے کئی مقامات جیسے قندابیل اور قیقان ان پر پہلی مرتبہ خلافت کا پرچم لہرایا۔

حضرت حسن بن علی کا دورِ خلافت گو نہایت مختصر رہا لیکن اس میں بھی آپ کی طرف سے حارث بن مرہ مہدی قیقان، قندابیل اور مکران میں غزوات میں مصروف رہے اور پوری قوت سے پرچم اسلام کو تھامے رہے یہ بات غلط ہے کہ آپ اپنے اس چھ ماہ کے دورِ خلافت میں ایک کمزور قسم کے حکمران تھے ورنہ آپ خلافت کی باگ کبھی حضرت معاویہ کے ہاتھ میں نہ دیتے۔ یہ حقیقت ہے کہ آپ نے مسلمانوں کی دو جماعتوں کو پھر سے ایک کرنے اور اتحاد امت قائم کرنے کے لئے اپنی خلافت امیر

معاویہ کے سپرد کی نہ کہ آپ نے اپنی کمزوری سے مجبور ہو کر امیر معاویہ کے ہاتھ میں ہاتھ دیا تھا۔

سو جب حضرت علیؓ اور حضرت حسنؓ نے خلفہ ثلثہ کی ان فتوحات کو قائم رکھا اور مسلمانوں کی نظریاتی اور جغرافیائی حدود کے برابر نگران اور محافظ رہے تو اب اثنا عشری حضرات کو یہ کہنا کسی طرح زیبا نہیں دیتا کہ یہ ساری فتوحات غیر اسلامی تھیں۔ ان کا سرگودھا (پاکستان) کا وہی مجتہد لکھتا ہے:۔

اے کاش یہ لوگ یہ ملکی فتوحات نہ کرتے انہی لوگوں اور انہی کی مزعومہ فتوحات نے اسلام کو اغیار کی نظروں میں بدنام کیا ہے اور انہیں یہ کہنے کا موقعہ دیا ہے اسلام بزور شمشیر پھیلا ہے نہ کہ اپنی صداقت اور حقانیت کے بل بوتے پر (تجلیات صداقت جلد اول ص ۱۰۲)

پھر آگے ص ۱۸۸ پر لکھتا ہے:۔

ان فتوحات پر جس قدر افسوس کیا جائے کم ہے اے کاش کہ وہ یہ فتوحات کر کے اسلام کو بدنام نہ کرتے۔

"اور ہم بدستور ہندو ہی رہتے اور ہندوستان میں عربوں کے قدم کہیں نہ لگتے۔"

صرف یہ آخری سطر اُن کے لکھنے سے رہ گئی ہے جو ہم نے ان کے عقیدت مندوں کے سامنے واگزار کر دی ہے افسوس صد افسوس ان کے اس ایمان پر کہ ہنوز ہندو رہنے کے ارمان ان کے دلوں میں چٹکیاں لے رہے ہیں۔

آخر میں ہم مسلمانانِ ہند و پاک کو اس طرف توجہ دلاتے ہیں کہ وہ اپنے اوپر کئے گئے خلافتِ راشدہ کے احسانات کو نہ بھولیں جن کا صدقہ آج اسی برِّصغیر پاک و ہند میں کروڑوں مسلمان کلمہ اسلام کے تحت جمع نظر آ رہے ہیں جو اپنے محسنین کا شکر گزار نہ ہو وہ اللہ کا شکر گزار کیسے ہو سکتا ہے۔

فجزاهم الله احسن الجزاء

انوکھی بادشاہت جو اب تک دیکھی نہ گئی

بادشاہ فقیری کے لباس میں

الحمد للہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد :

روئے زمین پر اقتدار کے سینکڑوں نقش اُبھرے اور مٹے. جہاں بھی اقتدار کا شعلہ بھڑکا اردگرد کی ہر چیز خاکستر ہوئی. انسان پر انسان کی بادشاہت صدیوں اسی پیرائے میں چلی. روم ایران اور مصر وشام میں حکمران اسی طرح حکمرانی کرتے رہے. فراعنہ اپنے آپ کو خدا کہتے تھے. انسان پر خدا کی بادشاہت ہو یہ حیات پرور پیغام اسلام کے سوا اور کہیں نہ سُنا گیا. نہ تاریخ بنی آدم میں کسی انسان نے انسانی اقتدار کو خلافت کا نام دیا تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عرب کے پہلے حکمران ہیں جن کے جانشینوں کو اللہ تعالیٰ نے خلیفہ کا نام دیا اور ان کی حکومت خلافت کہلائی جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سلطنت کے آزاد حکمران رہے اور اداِ فقیری کی اختیار کی چشم فلک نے اب تک یہ نمونہ بادشاہت کہیں نہ دیکھا تھا. رہبان نصاریٰ خدا کو خوش کرنے کے لیے جنگلوں میں دوڑے لیکن انسانوں پر انسانوں کی حکومت ختم کرنے اور اللہ کے بندوں پر عدل وانصاف کا جھنڈا لہرانے کے لیے کسی انسانی گروہ نے کوئی عادلانہ نظام قائم نہ کیا. یہ برأت حضرت آمنہ کے لال کے نام لکھی تھی جس نے فیقری کے لباس میں امیری کر دکھائی اور اس کے بعد اس کے خلفاء کی شان خلافت اس پیرایہ میں قائم ہوئی. خلفائے راشدین کی خلافت کے حق ہونے کی سب سے بڑی دلیل ان کی خلافت کا وہ پیرایہ فقر ہے جس میں انہوں نے اپنے آقا کو حکومت کرتے پایا تھا اور پھر اسی پر اپنی زندگیاں گزار دیں ؎

سماں الفقر فخری کا تھا جن کی امارت میں   سلام ان پر کہ درویشی ادا تھی جنکی عادت میں

حضورؐ کی سادہ اور عوامی زندگی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ غریب لوگوں کے ہم مجلس رہے اور مادی خوبصورتی کی طلب کبھی آپ کے پیش نظر نہ رہی. آپ کے گرد وپیش وہی لوگ نظر آتے جو اللہ تعالیٰ کا قرب پائے ہوئے ہوتے تھے. قرآن کریم میں آپ کو اس سادہ زندگی پر اس طرح لگایا گیا :-

واصبر نفسک مع الذین یدعون ربھم بالغداۃ والعشی یریدون وجھہ ولا تعد عیناک عنھم ترید زینۃ الحیوۃ الدنیا ولا تطع من اغفلنا قلبہ عن ذکرنا واتبع ھواہ وکان امرہ فرطاً ۔ (پ۱۵ الکہف ۲۸)

ترجمہ۔ اور روکے رکھ اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ جو پکارتے ہیں اپنے پالنے والے کو صبح شام اور طالب ہیں اس کے دیدار کے اور نہ اٹھیں تیری نظریں ان سے دنیوی زندگی کی رونق کے لیے اور اس کے کہنے میں نہ آنا جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور وہ پیچھے پڑا رہا اپنی خواہشات کے اور اس کا کام رہا حد پر نہ رہنا۔

یہ حضورؐ کی پبلک لائف کا نقشہ آپ کے سامنے آگیا۔ اب آپ کی اپنے گھر کی زندگی پر بھی کچھ غور کرلیں :۔

یاایھا النبی قل لازواجک ان کنتن تردن الحیوۃ الدنیا وزینتھا فتعالین امتعکن واسرحکن سراحاً جمیلاً ۔ (پ۲۲ الاحزاب ۲۸)

ترجمہ۔ اے نبی کہہ دے اپنی عورتوں کو اگر تم چاہتی ہو آسائش کی زندگی اور یہاں کی رونق تو آؤ کچھ دوں تم کو اور رخصت کر دوں تم کو اچھے پیرایہ میں رخصت کرنا۔

شیخ الاسلامؒ لکھتے ہیں :۔

حضرت کے ہاں ہمیشہ اختیاری نقر وفاقہ رہتا جو آتا شتاب اُٹھا دیتے تھے پھر قرض لینا ہوتا اسی زندگی پر ازواج مطہرات راضی تھیں[1]

بادشاہ خود بھی فوج میں

دنیا کا نظام یہی چلا آرہا تھا کہ بادشاہوں کی فوجیں لڑتی ہیں اور وہی خون دیتی ہیں۔ بادشاہ اپنے محلات میں بیٹھے حکم دیتے ہیں لیکن یہ انوکھی بادشاہت والا اللہ کا محبوب اپنے فوجیوں کے ساتھ خود میدان احد میں شریک جنگ ہے دشمن تاک میں ہیں کہ آپ کو قتل کر دیں آوازہ اُٹھتا ہے کہ آپ شہید ہو چکے پھر ان کو آواز دی جاتی ہے جو آپ کے بعد اس قوم کو سنبھال سکتے تھے

---

[1] فوائد القرآن صفحہ ۵۶

معلوم ہوا اس بادشاہ کے وزراء اور ولی عہد بھی میدانِ کارزار میں برابر کھڑے ہیں اور ان خاص لوگوں کے لیے خاص کمین گاہوں کا وہاں کوئی انتظام نہیں۔ یہ کیا انوکھی بادشاہت ہے کہ بادشاہ خود شریکِ جنگ ہے۔

مدینہ منورہ پر جب کبھی باہر سے خطرے کی آواز سنی جاتی تو یہ بادشاہ اکیلا گھوڑے پر سوار سرحدوں کا دورہ کرتا اور فوج کو بتاتا کہ صورتِ حال کیا ہے۔

فوج کو اگر کبھی بھوکا رہنا پڑے تو یہ بادشاہ اور سلطنتِ اسلامی کا سربراہ خود بھی پیٹ پر دو پتھر باندھے بھوک پر پردہ ڈالے دیکھا گیا اور دنیا نے کہا ؎

سلامُ اُس پر کہ جس نے بے کسوں کی دستگیری کی
سلام اس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی

پُورا معاشرہ منکرات سے خالی

اس انوکھی بادشاہت کا یہ ثمرہ دیکھنے میں آیا کہ پورا معاشرہ منکرات سے خالی ہے معروفات کی تلقین کی جارہی ہے۔ نمازیں قائم ہیں اور غریبوں کو ان کا حق دیا جارہا ہے۔ قرآن کریم ان کی تمکین فی الارض کو اس طرح بیان کرتا ہے:-

الذین ان مکنّٰھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر وللہ عاقبۃ الامور۔ (پ۱۷ الحج ۴۱)

ترجمہ۔ وہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو زمین پر اختیار دیں تو وہ قائم کریں گے نماز اور حکم دیں گے زکوٰۃ کا اور حکم کریں گے بھلے کاموں کا اور روک دیں گے منکرات کو اور اللہ کے اختیار میں ہے انجام ہر کام کا۔

منکرات سے روکنا اس درجہ میں رہا کہ زنا سے روکنا تو اپنی جگہ متعہ سے بھی روک دیا گیا۔ زنا کرنا تو ممنوع تھا ہی غیر محرم عورت پر نظر کرنے سے بھی روک دیا گیا۔ زکوٰۃ صرف خیرات نہ سمجھی گئی اسے غریبوں کا حق مانا گیا اور یہ حق غنی لوگوں کے اموال سے گن کر دیا گیا۔ بعض حالات میں زکوٰۃ کے ماسوا بھی محتاجین و مساکین اپنا حق رکھتے ہیں:-

وفی اموالھم حق للسائل والمحروم۔ (پ۲۶ الذاریات ۱۹)

ترجمہ۔ اور ان کے اموال میں حصہ ہے مانگنے والے کا اور ہارے ہوئے کا۔

لوگ اگر آپ کے کہنے پر نہ لگیں اور اپنی ضد پر اڑے رہیں تو آپ اپنے پروردگار کے حکم پر جمے رہیں۔ تقیہ کرکے کسی غلط کار کی بات نہ مانیں۔ پیغمبر ہی اگر تقیہ پر آجائے تو حق کیسے ظاہر ہو پائے گا۔

واصبر لحکم ربك ولا تطع منهم اثماً او کفوراً۔ (پ۲۹ الدہر ۲۴)

ترجمہ۔ سو انتظار کر اب تیرا رب کیا حکم دیتا ہے اور نہ کہنا مان ان میں سے کسی گنہگار کا یا کسی ناشکرے کا۔

اہل کلیسا بھی دنیا سے کٹے رہنے کا سبق دیتے ہیں مگر یہ رہبانیت ہے سادگی نہیں، سادگی میں بادشاہی اتر سکتی ہے رہبانیت میں نہیں اس فقیری میں بادشاہی کہاں دنیا نے حضرت خاتم النبیین میں یہ کمال دیکھا کہ فقیری میں بادشاہی کر دکھائی ؎

کلیسا کی بنیاد رہبانیت تھی ‏ سماتی کہاں اس فقیری میں میری
سیاست سے مذہب نے پیچھا چھڑایا ‏ چلی کچھ نہ پیر کلیسا کی پیری

آئندہ حکومت اسی پیرایہ فقیری میں بنی

مسلمانوں کو وعدہ دیا گیا کہ اب ان کی آئندہ حکومت بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس منہج خلافت پر قائم ہوگی۔ یہ گمان نہ کریں کہ آئندہ یہ نظام نہ رہے گا نہ یہ گمان کریں کہ اب ان کی حکومت کسی اور طرح کی ہوگی اور اس میں اللہ کی حدیں قائم نہ رہ سکیں گی۔ بلکہ بتلایا کہ اب ان کی آئندہ حکومت حضورؐ کی خلافت ہی پر قائم ہوگی انہیں زمین پر قبضہ ملے گا اور انہیں اسی دین پر چلنا ملے گا جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوا ابتداءً وہ کتنی ہی مشکلات میں کیوں نہ گھرے ہوں اللہ تعالیٰ ان کے خوف کو امن سے بدلیں گے۔ قرآن کریم میں آئندہ کی یہ روشنی دکھائی گئی:۔

وعد اللہ الذین امنوا منکم وعملوا الصلحت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضی لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امناً۔ (پ۱۸ النور ۵۵)

ترجمہ۔ وعدہ کرلیا اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو تم میں ایمان لائے ہیں اور اور کیے انہوں نے نیک کام کہ پیچھے حاکم کر دے گا ان کو زمین میں جیسا حاکم کیا تھا ان سے اگلوں کو۔ اور جمادے گا ان کے لیے دین ان کا جو ان کے

لیے اس نے پسند کیا ہے۔ اور بدل دے گا ان کا ڈر امن سے۔ وہ میری بندگی کریں گے شریک نہ کریں گے میرا کسی کو۔ سو جو کوئی ناشکری کرے گا اس کے پیچھے سو وہی لوگ ہیں نافرمان۔

شیخ الاسلامؒ لکھتے ہیں:۔

یہ خطاب فرمایا حضرت کے وقت کے لوگوں کو۔ جو ان میں اعلیٰ درجے کے نیک اور رسول کے کامل متبع ہیں رسول کے بعد ان کو زمین کی حکومت دے گا۔ اور جو دین اسلام خدا کو پسند ہے ان کے ہاتھوں سے دنیا میں اس کو قائم کرے گا۔ وہ لوگ محض دنیوی بادشاہوں کی طرح نہ ہوں گے بلکہ پیغمبر کے جانشین ہو کر آسمانی بادشاہت کا اعلان کریں گے اور دینِ حق کی بنیادیں جمائیں گے۔ اور خشکی و تری میں اس کا سکہ بٹھلادیں گے اس وقت مسلمانوں کو کفار کا خوف مرعوب نہ کرے گا۔ وہ کامل امن و اطمینان کے ساتھ اپنے پروردگار کی عبادت میں مشغول رہیں گے۔ دنیا میں امن وامان کا دور دورہ ہوگا۔ ان مقبول ومعزز بندوں کی ممتاز شان یہ ہوگی کہ وہ خالص خدائے واحد کی بندگی کریں گے جس میں ذرہ برابر شرک کی آمیزش نہ ہوگی شرک جلی کا تو وہاں ذکر کیا شرک خفی کی ہوا بھی ان کو نہ پہنچے گی صرف ایک خدا کے غلام ہوں گے اسی سے ڈریں گے اسی سے امید رکھیں گے اسی پر بھروسہ کریں گے اسی کی رضا میں ان کا جینا مرنا ہوگا کسی دوسری ہستی کا خوف وہراس ان کے پاس نہ پھٹکے گا نہ کسی دوسرے کی خوشی و ناخوشی کی وہ پرواہ کریں گے۔

قرآن نے اس انوکھی بادشاہت کی جو پیشگوئی کی ہے اللہ تعالیٰ نے خلافتِ راشدہ کی یہ چمک دنیا کے کناروں تک پہنچائی۔ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ خلافت کا چاند بن کر ساری دنیا پر چمکے اور حضرت عثمانؓ و علیؓ نے سیرت شیخین کی پابندی میں قرآن کریم کی اس پیشگوئی کی عملاً تصدیق کی۔

حضورؐ نے جس طرح ہجرت کے موقع پر حضرت صدیق اکبرؓ کو لا تحزن ان اللہ معنا کہہ کر یقین و ثبات کی دولت دی۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنی خلافت میں حضورؐ کی امت کو اسی یقین و ثبات پر رکھا اور ایک لمحہ کے لیے کہیں کمزوری کا احساس نہ ہونے دیا۔ اب ہم یہاں اس دوسری انوکھی بادشاہت خلافت سیدنا حضرت ابی بکر الصدیقؓ کا آغاز کرتے ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ کا یقین وثبات

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بستر علالت پر تھے آپ نے اسی دوران حضرت اسامہؓ کی قیادت میں شام کی طرف جانے کے لیے ایک مہم تیار فرمائی۔ ابھی یہ روانہ نہ ہوئے تھے کہ حضورؐ کی وفات ہوگئی۔ سب صحابہؓ اس سانحہ پر غمگین تھے زیادہ مشورہ یہ تھا کہ اس مہم کو اب روک لیا جائے بعد میں اسے کسی وقت بھیجا جائے۔ حضرت ابوبکرؓ نے یہاں جمہور کی رائے کی پرواہ نہ کی اور فرمایا جو سامان اس کا حضورؐ نے اپنے ہاتھوں تیار فرمایا میں اسے ہرگز روکنے کا نہیں خلافت میں مشورہ تو ہے لیکن جمہوریت کی طرح سربراہ پر اس کی پابندی نہیں۔ چنانچہ اسامہؓ کا لشکر شام بھیج دیا گیا۔ اس میں سے حضرت عمرؓ کو حضرت ابوبکرؓ نے اپنے حکم سے نہیں حضرت اسامہؓ کے اذن سے اپنے لیے پیچھے رکھا۔ مبادا آپ پر کچھ بن آئے تو جانشین پیچھے ضرور موجود ہو۔

عرب کے مختلف اطراف میں بغاوتیں اٹھیں وہ انکار ختم نبوت کی راہ سے ہوں یا انکار زکوٰۃ کی راہ سے آپ نے ان کا سامنا کرنے کے لیے شام کی طرف گئی فوج کی واپسی کا انتظار نہ کیا۔ مدینہ منورہ میں جو بھی دفاعی قوت موجود تھی آپ نے انہیں ترتیب دے کر ہر طرف محاذ کھول دیئے اور ہر بغاوت کو دبانے کے لیے ہر طرف لڑنے کا حکم دیا۔ یہ ایسا نازک وقت تھا کہ لوہے کی فولادی رگیں بھی پگھل جارہی تھیں۔ مگر حضرت ابوبکرؓ کا یقین وثبات پوری قوم کو وہی سبق دے رہا تھا جو حضورؐ نے ہجرت کے موقع پر دیا تھا لا تحزن ان اللہ معنا۔ تو غم نہ کر خدا ہمارے ساتھ ہے۔

۲۔ جس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بدر اور احد اور خندق کی جنگوں میں بہ نفس نفیس اپنی فوج کے ساتھ جمع ہوتے تھے۔ قیصر و کسریٰ کی طرح گھر بیٹھے فوجوں کو لڑنے کا حکم نہ دیتے تھے حضرت ابوبکرؓ بھی آپ کے طریقے پر ان بغاوتوں کو فرو کرنے کے لیے خود آگے رہتے۔ الوکھی بادشاہت کا یہ الوکھا پیرایہ عمل آپ نے اسی طرح باقی رکھا جیسا کہ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں جاری اور قائم تھا۔

بادشاہت میں فقیرانہ سادگی

سادہ لباس۔ سادہ خوراک۔ وہی پہلا مکان۔ گھر میں خود اپنے کام کرنا جس طرح یہ حضورؐ

کی ادا تھی۔ یہ پہلا خلیفہ راشد اسی کی زندہ تصویر تھا۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضؓ نے حضورؐ کی سادہ زندگی اس طرح بیان کی ہے:۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخصف نعلہ ویخیط ثوبہ ویعمل فی بیتہ کما یعمل احدکم فی بیتہ وقالت کان بشرا من البشر یفلی ثوبہ ویحلب شاتہ ویخدم نفسہ رواہ الترمذی۔

ترجمہ: آپ اپنا جوتا مرمت کر لیتے۔ اپنے کپڑے سی لیتے اور اپنے گھر میں اس طرح کام کرتے جیسے تم اپنے گھروں میں کرتے ہو اور آپ انسانوں میں سے ایک انسان تھے۔ اپنے کپڑے گہری نگاہ سے دیکھتے اپنی بکریوں کا دودھ دوہتے اور اپنی خدمت خود کر لیتے۔

آپ یہ بھی کہتی ہیں کہ آپ کی یہ سادہ رہائش آخر تک رہی:۔

ماشبع ال محمد من خبز الشعیر یومین متتابعین حتی قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متفق علیہ۔

ترجمہ: حضورؐ کے گھر والوں نے کبھی دو دن متواتر جو کی روٹی نہیں کھائی یہاں تک کہ حضورؐ کی وفات ہو گئی۔

گھر کی شہادت کے ساتھ ایک باہر کی شہادت بھی لے لیجیے۔ حضرت عمرؓ ایک واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں:۔

دخلت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاذا ھو مضطجع علی رمال حصیر لیس بینہ و بینہ فراش قد اثر الرمال بجنبہ متکئاً علی وسادہ من أدم حشوھا لیف متفق علیہ

ترجمہ: میں ایک دن حضورؐ کے پاس آیا کیا دیکھتا ہوں کہ آپ ایک چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں۔ چٹائی اور آپ کے مابین کوئی بستر نہ تھا۔ آپ کے پہلو پر چٹائی کے دباؤ کا اثر تھا۔ جب کہ آپ تکیہ کا سہارا لیے ہوئے تھے۔ وہ تکیہ چمڑے کا تھا جس میں کھجور کی چھال بھرا ہوا تھا۔

حضرت ابوبکرؓ کی زندگی دیکھ کر پتہ چلتا تھا کہ آپ خلافت صادقہ کا کامل نمونہ ہیں حضورؐ کی سادہ زندگی عملاً حضورؐ کی زندگی میں اتری ہوئی تھی آپ جس طرح خلافت سے پہلے لوگوں کے کام آتے خلیفہ ہونے پر بھی آپ دوسروں کے کام آتے رہے۔

آپ اپنے محلہ کی بعض لڑکیوں کو دودھ دوہ دیتے۔ جب آپ خلیفہ ہوئے تو وہ کہنے لگیں کہ اب آپ ہمارے جانوروں کا دودھ نہ دوہ سکیں گے۔ آپ نے فرمایا۔

لعمری لاحلبنھا وانی لارجوا ان لایغیرنی ما دخلت فیہ عن خلق کنت علیہ۔ [۱]

ترجمہ بخدا میں انہیں دوہتا رہوں گا اور امید رکھتا ہوں کہ میری یہ ذمہ داری جو میں نے قبول کی ہے مجھے ان اخلاق سے نہ روکے گی جو میرے اب تک رہے ہیں۔

آپ نے اپنا معیار زندگی وہی رکھا جو آپ کا پہلے سے تھا کہ جب آپ کی دو چادریں پھٹ جائیں تو اور لے لیں۔ چلنے کی سواری ہو اور گھر والوں کو اتنا خرچہ مل جائے جو آپ پہلے انہیں دیتے تھے۔ خلافت پر آنے کے بعد صحابہؓ نے آپ کو یہ تجویز دی کہ اب آپ یہ بیت المال سے لے لیا کریں۔ آپ نے اسے خوشی سے قبول فرمایا:۔

قالوا نعم بردان اذا اخلقھما وضعھما واخذ مثلھما وظھرہ اذا سافر ونفقتہ علیٰ اھلہ کما کان ینفق قبل ان یستخلف قال ابوبکر رضیت۔ [۲]

ترجمہ۔ انہوں نے کہا۔ ہاں ان کی دو چادریں جب وہ پھٹ جائیں تو آپ ان جیسی دو اور لے لیں اور آپ کی سواری آپ کے سفر کے لیے اور آپ کے عیال کا خرچہ اسی شرح سے جو آپ ان پر خلافت سے پہلے کیا کرتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا مجھے منظور ہے۔

پھر وفات کے وقت آپ نے بیت المال سے لیے تمام یہ اخراجات اپنے ذاتی املاک سے بیت المال کو واپس کر دیے۔ آپ کے تقویٰ کی انتہا دیکھئے:۔

فلما حضرتہ الوفاۃ قال ردوا ماعندنا من مال المسلمین فانی لا اصیب من ھذا المال شیاء وان ارضی التی بمکان کذا وکذا للمسلمین بما اصبت من اموالھم فرفع ذلک الی عمر۔۔۔ فقال عمر لقد اتعب من بعدہ۔ [۳]

ترجمہ۔ پھر جب آپ پر وفات کا وقت آیا تو آپ نے کہا ہمارے پاس مسلمانوں کا جو مال بھی ہو اسے واپس کر دو۔ کیونکہ میں ان اموال میں سے کسی

---

[۱] طبقات ابن سعد جلد ۳ صہ ۱۲۹ [۲] ایضاً صہ ۱۳۷ [۳] ایضاً صہ ۱۳۹

کو اپنے لیے درست نہیں سمجھتا. میری فلاں فلاں زمین اس مال کے لیے جو میں نے لیا ان کے لیے پھر آپ نے وہ اموال حضرت عمرؓ کی طرف لوٹا دیئے۔ حضرت عمرؓ نے کہا آپ نے اپنے بعد مجھے ایک مشکل میں ڈال دیا.

اسلام میں خلیفہ یا سربراہ کی حیثیت

حضرت ابوبکرؓ کا یہ عظیم کارنامہ ہے کہ خلیفہ کی زندگی اس کا عام رہن سہن اور اس پر ہونے والے اخراجات عام مسلمانوں کی طرح ہوں وہ اپنے معیارِ زندگی میں اپنی رعیت میں کسی کے معیار زندگی سے بڑھ کر نہ ہو.

بیت المال سے جو آٹا آپ کو اپنے گھر کے اخراجات کے لیے ملتا آپ کی اہلیہ نے اس سے تھوڑا تھوڑا بچا کر ایک دن اس کا حلوہ بنایا اور اسے آپ کے پاس بھیجا. آپ نے پوچھا یہ کہاں سے آیا ہے؟ جواب ملنے پر آپ نے آئندہ کے لیے اس کی مقدار کچھ کم کردی کہ ہمارا گزارا جب اس سے کم آٹے سے ہوتا رہا تو اب کیوں نہ ہو سکے گا. اور وفات کے وقت آپ نے وہ سارا لیا مال بھی بیت المال کو واپس کر دیا.

سماں الفقر فخری کا تھا جن کی امارت میں

خلافتِ راشدہ یہ ہے کہ خلیفہ اپنا معیار زندگی عام مسلمانوں کی طرح رکھے. اپنے آپ کو بیت المال کا مالک نہ سمجھے. سربراہِ سلطنت قوم کا اس طرح کام کرے گویا ان کا ملازم ہو. سید القوم خادمھم. سردار وہی ہے جو خادم ہو کر رہے. حضرت ابوبکرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں اپنے آپ کو اسی معیار پر رکھا اور اسی پر اپنی زندگی تمام کی. اس میں اپنی اولاد کو آگے نہیں کیا. جانشین بنانے میں صرف اہلیت پر نظر رکھی.

اس سے بڑھ کر آپ کی خلافت کے برحق ہونے کی اور کیا شہادت ہوگی؟ اب بھی ہمارے شیعہ دوست رازِ خلافت نہ پا سکیں تو ہم ان کے لیے سوائے دعا اور کیا کر سکتے ہیں. دل تو چیر کر ہم نے ان کے سامنے رکھ دیا ہے. حضرت ابوبکرؓ کی سادہ زندگی کی اس سے بڑھ کر مثال کیا ہوگی کہ اپنے لیے نئے کپڑے کا کفن منظور نہیں فرماتے. آپ نے فرمایا:۔

اذا انامت فاغسلی اخلاقی فاجعلیھا اکفانی . . . ان الحی ھو احوج یصون نفسہ ویقنعھا من المیت انما یصیر الی الصدید والی البلی [۱]

---

[۱] طبقات جلد ۳ صفحہ ۱۴۲

ترجمہ: جب میری وفات ہو جائے تو اے میری بیٹی! میرے پرانے کپڑے دھو کر مجھے ان کا کفن دینا۔ زندہ نئے کپڑے کا زیادہ حاجتمند ہے وہ اس سے اپنے آپ کو بچا سکے گا اور وہ اس پر میت کی نسبت زیادہ قناعت کرے گا۔ میت پر کپڑا پرانا ہو جاتا ہے اور پھٹ جاتا ہے۔

حضرت عمرؓ کا معیارِ زندگی اپنے دورِ خلافت میں

حضرت عمرؓ کو جب رومیوں نے بیت المقدس آنے کی دعوت دی تو وہ یہ دیکھنے کے لیے تھی کہ واقعی یہ عرب سربراہ وہی ہے جس کی خبریں وہ پہلے سے پڑھتے چلے آ رہے ہیں۔ جب آپ ایک غلام (افلح نام) کے ساتھ وہاں پہنچے اور انہوں نے انہیں ایک سواری پر آتے دیکھا کہ کبھی آقا سوار ہے اور غلام رکاب تھامے ساتھ چل رہا ہے اور کبھی غلام سوار ہے اور آقا اس کو اس کے آرام کے لمحات دیئے خود اس کی رکاب میں چل رہا ہے تو انہوں نے بلا جنگ کیے بیت المقدس کی چابیاں آپ کے سپرد کر دیں۔

حضرت علی المرتضیٰؓ نے بے شک آپ کو اکیلے وہاں جانے سے روکا تھا لیکن آپ کی نظر اس پر تھی کہ ان رومیوں کو مسلم سربراہ کے معیار زندگی کی ایک جھلک دکھا دی جائے اور پچھلی کتابوں کے اہل علم آپ کو ان علامات سے پہچان پائیں جو خلافتِ راشدہ کے ان حاملین میں ہونی چاہئیں:۔

ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ۔ (پ ۲۶ الفتح ۲۹)

ترجمہ: یہ شان ہے ان کی تورات میں اور مثال اُن کی انجیل میں جیسے کھیتی نے نکالا اپنا پٹھا پھر اس کی کمر مضبوط کی پھر وہ موٹا ہو گیا اور پھر کھڑا ہو گیا اپنی نال پر۔ خوش لگتا ہے کھیتی والوں کو تاکہ جلیں ان کو دیکھ کر کافر۔

کس طرح یہ قوم ایک دو ساتھیوں سے مکہ میں اُٹھی اور کس طرح دیکھتے دیکھتے یہ لوگ ایران و روم کی سلطنتوں پہ غالب آ گئے اس خلافت کے پیچھے خدا کی طاقت نہیں تو اور کیا ہے۔ خدا نے کھیتی کرنے والوں کو یہ موقع دیا کہ آج وہ اس کی بہار دیکھ لیں۔

شیخ الاسلامؒ لکھتے ہیں:۔

اسلامی کھیتی کی یہ تازگی اور رونق و بہار دیکھ کر کافروں کے دل غیظ و حسد سے

جلتے ہیں۔ اس آیت سے بعض علماء (امام مالکؒ) نے یہ نکالا کہ صحابہؓ سے جلنے والا کافر ہے۔ صد ۶۸۴

زارعین اپنی کھیتی کو دیکھ کر کب خوش ہوتے ہیں ؟ جب وہ انہی کے قبضے میں ہو۔ جب کوئی اس پر غصباً قبضہ کرلے پھر وہ کھیتی زارعین کو کبھی نہیں بھاتی۔ قرآن کریم نے اس اسلامی کھیتی پر زارعین کو خوش ہوتے دکھلایا یعجب الزراع فرمایا۔ یہ تبھی ہوسکتا ہے کہ حضورؐ کے بعد آپ کی خلافت غصب نہ ہوئی ہو۔ جس قوم نے یہ کھیتی لگائی وہ اسے دیکھ کر خوش ہو رہے ہیں۔ حضرت عمرؓ اپنے دور خلافت میں شام گئے تو اکیلے آنے کی جرأت آپ نے اس لیے کی کہ آپ کو علم تھا کہ اب پوری قوم ان کے ساتھ ہے۔ بیت المقدس کے لوگ اسے اس کے پس منظر کے ساتھ پوری طرح پہچان رہے تھے۔ حضرت علیؓ نے جو آپ کو نہ جانے کا مشورہ دیا تھا وہ از راہِ اخلاص و خیر خواہی اور بنا بر محبت و مودت تھا۔ آپ حضرت عمرؓ کے پیچھے ان کی ایک بہت بڑی قوت تھے۔ اسی لیے آپ نے انہیں مدینہ میں اپنا قائم مقام بنایا ہوا تھا۔

شریف رضی (م ۴۰۴ھ) نہج البلاغۃ میں لکھتا ہے آپ نے حضرت عمرؓ کو کہا:۔

انك متى تسر الى هذه العدو بنفسك فتلقهم فتنكب لا تكن للمسلمين كانفة دون اقصى بلادهم ليس بعدك مرجع يرجعون اليه فابعث رجلا مجرباً۔ [۱]

حافظ ابن کثیرؒ (م ۷۷۴ھ) لکھتا ہے:۔

واستخلف على المدينة على بن ابي طالب۔ [۲]

ترجمہ۔ اور آپ نے حضرت علیؓ کو مدینہ میں اپنا جانشین مقرر کیا۔

نوٹ: حضرت علیؓ اگر دل سے حضرت عمرؓ کے ساتھ نہ ہوتے تو اس موقعہ کا پورا فائدہ اُٹھاتے حضرت عمرؓ کے اپنے ملک سے باہر جانے پر پیچھے ایک انقلاب آجاتا اور حضرت علیؓ کے ہاں حضرت عمرؓ کا اس طرح اکیلے باہر جانا غنیمت سمجھا جاتا۔ لیکن یہ کبھی نہ ہوسکتا تھا نہ ہوا نہ حضرت علیؓ کسی دوسرے ذہن کے تھے۔ حضرت عمرؓ اپنے دور خلافت میں لوگوں کے دلوں پر حکومت کرتے تھے اور پوری قوم اپنی کھیتی پر یہ بہار دیکھ کر نازاں و فرحاں تھی۔ قرآن کریم نے پہلے سے بشارت دے رکھی تھی۔ یعجب الزراع کہ کھیتی لگانے والوں کے لیے یہ دن بہت خوشی کا ہوگا۔

---

[۱] نہج البلاغۃ صد ۳۹/۲ [۲] البدایہ والنہایہ جلد ۷ صد ۵۵

حضرت عمرؓ کا معیارِ زندگی

جب آپ نے اہل بدر کے لیے وظیفہ مقرر کیا تو اپنے لیے بھی وہی وظیفہ رکھا جو ہر ایک کو ملا ہر ایک کو پانچ ہزار سالانہ دیتے خود بھی وہی لیے۔ گورنر مقرر کرنے میں بھی کبھی اپنے خاندان کو ترجیح نہیں دی۔ زیادہ گورنر بنو امیہ سے لیے۔ یہ اس لیے کہ آپ کے بیٹے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو ایک دفعہ وظیفہ کم ملا اور حضرت اسامہ بن زیدؓ کو پورا ۔ تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے آپ سے شکایت کی۔ آپ نے فرمایا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسامہؓ کے باپ سے تمہارے باپ کی نسبت زیادہ پیار تھا یعنی میں نے اس میں حضورؐ کے جذبات پر نظر رکھی ہے۔ حضرت بلالؓ کو کبھی قریشی سرداروں پر بھی مقدم رکھتے۔ آپ گو پہلے غلام تھے مگر اسلام میں سابقین اولین میں سے تھے۔ آپ نے آپ کی اس سبقت پر نظر رکھی۔

جبلہ بن ایہم شام کا ایک رئیس تھا۔ طواف کرتے اس کی چادر کو کسی عام آدمی کا پاؤں لگا اس نے اسے تھپڑ مارا۔ اس آدمی نے بھی اس سے ایسا ہی کیا۔ اس رئیس نے حضرت عمرؓ سے اپنی اس بے عزتی کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا مسلمان سب برابر ہیں۔ دولت کے باعث کسی کو ترجیح نہیں دی جا سکتی ہے

سماں الفقر فخری کا تھا جن کی امارت میں
سلام ان پر کہ درویشی ادا تھی جن کی عادت میں

جس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ کی زندگی میں سیاسی اقتدار نے کچھ فرق نہ ڈالا وہی ادائے فقیری رہی، حضرت عمرؓ بھی باوجود قیصر و کسریٰ کے خزانوں کے مالک ہونے کے اس ادائے فقر میں رہے۔ جس شخص نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دور نہ دیکھا ہو وہ حضرت عمرؓ کی زندگی دیکھ کر خلافت سے رسالت کو جان لیتا تھا۔ آپ کی خلافت ایک ایسا آئینہ تھی جس کے اندر رسالت کو بآسانی دیکھا جا سکتا تھا۔ یا رسالت ایک ایسا ابر دار سایہ تھا جس کے تحت خلافت اپنے تمام انوار سے جلوہ گر تھی۔ جو کھانا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دور عسرت میں ہوتا تھا وہی کھانا حضرت عمرؓ کا خلافت کے دور عشرت میں تھا۔ ملک میں قحط پڑا تو آپ نے روغن زیتون اور گوشت کھانا چھوڑ دیا کہ جب تک رعیت کا ایک ایک فرد اپنی روٹی پر روغن زیتون نہ لگا پائے خلیفۂ رسول اپنے اسی سادہ کھانے پر رہے گا۔

اپنے عاملوں سے عہد لیتے کہ نزاکت میں نہ آئیں. باریک کپڑے نہ پہنیں. اپنے دروازے پر دربان نہ بٹھائیں. حاجت مندوں کے لیے دروازہ ہمیشہ کھلا رکھیں. آپ کے اپنے لباس میں کئی کئی پیوند لگے ہوتے. حضرت ابوبکرؓ نے جو سادگی اپنے کفن میں روا رکھی وہی سادگی حضرت عمرؓ نے اپنی ردا میں روا رکھی. اپنے لیے کوئی قصرِ خلافت نہیں بنوایا. سب فیصلے مسجد میں ہوتے وہیں مجلسِ شوریٰ بیٹھتی اور وہیں فرش پر بیٹھ کر سفیروں کو بریفنگ دیتے. سماں الفقر فخری کا تھا جن کی خلافت میں ؎

اگرچہ فقر و فخری مرتبہ ہے تیری قناعت کا
مگر قدموں تلے ہے فرِ کسرائی و خاقانی
زمانہ منتظر ہے اب نئی شیرازہ بندی کا
بہت کچھ ہو چکی اجزائے ہستی کی پریشانی

آپ کو ہر وقت یہ احساس گھیرے رہتا کہ خلافت قوم کی امانت ہے اور قوموں کی رہنمائی شمعِ رسالت ہے. ہر وقت آپ کو یہ فکر رہتی کہ اپنی خلافت کے ایک ایک عمل میں مجھے اللہ کے ہاں جوابدہ ہونا ہے. زمین پر اس قدر عاجزی اور فروتنی سے چلتے کہ دیکھنے والا اسے چلتا ہوا قرآن گمان کرتا. قرآن کا یہ حکم ان کے جبد میں اتر چکا تھا.

ولاتمش فی الارض مرحًا انک لن تخرق الارض ولن تبلغ الجبال طولًا۔ (پ ۱۵ اسرائیل ۳۷)

ترجمہ. اور زمین پر اکڑ کر نہ چل. نہ تو زمین کو پھاڑ سکے گا اور نہ تو لمبائی میں پہاڑوں کو پہنچ سکے گا.

آپ سننے میں تو ایک بادشاہ تھے مگر میلوں سے آپ کا رعب کام کرتا تھا. دیکھنے میں آپ بے شک ایک درویش سربراہ تھے لیکن آپ کی نظر برق اثر میلوں سے ساریہ کی فوجی رہنمائی کرتی تھی. بایں ہمہ عالمِ تکوین کا یہ شہباز اپنے عمل کے ہر پہلو سے خلیفۂ رسول ہی دیکھا اور سمجھا جاتا تھا. یہ آپ کی کسرِ نفسی ہے کہ خلیفہ رسول کہلانے کی بجائے امیر المومنین کہلانا پسند کرتے کہ خلیفہ رسول ہونے کا سہرا حضرت ابوبکرؓ کے سر ہی سجتا تھا. خلیفہ رسول ہونے میں نسبت ذاتِ رسالت کی طرف ہوتی ہے اور امیر المومنین میں امیر کی نسبت آپ کی امت کی طرف ہے. آپ کی تواضع کا یہ ایک لطیف انداز تھا کہ اپنے لیے اونچی نسبت سے حجاب فرماتے رہے.

یہ وہ دور ہے کہ قیصر و کسریٰ کے شاہی درباروں کی طرف کوئی آنکھ نہ اٹھا سکتا تھا چاروں طرف خدم وحشم پہرہ دیتے تھے. مگر خلافت راشدہ میں مملکت کے سربراہ کو دیکھئے بیت المال سے اپنے لیے دربان رکھنے تک کو جائز نہیں سمجھ رہا. امیر المومنین حضرت عثمانؓ جب رعیت میں تھے تو عرب کے ایک بہت بڑے تاجر تھے. غزوہ تبوک میں مالِ تجارت سے لدے ہوئے تین سو اونٹ پیش کرنا آپ کا ہی حوصلہ تھا. اس وقت آپ اپنے مال سے اپنے پاس کس قدر خدام رکھتے ہوں گے. لیکن جب آپ امیر المؤمنین ہوئے تو آپ اپنے لیے اپنے مال سے پہرہ دار نہ رکھ سکتے تھے. جو مال تھا سب اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا۔ اور بیت المال سے اپنی حفاظت کے لیے پہرہ دار رکھنے سے انکار کر دیا کہ سربراہ اپنی حفاظت کے لیے قومی مال سے کچھ لے.

حضرت عثمانؓ نے خلیفہ راشد ہونے کی حیثیت سے اپنے آپ کو عام معیارِ زندگی میں رکھا. خلفاء راشدینؓ میں سب سے زیادہ رقبہ آپ ہی کے زیرِ نگین رہا. ظاہر ہے کہ مملکت کی سرحدوں پر آپ کے پاس فوجوں کی کوئی کمی نہ تھی. لیکن آپ نے جس پیرایہ زندگی میں جامِ شہادت نوش فرمایا اس سے پتہ چلتا ہے کہ خلفائے راشدینؓ نے لوگوں پر اس طرح حکومت کی کہ ان کا کھانے پینے اور رہنے سہنے میں ان سب کا معیارِ زندگی وہی رہا جو رعایا کے ایک عام فرد کو حاصل ہو ؎

سماں الفقر فخری کا تھا جن کی امارت میں
سلام ان پر کہ درویشی ادا تھی جنکی عادت میں

حضرت علی المرتضیٰؓ بھی اپنے دورِ خلافت میں جَو کی روٹی پر رہے. سادگی میں لوگ آپ کی نانِ جویں کو دیکھتے اور قوتِ بازو میں آپ کو اپنی مثال آپ سمجھتے تھے کوئی آپ کا ثانی نہ تھا. بادشاہی میں فقیری کا انداز یہ وہ انوکھی حکومت ہے اب تک چشمِ فلک نے نہ دیکھی تھی. آپ اپنے کپڑے دھو بھی لیتے اور سی بھی لیتے تھے. اپنے جوتے کی مرمت بھی خود کرتے تھے. حدیث کی کتابوں میں آپ کے لیے خاصف النعل کا لفظ عام ملتا ہے.

آج ہم مسلمانوں میں درویشی ادا تو کسی نہ کسی درجے میں کہیں موجود ہے لیکن بازوئے حیدر آج ڈھونڈنے سے نہیں ملتا. شاعرِ مشرق کی ادا میں ہم آج بھی رب العزت سے یہ انوکھی خلافت مانگتے ہیں ؎

جسے نانِ جویں بخشا ہے تُو نے   اسے بازوئے حیدر بھی عطا کر

خلافتِ راشدہ صرف نظم مملکت ہی نہیں نفاذِ قانونِ الٰہی بھی نہیں یہ حکمرانوں کا اپنے آپ کو اس ایک عام معیارِ زندگی میں رکھنا ہے جو معیارِ زندگی سلطنتِ اسلامی کے ہر فرد واحد کو حاصل ہو۔ کائناتِ ارض میں خلفائے راشدین کی حکومت وہ پہلی حکومت تھی کہ اس میں درویشی و سلطانی اپنے پورے حکیمانہ مزاج سے جمع تھی۔ قیصر روم کا ایک قاصد حضرت عمرؓ کو ملنے کے لیے آتا ہے تو آپ کو کہاں پاتا ہے۔ آپ باہر ایک درخت کے نیچے ایک اینٹ کے سہارے سو رہے تھے۔ بے اختیار اس کی زبان سے نکلا یہ رعایا پر عدل کرنے والے حکمران کی شان ہے کہ چین کی نیند سو رہا ہے اور ہمارے حکمران اپنی جان بچاتے کہیں اس طرح بے فکری سے سو نہیں پاتے۔

حضرت عثمانؓ کی بے مثال بہادری دیکھنے کے لیے آپ کی زندگی کے آخری ایام کو دیکھیے کس طرح موت کا استقبال کرتے ہیں۔ حضرت معاویہؓ ان کے لیے شامی فوج بھیجنا چاہتے ہیں مگر آپ انکار کرتے ہیں کہ میں ایسا کرنا جائز نہیں سمجھتا۔ پوری تاریخ میں اس طرح موت کا سامنے کرنے والا شاید ہی کوئی ایسا ہوا ہو ؂

ہیں کرنیں ایک ہی مشعل کی بوبکرؓ عمرؓ عثمانؓ و علیؓ
ہم مسلک ہیں یارانِ نبی کچھ فرق نہیں ان چاروں میں

خُلفاء راشدینؓ کی طاقت کا راز

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد :

یہ سوال کہ اس وقت مسلمانوں کی طاقت کا محور کیا چیز تھی جس سے وہ باوجود اپنی کم تعداد کے ـ اور باوجود اپنے کم مادی وسائل کے اور اپنے ہاں پہلے سے کسی تہذیب و تمدن کے نہ ہونے کے ـ قیصر و کسریٰ اور مصر و شام جیسی عظیم طاقتوں پر غالب آئے اور نصف صدی کے اندر اندر دُنیا کی ایک عظیم قوم بن گئے (یہ سوال) صدیوں سے دانشوروں سیاست دانوں مؤرخین فلسفیوں اور نکتہ وروں میں معرکۃ الآراء رہا ہے. اس کا ایک جواب تو بہت آسان ہے کہ یہ سب کچھ اللہ رب العزت کی مدد سے اور حضرت خاتم النبیین کی صداقت کے نشان کے طور پر ایک الٰہی برہان اور حضورؐ کی خلافت کے خلافت راشدہ اور نیابتِ صادقہ ہونے کا ایک آسمانی نشان ہے. لیکن اسباب کی دُنیا میں کچھ ایسے وجوہ بھی ہیں جو خلفاء راشدین کی اس طاقت اور کامیابی کا راز بنے. آج کی مجلس میں ہم ان وجوہ کا کچھ ذکر کیے دیتے ہیں جن کے باعث دنیا میں یہ محیر العقول انقلاب آیا کہ اونٹوں کے چرواہے دنیا کے امام بن گئے اور ایک نبی اُمّی کی تعلیم و تربیت نے دنیا کے کتب خانے دھو دیئے.

۱. زندہ خدا پر ایمان
۲. اخلاقِ فاضلہ کی تکمیل
۳. مادی طاقتوں پر اخلاق کی فتح
۴. عظیم الشان نظم و ضبط
۵. قبائل و اقوام کا اتحاد
۶. لازوال علمی بصیرت
۷. انسان کے بنیادی حقوق کا تعین اور تحفظ
۸. معاشرے میں عورتوں کا باعزت مقام
۹. عدل و انصاف سے فطری لگاؤ
۱۰. حکمرانوں کی سادہ زندگی

اب ہم ان دس عنوانوں کی قدرے تفصیل کرتے ہیں ۔

۱۔ زندہ خُدا پر ایمان

بہت سے خدا پر ایمان رکھنے والے خدا پر بصیغہ غائب ایمان رکھتے ہیں۔ وہ مانتے ہیں کہ اللہ رب العزت وہ ذات ہے جو تمام جہان کو پالنے والا ہے اور وہی ایک عبادت کے لائق ہے مگر وہ تمہارے پاس نہیں کہ تم اس سے کوئی بات کر سکو۔ مگر صحابہ کرام ؓ ایک زندہ خدا پر ایمان رکھتے تھے اسے غائب نہیں جانتے تھے۔ جس طرح زندہ لوگ ایک دوسرے کو ملتے ہیں اور ضرورت کے وقت اسے آواز دیتے ہیں اور ان سے اپنے حالات کہتے ہیں صحابہ کرام ؓ اللہ تعالیٰ کو حی و قیوم سمجھتے تھے اور تکلیف اور دُکھ درد کے وقت اسی کو آواز دیتے تھے۔ فوق الاسباب مدد کے لیے اسی کو پکارتے تھے۔ اسے اپنی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب سمجھتے تھے۔ اللہ کو وہ اپنے سے غائب نہ جانتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کہہ رکھا تھا کہ جس کو تم آواز دیتے ہو وہ تمہارے ساتھ ہے۔ حضرت ابو موسےٰ الاشعری ؓ کہتے ہیں حضورؐ نے فرمایا ۔

انکم لیس تدعون اصم ولا غائبا انکم تدعونہ سمیعاً بصیرا وھو معکم۔[1]

ترجمہ: تم کسی بہرے کو نہیں پکار رہے ہو نہ تم کسی غائب کو پکار رہے ہو تم سمیع و بصیر کو پکار رہے ہو وہ ہر وقت تمہارے پاس ہے۔

قرآن کریم میں یہ بات اس طرح کہی گئی :-

فلنقصن علیھم بعلم و ما کنا غائبین ۔ (پ الاعراف ۷)

ترجمہ: تو ضرور بتادیں گے ہم انہیں اپنے علم سے اور ہم ان سے کچھ غائب نہ تھے۔

غائب کا مقابل لفظ حاضر ہے۔ اللہ تعالیٰ پر مومن کا ایمان بصیغہ غائب نہیں بصیغہ حاضر ہونا چاہیئے۔ صیغہ غائب میں اسے مالکِ یوم الدین مانتے ہوئے پھر حاضر کی ضمیر سے اسے ایاک نعبد کہیں (ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں) اور جہاں کوئی سبب میسر نہ آئے ایاک نستعین کہہ کر اسی سے مدد مانگیں اور کہیں اے اللہ ہم تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔

ایسا کہنا اور سمجھنا ایک زندہ خدا پر ایمان رکھنا ہے اور جس سے بجز عبادت زندگی میں کوئی تعلق نہ ہو وہ ایک سوئے یا چھپے خدا پر ایمان لانا ہے۔

---

[1] صحیح مسلم جلد ۲ صـ ۳۴۶

پہلے خلیفہ راشد حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے حضورؐ کی وفات پر زندہ خدا پر ایمان رکھنے کی تلقین کی اور کہا :-

من کان یعبد الله فان الله حیّ لا یموت ومن کان یعبد محمدًا فان محمدًا قد مات ۔[1]

ترجمہ: جو شخص اللہ کی عبادت پرتھا وہ جانتا ہے کہ اللہ اب بھی زندہ ہے اس پر کبھی موت نہ آئے گی اور جو شخص حضورؐ کو معبود بنائے تھا وہ جان لے کہ آپ وفات پا چکے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو خود فرمایا: غم نہ کریں اللہ ہمارے ساتھ ہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اس کی تصدیق فرمادی۔ اس معیت پر اعتقاد رکھنا زندہ خدا پر ایمان رکھنا ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ جب بیت المقدس کی طرف ایک غلام کے ساتھ اکیلے چلے تو وہ اس یقین پر تھے کہ خدا ہمارے ساتھ ہے۔ پھر وہ یہ بھی جانتے تھے کہ خدا ان سے ہمکلام ہوتا ہے بدوں اسی کے کہ وہ نبی ہو۔ حضورؐ نے خود بھی اس کی تائید فرمادی اور آپ کو اس امت کا محدث بتلایا :-

ان الله ینطق علی لسان عمر :

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ عمرؓ کی زبان پر بولتا ہے۔

اللہ تعالیٰ بحالتِ نماز ان پر میدان جنگ کے نقشے اتار دیتا تھا اور وہ اسی ارائتِ ربانی سے لشکروں کی تیاری فرماتے۔ یہ سب کچھ اس عقیدے پر تھا کہ وہ ایک زندہ خدا پر ایمان رکھتے ہیں اور وہ ہر وقت ان کے ساتھ ہے۔

فاتح مصر حضرت عمرو بن عاصؓ نے حضرت عثمانؓ سے کہا کہ بحالات افریقہ کی طرف بڑھنا اور گراگیری کا مقابلہ کرنا مناسب اور قرینِ مصلحت نہیں ہے تو آپ نے عبد اللہ بن ابی سرحؓ کو ادھر بڑھنے کا کہا۔ گھمسان کا رن پڑا۔ میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا اور چند گھنٹوں میں ایک غازی گراگیری کا سر لے کر عبد اللہ بن سرحؓ کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔

حضرت عثمانؓ کا اس بڑھاپے میں اس عزم و یقین سے آگے بڑھنا بتلاتا ہے کہ یہ حضرات راشدین ایک زندہ خدا پر ایمان رکھتے تھے جو ہر وقت ان کی مدد کو پہنچتا تھا۔ ان کا اس آیت کریمہ کی رو سے اللہ تعالیٰ کے ہر جگہ ہر وقت حاضر ہونے پر ایمان تھا۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صہ

انی معکم لان اقمتم الصلوٰۃ واٰتیتم الزکوٰۃ واٰمنتم برسلی۔ (پ المائدہ ۱۲)
ترجمہ: میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اگر تم نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور میرے رسولوں پر ایمان رکھو تو میں تمہارے گناہ اُتار دوں گا۔
حضرت علی مرتضیٰؓ نے حضرت عمرؓ سے جب آپ نے ان سے غزوہ فارس پر نکلنے میں مشورہ مانگا کہا تھا:-

نحن علیٰ موعود من اللہ واللہ منجز وعدہ وناصر جندہ ومکان القیم بالامر مکان النظام بالخرز یجمعہ ویضمہ فاذا انقطع النظام تفرق وذھب ثم لم یجتمع بحذا فیرہٖ ابدا والعرب الیوم وان کانوا قلیلاً فھم کثیرون بالاسلام عزیزون بالاجتماع فکن قطباً واستدر الرحی بالعرب۔[1]

ترجمہ تقریباً وہی ہے جو البدایہ کی پچھلی عبارت کا ہے۔ آخری جملے کا ترجمہ یہ ہے کہ آپ قطب بن کر رہیں اور اپنے گرد عرب کی اس چکی کو گردش دیتے رہیں۔
اس سے صریح طور پر پایا جاتا ہے کہ یہ حضرات ایک زندہ خدا پر ایمان رکھتے تھے۔ وہ جب چاہتا ان کی مدد کو پہنچتا تھا اور جن باتوں کا اس نے ان سے پہلے سے کہہ رکھا تھا وہ اس کے ان وعدوں پر پورا ایمان رکھتے تھے اور کہتے تھے ہم خدا کے وعدے پر ہیں۔

۲۔ اخلاقِ فاضلہ کی تکمیل

اسلام میں عقائد و عبادات کی طرح تہذیب اخلاق پر بھی بہت زور دیا گیا ہے۔ جھوٹ پر جگہ جگہ لعنت کی گئی اور خیانت کو جگہ جگہ بُرا کہا گیا۔ عقائد و عبادات کا تعلق زیادہ تر انسان کی ذات سے ہوتا ہے اور اخلاق کا تعلق زیادہ دوسرے انسانوں سے ہے۔ سوسائٹی اور معاشرے سے ہے ـــ عقائد و عبادات سے افراد بنتے ہیں اور اخلاق سے قومیں بنتی ہیں۔ جتنا کسی قوم میں اعلیٰ درجے کا اخلاق ہوگا بین الاقوامی سطح پر وہی قوم اُبھرے گی اور دوسری قومیں ان کے سائے تلے آنے کو اپنا فخر شمار کریں گی۔
حضورؐ کو جب آگے کی کامیاب زندگی کی اس طرح خبر دی گئی کہ آپ بھی دیکھیں گے

---
[1] نہج البلاغۃ جلد ا ص ۳۶۴

اور یہ مخالفین بھی دیکھ لیں گے کہ دیوانہ کون تھا۔ تو اس کی اساس آپ کے خلقِ عظیم پر رکھی گئی:۔

وانک لعلیٰ خلق عظیم۔ فستبصر ویبصرون۔ بایکم المفتون۔ (پ۲۹ القلم)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی فرمایا:۔

بعثت لا تمم مکارم الاخلاق میں اس لیے بھیجا گیا ہوں کہ اخلاقی بزرگیوں کو تکمیل دوں۔

خلفاء راشدین رضؓ کی طاقت کا راز بھی اعلیٰ درجے کی اخلاقی تربیت تھی جو ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملی۔ خلافت راشدہ میں آپ کو اخلاق کے چار شعبوں (حکمت۔ عدالت۔ عفت اور شجاعت) کا نفاذ عیاں نظر آئے گا۔ حضرت ابوبکر رضؓ کے عہد میں حکمت حضرت عمر رضؓ کے عہد میں عدالت عثمان غنی رضؓ کے اخلاق میں عفت اور علی المرتضیٰ رضؓ کی صفات میں شجاعت اُس قدر نمایاں رہیں کہ مسلمانوں کے اخلاق کے آگے تاریخی عظیم قوموں کے جھنڈے سرنگوں ہوئے۔

حضرت خالد بن ولید کی سیاسی عظمت اور سطوت سے کسے انکار ہو سکتا ہے۔ آپ دُنیا میں واقعی اللہ کی تلوار بن کر چمکے لیکن جب حضرت عمر رضؓ نے انہیں معزول کیا تو کیا حضرت خالد رضؓ نے کہیں بھی اپنی قوت کی انگڑائی لی اور کہیں اپنی پارٹی بنائی؟ کہیں نہیں۔ بلکہ امیر المومنین رضؓ کو یقین دلایا کہ خالد اگر ماضی میں سپہ سالار بن کر لڑتا رہا ہے تو اب آپ کے حکم سے ایک عام سپاہی کی طرح کفر کے ساتھ لڑ سکے گا۔ یہ اعلیٰ درجہ کا ڈسپلن تھا کہ جس کو امیر المومنین نے کہا اسے اپنے لیے ہر دائرۂ زندگی میں اپنا امیر جانا۔

حضرت عثمان رضؓ کی عظیم اخلاقی قوت دیکھئے کہ اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ مگر بیت المال کے مال سے اپنے لیے پہرہ داروں کا کوئی دستہ نہیں بٹھایا۔ حضرت علی مرتضیٰ رضؓ کی عظیم اخلاقی قوت دیکھنی ہو تو معرکہ جمل کے خاتمہ پہ آپ کو دونوں فریقوں کی نماز جنازہ پڑھتے دیکھو اتنے بڑے اختلاف کے باوجود انہیں اپنا جانا۔ اخواننا بغواء علینا کہہ کر ان کی اسلامی قوت کا برملا اقرار کیا اور انہیں دائرہ اسلام سے باہر نہ جانا۔ اور ان کی نماز جنازہ پڑھی۔

یہ خلفائے راشدین رضؓ کے اخلاق فاضلہ تھے جن میں قوت کا راز منطوی تھا:۔

۳۔ مادی قوتوں پر اخلاق کی فتح

مال و دولت عزت و وجاہت قوت و ثروت اور خدام و خوشس آمد وہ مادی قدریں ہیں کہ ان کے سامنے اخلاق کی فولادی رگیں بھی پگھل جاتی ہیں لیکن خلفائے راشدین تاریخ بنی آدم

کی وہ مبارک شخصیتیں تھیں جن کے اخلاق فاضلہ نے ہمیشہ مادی قوتوں پر فتح پائی۔ مال و دولت کی ان کی نظروں میں کوئی قیمت نہ تھی وہ جانتے تھے کہ مال و دولت سے پیار کرنے والے لوگ کبھی اپنے اخلاق فاضلہ کو قائم نہیں رکھ سکتے۔

حسد و رشک اور کینہ و بغض کی بیماریاں ہمیشہ مال و دولت کی کوکھ سے ہی جنم لیتی ہیں۔ خلفائے راشدین کے سامنے مال و دولت کے ڈھیر لگے۔ قیصر و کسریٰ کے خزانے ان کے ہاتھ لگے مگر ان حضرات کی درویشانہ زندگی میں کوئی فرق نہ آیا نہ ان کے خدام میں کچھ ایسے لوگ تھے جو کہ خزانوں کے ڈھیر سے پہلے اپنے سربراہوں کے لیے عمدہ عمدہ مال چن لیں اور پھر یہ مال غنیمت غریبوں میں تقسیم ہو۔ خلافت راشدہ میں انسانوں کی غلامی کا کوئی تصور نہ تھا۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ جب ایران میں گئے اور رستم کے برابر جا بیٹھے تو ایرانیوں نے اسے بُرا منایا۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کا شرفِ صحابیت جاگا اور آپ نے برسرِ عام کہا:-

> ہم مسلمانوں میں یہ طرز زندگی نہیں کہ ایک شخص خدا بن کر بیٹھے اور دوسرے لوگ سر جھکائے اس کے بندے بنیں ہم تمہاری طرح نہیں ہم خدا کی بندگی میں رہنے والے لوگ ہیں۔

خدا کی محبت سے ان کے سینے اس قدر لبریز تھے کہ اب کسی اور چیز کی محبت کی ان کے دلوں میں کوئی جگہ نہ تھی۔ مادی چیزوں میں مال و دولت کے بعد سب سے زیادہ محبت اولاد سے ہوتی ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے یہ اقتدار اپنے بیٹے کو نہیں دیا۔ حضرت عمرؓ نے اپنا جانشین اپنے بیٹے کو نہیں بنایا۔ حضرت عثمانؓ کا کوئی بیٹا ان کا ولی عہد نہ تھا۔ حضرت علی مرتضیٰؓ سے حضرت حسنؓ کو جانشین نامزد کرنے کی گذارش کی گئی آپ نے انہیں نامزد نہ کیا۔ ہاں انکار بھی نہ کیا تاکہ اسے شرعی مسئلہ نہ بنا لیا جائے کہ باپ کا جانشین بیٹا کسی صورت میں نہیں ہو سکتا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اگر اپنے والد حضرت داؤد علیہ السلام کے وارث ہوئے تو یہ اصولاً کوئی غلط بات نہ تھی۔ قرآن کریم میں وورث سلیمان داؤد (پ ۱۹ النمل ۱۶) پر کوئی اعتراض نہیں کیا گیا۔

ہم اپنے قارئین کو یہاں صرف اس بات پر متوجہ کر رہے ہیں کہ خلفائے راشدینؓ کی طاقت کا راز ان کی اس سعادت مندی میں تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت میں ان کے اخلاق دنیا کی مادی قدروں پر پوری فتح پا چکے تھے۔ یہ حضرات خود تو نبوت کی آنکھ کا تارا تھے۔ ان کے سفیروں کی بھی یہ حالت تھی کہ قیصر و کسریٰ کے درباروں کی چمک دمک ان کی آنکھوں میں پرِکاہ کے برابر بھی کوئی

اہمیت نہ رکھتی تھی۔ انہیں اپنے آقاؤں کی درویشانہ اداؤں پہ ناز تھا۔

کیا تم نے صحرانشینوں کو دیکھا سفر میں حضر میں اذان سحر میں
طلب ان کی صدیوں سے تھی زندگی کو وہ سوز اس نے پایا انہیں کے جگر میں

۴۔ عظیم الشان نظم وضبط

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیر تربیت یہ بکھری قوم جو اب تک کسی ایک سلطنت کے روپ میں نہ ابھری تھی، نظم وضبط کے ایسے حیران کن پیمانے میں ڈھلی کہ اس کا دنیا کی کسی منضبط قوم میں تصور نہیں ہو سکتا۔

سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار ایک اجتہادی غلطی کے مرتکب ہونے لگے تھے حضرت نعمان بن بشیرؓ کے بتلانے پر حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ اچانک وہاں جا پہنچے وقت کی نزاکت نے موقع نہ دیا کہ یہ تین مہاجر صحابہؓ اپنے اور ساتھیوں کو بھی شریک مشورہ کر سکیں اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کا انتخاب اس مخالف کیمپ میں عمل میں آگیا اور قوم مہاجرین اور انصار میں تقسیم ہونے سے بچ گئی۔

حضرت علی المرتضیٰؓ کو اس بات کا رنج تھا کہ بنو ہاشم کو اس مجلس میں کیوں شریک مشورہ نہ کیا گیا: تاہم انہوں نے امت کے ڈسپلن کو نہ توڑا اور مسجد نبوی میں دوسرے مسلمانوں کے ساتھ برابر نماز پڑھتے رہے۔ اس نماز میں امام کون ہوتے تھے؟ حضرت ابوبکر صدیقؓ جو حضور کی زندگی میں ہی آپ کے حکم سے اس مصلائے امامت پہ آچکے تھے۔ حضرت علیؓ نے گو بیعت میں کچھ تاخیر کی، مگر امت میں کوئی دوسر اگروہ پیدا نہ ہونے دیا۔ حضرت عمرؓ کے دور میں آپ مدینہ میں ایک دفعہ آپ کے قائم مقام بھی رہے مگر مجال ہے کہ آپ نے اپنی خلافت کا کبھی سوچا بھی ہو۔ حضرت عمرؓ کے حکم کی پورے نظم وضبط سے پابندی کی، حضرت عمرؓ نے جب حضرت خالد بن ولیدؓ کو معزول کیا تو انہوں نے اپنے کسی حلقے کی تنظیم نہ کی اور حضرت عمرؓ کے اس حکم کو ظاہراً باطناً قبول کیا۔ حضرت عثمانؓ نے جب حضرت عمرو بن العاصؓ کی جگہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرحؓ کو مقرر کیا تو انہوں نے (عمرو بن العاص فاتح مصر) نے کچھ چوں وچرا نہ کی۔ حضرت علی المرتضیٰؓ نے باہم میں امیر معاویہؓ سے جو معاہدہ کیا زندگی بھر آپ اس کے پابند رہے آپ نے پھر کبھی معاویہؓ کے خلاف بات نہ کی یہی اثر آپ کی اولادِ گرامی پر بھی رہا اور حضرت حسنؓ وحسینؓ نے پوری

حکومت حضرت امیر معاویہؓ کے زیر نگیں کر دی اگر آپ ان کو مسلمان نہ سمجھتے تھے تو انہوں نے ولایت مومنین کیسے ان کے سپرد کی منافقوں نے حضرت حسنؓ اور حسینؓ کو باری باری نقضِ عہد پر اکسایا مگران حضرات نے بیعت کا جو ہاتھ حضرت معاویہؓ کے ہاتھ میں دے دیا تھا اسے بے آبرو نہ کیا۔ صحابہؓ کے نظم وضبط کی یہ بے مثال پابندی حضرت معاویہؓ کی وفات تک قائم رہی اور حضراتِ حسنین کریمین ان سے آخر تک خوش رہے اور ان کے وظائف قبول کرتے رہے۔ حجر بن عدی کی کوئی بات انہوں نے نہ مانی۔

۵۔ قبائل واقوام کا اتحاد

عربوں میں قبائل واقوام کی دیواریں بڑے تاریخی اہتمام سے قائم رکھی جاتی تھیں۔ انہوں نے اس قومی افتخار اور قبائل کے امتیاز کو سماج میں بڑا مقام دے رکھا تھا اور اس کے لیے وہ بڑی بڑی طویل جنگیں لڑتے تھے۔ قرآن کریم نے ان کی اس قومی حمیت کو اس طرح کچلا ہے :۔

یاایھا الناس انا خلقنا کم من ذکر وانثیٰ وجعلنا کم شعوبًا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم۔ (پ ۲۶ الحجرات ۱۳)

ترجمہ۔ اے لوگو! ہم نے تم کو ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہیں کنبے اور قبیلے بنایا۔ تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ اللہ کے ہاں تم میں سے سب سے باعزت وہ ہے جو اس سے سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔

اس سے پہلے رشد راشدین کی قرآن کریم نے اس طرح شرح کر دی تھی اور اسی پر یہ انقلابی اعلان کیا تھا :۔

ولٰکن اللہ حبب الیکم الایمان وزینہ فی قلوبکم وکرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان ، اولٰئک ھم الراشدون ۔ (پ ۲۶ الحجرات ۷)

ترجمہ۔ اور لیکن اللہ نے ایمان کو تمہارے لیے محبوب بنا دیا اور اسے تمہارے دلوں کی زینت بنا دیا اور کفر کو اور گناہ کو اور نافرمانی کو تمہارے لیے ناپسندیدہ بنا دیا۔ یہی لوگ راشد ہیں۔

اس آیت نے خبر دی کہ رشد راشدین کی بنیادی کڑیاں کیا ہیں جن پر آئندہ خلافتِ راشدہ قائم ہوگی۔ سب مسلمانوں کو بھائی بھائی بنا دیا گیا اور قبائلی نفرت کی دیواریں یکسر گرا دی گئیں۔ حکم دے دیا گیا کہ اب کوئی قوم کسی دوسری قوم سے مسخری نہ کرے۔ بندگی کا معیار اللہ کا ڈر ہے خاندان نہیں۔

انما المومنون اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم واتقوا اللہ لعلکم ترحمون ٥

یاایھا الذین آمنوا لا یسخر قوم من قوم عسی ان یکونوا خیرا منھم۔

(پ ۲۶ الحجرات ۱۰، ۱۱)

ترجمہ۔ سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ پس اپنے دو بھائیوں میں صلح کرا دو اور اللہ سے ڈرتے رہو ہو سکتا ہے تم پر رحم کیا جائے۔ اور اے ایمان والو! کوئی قوم دوسری قوم سے مسخری نہ کرے ہو سکتا ہے وہ ان سے بہتر ہوں۔

قرآن کریم کی روشنی میں عربوں میں قبائل اور اقوام کا امتیاز جاتا رہا۔ سب قومیں آپس میں متحد ہو گئیں اور دنیا کے نقشے میں مسلمان ایک نئی قوم بن کر ابھرے۔ ایک دفعہ ایک صحابی رضؓ نے (دورانِ تربیت) اپنی حمایت میں انصار کو آواز دی، دوسرے نے مہاجروں کو اپنی حمایت کے لیے پکارا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے جاہلیت کی آواز قرار دیا۔ اسلام لوگوں کو صرف حق اور باطل کے فاصلے پر کھڑا کرتا ہے۔ دنیا میں اور کسی فاصلے کو قائم نہیں ہونے دیتا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

من قاتل تحت رایۃ عمیۃ یدعوا الی عصبیۃ او یغضب لعصبیۃ فقتل فقتلتہ جاھلیۃ۔ [۱]

ترجمہ۔ جو کوئی کسی اندھے جھنڈے تلے لڑا کسی عصبیت کی حمایت میں یا دعوت دے رہا تھا عصبیت کی وہ مارا گیا تو وہ جاہلیت کی موت مرا ہے۔

مکہ مکرمہ میں قریش کی دو بڑی شاخیں تھیں۔ ۱۔ بنو امیہ اور ۲۔ بنو ہاشم ۔ حضرت ابو بکرؓ ایک چھوٹے قبیلے بنو تیم کے تھے ان دونوں میں سے نہ تھے۔ حضرت عمرؓ بنو عدی میں سے تھے ہاشمی یا اموی نہ تھے۔ ان کی خلافتوں میں عرب کی تمام اقوام اور ان کے تمام قبیلے ایک تھے امت کی وحدت پورے طور پر قائم تھی۔ حضرت عثمانؓ بنو امیہ میں سے تھے اور حضرت علیؓ بنو ہاشم میں سے۔ ان کے دور میں گو کہیں کہیں جاہلیت کی چنگاریاں اٹھیں لیکن ان حضرات کا ذاتی کردار اتنا اونچا اور دلکش تھا کہ جاہلیت کا کوئی دھبہ اس روشنی کو ماند نہ کر سکا۔ حضورؐ نے خود مختلف قبیلوں میں شادیاں کیں اور ایک کے سوا باقی سب نکاح بڑی عمر کی عورتوں سے کیے۔ اس میں بھی یہ حکمت تھی کہ آپ مختلف قبائل اور اقوام کو شیر و شکر کرنا چاہتے تھے۔ یہ آپ کی اسی حکمت کا تقاضا تھا کہ حضرت خالد بن ولیدؓ جیسا جانباز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت میں آ ملا۔

---

[۱] سنن نسائی جلد ۲ صہ ۱۵۶

قبائل و اقوام کے اس اتحاد سے خلفائے راشدین کی طاقت نہ صرف جزیرہ نمائے عرب میں متحد ہوئے بلکہ دیکھتے دیکھتے دنیا کے ایک بڑے حصے پر چھا گئے۔

۶۔ راشدینؓ کی لازوال علمی بصیرت

اللہ تعالیٰ نے جس طرح قیصر و کسریٰ کے خزانے خلفائے راشدینؓ کے قدموں پر ڈھیر کر دیئے تھے اور انہیں حسبِ وعدہ تمکین فی الارض کی نعمت عظمیٰ عطا کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں لازوال علمی بصیرت سے بھی مالا مال کیا تھا اور یہی دو قرآنی معیار ہیں جن میں دنیوی سرداری اور عالمی ریاست کی بساط بچھتی ہے۔ بنو اسرائیل کے کہنے پر حضرت سموئیل نے جسے ان کی بادشاہت کے لیے چنا اس کے یہ دو وصف نمایاں بتلائے :۔

وزادہ بسطۃً فی العلم والجسم واللہ یؤتی ملکہ من یشاء واللہ واسع علیم۔

(پ۲ البقرہ ۲۴۷)

ترجمہ اللہ تعالیٰ نے اسے علمی و جسمی برتری عطا فرمائی ہے اور اللہ جسے چاہے اپنا ملک دے اور اللہ تعالیٰ کشادگی والا ہے (ہر شئی پر احاطہ کیے ہوئے ہے) اور علم والا ہے۔

صحابہؓ میں اللہ تعالیٰ نے جس عظمتِ علمی سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو نوازا تھا اس کی مثال شاید ڈھونڈنے سے نہ ملے آپ حضرت عمرؓ کی پیروی میں اس طرح چلتے تھے جیسے مقلد مجتہد کے پیچھے چلتا ہے۔ آپ کی علمی عزارت اس درجہ کی تھی کہ معلوم ہوتا تھا خدا ان سے باتیں کرتا ہے انہی عبداللہ بن مسعودؓ کا حضرت عثمان غنیؓ سے ایک مسئلے میں اختلاف ہوا اور وہ بہت شدت اختیار کر گیا۔ بالآخر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو حضرت عثمانؓ کے موقف سے متفق ہونا پڑا۔ اس سے حضرت عثمانؓ کے علمی مقام کا پتہ چلتا ہے۔ ان کے پیچھے وہ علمی فراست کارفرما تھی کہ لوگوں کو وحی کا گمان ہوتا تھا۔ گو آپ اس وقت اس کی تردید فرما دیتے اور امت کے عقیدہ ختم نبوت کو بچا لیتے۔ حضرت عمرؓ کے پیچھے محدثیت اور حضرت عثمانؓ کے پیچھے فراست کارفرما رہی۔

امام نسائی نے اپنی سنن میں حضرت عمرؓ کو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ساتھ جوڑا ہے یہ دونوں حدیث معاذ سے درایت کو اور اجتہاد کے درمیان صالحین امت کے فیصلوں کو اپنانے کی ایک اور کڑی لائے ہیں اور امام نسائی نے اسے آداب قضا میں جگہ دی ہے۔[۱]

---

[۱] دیکھیے سنن نسائی جلد ۲ صفحہ ۲۶۸

کتاب و سنت کے بعد اگر امت کے علمی تقاضے صرف اجتہاد سے پورے کیے جائیں تو امت علم کی یقینی راہوں سے محروم ہو جائے گی کیونکہ ہر اجتہاد میں دوسری طرف صواب کا احتمال قائم رہے گا اور اگر پہلوں کے متفق علیہ اجتہادات کو یقین کے درجے میں لے لیا جائے جیسے اجماع امت کہا جا سکتا ہے تو اسلام کی علمی دنیا میں یقین ایک طویل راہ تک دکھائی دے گا اور اجتہاد صرف وہیں درکار ہو گا جہاں پہلوں کا اجتہاد اجماع کے درجہ کو نہیں پہنچا۔ مسائل غیر منصوصہ میں اجتہاد کی یقیناً گنجائش ہے مگر وہ اجماع کو توڑ نہیں سکتا۔ امت میں اصولِ فقہ انہی چار بنیادوں پہ قائم ہوئے

۱۔ کتاب۔ ۲۔ سنّت۔ ۳۔ اجماعِ امت اور ۴۔ اجتہاد۔

حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے دور میں اسلام کے علمی تقاضے انہی راہوں سے پورے ہوتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے بڑھ کر امّت میں کوئی نہ تھا اس لیے آپ نے امّت کے کسی پہلے بزرگ کی پیروی لازم نہ کی۔ آپ اپنے عہد میں اس راہ کو مجتہد صحابہؓ کے مشورہ سے پورا کر لیتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بھی سنّت اور اجتہاد کے مابین ایک اور علمی واسطے کے قائل تھے۔ خلفائے راشدینؓ کی یہ علمی بصیرت تاریخ کے ہر دور میں مسلمانوں کے اس دعوے کے پیچھے کارفرما رہی کہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور اس میں ہر دور کے نئے نئے مسائل کا حل موجود ہے۔

۷۔ انسانوں کے بنیادی حقوق کا تحفظ

راشدین کی سلطنت صرف مسلمانوں پہ ہی نہ تھی۔ ان کی حکومت میں غیر مسلم بھی بستے تھے۔ ان کے جان و مال کی حفاظت بھی خلفاء راشدین کے ذمہ تھی اس ذمہ داری نے انسانوں میں ایک ذمی قانون قائم کیا اور حکومت اسلامی مسلمانوں اور ذمیوں دونوں کے حقوق کی ذمہ دار رہی جس طرح حکومت اسلامی کے ذمہ تھا کہ ہر مسلمان کو روٹی کپڑا اور مکان اور ضرورت کے وقت طبی امداد میسر آئے۔ یہ حق غیر مسلموں کو بھی حاصل تھا کہ حکومت ان کے جان و مال کی حفاظت کی ذمہ دار رہے۔ یہ انسانوں کے بنیادی حقوق ہیں جو ہر انسان کو حاصل ہونے چاہئیں۔ اسی طرح ہر کام روزگار، تعلیم اور نکاح میں بھی کسی انسان کو اس کے بنیادی حقوق سے محروم نہ رکھا جاتا تھا۔ اولاد کی تعلیم اور پرورش کا حق ہر ماں باپ کو حاصل تھا۔

غیر مسلموں سے جو جزیہ لیا جاتا وہ ان کی جان و مال کی حفاظت کے عوض تھا مسلمانوں سے یہ عوض

ان کی فوجی خدمات اور زکوٰۃ و صدقات کی صورت میں لیا جاتا۔

حضرت عمرؓ کے دور میں جب مسلمانوں کو اپنی جنگی مصلحت کے لیے حمص سے پیچھے ہٹنا پڑا اور اہل حمص سے وہ پہلے سے جزیے چکے تھے تو حمص سے نکلتے ہوئے انہوں نے جزیہ کی وہ رقوم ان کو واپس کیں کیونکہ اب وہ ان کے جان و مال کی حفاظت کے ذمہ دار نہ رہے تھے۔ سو اب مسلمانوں کے لیے ان کا یہ مال رکھنا جائز نہ تھا۔

اس دور میں انسانوں کے بنیادی حقوق کا یہ احترام دنیا کے کسی اور خطہ میں کسی دوسری قوم کو حاصل نہ تھا۔ اہل حمص کو جب یہ رقوم واپس کی گئیں تو انہوں نے روتے ہوئے مسلمانوں کو وہاں سے الوداع کیا اور کئی خوش قسمت تو وہاں اسلام پر ایمان بھی لے آتے ہوں گے۔

۸۔ معاشرے میں عورتوں کا مقام

عرب میں عورت کو معاشرے میں کوئی عزت کا مقام حاصل نہ تھا۔ اسے دوسرے درجے کی مخلوق سمجھا جاتا۔ عرب مشرکین فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے لیکن جب خود ان کے ہاں بیٹی پیدا ہوتی تو ان کے چہرے اُتر جاتے۔ قرآن کریم میں ان کے سماج سے اس طرح پردہ اٹھایا گیا ہے:۔

واذا بشّر احدھم بما ضرب للرحمٰن مثلاً ظل وجھہ مسودًا وھو کظیم۔ (پ۲۵ الزخرف ۱۷)

ترجمہ۔ اور ان میں سے کسی کو اس چیز کی خبر دی جائے جو یہ خدا کے لیے تجویز کرتے ہیں تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ غمگین ہو جاتا ہے۔

قرآن کریم نے لڑکی کی پیدائش کو بھی بشارت کہا ہے۔ مبارکبادی عام طور پر لڑکے کی پیدائش پر دی جاتی ہے۔ یہاں لڑکی کی پیدائش کی خبر کو بھی بشارت کہا گیا ہے۔ قرآن کریم نے بیٹی کو ماں باپ کی وراثت سے حصہ دیا۔ نکاح میں بالغ لڑکی کی رضامندی شرط قرار دی۔

عورت کے پردے کو اس کی عزت کا نشان قرار دیا ہے اسے اس کی قید نہ کہا۔ یورپ کا آزاد معاشرہ جس میں ایک بڑی تعداد غیر شادی شدہ ماؤں کی ہے۔ اسلام میں عورت کے پردے کو اس کی قید قرار دیتا ہے۔ حالانکہ دنیا میں کہیں بھی سونے اور جواہرات کو حفاظت سے رکھنا اس کی تحقیر نہیں سمجھا جاتا۔ ماں کا درجہ اتنا بڑھایا کہ پیغمبر کی بیویوں کو امت کی مائیں ٹھہرایا۔ یہ تبھی ہو سکتا ہے کہ اس معاشرے میں عورت کو دوسرے درجے کا شہری نہ سمجھا جاتا ہو۔

اسلام کی پہلی صف میں علم کا بڑا مرکز حضرت عائشہ صدیقہؓ سمجھی جاتی تھیں. بڑے بڑے صحابہؓ علمی مشکلات میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے. کیا کسی فرد میں جسے معاشرے میں برابر کا شہری نہ سمجھا جاتا ہو یہ علمی فضیلت پائی جاسکتی ہے. مقدمات میں گواہی کا بوجھ اُٹھانا آسان بات نہیں جو گواہی کو چھپائے اسے گنہگار قرار دیا. اسلام میں عورت کی گواہی نصف شہادت قرار دی گئی تاکہ عورت کے کندھے اس ناقابلِ برداشت وزن سے ہلکے رکھے جائیں اور مقدموں میں شہادتیں لانے سے جو عداوت اور دشمنی پیدا ہو جاتی ہے اور اس پر قتل و غارت بھی ہوتی ہے ان اذیتوں سے عورتوں کو ذہنی طور پر ہلکا رکھا جائے. مردوں اور عورتوں میں جو فطری فاصلے قائم ہیں ان کے پیشِ نظر مردوں کو دوسرے نکاح کی اجازت دی گئی مگر دونوں میں عدل لازمی قرار دیا گیا. یہ وہ فطری ضرورت ہے جسے پورا کرنے کے لیے یورپ میں مردوں کو کئی کئی گرل فرینڈز نے گھیرا ہوتا ہے.

عرب کے جاہلی معاشرے میں جہاں بیٹی کا ہونا باپ کی غیرت کو چیلنج سمجھا جاتا تھا اور وہ اسی جاہلی غیرت میں بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے. قرآن نے اس وقت کی یاد دلائی. جب ظالم باپ کے سامنے اس بیٹی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس جُرم میں ماری گئی تھی.

واذا الموءدة سئلت ۰ بایّ ذنبٍ قتلت ۰ (پ۳۰ التکویر ۹)

ترجمہ: اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے سوال کیا جائے وہ کس گناہ کی وجہ سے قتل کی گئی تھی.

معاشرے میں عورت کا مقام

معاشرے میں عورت کی کئی حیثیتیں ہیں. عورت کبھی ماں بھی ہوتی ہے. کبھی بہن بھی. اور کبھی بیوی بھی ـ کیا وجہ ہے کہ مرد جب کبھی کسی غیر عورت پر نظر کرتا ہے وہ اسے بیوی کی حیثیت سے دیکھتا ہے. اس کے حسن و زینت پر اس کی توجہ ہوتی ہے. اگر وہ اسے ایک ماں کی نظر سے دیکھے یا بہن کی سے یا بیٹی کی نظر سے تو وہ اس کے لیے کبھی نیم عریاں لباس پسند نہ کرے گا. نہ اسے اس میں حسن و زینت کی تلاش ہوگی. اسلام میں عورت کو جو پردے کا حکم ہوا تو وہ اسی لیے کہ مرد جب غیر عورتوں کو دیکھتے تو صرف بیوی کے طور پر ـــ عورت کو معاشرے میں ماں بہن اور بیٹی کی عزت نہیں دی جاتی. اسلام نے غیر مرد کو گنہگار ہونے سے بچانے کے لیے شریف عورتوں پر پردے کی پابندی لگائی. پھر بھی عورتیں پوری زینت و آرائش سے نکلنے سے باز نہ رہیں تو مردوں کو حکم دیا گیا کہ وہ نظریں نیچی کرلیں.

اسلام نے عورت کو معاشرے میں جو عزت بخشی اس کی پہلی تجربہ گاہ خلافتِ راشدہ کا سماج تھی خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے اپنے دور میں عورتوں کی عفت اور خواتین کی عزت جس پیرائے میں قائم کی اس نظام نے ان کی خلافت کو وہ قوت بخشی کہ اسلامی معاشرہ اپنی وسیع سلطنت میں کہیں بھی جنسی بے حیائی کا شکار نہ ہوا۔

۹۔ عدل و انصاف کی فطری اساس

ملک کفر سے تو باقی رہ سکتے ہیں ظلم سے باقی نہیں رہ پاتے۔ اسلامی سلطنت میں کہیں کافروں کو رہنے اور بسنے کا موقع دیا جائے اسلامی نظامِ حکومت نے کبھی اس کا انکار نہیں کیا دونوں خدا کی مخلوق ہیں۔

ھو الذی خلقکم فمنکم کافر و منکم مؤمن۔ (پ ۲۸ التغابن ۲)

ترجمہ۔ وہ ذات ہے جس نے تمہیں پیدا کیا سو تم میں کافر ہیں اور مومن ہیں۔

لیکن ظلم اور زیادتی کی کہیں بھی اجازت نہیں دی گئی۔

خلفائے راشدین کو عدل و انصاف سے فطری مناسبت تھی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے پہلے خطبہ میں کمزور کو قوی اور قوی کو اپنے سامنے کمزور قرار دے کر انسانوں کو ان کے باہمی حقوق کے تحفظ کی ضمانت دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رات کی تنہائیوں میں بھیس بدل کر غرباء اور حاجت مندوں کی تلاش کرتے تھے اور اس بات کو روا نہ رکھتے تھے کہ فرات کے کنارے پر کوئی کتا بھی پیاسا مرے، وہ خود کھانا نہ کھاتے جس معیار پر ان کی سلطنت کا کوئی غریب نہ کھا سکے۔ یہ انہی کا حق تھا کہ لرزتی زمین کو مخاطب کر کے کہیں کہ کیا تجھ پر عمر نے عدل نہیں کیا؟ اس پر زمین بھی سکون میں آجاتی۔

جبلہ بن ایہم کو بنیادی حقوق میں آپ نے ایک عام مسلمان کے برابر ٹھہرایا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آخری دنوں کے ایک خطبہ میں فرمایا:۔

> جب حکومت میرے سپرد ہوئی تو میں عرب میں سب سے زیادہ اونٹوں اور بکریوں کا مالک تھا لیکن آج میرے پاس نہ کوئی اونٹ ہے نہ بکری۔ . . . میں خدا کے مال میں ایک بیٹے کا تصرف بھی نہیں کرتا۔ اپنا پانچواں حصہ میں مستحق لوگوں پر خرچ کرتا ہوں میں بیت المال سے کچھ نہیں لیتا، یہاں تک کہ جو کچھ کھاتا ہوں اپنے مال سے ہی کھاتا ہوں۔ [۱]

[۱] مختصر تاریخ طبری جلد ۵ ص ۱۰۳

حضرت علیؓ کو ایک مقدمے میں خود اپنے قاضی کے سامنے بطور گواہ پیش ہونا پڑا تو آپ پیش ہو گئے اور آپ کے بیٹے حسنؓ کی گواہی آپ کے حق میں ناقابل قبول ٹھہرائی گئی تو آپ نے اسے اصولاً قبول کیا کہ اسلام میں بیٹے کی گواہی باپ کے حق میں قبول نہیں کی جاتی. گو حضرت حسنؓ کے بارے میں وہم نہیں کیا جا سکتا کہ وہ جھوٹ بولیں گے. راشدین کا عدل و انصاف سے یہ فطری لگاؤ بتاتا ہے کہ سلطنت راشدین ایک دیرپا رہنے کی چیز تھی اور خلفائے راشدین کی طاقت جن اصولوں پہ مبنی تھی ان میں ایک بڑا سبب قرآن کریم کے اس حکم کی تعمیل تھی :-

ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربٰی وینھٰی عن الفحشآء والمنکر والبغی یعظکم لعلکم تذکرون - (پ۱۴ النحل ۹۰)

ترجمہ. اللہ تعالیٰ بے شک حکم دیتا ہے عدل اور احسان کا اور قرابت والوں سے حسن سلوک کا اور وہ روکتا ہے بے حیائی سے اور بُرائی سے اور زیادتی سے وہ نصیحت کر رہا ہے تاکہ ہو سکتا ہے تم نصیحت پا جاؤ.

۱۰. حکمرانوں کی درویشانہ زندگی

راشدین کی سادہ زندگی. سادہ لباس. سادہ خوراک. سادہ رہائش اور سادہ سماج اپنے آقا و پیشوا کی اسس سیرت کی جھلک تھی جو قرآن کریم کی اس آیت میں نہایت روشن اور جلوہ گر ہے :-

واصبر نفسک مع الذین یدعون ربھم بالغداۃ والعشی یریدون وجھہ ولا تعد عیناک عنھم ترید زینۃ الحیٰوۃ الدنیا ولا تطع من اغفلنا قلبہ عن ذکرنا واتبع ھواہ وکان امرہ فرطاً - (پ۱۵ الکھف ۲۸)

ترجمہ. اور اپنے آپ کو انہی کے ساتھ لگا رکھو جو اپنے آپ کو صبح و شام پکارتے ہیں اور وہ اس کی رضا چاہتے ہیں اور تیری آنکھیں ان سے اٹھنے نہ پائیں کہ تو دنیوی زندگی کی زینت میں لگ جائے اور تو کہنا نہ مان اس کا جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر رکھا ہے اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے ہی جا رہا ہے اور اسس کا کام حد سے آگے گزر چکا ہے.

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی یہ وصیت کہ مجھے میرے پُرانے کپڑوں کا کفن دینا زندہ لوگ نئے کپڑوں کے زیادہ مستحق ہیں اور حضرت عمرؓ کا چمڑے کے پیوند لگے پیرہن میں بیت المقدس چلے آنا. اینٹوں کا

سرہانہ بنا کر صحراؤں میں دوپہر کا قیلولہ کرنا حضرت عثمانؓ اپنے علم اور بردباری میں انتہائی درویش منش تھے۔ آپ خود اپنے خلاف بغاوت کرنے والوں سے بھی کوئی سختی نہ کرنا چاہتے تھے آپ پر بئیر رومہ کا پانی بند کر دیا گیا تو آپ نے کڑوے گھونٹوں میں بھی کوئی کڑواہٹ محسوس نہ کی۔

حضرت علیؓ میں بھی حضرت عثمانؓ کی طرح حلم اور نرمی کا عنصر غالب تھا۔ باوجود کشفاً جاننے کے کہ عبدالرحمٰن بن ملجم مجھ کو شہید کرے گا اس کے خلاف کوئی اقدام نہ فرمایا کہ ابھی اس نے کوئی عمل نہیں کیا میں اسے سزا کس بات کی دوں۔ خوارج کو سمجھانے میں آپ نے کتنی نرمی دکھائی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو انہیں سمجھانے کے لیے بار بار بھیجا۔ آپ جب امت کو ایک خلافت کی چھتری میں نہ لا سکے تو حضرت معاویہؓ کے ساتھ ۴۰ھ میں وقتی صلح کر لی کہ امت کا اتحاد جس تاویل سے بھی ہو سکے اسے جانے نہ دیا جائے۔ آپ نانِ جویں پر گزارہ کر کے تمام کافر قوتوں کے آگے اللہ کے شیر تھے۔ اقبال نے اللہ کے حضور انہی دو باتوں کی یکجا آرزو کی ؂

دلوں کو مرکزِ مہر و وفا کر　　حریم کبریا سے آشنا کر
جسے نانِ جویں بخشی ہے تُو نے　　اسے بازوئے حیدر بھی عطا کر

جس طرح پہلے تین خلفاء دنیا کے مال و دولت اور اقتدار کی چمک دمک سے یکسر مستغنی رہے حضرت علی مرتضیٰؓ نے بھی انہی درویشانہ آدرشوں کو اپنی خلافت کا تاج سمجھا۔ خلفاء راشدینؓ نے درویشی اور اقتدار کو جمع کرنے کا سبق اپنے آقا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی پایا ورنہ ان دونوں لائنوں میں چلنا کوئی آسان کام نہ تھا ؂

خصومت تھی سلطانی و راہبی میں　　کہ وہ سربلندی ہے یہ سربزیری
یہ اعجاز ہے ایک صحرا نشین کا　　کہ ہوں ایک جنیدیؒ و اردشیری

رشد راشدین کی طاقت کا راز تیس (۳۰) سال جن دس وجوہ میں لپٹا رہا۔ ان میں حکمرانوں کی یہ درویشانہ زندگی وہ ادا ہے جو ان سے پہلے پورے صفحۂ کائنات میں کہیں نہ دیکھی گئی۔ خلافت کو وہ امانت نہیں نبوت کی ماتحتی سمجھتے رہے اور اسی ماتحتی میں وہ اپنی دنیا و آخرت بناتے رہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے بہت مدت پہلے ان سے خوش ہو چکا تھا۔ رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ

خلافتِ راشدہ میں حق کی راہ میں دی گئی
قربانیوں کے چند نمونے

الحمدللہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ امابعد ،

خلافتِ راشدہ میں جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور منکرینِ ختم نبوت اور منکرین زکوٰۃ سے ٹکرائے ان کے جذبہ جہاد اور ان کے جان دینے کی اللہ رب العزت نے خود خبر دی ہے :-

یا ایھا الذین اٰمنوا من یرتدّ منکم عن دینہ فسوف یأتی اللہ بقوم یحبھم ویحبّونہ اذلۃ علی المؤمنین اعزۃ علی الکافرین یجاھدون فی سبیل اللہ ولا یخافون لومۃ لائم. (پ۶ المائدہ ۵۴)

ترجمہ. اے ایمان والو! جو کوئی تم میں سے پھرے گا اپنے دین سے تو اللہ تعالیٰ (ان کے مقابل) ایسی قوم لائے گا کہ اللہ ان کو چاہتا ہے اور وہ اللہ کو چاہتے ہیں وہ نرم دل ہیں مسلمانوں پر اور سخت اور تیز ہوں گے کافروں پر وہ اللہ کی راہ میں (ان مرتدوں سے) جہاد کریں گے اور نہ پرواکریں گے کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی.

یہاں یأتی اللہ بقوم میں دونوں معنی ہوسکتے ہیں. ۱. ان کے بدلے میں یا۔ ۲. ان کے مقابلہ پر — پہلی صورت میں مفہوم یہ ہوگا کہ کچھ لوگوں کے مرتد ہونے سے ایمان والوں میں کمی نہ آئے گی ان کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ اور لوگوں کو اسلام میں لے آئے گا اور ان میں کمی نہ ہو پائے گی.

دوسری صورت میں مفہوم یہ ہوگا کہ وہ مرتدین ایمان والوں کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں گے. اللہ تعالیٰ ان کے مقابل انہی ایمان والوں سے ایسے لوگوں کو کھڑا کردے گا جو کافروں پر سخت اور تیز ہوں گے وہ ان سے اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے ان کو کچھ لوگ منع کرنے والے ہوں گے مگر یہ ان کی پرواہ نہ کریں گے اور جہاد میں ڈٹ کر کھڑے ہوں گے.

یہ جو ان کے جہاد کی خبر دی گئی اور ملامت کرنے والوں کا ذکر کیا گیا ہے یہ بتاتا ہے کہ راجح معنی یہی ہیں کہ مرتدین کے مقابلہ میں اللہ ان کو لائے گا جو اللہ تعالیٰ کے محبوب ہوں گے اور

اللہ ان کا محبوب ہوگا۔

یہ ان لوگوں کے ایمان و اخلاص کی خبر دی گئی ہے جو حضرت ابوبکر صدیق رض کے حکم سے منکرینِ ختم نبوت اور منکرین زکوٰۃ کے خلاف نکلے۔ یہ خدا کی طرف سے ان قربانیوں کی قبولیت کا اعلان ہے جو حضرت ابوبکر رض کی خلافت میں دی گئیں۔ یہ خلافت راشدہ کے صادق ہونے کی آسمانی شہادت ہے جسے کوئی خوش نصیب رد نہ کر سکے گا۔ یہ فتنۂ ارتداد سے پہلے کی ایک پیشگوئی ہے۔

اب حضرت عمر رض کے دورِ خلافت میں دی گئی ان قربانیوں پر بھی نظر ڈالیں:۔

۱۔ معرکہ جسر میں ایرانی فوج جب دریائے فرات کے مشرقی کنارے اُتری اور حضرت ابوعبیدہ رض فرات کے مغربی کنارے پر تھے تو ایرانی سالار نے ابوعبیدہ رض کو پیغام دیا کہ تم دریا عبور کر کے آتے ہو یا ہم آئیں۔ اپنے بارے میں دونوں طرح تیار رہنے کا اشارہ دیا۔

ابوعبیدہ رض کے فوجی افسروں کا مشورہ تھا کہ ایرانی دریا کو عبور کریں اور ہم فرات کے مغربی کنارے پر رہیں۔ حضرت ابوعبیدہ رض قومی غیرت میں آگئے کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ عرب مردِ میدان نہیں ہیں اور دریا عبور کر لیا۔ اس سیاسی غلطی میں مسلمان شکست کھا گئے۔ عربی گھوڑوں سے ایرانی ہاتھیوں کا مقابلہ بہت مشکل تھا۔ ہاتھیوں پر گھنٹے لٹکتے تھے اور وہ بہت زور سے بجتے تھے۔ تاہم نازک موقعہ پر مسلمانوں نے ایمان کے سائے میں جس ایمان پرور منظر میں ایمان کی بازی لگائی چشم فلک نے شاید ہی کبھی ایسا نقشہ دیکھا ہو۔

گھوڑے گھنٹوں کی ہیبت ناک آواز سے گھبرا گئے تو سوار گھوڑوں سے نیچے اُتر آئے اور ان ہاتھیوں پر حملہ آور ہوئے۔ سب سے پہلے حضرت ابوعبید رض اُترے اور ایک ہیبت ناک ہاتھی پر تلوار سے حملہ آور ہوئے۔ ہاتھی نے انہیں گرا کر پاؤں سے کچل ڈالا۔ اب ابوعبیدہ رض کے بھائی نے جھنڈا ہاتھ میں لیا اور اسی ہاتھی پر پھر تلوار سے حملہ کیا مگر ہاتھی نے ان کی بھی پسلیاں کچل دیں۔ دوسرے سب لوگ یہ منظر دیکھ رہے تھے۔

حضرت عمر رض کے یہ مخلص فوجی جان پر جان دے رہے ہیں مجال ہے کہ کسی کی موت سے کسی دوسرے کے استقلال میں کچھ فرق آئے۔ اس ایک ہاتھی سے سات جانباز ٹکرائے تب کہیں جا کر اس کی سونڈ کٹی۔ ان لوگوں کے دلوں میں اگر کچھ بھی شک گزرا ہوتا کہ ہم جس خلافت کے جھنڈے تلے یہ قربانیاں دے رہے ہیں شاید وہ خلافتِ راشدہ نہ ہو۔ حضرت علی رض خلافت کے لیے نامزد ہوئے ہوں تو جانی قربانیوں کا یہ ایمان پرور نظارہ کبھی دیکھنے میں نہ آتا۔ ایسا تبھی

ہوتا ہے جب اس راہِ عمل کی سچائی کا پورا یقین ہو۔

۲۔ جنگ قادسیہ میں طلحہ رات کے وقت ایک قیدی کو ساتھ لے کر ایرانیوں کے ساٹھ ہزار کے لشکر میں جا گھسے اور ان کے کئی فوجیوں کو تہ تیغ کر کے واپس اپنے کیمپ میں آ گئے۔ جان کو ہتھیلی پر رکھ کر اس طرح میدانِ جنگ میں کودنا صرف انہی لوگوں کو میسر آ سکتا ہے جو اپنی سوچ اور دیانت میں اخلاص کے انتہائی یقین سے جانیں جانِ آفریں کو دے رہے ہوں۔ خلافت کے صادق ہونے میں اگر انہیں کچھ بھی تامل ہوتا تو اس طرح جانوں کی بے تیغ قربانیاں کبھی سامنے نہ آتیں اور نہ کشتوں کے پشتے لگتے۔

جنگ قادسیہ میں ایک مسلمان قیدی ابو محجن قید کی حالت میں دیکھ رہا ہے کہ ایرانی مسلمانوں پر اُمڈے چلے آ رہے ہیں تو اس نے حضرت سعدؓ کی بیوی سلمیٰ سے کہا کہ مسلمانوں کی مدد کے لیے میں نکلنا چاہتا ہوں۔ اگر تم میری بیڑیاں کھول دو تو میں اس جنگ میں کودتا ہوں۔ اگر میں زندہ رہا تو شام کو واپس آ کر میں خود ہی یہ بیڑیاں پہن لوں گا۔ اس نے اس کی بیڑیاں کھول دیں وہ دشمن کی صفوں کو چیرتا گیا اور اس ایک نے جنگ کا نقشہ بدل کر رکھ دیا۔ شام کو واپس آ کر اس نے پھر اپنے ہاتھوں خود وہ بیڑیاں پہن لیں۔ حضرت سعدؓ نے جب یہ واقعہ سنا تو فوراً اس کی بیڑیاں کھول دیں اور فرمایا ایسے جانثار شخص کو قید میں رکھنا درست نہیں اور اس کے سابق قصہ کو اس جانبازی کے عوض معاف کر دیا۔

۳۔ مدائن کی فتح کے ایمان پرور وقائع میں خود سالارِ جنگ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو دیکھیے آپ نے کس دلیری سے دریائے دجلہ میں چھلانگ لگا دی۔ ان کے ساتھ ہی پھر متعدد فوجیوں نے اپنے گھوڑے دریا میں ڈال دیئے۔ وہ گھوڑے دریا میں اس طرح چل رہے تھے گویا کسی میدان میں چل رہے ہوں۔ یہ ان کی کرامت سینکڑوں لوگوں نے دیکھی۔ سامنے دوسرے کنارے پر دشمن کی افواج جمع تھیں۔ استقلال کے یہ پہاڑ دریا پار مقابلہ کے لیے کس عزم و یقین سے آگے بڑھ رہے تھے۔ اگر انہیں کچھ بھی گمان ہوتا کہ سچے حضرت علیؓ ہیں تو کیا وہ اس طرح آگے بڑھتے۔

۴۔ حمص کی لڑائی میں شرجیل اکیلے شہر کی طرف چل دیئے۔ دشمن کا ایک پورا رسالہ ان کے تعاقب میں تھا۔ آپ اس ثابت قدمی سے لڑے کہ بڑی تعداد میں ان کو تہ تیغ کیا اور باقی مار بھگائے۔

۵۔ شام کی لڑائیوں میں مخل کی لڑائی کس سے چھپی ہے۔ مسلم فوج کے ایک کمانڈر اس میں

ہاشم بن عتبہ تھے۔ انہوں نے جب دشمن کی فوج ایک جگہ مرتکز دیکھی تو آپ اپنے گھوڑے سے کُود پڑے اور قسم کھا کر کہا جب تک میں اپنا جھنڈا قلب پر نہ لگا دوں میں واپس آنے کا نہیں ان کے اس عزم اور جزم سے ان کے کس یقین کا پتہ چلتا ہے۔

۶۔ جنگ یرموک میں حضرت عکرمہ بن ابی جہل کی یہ ایمان افروز تقریر سُنی گئی "میں بحالتِ کفر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی لڑتا رہا ہوں، آج اسلام میں میرا قدم کافروں کے مقابلہ میں کیسے پیچھے رہ سکتا ہے"۔ چار سو مسلمان فوجیوں نے بھی اس کے ساتھ عہد وفا باندھا اور ایسی شدت سے حملہ کیا کہ خود سب شہید ہو گئے مگر دشمنوں کو بھی پسپا کر دیا۔

۷۔ وہ منظر کتنا ایمان پرور ہو گا جب حضرت شرجیل دشمنوں کے نرغہ میں پھنسے ہوئے آواز دے رہے تھے کہ ہم سب اپنی جانیں اللہ کی راہ میں دینے آئے ہوئے ہیں اور قرآن کی یہ آیت آپ کی زبان پر جاری تھی:۔

ان اللہ اشتریٰ من المؤمنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ۔

(پ ۱۱ التوبہ ۱۱۱)

آپ نے آواز دی کہ خدا کے ساتھ سودا کرنے والے آئیں۔

دشمن عورتوں کے خیموں تک پہنچ چکے تھے۔ مگر حضرت شرجیل کی اس آواز سے میدان کارزار کا نقشہ ہی بدل گیا۔ لوگوں نے آگے بڑھ بڑھ کر جانیں دیں کہ دشمن آناً فاناً پسپا ہو گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح ان کی تربیت کی تھی کہ ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کے ہونے کا یقین نہایت مضبوط طور پر ایک میخ کی طرح گاڑ دیا تھا۔ وہ اس اطمینان اور خوشی سے اس کی راہ میں جان دیتے تھے کہ وہ اب ان سے اس وقت یہی چاہتا ہے اللہ تعالیٰ پر ایمان کی لہر ان کے دلوں میں ایک زندہ طاقت کے طور پر موجزن تھی اور انہیں موت کی راہ سے اپنے آپ کو خدا کے سپرد کرنا آتا تھا۔

صحابہؓ کی یہی سیرت ان تابعین میں جلوہ گر ہوئی جنہیں لے کر حضرت عمرؓ و عثمانؓ بر و بحر میں دوڑے۔ خلافتِ راشدہ کے چراغ انہی قربانیوں سے روشن ہوئے وہ صرف اور صرف یہی سوچتے تھے کہ ہمارا خدا ہم سے کیا چاہتا ہے اور انہیں خلافتِ راشدہ کے حق ہونے پر پورا یقین تھا۔

اللہ بس وما بقی ہوس

حضرت ابوبکرؓ کی سیاسی بصیرت

آغازِ خلافت میں بغاوتیں

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ امابعد :

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے خلیفہ بنتے ہی سلطنتِ اسلام میں ہر طرف سے بغاوتوں کی یورش اٹھی یہ یورش تین راہوں سے آئی۔

۱. اعتقادی راہ سے ۲. انتظامی راہوں سے ۳. بدوی راہوں سے

(۱) اعتقادی راہ سے جو بغاوتیں اٹھیں وہ خلافت کے خلاف نہ تھیں خود اسلام کے خلاف تھیں۔ چار مدعیانِ نبوت عقیدہ ختم نبوت کے خلاف اُٹھے۔ یہ رسالتِ محمدی کے منکر نہ تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول مانتے ہوئے ایک ماتحت نبوت کے قائل تھے۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھیئے وہ مدعی نبوت اپنے لیے امتی نبی ہونے کے دعوے رکھتے تھے کہ ایک پہلو سے امتی اور ایک پہلو سے نبی۔ ان کی اذانوں میں اشھد ان محمداً رسول اللہ کا برابر اعلان کیا جاتا تھا۔

۱. پہلا مدعی نبوت اسود عنسی تھا اس نے یمن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی اپنے لیے نبوت کا دعوے کیا۔ یہ دسویں صدی کے آخر کا واقعہ ہے۔ اس نے اس علاقے کے بڑے بڑے سرداروں کو اپنے ساتھ ملا کر یمن کے مرکزی شہر صنعا پر قبضہ کر لیا۔ اس بات کا ثبوت نہیں ملتا کہ اس نے کہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کیا ہو۔ البتہ اس نے حضورؐ کے عاملوں سے گستاخی کی اور انتظام ان کے ہاتھوں سے لے لیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فساد کے انسداد کے لیے عظیم مجتہد اسلام (اعلم بالحلال والحرام) حضرت معاذ بن جبلؓ کو بھیجا اور آپ نے انہیں اس کے قتل کا حکم دیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضورؐ کے بعد جو مدعی نبوت بنے اس کی سزا سزائے مرتد ہے لیکن جو لوگ اس کے پیرو ہوئے ان کا علاج انسداد فتنہ ہے وہ لوگ اس کی راہ سے ہٹ جائیں تو ان سے تعرض نہ کیا جائے۔ انسداد فتنہ ہو چکا پھر بھی اگر کچھ لوگ اس کی نبوت پہ عقیدہ رکھیں تو وہ بھی مرتد کی سزا کے مستحق ہوں گے ہاں انہیں توبہ کا موقع دیا جائے۔ مدعی نبوت کے لیے یہ دروازہ بھی بند ہے۔

فیروز دیلمیؓ نے حضرت معاذؓ کے حکم سے اس کے محل میں داخل ہو کر اسے قتل کیا۔ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے ایک دن پہلے یہ صنعا میں قتل ہوا۔ اس کے قتل کے بعد بھی اس کی جماعت کے کچھ لوگ سلطنتِ اسلام کے باغی رہے۔ تاہم ان سے حضورؐ کی رسالت کے خلاف کوئی بات ہمیں نہیں پہنچی۔ حضرت ابو بکر صدیق رضؓ نے اس بغاوت کو فرو کیا اور یمن پر اسلام کی سلطنت پھر سے قائم کی۔

۲۔ دوسرا مدعی نبوت یمامہ میں اُٹھا۔ یہ مسیلمہ کذاب تھا۔ اس نے بھی حضورؐ کی زندگی میں اپنے لیے دعوئے نبوت کیا۔ یہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا قائل تھا اور اپنے لیے امتی نبی کا سا منصب ثابت کرتا تھا۔ حضورؐ نے اسے کذاب قرار دیا۔ اس نے آپ کے نائبین کے خلاف بغاوت کر دی اور یمامہ کا سارا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضؓ نے نائب رسول ہونے کی حیثیت سے ان پر چڑھائی کی۔ پہلے عکرمہؓ بن ابی جہل کی قیادت میں ایک دستہ اس کی سرکوبی کے لیے بھیجا۔ پھر حضرت خالد بن ولید رضؓ کو بھیجا۔ مسیلمہ میدانِ جنگ میں مارا گیا۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو یہ تلقین نہ فرمائی کہ اس کے پاس جا کر اسے اسلام کا عقیدہ ختم نبوت بتلائیں اور اسے اپنے دعوئے سے رجوع کی دعوت دیں۔ آپ نے ایسا نہیں کیا۔ سیدھا اسے ہی کذاب ٹھہرایا۔ معلوم ہوا کسی مدعی نبوت کے سامنے عقیدۂ ختم نبوت کا بیان خلافِ سنت ہے۔ مسلمان سیدھے اسی کے کذب کے مدعی بنیں جس طرح حضورؐ نے اسے لگے ہاتھوں کذاب ٹھہرایا۔

نوٹ: مسلمانوں کو نہ چاہیئے کہ وہ قادیانیوں کے سامنے عقیدہ ختم نبوت پر بحثیں کریں۔ انہیں کھلے ہاتھوں مرزا غلام احمد کے کذاب ہونے پر دلائل دیئے جائیں اور وہ بھی قرآن و حدیث سے نہیں اس کی زندگی کے واقعات سے اور اس کی پیشگوئیوں کے پورا نہ ہونے سے — اور اس جہت سے کہ یہ پودا ہندوستان میں انگریزی اقتدار کے استحکام کے لیے لگایا گیا تھا۔ اگر مسلمان ان کے سامنے قرآن و حدیث کے مباحث اٹھائیں تو ان کا یہ طریق کار خلاف سنت ہوگا۔ حضورؐ نے عقیدۂ ختم نبوت کی دعوت دیئے بغیر سیدھے لفظوں میں اسے کذاب کہا اور حضرت ابو بکر صدیقؓ نے بھی اس کے خلاف لشکر کشی کی دعوت دی۔ اس کے سامنے مبلغین نہ بھیجے جو اسے عقیدہ ختم نبوت کی دعوت دیں اور اس کے الحادی نکتوں کی تردید کریں۔

عقیدہ ختم نبوت مسلمانوں میں بیان کیا جائے تاکہ ان کا اس عقیدہ پر ایمان مستحکم ہو۔ قرآن کریم میں آیت ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین (پ۲۲ سورۃ الاحزاب) مسلمانوں کے لیے ایک فقہی

مسئلے کی وضاحت میں اُتری کہ لے پالک بیٹوں کی نسبتیں انہیں لے پالک بنانے والوں کی طرف نہیں ان کے باپوں کی طرف کی جائیں یہی اللہ کے ہاں انصاف کے زیادہ قریب ہے۔

یہ فقہی مسئلہ کن کے لیے ہے؟ مسلمانوں کے لیے۔ اسی کی وضاحت میں حضورؐ کو ولٰکن رسول اللہ وخاتم النبیین کہا گیا۔ آپ کثیر الاولاد تبھی ٹھہریں گے کہ آپ کی امت ایک ہی رہے اور اس امت سے آگے اور امتیں نہ نکلتی رہیں۔ معلوم ہوا جس طرح حضورؐ کے بعد کوئی نبی پیدا نہ ہو گا، آپ کی اس امت کے بعد کوئی اور امت بھی نہ بنے گی۔ آپ کی ہی امت تسلسل سے آگے بڑھے گی اور وہی امت دورِ قیامت تک چلے گی۔

مرزا غلام احمد نے جب اپنی جماعت کو مردم شماری کے کاغذات میں اپنے علیحدہ اندراج کا حکم دیا تھا تو اسی وقت سے اس کے ماننے والے امتِ مسلمہ سے نکل کر ایک علیحدہ امت ہو گئے تھے۔

سو آیت خاتم النبیین مسلمانوں کے لیے ایک فقہی مسئلے کی وضاحت میں اُتری۔ حضورؐ نے بھی ثلثون کذابون کی پیشگوئی فرمائی تو مخاطب مسلمان ہی تھے اور انہی کے سامنے آپ نے وضاحت کی وانا خاتم النبیین لا نبی بعدی۔ سو آپ کا یہ فرمانا مسلمانوں کا عقیدہ ختم نبوت کے استحکام کے لیے ہی تھا۔ ان تین مدعیان نبوت کو آپ کذاب کہہ کر ان کے رد کی راہ بتلا چکے۔ پہلے انہیں کذابون فرمایا۔ پھر آگے جا کر مسلمانوں کو اپنا عقیدہ بتلایا۔ انا خاتم النبیین لا نبی بعدی۔

اس ضمنی بحث کے لیے ہم اپنے قارئین سے معذرت چاہتے ہیں۔ بات مسیلمہ کذاب کی چل رہی تھی۔ اس کی یورش کو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ختم کیا۔ اس مدعی نبوت پر کذاب کا حکم حضورؐ نے لگایا اور اس پر قتال حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا۔

اسود عنسی اور مسیلمہ کذاب دونوں نے حضورؐ کے عین حیات نبوت کے دعوے کیے تھے سو شیعوں کا یہ کہنا درست نہیں کہ یہ بغاوتیں دراصل حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے خلاف تھیں۔ جنہیں بعد میں مدعیانِ نبوت کی بغاوتیں کہہ دیا گیا۔ اسود عنسی اور مسیلمہ کذاب کے دعووں کی ابتداء حضورؐ کی زندگی میں ہوئی تھی حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں نہیں۔ اگر ایسا ہوتا جیسا کہ شیعہ کہتے ہیں تو اسود عنسی اور مسیلمہ کذاب کے حلقوں میں کہیں تو حضرت علیؓ کے حقِ خلافت میں آواز اُٹھی ہوتی۔ کچھ تو سوچیے تاریخ کے اوراق کو دھویا نہیں جا سکتا۔ اسود عنسی اور مسیلمہ کذاب حضورؐ کو ایک مثالی صورت میں دکھائے گئے تھے۔ آپ نے فرمایا:۔

بینا انا نائم اتیت خزائن الارض فوضع فی یدی اسوارین من ذھب فکبر علی واھمانی فاوحی الی انفخھما فنفختھما فذھبا فاولتھما الکذابین الذین انا بینھما صاحب صنعاء وصاحب الیمامۃ۔[1]

ترجمہ: میں سویا تھا کہ مجھے (خواب میں) زمین کے خزانے دیئے گئے میرے دو ہاتھوں میں سونے کے کنگن رکھے گئے یہ بات مجھ پر گراں گزری اور انہوں نے مجھے فکرمند کیا وہیں مجھے اشارہ کیا گیا کہ ان دونوں کو پھونک لگا دے میں نے ان دونوں کو پھونک لگا دی وہ اُڑ گئے میں نے اس سے مراد یہ سمجھی کہ اب دو کذاب (مدعیان نبوت) اٹھیں گے ایک صنعا سے اور ایک یمامہ سے اور میں صنعا اور یمامہ کے درمیان ہوں۔

چار مدعیان نبوت میں سے دو نے تو حضورؐ کی حیات میں ہی نبوت کے دعوے کیے اور دو نے (طلیحہ اسدی اور سجاح نے) حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں پچھلے دو آخر کار مسلمان ہو گئے تاہم ان کا بھی ہم کچھ ذکر کیے دیتے ہیں۔

۳۔ طلیحہ اسدی نجد کا رہنے والا تھا۔ بنی اسد کا سردار تھا۔ ایک جنگل میں ایک دفعہ اس نے پانی کا پتہ دیا اور وہاں واقعی پانی نکل آیا۔ حضرت موسیٰ نے بھی ایک دفعہ اپنی قوم کے لیے پانی مانگا تھا اور وہاں پانی کے بارہ چشمے نکل پڑے تھے۔ اس نے اپنے اس بتلانے کو اپنا ایک معجزہ بتایا۔ حضورؐ کی زندگی تک وہ دبا رہا۔ آپ کی رسالت کا انکار نہ کرتا تھا۔ لیکن آپ کی وفات پر اس نے بغاوت کی حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت خالد بن الولیدؓ کو اس کے فرو کرنے کے لیے بھیجا۔ طلیحہ نے شکست کھائی اور شام کی طرف بھاگ گیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس کی قوم کو عام معافی دے دی اور وہ دوبارہ مسلمان ہو گئے۔ یہ سُن کر طلیحہ بھی واپس آ گیا۔ پیشتر اس کے کہ گرفتار ہو مسلمان ہو گیا۔ پھر اس نے حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں بڑے بڑے جنگی کارنامے انجام دیئے۔ عراق میں کافروں کے خلاف خوب لڑا اور بڑی جنگی شہرت پائی۔

۴۔ سجاح نام کی ایک عورت نے بھی نبوت کا دعوےٰ کیا۔ اس کا عقیدہ تھا کہ حضورؐ کے بعد کوئی مرد نبی نہیں بن سکتا یہ نہیں کہ عورت بھی نبی نہیں ہو گی۔ یہ وسط عرب کے ایک قبیلہ بنی یربوع سے تھی اس کی قوم کے لوگ عراق میں بنی تغلب سے جا ملے تھے جو ایک عیسائی قبیلہ تھا اور اسی کے باعث ان لوگوں میں عیسائی نظریات نے پرورش پائی۔ یہ ان عیسائیوں کو لے کر مدینہ پر حملہ آور ہوئی۔

---

[1] صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۴۴

یہ فتنے اعتقادی راہوں سے اُٹھے۔ تاریخ اسلام میں پہلا اعتقادی فتنہ انکارِ ختم نبوت کے پیرایہ میں اٹھا۔ دوسرا فتنہ تحریک خوارج کی صورت میں اُٹھا۔ حضرت عثمانؓ کے دور میں سبائی فتنہ صرف ایک سیاسی تحریک رہی، اُس نے ابھی ایک مذہبی شکل نہ پائی تھی۔ عقیدہ رفض بہت بعد میں مرتب ہوا۔

② حضرت ابوبکرؓ کے خلاف ایک بغاوت انتظامی راہ سے

عرب لوگ انتظامی امور میں کسی نظام کے آگے جھکنے والے نہ تھے۔ یہ حضورؐ کی نبوت کا اعجاز تھا کہ یہ ایک نظام میں آگئے۔ لیکن جہاں جہاں ابھی پوری تربیت نہ ہوئی تھی ان میں آزاد روی پھر ابھری کہ اسلام کی عبادات کو تو وہ قبول کریں لیکن ایک نظام کو نہیں۔ حضرت ابوبکرؓ زکوٰۃ کو ایک نظام میں نہ لیں لوگ انفرادی طور پر زکوٰۃ دیں گویا اسلام ایک دین نہیں صرف ایک مذہب ہو کر رہ جائے ایک نظام نہ بنے یہ وہی نظریہ جاہلیت تھا کہ مذہب صرف بدنی عبادات کا نام ہے پوری انسانی سوسائٹی پر اس کی گرفت نہ ہو۔

صحابہؓ میں سب سے بڑے عالم حضرت ابوبکرؓ تھے۔ آپ انکار زکوٰۃ کے مطالبہ سے سمجھ گئے کہ یہ لوگ اسلام کو بطور ایک دین کے نہ چلنے دیں گے۔ آپ پورے اسلام پر قائم رہنے پر ڈٹ گئے اور اعلان فرمایا کہ اسلام کو کسی صورت میں ٹکڑے نہ ہونے دیا جائے گا۔ آپ نے کہا:

أینقص الدین وانا حي. دین میں کچھ کمی لائی جائے اور میں زندہ رہوں؟

واللہ لاقاتلن من فرق بین الصلوٰۃ والزکوٰۃ فان الزکوٰۃ حق المال واللہ لومنعونی عناقًا کانوا یؤدونھا الی رسول اللہ لقاتلتھم علی منعہ[1]

ترجمہ: بخدا میں اس شخص سے لڑوں گا جو نماز اور زکوٰۃ میں سے ایک کو نہ مانے زکوٰۃ حق المال ہے بخدا ایک بکری کا بچہ بھی جو وہ حضور کے زمانے میں زکوٰۃ میں ادا کرتے ہیں اگر وہ اسے بھی روکیں تو میں ان سے اس روک پر لڑائی کروں گا۔

یہ انکارِ زکوٰۃ ہو یا انکارِ نظام ہر دو صورتیں اس اسلام سے واپسی ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش فرمایا تھا۔ سو اس میں شبہ نہیں کہ یہ ایک تحریک ارتداد تھی جس کا حضرت ابوبکرؓ نے خوب استقامت سے مقابلہ کیا جس طرح انکارِ ختم نبوت تحریک ارتداد تھی صحابہ کرامؓ جو اسامہؓ کی شام کی مہم سے پیچھے رہے تھے وہ سب حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ تھے حضرت ابوبکرؓ نے

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ صہ ۱۸۸

اسامہؓ سے حضرت عمرؓ کو بھی مانگ لیا تھا اور حق یہ ہے کہ مدینہ منورہ پر آنے والے اس نازک مرحلے پر حضرت ابو بکرؓ کو حضرت عمرؓ جیسے مدبر کی سخت ضرورت تھی جو جماعت حضرت ابو بکرؓ کے لوار خلافت میں ان مرتدین سے نبٹ رہی تھی ان کے بارے میں قرآن کریم نے پہلے سے بتادیا تھا کہ وہ خدا کی محبت کی دولت پا چکے اور خدا تعالیٰ نے ان کو خود اپنی محبت میں لے لیا تھا۔

یاایہا الذین اٰمنوا من یرتدمنکم عن دینہ فسوف یأتی اللہ بقوم یحبہم ویحبونہ۔ (پ۶ المائدہ ۵۴)

ترجمہ: اے ایمان والو! جو کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے گا تو اللہ تعالیٰ ان کے مقابل ایسے لوگوں کو لائے گا کہ وہ اللہ کے پیارے ہوں گے اور اللہ ان کو پیارا ہو گا نرمی کرنے والے مسلمانوں پر اور سختی کرنے والے کافروں پر۔

مکہ و مدینہ سے دور کے بعض قبائل ان ارتداد کی تحریکوں سے دب کر اپنی اپنی جگہ خاموش رہے اور دب گئے یہ مرتد نہ ہوئے تھے لیکن افراتفری میں وہ ان تحریکوں کے مقابلہ میں نہ نکل سکے۔ پھر جونہی حضرت ابو بکرؓ کے عاملوں نے ان مرتدین کی سرکوبی کی یہ میدان میں نکل آئے اور مسلم افواج کی قوت بنے۔ سو یہ صحیح نہیں کہ سارے عرب بغاوت میں نکل آئے تھے۔ قرآن کریم کی مذکورہ بالا آیت میں من یرتد منکم میں من تبعیض کا ہے اور حدیث میں بھی ہے۔

کفر من کفر من العرب۔ (صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۸۸)

یہاں بھی من تبعیض کا ہے۔

③ حضرت ابو بکرؓ کے خلاف بغاوت کے بدوی محاذ

۱۔ مدینہ منورہ پوری طرح خلافت کے کنٹرول میں تھا۔ مدینہ کے اطراف کے بدو جنہیں اسلام میں کوئی پختگی حاصل نہ ہوئی تھی عربوں کے روایتی جنگی جوش میں ان باغیوں سے مل گئے۔ حضرت ابو بکرؓ نے مدینہ کی سرحدوں پر جنگی فوجی دستے بٹھا دیئے۔ حضرت طلحہؓ و زبیرؓ اور حضرت علیؓ ان محافظ دستوں پر نگران مقرر کیے اور مدینہ ان باغیوں سے محفوظ رہا۔

مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے یہ ذوالقصہ میں جمع ہو رہے تھے اس کی حضرت ابو بکرؓ کو پوری خبر تھی۔ جب یہ مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے آگے بڑھے تو محافظ دستوں نے فوراً مورچہ سنبھال لیا۔ مسلمان مقابلہ کے لیے جونہی آگے بڑھے یہ باغی سامنے نہ ٹھہر سکے۔ پیچھے بھاگے مسلمانوں نے کچھ اُن کا

تعاقب کیا اور پھر یہ محافظ دستے مدینہ کی سرحدوں پر واپس آ گئے تاکہ مدینہ کو خالی نہ چھوڑا جائے۔
حضرت ابوبکر صدیقؓ نے راتوں رات اور تیاری کی کچھ اور فوجی دستے ساتھ لیے اور صبح ہونے سے پہلے خود ذوالقصہ کی طرف بڑھے۔ وہاں باغیوں کا کیمپ تھا وہ لوگ وہاں سے بھی بھاگ گئے۔ آپ نے ذوالقصہ اپنا کیمپ لگا دیا اور وہاں ایک فوجی دستہ بٹھا دیا اور خود واپس مدینہ چلے آئے۔
اسامہ بن زیدؓ کی مہم جو شام روانہ کی گئی تھی یہ افواج بھی واپس مدینہ پہنچ گئیں۔ اب مدینہ منورہ کی فوجی قوت کی دھاک پورے عرب میں بیٹھ گئی۔ ربذہ میں کچھ باغی جمع تھے حضرت ابوبکرؓ ان کی سرکوبی کے لیے ادھر بھی گئے۔ باغیوں نے مختصر سے مقابلہ میں شکست کھائی اور بھاگ کر طلیحہ کے آدمیوں سے جا ملے۔ اب مدینہ منورہ کسی باغی دستے سے محفوظ تھا اور ہر مخالف کے کانوں میں خلافتِ صادقہ کی الٰہی نصرت کا شور تھا۔
۲۔ مکہ مکرمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زیادہ وقت گزرا تھا اور وہاں آپ کی تربیت کے گہرے اثرات تھے۔ وہاں نہ کسی نے دعوئے نبوت کیا نہ کسی نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا نہ وہاں سے کوئی باغی دستہ نکلا۔
مدینہ منورہ کے اطراف میں کچھ ایسے مسلمان بھی تھے جنہیں حضورؐ کی خدمت میں مدینہ آکر تربیت پانے کا پورا موقع نہ ملا تھا یہی لوگ تھے جو ان باغیوں کی باتوں میں آ گئے اور اُن کے دعوے کو سمجھے بغیر ان کے ساتھ بھیڑ چال چل دیئے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے جب ان پر فتح پائی تو ان بغاوتوں میں شامل ہونے والے عوام کو کوئی سزا نہ دی اور انہیں معاف کر دیا۔ البتہ جو ان کے سرغنے تھے ایک ایک کر کے پکڑے گئے۔
مدینہ میں مضبوط قوت پانے کے بعد اپنی افواج کو گیارہ حصوں میں تقسیم کیا اور انہیں مدینہ کی مختلف جہات میں روانہ فرمایا۔
۱۔ مدعیانِ نبوت میں مسیلمہ کذاب کی طرف عکرمہ بن ابی جہل کو، پھر عکرمہؓ کی مدد کے لیے شرجیل کو اور پھر حضرت خالد بن ولیدؓ کو بھیجا۔ انہوں نے جنگ یمامہ میں اسے شکست دی۔ مسیلمہ نے ایک قلعہ میں پناہ لی۔ حضرت براء بن مالکؓ نے اسے بھی فتح کر لیا اور اس کے دروازے کھول دیئے مسیلمہ کو وحشی نے قتل کیا۔
۲۔ طلیحہ کی سرکوبی کے لیے حضرت خالد بن الولیدؓ کو روانہ فرمایا۔ عیینہ بھی اپنی قوم غطفان کے ساتھ طلیحہ کے ساتھ مل گیا تھا۔ بنو طے کے کچھ لوگ بھی اس کے ساتھ آ ملے تھے۔ آپ نے ان سب کو شکست دی۔

حضرت خالدؓ اور طلیحہ کا مقابلہ بزاخہ میں ہوا عیینہ قید ہوکر مدینہ آیا اور مسلمان ہوا۔ پھر آپ (حضرت خالدؓ) مالک بن نویرہ کی سرکوبی کے لیے بھی نکلے۔ یہ نویرہ سجاح سے مل گیا تھا اسے بھی شکست ہوئی اور قید ہوکر مارا گیا۔

۳۔ مہاجرین ابی امیہ کو یمن اور حضرموت کی طرف روانہ فرمایا۔ ادھر کی بغاوتوں کو دبانا ان کے ذمہ لگایا۔

۴۔ شام کی طرف بھی ایک مہم روانہ فرمائی۔

۵۔ عمان کی طرف بھی ایک فوجی دستہ روانہ فرمایا حضرت حذیفہ اس کے امیر تھے۔ پھر عکرمہؓ بھی ان کی امداد کے لیے پہنچ گئے۔

۶۔ مہرہ کی طرف ایک دستہ بھیجا وہاں بھی حضرت حذیفہؓ اور عکرمہ نے بغاوت کو فرو کیا۔

۷۔ قضاعہ کی سرکوبی کے لیے ایک دستہ بھیجا۔

۸۔ بنو سلیم کے مقابلہ کے لیے ایک دستہ بھیجا۔

۹۔ ہوازن کے مقابلہ کے لیے ایک دستہ فوج روانہ فرمایا۔

۱۰۔ حضرموت حضورؐ کی حیات میں زیر پرچم اسلام آچکا تھا بایں طور کہ وہاں زکوٰۃ کی وصولی پر زیاد بن لبید مقرر تھے حضورؐ کی وفات کی خبر پر وہاں اشعث بن قیس مع اپنی قوم کے مرتد ہوگیا پھر عکرمہؓ سے اس نے شکست کھائی گرفتار ہوکر مدینہ آیا اور یہاں آکر مسلمان ہوگیا۔ باقی فوج آپ نے اپنے پاس کسی جگہ مزید کمک بھیجنے کے لیے رکھی اگر کسی جگہ ضرورت ہو تو اسے بھیجا جاسکے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی عوامی مزاج پر پوری نظر

آپ جانتے تھے کہ ان علاقوں میں جہاں بغاوتیں اٹھ رہی ہیں، سبھی لوگ مرتد یا باغی نہیں ہوئے بہت سے ایسے بھی ہوں گے جو وقتی طور پر دب گئے اور از خود ان کے خلاف نہیں نکلے۔ آپ نے فوجی افسروں کے نام پیغام لکھا۔

> فوجی افسر مخالف علاقوں میں میانہ روی اور نرمی سے چلیں جس علاقہ میں پہنچیں پہلے انہیں اسلام کی دعوت دیں جو شخص ہم خیال نکلے اس سے تعرض نہ کریں جو انکار کریں ان سے جنگ کی جائے اور اذان کو اسلام کا نشان سمجھیں جہاں سنیں وہاں عنان لشکر روک لیں۔ (مختصراً)

مرتدین کو بے شک اسلام لانے پر مجبور کیا جا سکتا ہے لیکن کسی دوسرے مذہب والوں کو جبراً مسلمان نہیں کیا جا سکتا۔ اسلام تلوار کے زور سے کہیں نہیں پھیلا۔ لا اکراہ فی الدین۔ سو حضرت ابو بکرؓ کی یہ فوجی کارروائی بغاوتوں کو دبانے کے لیے تھی غیر مسلموں کو اسلام پر لانے کے لیے نہ تھی۔

مدینہ کی فوجی قوت ایران کی فوجی قوت کے برابر جا پہنچی

بحرین میں منذر بن ساویٰ مسلمان حکمران تھا۔ حضورؐ کی وفات کے جلدی بعد وہ فوت ہو گیا۔ بحرین میں بنو عبد القیس تو اسلام پر برابر قائم رہے لیکن بنو بکر مرتد ہو گئے اور انہوں نے بنو عبد القیس کے خلاف بغاوت کی۔ بنو بکر نے ایران سے مدد طلب کی اور بنو عبد القیس نے مدینہ منورہ سے فوجی مدد مانگی۔ حضرت ابو بکرؓ نے مدینہ سے علاء بن حضرمی کو بنو عبد القیس کی مدد کے لیے بھیجا۔ بنو بکر اور ان کے ایرانی حلیفوں نے مسلمانوں سے شکست کھائی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت مدینہ اپنی فوجی قوت میں ایران جیسی عظیم مملکت کے پایہ میں آ چکا تھا اور ایران اس سے پہلی شکست کھا چکا تھا۔ یہ گویا حضرت ابو بکرؓ کی ایران کی طرف ایک سیاسی پیش قدمی تھی۔

پورا ملک بغاوتوں کے جال میں

حضرت ابو بکرؓ کے دور میں جو بغاوتیں اُٹھیں وہ گو متفرق تھیں اور ہر ایک سربراہ اپنے ایک دعوے سے اُٹھا لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان متفرق بغاوتوں نے پورے عرب کو ایک گھیرے میں لے رکھا تھا اور یہ بدوں اس کے نہیں ہو سکتا کہ ان سب کے پیچھے روم اور ایران کی بڑی قوتیں ان بغاوتوں کو ترتیب دے رہی ہوں۔ کفر انکار ختم نبوت کی راہ سے آئے یا انکارِ زکوٰۃ سے یا کوئی تحریک بدوی آزادی کی کوکھ سے اُٹھے اسلام کے مقابلہ میں یہ سب ایک تھے۔ الکفر ملۃ واحدۃ۔

اسلامی سرحدوں پر نظر کیجئے

یمن کی طرف سے اسود عنسی اٹھا۔ یمامہ کی طرف سے مسیلمہ کذاب نے تحریک ارتداد اٹھائی طلیحہ نجد کے بنی اسد کا سردار تھا اور شکست کے بعد یہ شام کی طرف بھاگا۔ وہاں ان باغیوں کا

کیمپ، تو ا سجاح وسط عرب کے قبیلہ بنو یربوع سے تھی۔ اس کے عراق کے بنو تغلب سے سمجھوتے تھے یہ زیادہ تر عیسائی لوگ تھے۔ کیا یہ عیسائی سجاح کو نبی مان کر اس کے ساتھ چلے ہوں گے؟ نہیں یہ ایک سیاسی سمجھوتہ تھا جو انہیں ان اندرونی امور میں دخل دیئے بغیر اسلام کے مقابلہ میں لے آیا تھا۔ کلدیہ اور جنوبی شام جغرافیائی پہلو سے عرب کا حصہ ہیں۔ حضورؐ نے جیش اسامہ کو یونہی شام کی طرف نہ بھیجا تھا۔ عرب جب اسلام کے زیرنگیں آیا تو یہ سرحدی عرب سلطنتِ اسلام کو ماننے کے لیے جلدی تیار نہ ہوئے۔ روم اور ایران دونوں نے اپنے قریب کے علاقوں میں ان باغی تحریکوں کی مدد کی۔ بحرین میں ایران نے کھلے طور پر فوجیں بھیجیں اور بنو بکر کی مدد کی۔

یہ صورت حال بتلا رہی ہے کہ مسلمانوں کے اصل دشمنوں کی نظر پورے عرب پر تھی اور وہ ہی عرب کی یہ اندرونی بغاوتیں ترتیب دے رہے تھے۔ اس کا لازمی تقاضا تھا کہ اب مسلمان بھی مشرق ومغرب کی ان دو قوموں پر نظر رکھیں۔ اس کے بغیر وہ اپنے ملک عرب کی حفاظت نہ کر سکتے تھے۔ اب ان سرحدوں پر ان لوگوں سے جو مڈ بھیڑ ہوتی رہی یہ سب اپنے ملک کو اس بیرونی مداخلت سے بچانے کے لیے تھی۔ شام کی طرف سے طلیحہ اسدی کو جو پناہ دی گئی وہ بتلاتی ہے کہ عرب کی ان بغاوتوں کے پیچھے یقیناً ان بڑی قوتوں کی سازش تھی۔

مستشرق ولیم میور کہتا ہے کہ جب عرب کی سرحدوں پر رہنے والے غیر مسلم لوگوں سے مسلمانوں کی جھڑپیں ہوئیں تو یہ بیرونی قومیں ان کی حمایت میں کھلے بندوں آگئیں۔ وہ لکھتا ہے:۔

> کلدیہ اور جنوبی شام فی الحقیقت عرب کے حصے ہیں۔ وہ قومیں جو ان ممالک میں آباد تھیں عرب قوم کا جزو لازم تھیں اور عرب میں اسلام کی جو تحریک اٹھی وہ اس دائرہ عمل کے اندر تھیں جب ان کی جھڑپیں ان کی سرحدوں کی اسلامی فوجوں سے ہوئیں تو ان کی حمایت میں یہ بڑی طاقتیں خود نکل آئیں۔ مغربی قوموں کی حمایت میں قیصر روم اور مشرقی قوں کی حمایت میں کسریٰ اُٹھا۔ یہاں سے مسلمانوں کا مقابلہ مشرق ومغرب کی ان دو طاقتوں سے شروع ہو گیا۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے ان بغاوتوں کے فرو کرنے میں صرف ان حالات پر نظر نہ رکھی جو پیش آ رہے تھے بلکہ ان کے اسباب پر بھی آپ کی گہری نظر تھی۔ اب آپ نے اگر اپنا رُخ اپنی سرحدوں کو مضبوط کرنے کی طرف اٹھایا تو یہ کوئی بے جا کاروائی نہ تھی۔ تاہم ان نئی مہمات کو ہم حضرت ابو بکرؓ کی فتوحات کا نام دیتے ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ کے دورِ خلافت کی فتوحات

حضرت ابوبکرؓ نے نہ صرف ان اٹھتی بغاوتوں کو سر کیا بلکہ خلیفہ راشد کے قدم آگے بھی بڑھے اور آپ نے اپنی سرحدوں کو مضبوط کرنے کے لیے روم اور ایران کی سلطنتوں کو بھی ہیچ سمجھا۔ جو لوگ اس سلطنتِ اسلامی کے خلاف اٹھتے ان میں جو مغرب کے تھے قیصر روم ان کی حمایت کرتا اور جو مشرقی تھے ایران ان کی حمایت کرتا تھا۔ سو ان معرکوں میں پہل کرنے والے زیادہ تر عیسائی اور آتش پرست ہی تھے مسلمانوں نے انہیں اپنی سلطنت سے باز رکھنے کے لیے دونوں طرف سے پیچھے دھکیلا۔ اور تاریخ گواہ ہے کہ ان معرکوں میں حضرت ابوبکرؓ کامیاب رہے۔

۱۔ مثنیٰ بن حارث کی مہمات

بحرین کی بغاوت کو فرو کرنے میں مثنیٰ بن حارث شیبانی نے بہت کام کیا تھا۔ اب اس نے شمال کی طرف پیش قدمی کی تاکہ اس علاقہ کو ایران کے کارندوں سے پوری طرح لیا جا سکے۔ یہاں کے لوگ ویسے بھی ایران کے مظالم سے تنگ تھے۔ وہ مثنیٰ کے ساتھ ہو گئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو بھی اُدھر بھیج دیا۔ حضرت خالدؓ ابلہ پہنچے یہ جگہ بصرہ کے قریب ہے۔ یہاں سے ۵۰ میل جنوب کی طرف حفیر کے مقام پر ایرانی فوجیں اور اسلامی فوجیں ایک دوسرے کے مقابلہ میں نکلیں۔ ایرانیوں کو شکست ہوئی۔ اسے جنگ سلاسل کہتے ہیں۔ حضرت خالدؓ نے پھر الیس کے مقام پر ایرانیوں کو دوسری شکست دی۔

۲۔ حیرہ کی فتح

حضرت خالد بن ولیدؓ پھر دریائے فرات کے مغربی کنارے کے ساتھ ساتھ سلطنت حیرہ کی طرف بڑھے اور فرات کے سارے مغربی علاقے کو جہاں عرب آبادیاں تھیں ایرانیوں کے تصرف سے نکالا۔ حیرہ میں عیسائی حکومت تھی ایرانی ان سے خراج وصول کرتے تھے۔ حضرت خالدؓ نے حیرہ پر فتح پائی۔ اب ان لوگوں نے عربوں کی حکومت تسلیم کی اور انہیں سالانہ جزیہ دینا منظور کیا۔

انبار اور عین التمر کی مہمات

حضرت خالد بن ولیدؓ نے اب حیرہ سے شمال کا رخ کیا اور بابل سے کوئی اسّی میل آگے انبار پر فتح پائی اور وہاں سے پھر مغرب کی طرف بڑھے اور عین التمر پر فتح پائی اب ایران کی سرحدیں صاف ہو چکیں اور بغاوت کا کوئی خطرہ نہ رہا۔

۴۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے عین التمر میں مثنیٰ بن حارث کو نائب چھوڑا اور خود نصف فوج لے کر شام کے اپنے اسلامی کیمپ میں پہنچے۔ اب مسلمانوں کی مجموعی فوج وہاں چالیس ہزار تھی۔ یہاں قیصر کی فوج ڈھائی لاکھ کے قریب تھی۔ اجنادین کے مقام پر دونوں لشکروں میں بڑی خونریز جنگ ہوئی۔ مسلمانوں نے فتح پائی اور مسلمانوں نے ایک اور نقشہ دکھایا کہ کثرت کس طرح ایک قلت سے کبھی شکست بھی کھایا کرتی ہے:۔

کم من فئة قلیلة غلبت فئة کثیرة باذن اللہ۔ (پ۲ البقرہ ۲۴۹)

یہ جنگ اجنادین حضرت ابوبکرؓ کے دور کی آخری فتح تھی۔ یہ ۲۸، جمادی الاولیٰ ۱۳ھ کو لڑی گئی۔ اس میں ہرقل شاہ روم نے انطاکیہ پہنچ کر پناہ لی جب اس فتح کی خبر مدینہ منورہ پہنچی تو حضرت ابوبکرؓ نزع کی حالت میں تھے۔ حضرت خالدؓ نے دمشق کا رُخ اب حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں کیا۔

حضرت ابوبکرؓ کی فوجی کاروائی پر ایک نظر

حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنے عہدِ خلافت میں عظیم بیرونی طاقتوں سے بھی لڑے۔ یہ صورتحال بتاتی ہے کہ وہ اپنے وقت میں ملک کے اندرونی حالات میں پوری طرح مطمئن تھے۔ اندرونی خلفشار کے وقت کوئی حکمران بیرونی مہمات کا رخ نہیں کرتا اگر آپ نے بزورِ خلافت پر قبضہ کیا ہوتا تو ملک میں اس قدر طمانیت نہ ہوتی جو اس وقت تھی۔ کہیں تو حضرت علیؓ کے خلیفہ ہونے کی بات اٹھتی۔

ملک کے اندر انکارِ زکوٰۃ کے علاوہ کوئی فتنہ نہ تھا۔ انکارِ ختم نبوت کی تحریکیں مدینہ سے نہیں اطراف سے اٹھی تھیں اور انہیں مسلمانوں میں کسی فرقہ بندی کا نام نہیں دیا جا سکتا۔

حضرت ابوبکرؓ مسئلہ خلافت میں اپنے آپ کو اگر کسی درجے میں بھی مجرم سمجھتے تو وہ خود اپنے ملک میں دب کر رہتے ہر طرف چوکھا لڑائی نہ لڑتے، دشمن یہ سمجھ کر پیچھے ہٹتے رہے کہ معلوم نہیں مرکزی طور پر مسلمان کس قدر مضبوط ہیں ان میں اندرونی کوئی خلفشار نہیں۔

حضرت ابوبکرؓ کا نظامِ حکومت

الحمد للہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ امابعد:۔

جزیرہ نمائے عرب میں یہ پہلی عوامی حکومت تھی جو چند مسلمانوں نے مل کر بنائی اور اسے حکومت کے نام سے نہیں خلافت کے نام سے چلایا۔ اسلام میں بادشاہت کا کوئی تصور نہیں ہے اللہ اور اس کے رسول خاتم کی ماتحتی میں جو حکومت بنی اس نے خلافت کا نام پایا۔ خلافت کے معنی بھی ماتحتی کے ہیں۔ اسلام میں جو سربراہ بھی ہو وہ اللہ تعالیٰ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ماتحتی کے نام سے حکومت کرتا ہے۔ اس پہلو سے حضرت ابوبکرؓ کی خلافت عرب میں پہلی حکومت ہے۔ اس سے پہلے عربوں میں کوئی خاندان حکومت نہ کر پایا تھا۔ سو یہ ایک بہت بڑی ذمہ داری تھی جو حضرت ابوبکرؓ پر آئی۔ پچھلے خلفائے راشدین اسی پہلی حکومت کے اصولوں پر اپنے اپنے دور میں خلافت کرتے رہے۔ کسی عمارت کی تعمیر میں جو کام بنیادوں کا ہے خلافتِ راشدہ میں وہ حضرت ابوبکرؓ کے ہاں سرانجام پایا۔

اسلامی سلطنت کی آئینی حیثیت

آپ کے پہلے خطبہ نے سلطنت کے تمام شہریوں کو بنیادی انسانی حقوق دیئے۔ طاقتور سے طاقتور اور جابر سے جابر شخص کو سلطنت کے تناظر میں کمزور بتلایا اور کمزور انسان کو آخرت میں اپنے حقوق پورے لینے پر قوی بتلایا۔ یہ تمام انسانوں کے حقوق کا پہلا اعلان تھا:۔

ان اقوا کم عندی الضعیف حتی اخذ لہ بحقہ وان اضعفکم عندی القوی حتی اخذ منہ الحق۔[1]

ترجمہ۔ بے شک تم میں جو سب سے زیادہ قوی ہے وہ میرے نزدیک ضعیف ہے۔ یہاں تک کہ میں اس سے (کسی کا) حق وصول کروں اور بیشک تم میں سب سے زیادہ کمزور میرے نزدیک قوی ہے یہاں تک کہ میں اس کا حق دوسرے سے لے پاؤں۔

---

[1] طبقات جلد ۳ صہ ۱۳۶

اسلامی سلطنت میں قانون کے علمی ماخذ

اسلام میں قانون بندوں سے نہیں خدا سے ملتا ہے وہی اصل اور منبع شریعت ہے پیغمبر اس کے نائب ہیں وہ اس سے قانون لیتے ہیں اور بندوں کو وہ شریعت دیتے ہیں بندوں میں پھر ایسے اہل علم بھی ہوتے ہیں جو ان مسائل کو جو سرے سے کتاب و سنت میں نہ ملیں کتاب و سنت سے اجتہاد اکشید کرتے ہیں یہ عمل اجتہاد کہلاتا ہے۔ اسلام میں قانون کے علمی ماخذ یہی ہیں۔
حضرت ابوبکرؓ نے اسی لائن پر قانون سازی کی۔ ابن سعدؒ محمد بن سیرینؒ سے روایت کرتا ہے۔

ان ابابکرؓ نزلت به قضية لم نجد لها فى كتاب الله اصلاً ولا فى السنة اثراً فقال اجتهد راى فان يكن صواباً فمن الله وان يكن خطاءً فمنى واستغفر الله۔[1]

ترجمہ۔ حضرت ابوبکرؓ کے پاس جب کوئی مقدمہ آتا جس کا حکم نہ ہم کتاب اللہ میں پاتے اور نہ سنت رسول میں ہمیں اس کی کوئی اصل ملتی تو آپ کہتے میں اس میں اجتہاد کروں گا اگر وہ درست ہو تو اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھئے۔ اگر وہ نادرست ہو تو اسے میری طرف سے جانیئے اور میں اس میں اللہ تعالیٰ سے استغفار چاہتا ہوں۔

اجتہاد کے بھی پھر دو درجے ہیں ایک یہ کہ دوسرے اہل علم بھی اجتہاد پر آئیں اور سب اہل علم اسی ایک رائے پر جمع ہو جائیں اسے اجماع کہتے ہیں اور دوسرا درجہ اجتہاد یہ ہے کہ اہل علم اس میں مختلف رائے ہوں اور اس میں جو بات بھی کہی جائے اس میں خطاء و صواب دونوں پہلو چلیں اور ان پر ایک اجر اور دو اجروں کی امید موعود ہو۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے اجتہاد کو یہ دوسرا درجہ دیا ہے۔

اسلامی سلطنت میں شوریٰ کا نظام

انتظامی امور میں حضرت ابوبکرؓ طریق نبوی کی پیروی میں شورے سے رائے لیتے جب کوئی معاملہ پیش آتا تو آپ دوسروں سے مشورہ کرتے لیکن پھر عمل اپنے فیصلے پر ہی کرتے اور دوسروں سے مشورہ لینا آپ کو اپنی رائے قائم کرنے میں مدد دیتا۔ تاہم اسلامی نظام میں کثرت رائے

---

[1] طبقات جلد ۱ صہ ۱۳۲

سے فیصلے نہیں ہوتے۔ جمہوریت اور شورائیت میں یہی جوہری فرق ہے۔ قرآن کریم میں ہے:-

وشاورھم فی الامر فاذا عزمت فتوکل علی اللہ ان اللہ یحب المتوکلین۔

(پ آل عمران ۱۵۹)

ترجمہ۔ اور آپ اس میں ان سے (صحابہؓ سے) مشورہ کریں پس جب آپ کوئی فیصلہ کر لیں تو اللہ پر بھروسہ کریں۔ بے شک اللہ تعالیٰ بھروسہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

اس آیت میں فیصلے کی راہ عزم امیر بتلائی گئی ہے۔ جمہوریت میں فیصلہ کثرت رائے پر کیا جاتا ہے قوت رائے پر نہیں۔

جمہوریت وہ طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

۱۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے زیر اثر جمہور کی رائے یہ تھی کہ یہ لشکر اسامہ کچھ اور دن روک لیا جائے حضرت ابوبکرؓ نے جمہور کی رائے پر فیصلہ نہ کیا اپنے فیصلہ پر لشکر روانہ فرمایا۔

۲۔ جمہور کی رائے تھی کہ جو لوگ حکومت کو زکوٰۃ نہیں دینا چاہتے ان سے سختی نہ کی جائے یہ بھی کھلی بغاوت پر نہ آجائیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں زکوٰۃ میں سے ایک رسی بھی چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ زکوٰۃ کے ایک جگہ جمع ہوئے بغیر حکومت نہیں چلائی جا سکتی تھی۔

۳۔ قضیہ فدک میں آپ نے مجلس شوریٰ کی کوئی میٹنگ نہ کی خود فیصلہ کیا۔ آپ نے حدیث رسول کہ انبیاء کے چھوڑے مال میں وراثت نہیں ہوتی۔ یہ مال بیت المال کا ہوتا ہے اس میں کسی تاویل کو راہ نہ دی۔ اس سے بحکم خلافت اخراجات لیے جا سکتے ہیں یہ اس لیے کہ وہ مال کسی ذاتی ملکیت میں نہیں ہوتا۔

۴۔ آپ نے اقلیتوں کو ان کے پورے حقوق دیئے کسی گروہ یا فرد کو زبردستی مسلمان نہیں بنایا جو لوگ اسلامی حکومت کو تسلیم کریں ان کے جان و مال کی اسی طرح حفاظت کی گئی جس طرح مسلمانوں کے جان و مال کی ہوتی تھی۔ اس کے عوض انہیں جزیہ دینا پڑتا تھا۔

سلطنت اسلامی میں قومی مساوات

آپ نے مسلمانوں میں قومی مساوات قائم کی۔ سربراہ کے لیے بھی وہ معیار زندگی رکھا جو

ایک عام مسلمان کا ہو سکتا ہے۔ اپنے آپ کو بادشاہ نہ سمجھا اپنی حکومت کو بادشاہت کہا اسے ہمیشہ خلافت (اللہ اور اس کے رسول کی ماتحتی) کا نام دیا اور اپنے آپ کو قانون کے تحت رکھا۔
آپ نے اپنے دور خلافت میں خزانہ میں کوئی مال جمع ہونے نہیں دیا جو کچھ آتا اسے فوراً مستحقین میں تقسیم کر دیتے۔ وفات کے وقت خزانہ میں ایک درہم کے سوا کچھ نہ تھا۔
آپ نے سلطنت اسلامی کو حکومت کی وہ بنیادیں مہیا کر دیں جن پر آپ کے جانشین نہایت کامیابی سے چلے۔ آپ نے حضرت عثمان غنیؓ کو اپنا کاتب مقرر کر رکھا تھا (چیف سیکرٹری) سرکاری کاغذات سب انہی کی تحویل میں ہوتے تھے۔ جب مسلمان کسی مہم پر نکلتے تو آپ بنفس نفیس ان کے ساتھ چلتے۔ خلافتِ راشدہ یہی ہے جس میں سربراہِ سلطنت اپنے آپ کو ایک عام مسلمان سے قانون کے کسی تقاضا میں بالا نہ سمجھے۔

سماں الفقر فخری کا تھا جن کی امارت میں

اپنے بعد کے لیے نظم امُورِ عامہ

آپ نے اپنی وفات سے پہلے نظم سلطنت کے لیے کیا تدبیر کی؟ اس کے لیے آپ کے سامنے دو راہیں ہو سکتی تھیں۔ ایک یہ کہ حسب سنت کسی کو اپنا جانشین مقرر نہ کریں مسلمان جس کو چاہیں امیر مملکت مقرر کر لیں۔ دوم یہ کہ بطور امیر کسی کو اپنا جانشین مقرر کر دیں وہ ولی عہد پہلے سے عوام میں اتنا مقبول ہو کہ اب اس کی نامزدگی پر کوئی انگلی نہ اٹھ سکے۔ آپ کے لیے یہ دونوں راہیں کھلی تھیں۔ دونوں میں سے کوئی صورت بھی ہو نظم امور عامہ قرآنی ہدایت امرھم شوریٰ بینھم سے باہر نہ نکلتا۔

حضرت ابو بکرؓ کا اجتہاد

عوام کی قومی سطح منزلۃ الاقدام ہوتی ہے اس میں نیک لوگوں کے پھسلنے کا بھی خطرہ ہوتا ہے۔ حضور اکرمؐ کی وفات کے متصلاً بعد کیا انصار جن کی خود اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں مدح فرمائی ہے۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں اپنی امارت قائم کرنے کے لیے جمع نہ ہوئے تھے۔ پھر کیا یہ صحیح نہیں کہ حضرت سعد بن عبادہؓ جیسے متقی شخص کے دل میں آخر تک یہ جذبہ کارفرما رہا۔ جس طرح حضرت ابو بکرؓ نے اس مجمع میں پہنچ کر حالات پر قابو پا لیا۔ اب پھر

حضرت ابوبکرؓ نے سوچا کہ میری وفات کے بعد کہیں وہی صورتِ حال نہ پیدا ہو جائے آپ نے سبقت فرمائی اور حضرت عمرؓ کو اپنا جانشین مقرر کر دیا اور اس انتخاب پر پوری قلمرو اسلامی میں کوئی ایک بات بھی نہ اٹھی۔ یہ نص کے مقابلہ میں اجتہاد نہ تھا بلکہ اس نص کی ہی ایک علمی تفہیم تھی۔ حضرت ابوبکرؓ مانتے تھے کہ اگر حضورؐ کسی کو اپنا سیاسی جانشین مقرر کر جاتے تو پھر وہ سربراہ کبھی عوام کے سامنے اپنے کسی کام پر جوابدہ نہ ہو سکتا تھا۔ جب کبھی کوئی سوال اٹھتا وہ کہہ دیتا تم کون ہو سوال کرنے والے میں حضورؐ کا مقرر کردہ ہوں جن کی بلاشرط پیروی ہر مسلمان پر فرض ہے۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ اپنی پیروی کو بلاشرط ہر مسلمان پر واجب نہ جانتے تھے۔ اس لیے آپ نے جانشین نامزد کرنے میں کوئی قباحت نہ سمجھی۔ آپ نے عوام کو موقعہ دیا کہ کوئی شخص بھی حضرت عمرؓ سے ان کی قمیص کے لمبا ہونے پر سوال کر سکے اور آپ اسے مطمئن کرنے کے پابند ہوں۔ بہت سے لوگ اپنی نادانی سے مجتہدین پر نص کی مخالفت کا الزام لگا دیتے ہیں۔ حالانکہ وہ خود نص کو سمجھے ہوئے نہیں ہوتے اور انہیں ہر فقہ اسلام قرآن و حدیث سے ٹکراتی ہی نظر آتی ہے۔

اپنا جانشین مقرر کرنے میں آپ نے قیصر و کسریٰ سے موافقت نہ کی

قیصر و کسریٰ اپنی جانشینی اپنی اولاد میں رکھتے۔ ساسانی اپنے بادشاہوں کے آسمانی حق کے قائل تھے۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے اپنی اولاد میں سے کسی کو جانشین نامزد نہ کیا۔ حضرت عثمانؓ بڑھاپے میں بھی خلافت پر قائم رہے۔ اسلام میں کسی بیٹے کو جانشین مقرر کرنے کی اجازت ہوتی تو آپ بڑھاپے میں یہ ذمہ داری اٹھائے نہ رہتے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ اسلام میں سربراہِ مملکت اہلیت کی بنا پر مقرر کیا جاتا ہے سلطنت اسلامی میں وراثت نہیں پائی جاتی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی شانِ شجاعت

کسی تحریک کے کارکن اس کے ابتدائی مرحلے میں بڑوں بڑوں پر ہاتھ نہیں ڈالتے نہ ان کے پاس عام جاتے ہیں۔ جب تحریک کامیاب ہوتی نظر آئے تو اس وقت قوم کے بڑے لوگوں کو اس کی دعوت دی جاتی ہے۔ ابتدائی مرحلے میں بڑوں تک رسائی اور انہیں تحریک میں آنے اور اسے قبول کرنے کی دعوت وہی لوگ دے سکتے ہیں جو نڈر اور بہادر ہونے کے ساتھ صدق دل سے اس تحریک میں شامل ہوئے ہوں۔

۱۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ بہت بہادر تھے۔ آپ نے دعوت کے ابتدائی مرحلہ میں ہی حضرت عثمان رضؓ، حضرت طلحہ رضؓ، حضرت زبیر رضؓ، حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضؓ کو دعوتِ اسلام دی۔ یہ سابقین اولین حضرت ابوبکر رضؓ کی دعوت سے ہی داخلِ صفِ اسلام ہوئے۔

۲۔ جنگِ احد میں فوج کے قبل از وقت درّہ چھوڑنے سے مسلمانوں کو جس ہزیمت کا سامنا ہوا اور اس افراتفری میں کچھ وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اکیلے رہ گئے تو سب سے پہلے حضورؐ کے پاس آنے والا حضرت ابوبکر رضؓ ہی تھے۔ آپ خود کہتے ہیں :۔

قال ابوبکر لما صرف الناس یوم احد عن رسول اللہ فکنت اوّل من جاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم [1]

ترجمہ: حضرت ابوبکر کہتے ہیں جب سب لوگ احد کے دن حضورؐ سے دوسری طرف ہو گئے تو میں سب سے پہلا تھا جو نبیؐ کے پاس آیا۔

۳۔ جنگِ احد میں مشرکین جب مکہ واپس جانے لگے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضؓ میں آواز دی۔ من یذھب فی اثرھم۔ ان کے پیچھے کون جاتا ہے وستر آدمی اس کے لیے اٹھے۔ صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۵۸۴ میں ہے عروہؓ کہتے ہیں۔ کان فیھم ابوبکر والزبیر۔ ان میں حضرت ابوبکر رضؓ اور حضرت زبیر رضؓ بھی تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں اجرِ عظیم کی بشارت دی۔

الذین استجابوا للہ والرسول من بعد ما اصابھم القرح للذین احسنوا منھم واتقوا اجر عظیم۔ (پ۴ آل عمران ۱۷۲)

---

[1] تاریخ الخمیس جلد ۱ صفحہ ۴۳۱

علامہ قسطلانی (۹۲۳ھ) لکھتے ہیں ان عشرہ میں یہ حضرات بھی تھے :۔

وعمر وعثمان وعلی وعمار وطلحۃ وسعد بن ابی وقاص وابو حذیفۃ
وابن مسعود وعبد الرحمن بن عوف ۔

۴۔ حضورؐ کی وفات کے بعد جب انکارِ ختم نبوت اور انکارِ زکوٰۃ کی تحریکیں اٹھیں اور مسلمانوں کو بیک وقت کئی محاذوں پر جنگ لڑنی پڑی تو غور کیجئے یہ کھلا لڑائی لڑنا کسی کا کام ہوتا ہے جن کے حوصلے بلند ہوں اور عزم جواں ہو۔ حضرت ابو بکرؓ کی اس دن کی استقامت پر حضرت حذیفہؓ نے کہا تھا: قام مقام الانبیاء۔ آپ نے حضرت عمرؓ کو کہا۔ اجبار فی الجاھلیۃ و خوارض الاسلام کہ جاہلیت میں تو تم بہت زور آور تھے اب اسلام میں کیوں ڈھیلے پڑ رہے ہو۔ حضرت عمرؓ کا مشورہ تھا کہ بیک وقت چاروں طرف فوجی کاروائی نہ کی جائے۔ حضرت ابو بکرؓ کا انہیں یہ جواب دینا ان کے عزم بلند اور اشجع الناس (شیر دل) ہونے کا پتہ دیتا ہے۔

۵۔ ایک دفعہ حضرت علیؓ سے پوچھا گیا صحابہؓ میں سب سے بہادر کون ہے؟ آپ نے کہا:۔

قال اشجع الناس ابوبکر لما کان یوم بدر جعلنا لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذعلنا من یکون مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لئلا لا یھوی الیہ احد من المشرکین فواللہ وما منا احد الا ابوبکر شاھرا بالسیف علی رسول اللہ لا یھوی الیہ احد الا اھوی الیہ[1]

یہ حضرت علیؓ کی گواہی ہے کہ حضرت ابو بکرؓ ہم میں سب سے زیادہ بہادر تھے اشجع الناس تھے۔

ترجمہ: آپ نے کہا بدر کے دن ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک عریش کھڑی کی ہم نے کہا حضورؐ کے ساتھ اس دن کون کھڑا ہوگا۔ تاکہ آپ کی طرف کوئی مشرک رُخ نہ کر سکے۔ خدا کی قسم ہم میں سے کوئی نہ تھا سوائے ابو بکرؓ کے جو تلوار سونتے ہوئے ہر اس شخص پہ جھپٹتے تھے جو حضورؐ کی طرف آئے۔

---

[1] سیرت حلبیہ جلد ۲ صفحہ ۱۶۶

حضرت ابوبکرؓ کی سب سے بڑی قربانی

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد:

جس طرح مردوں میں اسلام کی گنتی حضرت حضرت ابوبکرؓ سے شروع ہوئی عورتوں میں بھی اسلامی تعلیمات کا چراغ حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھوں روشن ہوا۔ آپ نے علوم نبوت کے تحفظ کے لیے اپنی کمسن بیٹی کی قربانی دی۔ یہ وہ عمر ہے جس میں حافظہ بہت قوی ہوتا ہے چھوٹے بچے جس تیزی سے قرآن حفظ کرتے ہیں بڑی عمر کے طلبہ میں وہ قوت حفظ نہیں ہوتی۔ علوم نبوت کے تحفظ کے لیے ایک صغیر سن خاتون کا حلقہ نبوت میں آنا تعلیمی ضرورت کے لیے ضروری تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پبلک لائف کو آئندہ نسلوں تک پہنچانے اور آپ کی تعلیمات کو آئندہ پھیلانے کے لیے جہاں سینکڑوں صحابہؓ آپ کے ہدایت کے روشن ستارے بنے۔ آپ کی گھریلو زندگی کو آگے منتقل کرنے کے لیے ایک بیوی یا ایک بیٹی کفایت نہ کر سکتی تھیں۔ پھر بیٹیوں کا گھر تو دوسرا ہوتا ہے باپ کا نہیں ہوتا وہ اپنے خاوندوں کے ہاں چلی جاتی ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کے علم میں تو یہ بھی تھا کہ آپ کی سب سے زیادہ قریب بیوی حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ خود آپ کی زندگی میں ہی وفات پائے گی اور آپ کی تین بیٹیاں حضرت زینبؓ حضرت رقیہؓ اور حضرت ام کلثومؓ بھی آپ کی حین حیات موت کا پل عبور کر جائیں گی۔ آپ کے بعد زندہ رہنے والی آپ کی اکلوتی بیٹی حضرت فاطمۃ الزہراءؓ بھی آپ کے بعد چھ ماہ سے زیادہ اس نشأۃ عنصری میں نہ رہ سکیں گی تو اس صورت میں اللہ رب العزت کا عالم تکوین میں یہ فیصلہ ہوا کہ اس امت میں سے ایک کمسن لڑکی آپ کے حلقۂ تلمذ میں آئے اور وہ صرف ایک تلمیذ کی حیثیت سے نہیں ایک بیوی بن کر آئے تاکہ کوئی شخص آپ کے خلاف کسی طرح کی کوئی بات نہ کر سکے اور کبھی کوئی مخالف انگلی نہ اٹھا سکے۔

اس خاتون کا دنیا میں کیا مستقبل رہے گا۔

ویسے تو اللہ رب العزت کے علم میں ہے کہ کوئی کب تک زندہ رہے گا لیکن ظاہری

رفتار زمانہ بتاتی ہے کہ خاوند اور بیوی کی عمروں میں اگر پچاس سال کا تفاوت ہو تو اس بیوی پر بیوگی کا ایک عرصہ دراز گزرتا ہے۔ یہاں بھی یہی صورت متصور تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہلے وفات پائیں گے اور اللہ تعالیٰ آپ کو اس عمر تک اس دنیا میں زندہ نہ رکھے گا۔ جس میں انسان لوگوں میں اتنا لائق توجہ نہیں رہتا۔ یہ حضورؐ کا اعزاز تھا کہ آپ اس عمر میں فوت ہوئے جب داڑھی مبارک کے صرف گنتی کے بال سفید تھے۔

قرآن کریم میں ہے:۔

ومن نعمره ننكسه فى الخلق افلا يعقلون۔ (پ ۲۳ یٰسٓ ۶۸)

ترجمہ۔ اور جس کو ہم بوڑھا کریں ہم اسے پیدائش میں اوندھا کر دیتے ہیں پھر کیا ان کو سمجھ نہیں۔

حضرت ابوبکرؓ کی بیٹی کی عمر حضورؐ کی بیٹی حضرت فاطمہؓ سے بھی کم تھی جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے حضرت فاطمہؓ کے چشم و چراغ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ تھے اور زینب اور ام کلثوم تھیں۔ لیکن حضرت عائشہؓ کے ہاں کوئی اولاد نہ تھی جو ان کی اس ظاہری زندگی میں ماں کا سہارا اور بہلاوا بن سکے۔

رحمت خداوندی اس طرف متوجہ ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام بیویوں کو امہات المؤمنین کا لقب دے دیا گیا۔ آیت کریمہ وازواجهم امهاتهم (پ ۲۱ الاحزاب) حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی وفات تک نہ اتری تھی۔ اس آیت نے آپ کی ان ازواج کو جن کی آپ سے کوئی اولاد نہ تھی بڑا سہارا دیا۔ حضرت ابوبکرؓ کی بیٹی جو کسی کی ماں نہ تھی اب تمام مومنین کی ماں بن گئی۔

حضرت ابوبکرؓ کی بڑی قربانی

انسان اولاد کے بارے میں بڑا نرم گوشہ رکھتا ہے۔ اپنے پر تو وہ مصائب کے پہاڑ جھیل لیتا ہے۔ لیکن اپنی اولاد پر خصوصاً بیٹیوں پر وہ کوئی آنچ نہیں آنے دیتا۔ اتنی کمسن بیٹی کو پچاس سال کے قریب عمر کا فاصلہ رکھنے والے خاوند کے نکاح میں دینا جس میں بظاہر اولاد کی امید نہ ہو جو خاوند کے بعد ماں کا سہارا بن سکے اور وہ بچی پھر نکاح ثانی بھی نہ کر سکے کہ اب وہ عزت و حرمت میں تمام مومنین کی ماں ہو گئی تو ظاہر ہے کہ بیٹی

کو اس مستقبل میں دینا ایک بہت بڑی قربانی تھی۔

جس طرح مردوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت بدنی ومالی کی سب سے بڑی قربانی حضرت ابوبکرؓ نے دی اسی طرح عورتوں میں علم نبوت کا چراغ روشن کرنے کے لیے بھی سب سے بڑی قربانی حضرت ابوبکرؓ نے ہی دی۔ کون باپ اپنی کمسن بیٹی کو اس مستقبل میں دینے کے لیے تیار ہوگا جس مستقبل میں حضرت ابوبکرؓ نے اپنی بیٹی حضرت عائشہؓ آنحضرتؐ کے نکاح میں دیں۔

تزویج حضرت عائشہؓ حضرت ابوبکرؓ کے احسانات میں

یہ صحیح ہے کہ حضرت ابوبکرؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق سفر ہجرت رہے اور کئی خطرات اپنے اوپر لیے غار کے خطرے کا بھی سامنا کیا۔ لیکن تزویج عائشہؓ کی قربانی کو حضور اکرمؐ ان کے احسانات میں سب سے پہلے ذکر کرتے تھے۔

حضرت علیؓ کہتے ہیں حضور اکرمؐ نے فرمایا:۔

رحم اللہ ابابکر زوجنی ابنتہ وحملنی الیٰ دارا لھجرۃ وصحبنی فی الغار واعتق بلالاً من مالہ رحم اللہ عمر یقول الحق وان کان مرًا[1]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ ابوبکرؓ پر رحم فرمائے انہوں نے اپنی (اس چھوٹی عمر کی) بیٹی میرے نکاح میں دی مجھے مدینہ تک اٹھا کر لے گئے۔ غار میں میرے ساتھ رہے اور بلالؓ کو اپنے مال سے خرید کر اللہ کی راہ میں آزاد کیا۔

اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی حضورؐ کے گھر آمد خدا کی رحمتوں میں سے ایک بڑی رحمت تھی۔ حضورؐ نے ان کے ذریعے امت کی ایک بڑی ضرورت پوری کی اور امت کے ایک بڑے نظام تعلیم کو سنبھالا۔

علم نبوّت کا یہ چراغ کس طرح پچاس سال تک روشن رہا۔

آپ ۵۸ ہجری رمضان میں بیمار ہوئیں۔ صرف نو سال حضورؐ کی معیت میں گزرے تھے۔ باقی تقریباً پچاس سال تک پوری دنیائے اسلام کو فقہ و حدیث کا درس دیا۔

[1] رواہ الترمذی وقال ہذا حدیث حسن غریب صحیح

زندگی بھر تمام دنیائے اسلام بطور ماں آپ کا احترام کرتی رہی، پہلی تین خلافتوں میں تو آپ کا یہ مقام تھا ہی چوتھے خلیفۂ راشد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بھی باوجود جمل کے ناخوشگوار واقعہ کے آپ کے بارے میں اسی احترام کا اعلان کیا جو آپ کو امت میں پہلے سے حاصل تھا، آپ نے ارشاد فرمایا:۔

ولھا بعد حرمتھا الاولیٰ۔ [۱]

ترجمہ۔ آپ کی عزت وعزت وحرمت اس واقعہ کے بعد بھی وہی ہے جو پہلے تھی۔

اس سے پتہ چلا کہ اس وقت تک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مامور من اللہ اور امام معصوم ہونے کا عقیدہ کسی حلقے میں قائم نہ ہوا تھا، مامور من اللہ کا انکار کفر ہوتا ہے۔ چہ جائیکہ اس سے جنگ ہو، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ام المؤمنین کی اسی حرمت کو قائم رکھنا بتلاتا ہے کہ اس وقت کی کشمکش محض ایک سیاسی اور انتظامی نوعیت کا مسئلہ تھا، یہ کوئی کفر وایمان کی جنگ نہ تھی، نہ اس وقت ابھی شیعہ عقائد وضع ہوئے تھے، حضرت ام المؤمنین اس کے بعد بھی برابر علوم نبوت کا چراغ رہیں اور ان کی ان تمام تعلیمی خدمات کا سہرا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سر ہے کیونکہ انہوں نے ہی اسلام کے اس عظیم مقصد کے لیے اپنی کمسن بیٹی حضور اکرم ﷺ کی تزویج میں دی۔

حضرت ابوبکرؓ کی عظیم قربانی صرف حضورؐ تک محدود نہ تھی

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا دین کے لیے یہ جذبۂ خدمت صرف حضورؐ کی اس دنیوی زندگی تک محدود نہ تھا آپ کا یہ جذبہ خدمت حضورؐ کے بعد حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بھی شامل حال رہا، حضورؐ کے بعد حضرت سیدہؓ صرف چھ ماہ تک بقید حیات رہیں، ان ایام علالت میں خلیفۂ وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت اسماء بنت عمیسؓ (جو محمد بن ابی بکر کی والدہ تھیں حضرت سیدہ کی تیمارداری کرتی رہیں، یہ بات باور کرنے کی نہیں کہ حضرت اسماء خاوند کے اذن واطلاع کے بغیر خود اپنے طور پر حضرت سیدہؓ کی خدمت میں رہی ہوں، علامہ علاء الدین الماردینی الشہیر بابن ترکمانی (۷۴۵ھ) اسے اس وقت کی خواتین کی اخلاقی بلندی کے خلاف قرار دیتے ہیں کہ خلیفہ وقت کی بیوی اپنے عقیدت کے حلقوں

---

[۱] نہج البلاغۃ جلد ۲ ص۶۳

میں اس طرح آزاد پھرتی رہے. آپ لکھتے ہیں:۔

ودرع اسماء یمنعہا ان لا تستاذنہ.[1]

حضرت اسماءؓ کا ورع و تقویٰ اس سے روکتا ہے کہ ہم سمجھیں وہ خاوند کی اجازت کے بغیر ہی یہاں حضرت فاطمہؓ کی عیادت میں بیٹھی تھیں.

حضرت ابوبکرؓ کی ہی یہ شفقت حضرت فاطمہؓ سے نہ تھی حضرت عائشہؓ کی درست گوئی بھی ملاحظہ فرمائیں:۔

حضرت عائشہؓ حضرت فاطمہؓ سے حضورؐ کی محبت و الفت کو نہایت کھلے دل سے بیان کرتیں. آپ سے پوچھا گیا حضور کو سب سے زیادہ محبت کس سے تھی.

آپ نے فرمایا. فاطمہؓ سے.[2]

حضرت اُم المومنینؓ کی حق پسندی اور انصاف شعاری

۱. کوئی عورت آسانی سے اپنی سوکن کی تعریف نہیں کرتی لیکن ام المومنین حضرت عائشہؓ کی حق پسندی کینہ و بغض سے پاکی اور انصاف شعاری اپنی ہے ابھر کر سامنے آتی ہے جب آپ نے حضرت جویریہؓ کے بارے میں فرمایا:۔

فما اعلم امرأۃ اعظم برکۃ علی قومہا منہا.[3]

ترجمہ. میں نے اس سے زیادہ برکت والی عورت کوئی نہیں دیکھی جو اس سے اس کی قوم کو ملی ہو.

حضرت جویریہؓ کے آپؐ کے نکاح میں آنے سے سو گھروں کو برکت ملی کہ ان سب نے بنو مصطلق سے چلے آئے تمام جنگی قیدی اسی لیے آزاد کر دیئے کہ اب ان کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک سسرالی نسبت ہو چکی تھی کہ اب یہ ان کے احترام نبوت کے خلاف ہے کہ وہ ایک ام المومنینؓ کی قوم کے کسی فرد کو اپنا غلام بنائے رکھیں.

---

[1] الجوہر النقی جلد ۳ صہ ۳۹۶ [2] سیرت عائشہؓ صہ ۱۲۱ [3]

حضرت عائشہ رضؓ کی علمی شان

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد :

حضورؐ کی حسنِ سیرت کا بیان ان خلق رسول اللہ کان القرآن کے لفظوں میں وہی بیان کرسکتا ہے جس کی پوری نظر آپ کی سیرت پر بھی اور پورے قرآن کریم پر ہو حضرت ام المومنین کے ان دو لفظوں کے آگے تمام مؤلفین سیرت اور امت کے تمام اہل علم کی گردنیں خم ہیں۔ علم کی یہ شان کہ پورے قرآن پر بھی نظر ہو اور پوری سنت پر بھی — یہ ہر کسی کا نصیب نہیں اور ام المومنین رضؓ نے جب یہ بات کہی تو یہ صرف ایک پیرایہ عقیدت میں نہ کہی تھی پوری علمی بصیرت سے کہی تھی۔ سائل نے ایک دفعہ آپ سے سوال کیا :۔

حدثینی عن قیام اللیل — مجھے آپ کی رات کی عبادت کا بتائیں۔

آپ نے فرمایا :۔

ألست تقرأ یا ایہا المزمل . . . ان اول ھذہ السورۃ نزلت فقام اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی انتفخت اقدامھم حبس خاتمتہا فی السماء اثنی عشر شہرًا ثم نزل أخرہا فصار قیام اللیل تطوعًا بعد فریضۃ . . . . ولم یقم رسول اللہ یتمہا الی الصباح ولم یقرأ القرآن فی لیلۃ قط[1]

ترجمہ۔ کیا تم سورۃ مزمل نہیں پڑھتے . . . . . اسی سورت کی پہلی آیات اتریں تو صحابہ کرام قیام لیل کرنے لگے یہاں تک کہ ان کے پاؤں سوج جاتے اور اس کی آخری آیتیں بارہ ماہ تک نہ آئیں۔ پھر اس کا آخری حصہ نازل ہوا تو قیام اللیل نفلی درجے میں ہو گیا۔ پہلے تہجد کی نماز فرض تھی۔

یہ آپ اس وقت کا واقعہ بیان کر رہی ہیں جب آپ حضورؐ کی زوجہ نہ تھیں اور نہ آپ نے آپ کو اس حال میں دیکھا تھا۔ اس وقت ام المومنین حضرت خدیجہ رضؓ تھیں۔ تاہم آپ کے پیرایۂ بیان کو دیکھئے۔ آپ اسے اس طرح بیان کر رہی ہیں جیسے پوری آنکھوں دیکھی

---

[1] سنن ابی داؤد جلد ۱ صفحہ ۱۹ مسند امام احمد جلد ۶ صفحہ ۵۴

صورتِ حال ہو.

آپ کا قرآن و سنت میں اس طرح مطابقت بیان کرنا آپ کے دعوی کان خلقہ القرآن کی ایک تصدیق تھی.

صحابہؓ میں حضرت عباسؓ کے سوا شاید ہی کوئی دوسرا ہو جس سے اس قدر تفسیر قرآن ذخیرۂ حدیث میں ملتی ہو. ہم بطور نمونہ یہاں چند آیات کی نشاندہی کرتے ہیں :۔

۱. ان الصفا والمروۃ من شعائر اللّٰہ فمن حج البیت او اعتمر فلا جناح علیہ ان یطوف بھما. (پ۲ البقرہ ۱۵۸)

ترجمہ. بے شک صفا اور مروہ اللہ کے دین کے نشان ہیں سو جو کوئی حج کرے یا عمرہ تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ وہ صفا اور مروہ کے درمیان چلے.

آپ سے کہا گیا — اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی طواف نہ کرے تو پھر بھی حج یا عمرہ ہو سکے گا — ہاں اس سعی میں گناہ کوئی نہیں. آپ نے فرمایا. ایسا نہیں ہے آیت کا مطلب اگر اس طرح ہوتا جو تم کہتے ہو تو آیت یوں ہوتی . لا جناح ان لا یطوف بھما کہ اگر کوئی صفا اور مروہ کے مابین سعی نہ کرے تو کوئی حرج نہیں ہے. حضرت سلیمان ندویؒ (ھ) لکھتے ہیں :۔

یہ آیت انصار کی شان میں نازل ہوئی ہے اوس اور خزرج اسلام سے پہلے منات کی جسے پکارتے تھے منات مسعیٰ میں نصب تھا اس لیے وہ صفا اور مروہ کا طواف بُرا جانتے تھے اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا صفا اور مروہ کا طواف کرو اس میں کوئی مضائقہ کی بات نہیں.[1]

۲. حتّٰی اذا استیئس الرسل وظنوا انھم قد کذبوا جاءھم نصرنا فنجی من نشاء ولا یرد بأسنا عن القوم المجرمین. (پ۱۳ یوسف ۱۱۰)

ترجمہ. یہاں تک کہ جب پیغمبر مایوس ہونے لگے اور خیال کرنے لگے کہ وہ جھوٹے کہے گئے تھے تو پہنچی انہیں ہماری مدد اور بچا دیئے گئے جن کو ہم نے چاہا اور واپس نہیں کیا جاتا عذاب ہمارا مجرموں سے.

---

[1] سیرت عائشہؓ صـ۱۵۴

اس آیت سے گمان گزرتا ہے کہ کبھی پیغمبر بھی مایوس ہو سکتے ہیں ؟ پھر آگے دو احتمال ہیں. ۱. مایوسی خدا کی رحمت سے ہے. ۲. یا وہ ان لوگوں کے ایمان لانے سے مایوس ہوئے؟ پھر اس سے آگے بھی دو احتمال نکلتے ہیں. وہ سمجھے کہ ان سے جھوٹ کہا گیا تھا. یہ نبوت کے بارے میں ہے یا اس عذاب کے بارے میں جن کی ان کو خبر دی گئی تھی ــــ الحاصل اس آیت میں کئی کئی پہلو نکلتے ہیں. اسی تراجم کے افکار میں حضرت عروہؓ نے اپنی پھوپھی حضرت ام المومنینؓ سے پوچھا کذبوا کا کیا معنی ہے ؟ ان سے جھوٹ کہا گیا تھا یا وہ جھٹلائے گئے تھے. پھر اس دوسری صورت میں جھٹلاتے جانے کا ان کو یقین تھا ؟ یا انہیں اس میں شبہ تھا ؟ جس کو ظن کہا جا سکے.

یہ تو یقینی بات ہے کہ انبیاء کو ان کافروں کے بارے میں پورا یقین ہو چکا تھا کہ انہوں نے ان کی تکذیب کی ہے یہ گمان نہ تھا. پھر قرآن نے اسے ظن کیسے کہہ دیا ــــ الحاصل آیت کی اتھاہ گہرائی میں جانے کی ضرورت تھی اور یہی باتیں حضرت عروہؓ کے دل میں کھٹک رہی تھیں.

اس پر حضرت ام المومنینؓ کا بیان سنیئے. حضرت عروہؓ کہتے ہیں :۔

فقد استقینوا ان قومهم کذبوهم فما هو بالظن.

ترجمہ. انبیاء بے شک اس یقین پر تھے کہ ان کی قوم نے ان کی تکذیب کی ہے. پھر یہ ظن کیسا (جو قرآن میں ذکر کیا گیا ہے ؟)

اس پر حضرت ام المومنینؓ نے کہا :۔

اجل لعمری لقد استقینوا بذلك. ہاں انہیں اس کا پورا یقین تھا.

اس پر حضرت عروہؓ نے کہا :۔

وظنوا انهم قد کذبوا. اور انہوں نے گمان کیا کہ وہ جھوٹ کہے گئے.

اس پر حضرت ام المومنینؓ نے فرمایا :۔

(قالت) معاذ الله لم تکن الرسل تظن ذلك بربها (قالت ما هذه الآية) قالت هم اتباع الرسل الذین آمنوا بربهم و صدقوهم فتطال علیهم البلاء و استاخر عنهم النصر حتی استیئس الرسل ممن کذبهم من قومهم و ظنت الرسل ان اتباعهم قد کذبوهم

جاء هم نصر اللہ عند ذلک۔ [1]

ترجمہ۔ اللہ کی پناہ۔ رسول تو اللہ کے بارے میں ایسا گمان نہیں کر سکتے (عروہؓ نے کہا پھر اس کا مطلب کیا ہے) آپ نے کہا یہ گمان کرنے والے رسولوں کے گروہ کے لوگ ہیں جو اپنے رب پر ایمان لائے اور اس کے رسولوں کی تصدیق کی۔ ان پر یہ آزمائش کی گھڑیاں لمبی ہوتی گئیں اور اللہ کی مدد ان سے ورے ہی رہی، یہاں تک کہ رسول ان لوگوں سے جنہوں نے انہیں جھٹلایا تھا مایوس ہونے لگے (کہ وہ ایمان نہ لائیں گے) اور رسولوں نے گمان کیا کہ ان کے ساتھی جھٹلا دیئے گئے ہیں کہ اللہ کی نصرت ان پر آ پہنچی۔

اس وقت اس مسئلے یا تفسیر سے بحث نہیں، ہمیں یہاں صرف یہ بتلانا ہے کہ حضرت ام المومنینؓ کی قرآن پر کتنی گہری نظر تھی۔ وہ چاہتی تھیں کہ قرآن کریم کی تفسیر کرتے ہوئے قواعد الاسلام میں سے کسی قاعدہ کو مجروح نہ ہونے دیا جائے۔

۳۔ وان خفتم الا تقسطوا فی الیتامیٰ فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلٰث وربٰع فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ۔ (پ النساء ۳)

ترجمہ۔ اور اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم انصاف نہ کر سکو گے یتیم بچوں میں تو تم نکاح کرو اور عورتوں سے جو تمہیں اچھی لگیں دو اور تین اور چار تک۔

اس آیت کے دو حصوں میں باہمی کوئی ربط نہیں معلوم ہوتا۔ یتیموں کے حقوق میں بے انصافی کے اندیشہ سے نکاح کرنے میں کیا مناسبت ہے۔ حضرت عروہ بن زبیرؓ نے اسے بھی حضرت ام المومنینؓ سے سمجھنا چاہا۔ صحیح بخاری میں ہے آپ نے فرمایا:۔

فقالت یا ابن اختی ھذہ الیتیمۃ تکون فی حجر ولیھا تشرکہ فی مالہ ویعجبہ مالھا وجمالھا فیرید ولیھا ان یتزوجھا بغیر ان یقسط فی صداقھا فیعطیھا مثل ما یعطیھا غیرہ فنھوا عن ان ینکحوھن الا ان یقسطوا لھن ویبلغوا لھن اعلیٰ سنتھن فی الصداق فامروا ان ینکحوا ما طاب لھم من النساء سواھن۔ [2]

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۸۰ [2] ایضاً جلد ۳ صفحہ ۶۵۸

ترجمہ۔ آپ نے کہا اے میری بہن کے بیٹے کوئی یتیم لڑکی اپنے ولی کی کفالت میں ہو اور وہ اس ولی کے مال میں حصہ رکھے اور اس ولی کی اس کے مال اور جمال پر نظر ہو اور ولی چاہے کہ اس سے نکاح کر لے بغیر اس کے کہ وہ اس کے مہر میں انصاف کرے اور اسے اتنا مال دے جو وہ کسی اور کو دے سکے سو ایسے لوگ اس سے روکے گئے مگر یہ کہ وہ ان سے انصاف کر سکیں اور انہیں مہر مثل دے سکیں (سو اس صورت میں کہ وہ یہ نہ کر سکیں) وہ اور عورتوں سے نکاح کریں جو انہیں اچھی لگیں دو تین اور چار تک۔

قال عروہ قالت عائشۃ وان الناس استفتوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد ھذہ الآیۃ فانزل اللہ:۔

ویستفتونک فی النساء قل اللہ یفتیکم فیھن وما یتلیٰ علیکم فی الکتاب فی یتامی النساء التی لا تؤتونھن ماکتب لھن وترغبون ان تنکحوھن والمستضعفین من الولدان وان تقوموا للیتامیٰ بالقسط وما تفعلوا من خیر فان کان اللہ بہ علیماً۔ (پ۵ النساء ۱۲۷)

ترجمہ۔ عروہؓ کہتے ہیں حضرت ام المومنینؓ نے کہا لوگوں نے حضورؐ سے اس آیت کے بعد یہی پوچھا۔ سو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی:۔

آپ سے پوچھتے ہیں عورتوں کے بارے میں آپ کہہ دیں اللہ تمہیں اجازت دیتا ہے ان کے بارے میں اور وہ جو تم کو سنایا جاتا ہے قرآن میں سو حکم ہے یتیم لڑکیوں کا جن کو تم وہ مہر نہیں دیتے جو ان کے لیے مقرر ہے اور تم چاہتے ہو کہ ان کو نکاح میں لے آؤ اور حکم ہے ناتواں لڑکوں کا اور یہ کہ انصاف سے رہو یتیموں کے حق میں۔

(وقالت عائشۃ) وقول اللہ فی آیۃ اخری وترغبون ان تنکحوھن رغبۃ احدکم عن یتیمتہ حتی تکون قلیلۃ المال والجمال قالت فنھوا عن ینکحوھن من رغبوا فی مالہ وجمالہ فی یتامی النساء الا بالقسط من اجل رغبتھم عنھن اذا کن قلیلات المال والجمال [1]

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صہ ۶۵۸

ترجمہ: (اور حضرت عائشہ رضؓ نے کہا) اور اللہ تعالیٰ نے ایک دوسری آیت میں کہا ہے اور تم چاہتے ہو کہ تم ان سے نکاح کرو جسے تم میں سے کوئی اپنی یتیمہ سے نکاح کرے کہ اس کی اس کی طرف رغبت نہ ہو کہ وہ قلیل المال والجمال ہے۔ آپ کہتی ہیں لوگوں کو اس سے روکا گیا کہ ان سے نکاح کریں مگر یہ کہ ان سے انصاف کریں۔ ان سے رغبت نہ ہونے کی وجہ سے جب کہ وہ قلیل المال ہوں اور ان میں جمال بھی نہ ہو۔

حضرت عائشہ رضؓ کی قرآن پر اس گہری نظر کو دیکھیں کیا آپ کو اس دور میں کوئی اور عورت قرآن و سنت پر اس گہرائی سے کلام کرتی نظر آتی ہے؟

جو لوگ کسی یتیم کے مال کے ولی ہوں اور اس کی نگرانی ان کے ذمہ ہو تو کیا وہ محتاج ہونے کی صورت میں بعوض اپنی خدمت اور حفاظت کے کیا ان یتیموں کے مال سے کچھ لے سکتے ہیں؟ اس پر قرآن کریم کی اس آیت کو دیکھیں:۔

۴۔ ومن کان غنیاً فلیستعفف ومن کان فقیرًا فلیاکل بالمعروف۔

(پ النساء ۶)

ترجمہ: اور جو تم میں سے غنی ہو سو وہ اس سے بچے اور جو خود غریب ہو وہ (وہ اس خدمت کا معاوضہ) معروف طریقہ سے اسے لے سکتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ کہتے ہیں کہ یہ آیت اس دوسری آیت سے منسوخ ہے اب یتیموں کے ولی کو کسی طرح بھی یتیموں کے مال سے کھانے کی اجازت نہیں ہے۔[۱]

ان الذین یاکلون اموال الیتامیٰ ظلماً انما یاکلون فی بطونھم نارًا وسیصلون سعیرًا۔ (پ النساء ۱۰)

ترجمہ: بے شک جو لوگ یتیموں کا مال ظلم سے لیتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ ڈال رہے ہیں اور وہ جلدی پہنچیں گے آگ میں۔

اس صورت میں اب ولی یتیم کے لیے اس کے مال سے مطلق لینا جائز نہ رہا اور پہلا حکم اب منسوخ ہو گیا۔

اب اس پر حضرت ام المومنین رضؓ کا بیان سنیئے اور قرآن کریم میں ان کی علمی گہرائی پر

---

[۱] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۴۲ از شرح امام نووی

سر دُھنیے۔ آپ کی نظر لفظ ظلم پر گئی آپ نے بتلایا کہ ظلم سے مراد ضرورت سے زیادہ لینا ہے اور یہ قید احترازی ہے۔

عن عائشة فی قوله عزوجل ومن كان غنياً فليستعفف ومن كان فقيرا فلياكل بالمعروف قالت انزلت فی ولی اليتيم ان يصيب من ماله اذا كان محتاجاً بقدر ماله بالمعروف۔[1]

ترجمہ۔ آپ کہتی ہیں یہ آیت یتیم کے ولی کے بارے میں اُتری ہے کہ جب محتاج ہو تو وہ اس مال میں سے ضرورت کے اندر لے سکتا ہے (ضرورت سے زائد لینا ظلم ہو گا اور اس کی اجازت نہیں)

حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں :۔

جس آیت میں کھانے کی اجازت ہے وہ ان لوگوں کے لیے ہے جو یتیموں کی دیکھ بھال کرتے ہیں اور ان کا کاروبار سنبھالتے ہیں اگر یہ ولی کھاتا پیتا ہے تو اس کو اس کی خدمت کا کوئی معاوضہ نہ لینا چاہیئے اگر وہ مفلس اور تنگدست ہے تو قاعدہ کے مطابق حسب حیثیت لے سکتا ہے۔ اس تفسیر کی بنا پر دونوں آیتوں میں کوئی تخالف نہیں ہے۔[2]

۵۔ پھر آگے امام مسلم نے سورۃ الاحزاب کی یہ آیت نقل کی ہے :۔

اذا جاءوكم من فوقكم ومن اسفل منكم۔ (پ۲۱ الاحزاب ۱۰)

اس پر ام المومنین رض نے کہا :۔

كان يوم الخندق۔[3]

۶۔ وان امرأة خافت من بعلها نشوزاً او اعراضاً فلا جناح عليهما ان يصلحا بينهما صلحا والصلح خير۔ (پ۵ النساء ۱۲۸)

ترجمہ۔ اور اگر کوئی عورت اپنے خاوند کے لڑنے یا روگردانی سے ڈرے تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ کرلیں آپس میں کسی طرح صلح اور صلح تو اچھی چیز ہے۔

یہاں سوال اُٹھتا ہے کہ اس صورت میں آپس میں صلح کر لینا تو ایک عام سی بات تھی، اس کے لیے اس خاص حکم کی کیا ضرورت تھی، حضرت ام المومنین رض فرماتی ہیں :۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۵۸ [2] سیرت عائشہ رض ص ۱۵۷ [3] صحیح مسلم جلد ۲ ص ۴۲۱

نزلت فی المرأة تکون عند الرجل فلعلہٗ ان لا یستکثر منہا و تکون لہا صحبۃ و ولد فتکرہ ان یفارقہا فتقول لہ انت فی حل من شأنی۔ ؎

ترجمہ۔ یہ آیت اس عورت کے بارے میں اُتری ہے جو کسی ایسے شخص کے پاس ہو جو اسے زیادہ نہ چاہے اور وہ نہ چاہتی ہو کہ وہ اسے چھوڑ دے تو وہ اسے کہہ سکتی ہے کہ میں اپنے مہر یا نفقہ سے کچھ چھوڑتی ہوں (اور اس پر وہ اس کی طرف دھیان دینے لگے)

حضرت عمرؓ کا قبولِ اسلام اور اُسکے قومی اثرات

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد :-

حضرت عمرؓ کے خاندان (بنو عدی) میں پہلے سے دینِ حنیف کے اثرات چلے آرہے تھے آپ کے چچا خالدؓ اس دین سے نسبت رکھتے تھے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نام سے قائم تھا اور مشرکین مکہ انہیں صابئین میں سے سمجھتے تھے۔ آپ کے بیٹے سعید بن خالدؓ بھی اسی دین پر تھے حضرت عمرؓ کی بہن فاطمہؓ بنت خطاب ان کے نکاح میں تھیں۔ حضرت سعیدؓ اور ان کی اہلیہ فاطمہؓ کا مسلمان ہونا اس پس منظر میں کوئی زیادہ اہم بات نہ تھی۔ حضرت خبابؓ ان کے ہاں قرآن کریم کی تعلیم دینے آتے تھے۔ ایک دن ان کے ہاں سورۃ طٰہٰ پڑھی جا رہی تھی کہ حضرت عمرؓ وہاں آنکلے۔ آپ کو اسلام کی کوئی تبلیغ نہ کی گئی نہ آپ نے اس بارے کوئی اور خاص تحقیق کی۔ اچانک وہ وقت آگیا کہ اسلام آپ کے سینے میں میخ کی طرح جا گڑا ۔ حضورؐ کی خدمت میں پہنچے اور ایسے ساتھ لگے کہ اب تک گنبدِ خضریٰ میں آقا اور غلام ایک جگہ جمع ہیں اور جو بھی حضورؐ پر سلام پڑھنے آئے آپ پر سلام پڑھے بغیر نہیں گزر سکتا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت دارِ ارقم میں تھے جب حضرت عمرؓ نے بطور غلام آپ کی خدمت میں پہلی حاضری دی۔

اسلام کا یہ ستارہ اچانک کیسے چمکا

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا تھی کہ اے اللہ! عمرو اور عمر میں سے ایک کو اِدھر کردے :-

اللّٰھم اعز الاسلام باحد ھٰذین الرجلین الیک بابی جھل او ابن خطاب[1]

ترجمہ۔ اے اللہ! اسلام کو قوت دے ان دو آدمیوں میں سے کسی سے جو تجھے اچھا لگے ابوجہل سے یا خطاب کے بیٹے (عمر) سے۔

اسلام کی قوت سے مراد اس کی سیاسی قوت ہے ورنہ علمی قوت تو اسلام کو پہلے دن سے حاصل تھی۔

---

[1] رواہ الترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۰۹

؎ وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی عرب کی زمین جس نے ساری ہلا دی

حدی خوانوں کی آواز اس طرح جگائے رکھتی ہے کہ جس طرح کسی فضا میں بجلی کوندے

حضورؐ کی اس دُعا نے سارے عرب کو ہلا دیا۔

حضُور کی یہ دُعا خاص اُن کے لیے کیوں تھی؟

آپ حضورؐ کی بعثت سے پہلے بھی قریش میں خاص عزت وعظمت سے دیکھے جاتے تھے قریش میں دوسرے قبائل سے سفارت کی ذمہ داریاں بنو عدی کے ہی سپرد تھیں اور مقدمات میں ثالثی بھی انہی لوگوں کے سپرد تھی آپ ان چند لوگوں میں سے تھے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔

تقریر میں آپ کو خاص ملکہ حاصل تھا۔ سوق عکاظ میں جہاں اہل کمال جذبہ مسابقت میں جمع ہوتے وہاں آپ بھی بہادری کے جوہر دکھاتے اور دور دور تک آپ کی معاملہ فہمی کی شہرت تھی۔ حالات وواقعات میں فرق کرنا آپ کی فطری بصیرت تھی۔ اسی سے آپ کو آئندہ فاروق کا لقب ملا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آپ کے ان تمام کمالات پر نظر تھی۔ آپ چاہتے تھے کہ آپ کی یہ قوتیں اور کمالات اسلام کے حق میں استعمال ہوں۔ یہ وہ وجوہ ہیں جن کے باعث حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اللہ سے مانگ کر لیا۔ دیگر سب حضرات حضورؐ کے مرید تھے خود ارادت وعقیدت سے آپ کے حضور حاضر ہوئے لیکن حضرت عمرؓ مرادِ رسول تھے کہ حضور نے خود انہیں اپنی دعا سے اپنی طرف کھینچا تھا اور پھر خدا کا بھی ان پر اتنا فضل ہوا کہ کئی دفعہ وحی آسمانی آپ کی رائے کے توارد میں اُتری۔ آپ پر اسلام کا پہلا چلّہ پورا ہوا آپ چالیسویں مسلمان تھے۔ جس طرح سورۃ المومن قرآن کی چالیسویں سورت ہے۔

آپ کے قبول اسلام کے قومی اثرات

۱۔ آپ پہلے مسلمان ہیں جن کے قبول اسلام پر خوشی کے کھلے نعرے لگے ان سے فضا گونج اٹھی۔ آپ نے کہا اب اسلام کی تبلیغ کھلے بندوں ہوگی۔ اب ہم دب کر نہ رہیں گے ؎

گزر گیا ہے وہ دور ساقی کہ چھپ کے پیتے تھے پینے والے

بنے گا سارا جہاں مے خانہ ہر اک کوئی بادہ خوار ہوگا

۲۔ مسلمانوں نے پہلی دفعہ خانہ کعبہ میں نماز با جماعت ادا کی کسی مشرک کو جرأت نہ تھی کہ مسلمانوں کو حرم میں داخل ہونے سے روک سکے۔ یہ اس بہادر کے داخل اسلام ہونے کی وجہ سے تھا۔

۳۔ مسلمان پہلے مکہ سے ہجرت کے لیے اس طرح نکلتے تھے کہ مشرکین کو پتہ نہ چلے وہ انہیں جانے سے روکتے تھے۔ حضرت عمرؓ بیس آدمیوں کے ساتھ ہجرت کے لیے نکلے۔ کسی کی جرأت نہ تھی کہ آپ کے آڑے آئے۔ آپ مدینہ سے دو تین میل پہلے قبا میں اقامت گزیں ہوئے۔ آپ کے ہجرت کرنے کے تقریباً تین ماہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ نے مدینہ منورہ ہجرت کی۔

بڑے آدمیوں کے انقلابی کروٹ لینے پر بڑے اثرات قائم ہوتے ہیں۔ حضرت عمرؓ کے قبول اسلام پر ابتداء میں جو قومی اثرات مرتب ہوئے ان میں سے یہ چند باتیں ہم نے آپ کے سامنے رکھ دی ہیں۔ ان اثرات کی انتہا اس پر ہوئی کہ مسلمان خلافت راشدہ میں دیکھتے دیکھتے دنیا کی ایک عظیم طاقت بن گئے۔ دنیا حیران تھی کہ ایک غریب گھرانے سے اٹھنے والا یتیم کس طرح چند سالوں میں دنیا کی عظیم سیاسی قوت بن گیا کہ اس کے سامنے قیصر و کسریٰ جو صدیوں کی تہذیب کے وارث اور عظیم سلطنتوں کے مالک چلے آرہے تھے کچھ نہ رہے۔ اسباب کی دنیا میں اسے یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے ساتھی دے دیئے تھے جنہوں نے دل کی پوری گہرائی اور روح کے پورے سرور سے آپ کا اس طرح ساتھ دیا کہ کبھی خدام کی کسی جماعت نے اپنے آقا سے اس طرح وفا نہ کی ہوگی۔

جہاں تک اللہ رب العزت کی فوق الاسباب مدد کا تعلق ہے اس نبی صادق سے دنیا اور آخرت کی نعمتیں پہلے سے تورات و انجیل اور قرآن میں موعود تھیں وہ آپ کو مل کر رہیں۔ دنیا نے اس کا نام حیرت انگیز انقلاب رکھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ کتنی تیز تھی کہ جو آپ نے اس وقت حضرت عمرؓ پر ڈالی ہو گی اور آپ کی طلب کتنی صادق تھی کہ اللہ رب العزت نے آپ کی اس خواہش کو اسی آن پورا کر دیا۔

کیا تم نے صحرا نشینوں کو دیکھا
طلب جس کی صدیوں سے تھی زندگی کو

خبر میں نظر میں اذان سحر میں
وہ سوز اس نے پایا انہی کے جگر میں

حضرت عمرؓ کا نظامِ حکومت

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد:

حضرت عمرؓ جس ملک کے سربراہ ہوئے اس میں اسلام سے پہلے کوئی تمدن نہ تھا نہ وہاں پہلے کبھی کوئی باقاعدہ حکومت قائم ہوئی تھی بس بدوی زندگی تھی اور کوئی مرکزی نظام نہ تھا۔

نہ واں مصر کی روشنی جلوہ گر تھی　　نہ یونان کے علم و فن کی خبر تھی

حضرت عمرؓ سے پہلے وہاں سولہ سال میں دو حکمران گذرے۔ ۱. حضرت خاتم النبیین اور ۲. دوسرے رئیس الصدیقینؓ. حضرت خاتم النبیینؐ کی تیرہ سالہ حکومت وحیِ الٰہی اور صحابہؓ کی بے مثال قربانیوں سے چلی. حضرت ابوبکرؓ کی حکومت کے تین سال خلافت کے قیام تحفظ اصول اسلام (جمع قرآن اور تحفظ عقیدہ ختم نبوت) اور حوزہ اسلام کی خدمت میں لگ گئے. حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے تو آپ نے عربوں میں پہلی مرتبہ ایک عام سیاسی نظم ترتیب دیا اور حق یہ ہے کہ اللہ کی زمین پر اللہ کی بادشاہی قائم کر کے دکھادی. یہ آپ کی خداداد ذہانت تھی جس نے اس قوم کو آداب جہانبانی سکھائے جس نے اس سے پہلے کوئی حکمران نہ دیکھا تھا.

۱. آپ کے دور میں جو علاقہ فتح ہوتا آپ اسے چھوڑ کر آگے نہ بڑھتے بلکہ پہلے نظم و نسق کا پورا انتظام کرتے. وہاں کے لوگوں کی اسلامی تعلیم کا انتظام کرتے. ان کے حلقہ کے اہل ہنر لوگوں کو مسلمانوں کی فنی تربیت پر لگاتے. زمینوں کی باقاعدہ پیمائش ہوتی اور مناسب فاصلوں پر چھاؤنیاں قائم کرتے. آپ کی ان کاوشوں سے سلطنت اسلامی کے خاکہ میں نظم و نسق کا رنگ بھر آگیا.

۲. آپ نے عراق میں علمی مراکز قائم کیے. بصرہ اور کوفہ جیسے شہر بسائے اور ان میں بڑے بڑے اکابر صحابہؓ کو دینی تعلیمات کے لیے لا بٹھایا. وہ صحابہؓ وہاں عدالتوں کے فیصلے بھی کرتے تھے اور وہاں کے لوگوں کو قرآن و سنت کی تعلیم بھی دیتے تھے. قرآن پاک کو یکجا کرنے کا داعیہ پہلے آپ کے دل میں اُٹھا اور آپ نے حضرت ابوبکرؓ کو اس اہم علمی خدمت پر آمادہ کیا.

۳. آپ نے مختلف جگہوں میں نہریں کھدوائیں اور جو زمینیں آب پاشی کے قابل تھیں انہیں لائق زراعت بنایا. حضرت عمرو بن العاصؓ کو حکم دیا کہ دریائے نیل کو بحیرۂ قلزم سے ملوانے کے لیے نہر کھدوائیں اس نے نہر سویز کا نام پایا. مصر سے بحیرہ قلزم کے رستے اسی نہر سے ینبوع

تک رسمان پہنچتا تھا۔ اسی سال تک یہ نہران عراقوں کا تجارتی مرکز بنی رہی۔

۴۔ ملکوں کو صوبوں میں تقسیم کیا اور ہر صوبے میں بندوبست۔ کاموں کے دفاتر رکھے محکمہ ڈاک قائم کیا اور لوگوں کو رسل و رسائل کی سہولتیں فراہم کیں۔ قصبات اور دیہات کے امن و امان کے لیے محکمہ پولیس قائم کیا۔ یہ تنظیم فوج کے علاوہ تھی۔ فوج کے ذمہ سرحدوں کی حفاظت ہوتی تھی۔

۵۔ مسلمانوں میں تاریخ کا شعور پیدا کیا۔ تاریخی خدمات کی یاد میں سنہ ہجری قائم کیا۔ عیسائیوں کی تاریخ حضرت عیسیٰ کی پیدائش کے نام سے قائم تھی۔ ہندوں کا بکرمی سن بکرماجیت کے نام سے چلتا تھا۔ آپ نے تاریخ اسلام کو مسلمانوں کی سیاسی زندگی سے شروع کیا۔ مکہ مکرمہ میں رہتے ہوئے مسلمانوں کا تعارف صرف ایک عقیدے اور ایک نظام اخلاق کے طور پر تھا۔ ہجرت سے مسلمان ایک سیاسی زندگی میں بھی آگئے۔ یہ اسلام کے ایک جامع نظام عمل کا آغاز تھا۔

۶۔ قانون کے علمی مآخذ آپ کے دور میں وہی تھے جو حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں تھے اور وہ حضورؐ کی تعلیمات کے عین مطابق تھے۔ تاہم آپ نے حضورؐ کے بعد حضرت ابوبکرؓ کے فیصلوں کو بھی اپنے علمی مآخذ میں جگہ دی اور اسے قضائے صالحین کا نام دیا۔ علامہ شعبی کہتے ہیں آپ نے قاضی شریح کو اس کے ایک خط کے جواب میں لکھا۔

اقض بما فی کتاب اللہ فان لم یکن فی کتاب اللہ فبسنۃ رسول اللہ فان لم یکن فی کتاب اللہ ولا فی سنۃ رسول اللہ فاقض بما قضی بہ الصالحون فان لم یکن فی کتاب اللہ ولا فی سنۃ رسول اللہ ولم یقض بہ الصالحون فان شئت فتقدم وان شئت فتاخر ولا اری التاخیر الا خیراً لک و السلام علیکم۔[۱]

ترجمہ۔ آپ کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کریں۔ اگر وہ بات کتاب اللہ میں نہ ہو تو پھر سنت رسول سے اس کا فیصلہ کریں۔ اگر وہ بات نہ کتاب اللہ میں ہو نہ سنت رسول میں تو پھر اسے پہلے بزرگوں سے لیں اگر وہ بات نہ کتاب و سنت میں ہو اور نہ پہلے بزرگوں نے اس پر فیصلہ دیا ہو تو آپ چاہیں تو اس پر خود فیصلہ کریں اور چاہیں تو اس میں کچھ انتظار کریں اور میں آپ کے لیے اس میں تاخیر کو پسند کرتا ہوں اور سلام ہو تم سب پر

---

[۱] سنن نسائی جلد ۲ صفحہ ۳۰۵

سو اسلام کے علمی ماخذ صرف کتاب و سنت نہیں تیسرے درجے میں پہلے اہل علم کے فیصلے بھی ہیں. پھر آپ نے فرمایا کہ اجتہاد میں جلدی نہ کی جائے. تاخیر میں ممکن ہے کہ پہلے ائمہ میں سے کسی کا قول مل جائے ؎

ز اجتہاد عالماں کوتاہ نظر اقتدار رفتگان کوتاہ نظر

۷. سربراہ کا عام معیارِ زندگی. اس میں بھی آپ حضرت ابوبکرؓ کے قدم بقدم چلے ایران کے ایک حصے کا حکمران ہرمزان قید ہو کر آیا تو اس نے خلیفہ راشد کو مسجد کے فرش پر لیٹے دیکھا آپ جب پیوند لگے کپڑوں میں بیت المقدس چلے تو بعض فوجی افسران نے لباس بدلنے کی درخواست کی تو آپ نے کہا ہماری عزت کپڑوں سے نہیں.

آپ کی پوری کوشش ہوتی کہ خود رعیت میں گھوم کر ضرورت مندوں کی ضرورتیں پوری کریں. ضرورت مندوں کو اپنے ہاں آنے کے لیے نہ کہتے. اسلام میں سربراہ کنویں کے درجہ میں نہیں کہ لوگ وہاں آئیں. خلافت کے بادل پیاسی زمین پر خود پہنچتے ہیں.

۸. آپ نے رعیت کے انسانی حقوق میں مساوات قائم کی. کسی حاکم اور گورنر بلکہ خود خلیفۂ اسلام کو اجازت نہ تھی کہ دوسروں پر اپنے آپ کو کسی قسم کی ترجیح دے. جو وظیفہ سب بدریوں کو ملتا وہ خود لیتے.

غلامی کے نظام کو ختم کرنے کے لیے جس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بات بات پر غلام آزاد کرنے کی ترغیب دی اور گناہوں کے کفارہ میں غلاموں کو آزاد کرنے کو دوسری ہر نیکی پر مقدم رکھا. حضرت عمرؓ نے بھی حضورؐ کی اس پالیسی کو اپنایا. پورے عرب کے بارے میں فرمایا کہ عرب غلام نہیں بنائے جا سکتے. دوسرے جنگی قیدیوں میں بھی آپ نے انہیں غلام بنانے میں بہت ڈھیل روا رکھی. آل منذر کے جنگی قیدی سب آزاد کر دیے. مصر کے جنگی قیدیوں کو واپس مصر بھیج دیا. آپ کا حکم تھا کہ کسی لونڈی سے اولاد ہو جائے تو اسے بیچا نہ جا سکے گا. غلاموں اور لونڈیوں کے نظام کو ختم کرنے کے لیے حضورؐ نے جو تدریجی راہ اختیار کی تھی آپ برابر اس پر چلے. اولادِ آدم کے انسانی حقوق میں آپ نے مساوات قائم کر کے دکھا دیا. اسے صرف اس حد تک رہنے دیا جس حد تک آج کے متمدن ممالک میں جنگی قیدیوں کو برابر کے حقوق شہریت نہیں دیئے گئے اور یہ بھی اس لیے کہ وہ کسی طرح ہمارے اپنے تحفظات میں کوئی خلل پیدا نہ کر سکیں.

۹۔ آپ نے اسلامی نظامِ حکومت کے اس بنیادی اصول میں کوئی کمزوری نہ آنے دی کہ سلطنت اسلامی مسلمانوں کے مالی امور کو اپنے کنٹرول میں رکھے۔ یہ نہ ہوتا تو اسلام بھی ایک لرا مذہب ہو کر رہ جاتا کامل دین نہ مانا جاتا۔ آپ نے بیت المال قائم کیا جو پوری قوم کی امانت سمجھا جاتا تھا اور سربراہِ مملکت اپنے کو اس کا مالک نہیں سمجھتا تھا۔ حضورؐ نے اسے یہ شکل دی تھی۔

فقراء اور حاجت مندوں کی ضرورات اس سے پوری ہوتیں اور یہ ایک ایسی راہ تھی جس سے امیر و غریب کے مابین نہ صرف ہمدردی اور محبت قائم ہوئی بلکہ اس سے پوری قوم ایک ہو کر رہی کہ جب ان کا مالی نظام ایک ٹھہرا تو یہ ایک ایسی قوم ہے جس کا کوئی فرد اس کے دائرہ سے باہر انفرادی زندگی اختیار کیے ہوئے نہیں حضرت ابو بکرؓ نے اس اصول کو ان لفظوں میں بیان کیا تھا۔

عورتوں کے حقوق کا تحفّظ

اسلام میں عورت دوسرے نمبر پہ ہے لیکن دوسرے درجہ پر نہیں۔ انسان کے بنیادی حقوق میں وہ مرد کے برابر ہے۔ دوسرے نمبر پہ ہونے کا مطلب زندگی کی ذمہ داریوں میں عورتوں کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ مثلاً

۱۔ کمانے کی ذمہ داری مرد پر ہے۔ بیوی کے نان و نفقہ کا بھی وہ ذمہ دار ہے بچوں کے نان نفقہ کا بھی وہ ذمہ دار ہے۔ بیوی اگر کمانے میں اس کی مدد کرنے تو یہ جائز ہے مگر یہ اس کی ذمہ داری نہیں ہے۔

۲۔ بچے کا تعلق ماں سے زیادہ ہوتا ہے اور شفقت مادری بھی شفقت پدری سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ تاہم بچے کو دودھ پلانے کی ذمہ داری بھی باپ پر ہے۔

۳۔ ملکی دفاع میں مردوں کی فوجیں لڑتی ہیں عورتوں کی نہیں وہ زخمیوں کی تیمارداری کریں اور دوسرے انتظامی امور میں فوجیوں کی مدد کریں یہ خدمت دوسرے درجہ کی ہے ملکی دفاع میں عورت دوسرے نمبر پہ ہے مگر دوسرے درجہ میں نہیں۔ گویہ خدمت دوسرے درجے کی ہے۔

۴۔ قدیم الایام سے مرد کھیتی باڑی کا کام کرتے چلے آرہے ہیں۔ وہی تپتی دھوپ میں

فصلیں کاٹتے رہے عورتیں ان کی مدد میں گھر کی ساری ذمہ داری سنبھالتی تھیں۔

۵۔ مردوں پر زندگی کی ذمہ داریاں سارا سال برابر رہتی ہیں۔ عورتوں کو فطری طور پر ایام حمل ایام وضع اور ایام رضاعت میں تخفیف دینی پڑتی ہے سو عورت ہمیشہ دوسرے نمبر پر رہی ہے لیکن دوسرے درجے پر نہیں۔

۶۔ بوجھ اٹھانے والے مزدور ہمیشہ مردوں میں سے لیے گئے۔

۷۔ مقدمات میں مردوں کو گواہی کی بڑی قیمت دینی پڑتی ہے فریق مخالف سے دشمنی بڑھتی ہے گواہی کے لیے آتے جاتے بڑے خطرات کا سامنا کرنا پڑتا ہے عورت کی گواہی نصف اس لیے نہیں رکھی گئی کہ وہ دوسرے درجہ میں ہے بلکہ اس لیے کہ گواہی کا نفسیاتی بوجھ عورت پر کم آئے۔

۸۔ اسلامی معاشرت نے مرد کے ٹھکانے دو نہیں رکھے مرد سسرال کے گھر نہیں رہتے عورتوں کو سسرال اور میکے دونوں جگہ رہنے کی وسعت دی گئی۔

۹۔ ہسپتالوں میں آپ کو ڈاکٹر زیادہ مرد ملیں گے اور نرسوں میں زیادہ عورتیں۔ یہ اس لیے نہیں کہ معاشرہ میں عورت دوسرے درجہ میں ہے بلکہ اس لیے کہ نرسنگ میں جس انسانی ہمدردی اور خیر خواہی کی ضرورت ہوتی ہے وہ مردوں سے عورتوں میں زیادہ ہوتی ہے۔

۱۰۔ وراثت میں عورت کو مرد سے آدھا حصہ دیا گیا تاکہ مرد ان کی جائداد پر زیادہ نظر نہ رکھیں۔ خود اپنی بیویوں کو ان کی ضروریات بہم پہنچائیں انہیں یہ نہ کہیں کہ اپنے گھر آباد کرنے کے لیے ماں باپ سے کچھ لے کر آؤ۔ ضرورت کے پورا کرنے میں عورت دوسرے نمبر پر تو ہے لیکن دوسرے درجہ پر نہیں مسلمانوں کے گھروں میں آپ اکثر دیکھیں گے کہ عورت گھر کی ملکہ ہوتی ہے کیا یہ کبھی اس قوم میں ہو سکتا ہے جو عورت کو دوسرے درجے کے حقوق دے۔

عرب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے عورت ایک دوسرے درجہ کا انسان سمجھی جاتی تھی۔ لڑکیوں کو درگور کرنے میں عزت سمجھی جاتی تھی۔ لڑکیوں کی پیدائش پر ان کے چہرے اتر جاتے تھے۔ قرآن نے اسے مشرکین کا عمل بتایا اور گرے ہوئے انسان کو بلندی بخشی۔

واذا بشر احدھم بما ضرب للرحمٰن مثلاً ظل وجھہ مسوداً وھو کظیم (پ ۲۵ الزخرف ۱۷)

ترجمہ۔ اور جس وقت خبر دی جاتی ہے ان میں سے کسی کو جس کی مثل لاتا ہے وہ اللہ کے لیے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ غصے سے بھرا ہوتا ہے۔

اسلام نے عورت کو ایسی عزت بخشی کہ اس سے پہلے عرب میں اس کی نظیر نہ تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی سب سے پہلے عورت (ام المومنین حضرت خدیجہؓ) نے گواہی دی اس عالم متحیر میں وہی آپ کو لے کر ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں۔ حضورؐ کے بعد علوم اسلامی تفسیر حدیث اور فقہ کا سب سے بڑا مرکز ایک عورت (ام المومنین حضرت عائشہؓ) ہی رہی جس سے بڑے بڑے صحابہؓ دین کی رمزیں سمجھنے آتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی اولاد ایک بیٹی (حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراؓ) سے چلی۔ قرآن کریم میں جس طرح نوح۔ ابراہیم اور یوسف و یونس کے ناموں کی سورتیں ملتی ہیں سورۂ مریم بھی اسی قرآن میں موجود ہے۔

حضرت عمرؓ چاہتے تھے کہ اسلام میں عورت اس طرح محفوظ رہے جیسے معاشرے میں سونا عزت سے رکھا جاتا ہے۔ انہوں نے آیت حجاب نازل ہونے سے پہلے عورتوں کے لیے یہ عزت چاہی۔ یہ موضوع ان موافقات میں سے ہے جن میں اللہ رب العزت نے حضرت عمرؓ کی نبض اسلامی کی تکریم کی اور اسلام میں عورتوں کے لیے پردے کا حکم نازل ہوا۔

ایک دفعہ حضرت عمرؓ وعظ فرما رہے تھے آپ نے اس میں عورتوں کے لیے بڑے بڑے مہر لینے سے ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ وہیں سے ایک عورت اٹھی اور اس نے کہا آپ ہمارے مہروں کو کس طرح کم کر سکتے ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں سونے کے ڈھیر تک مہر لینے کا حق دیا ہے :۔

وان اردتم استبدال زوج مکان زوج وآتیتم احدٰھن قنطاراً فلا تاخذوا منه شیئاً اتاخذونه بھتاناً واثماً مبیناً۔ (پ۴ النساء ۲۰)

ترجمہ۔ اور اگر تم بدلنا چاہو ایک عورت کو دوسری سے اور تم دے چکے ایک کو خزانے کا ڈھیر بھی تو مت لو اس میں سے کچھ۔ کیا تم چاہتے ہو اس کو ناحق لینا اور صریح گناہ سے۔

حضرت عمرؓ کا منشا صرف اس رجحان کو روکنا تھا جو عورتوں میں زیادہ مال کی خواہش کا نفوذ کر رہا تھا۔ آپ اس کے بنیادی حق کو روکنا نہ چاہتے تھے لیکن آپ اس عورت کے جواب سے اس قدر خوش ہوئے کہ برملا اس حکم کو واپس لیا اور فرمایا :۔

نساء المدینة افقه من عمر۔

ترجمہ۔ مدینہ کی عورتیں عمر سے زیادہ دین سمجھتی ہیں۔

اس سے جہاں یہ پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے دور میں عورتیں عام مجالس وعظ میں بھی آتی تھیں وہاں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ عورتوں کو رائے اور اظہار خیال کی پوری آزادی حاصل تھی۔ برملا وہ سربراہ مملکت پر بھی اعتراض کر سکتی تھیں اور خلیفہ راشد اس احساس سے ان کے اعتراض کو سنتا کہ یہاں کے سوالات ان سوالات سے بہتر ہیں جو آخرت میں ان سے کیے جائیں گے سو یہاں کا ضعیف بھی ان کے ہاں اس دن کی نسبت سے قوی سمجھا جاتا تھا۔ حضرت سعدؓ فاتح ایران کی بیوی سلمٰی کے پاس ابو محجن نے حاضر ہو کر اپنی زنجیریں اتروا دیں اور جنگ میں شامل ہونے کی ذمہ داری لی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے عہد میں عورت کو سماج میں کیا مقام حاصل تھا۔

۱۰ رفاہِ عام کے کام

پوری تعلیمات اسلام کا حاصل تین باتیں ہیں۔ ۱۔ خدا کی عبادت سے۔ ۲۔ رسول کریم کی اطاعت سے اور ۳۔ عام مخلوق کی خدمت سے خوش کرو۔ حضرت عمرؓ نے حدیث الدین النصیحہ پر اس طریق پر عمل کیا کہ عوام کی ہمدردی اور خیر خواہی سے آپ نے ان کے دل جیت لیے۔ حضورؐ نے فرمایا۔

الدین النصیحۃ (قلنا لمن قال) للّٰہ ولکتابہ ولرسولہ ولائمۃ المسلمین وعامتھم۔[۱]

ترجمہ۔ دین نام ہے خیر خواہی کا۔ اللہ کی اسکی کتاب کی اس کے رسول کی اور ائمہ کرام کی اور مسلم عوام کی۔

حضرت عمرؓ نے ضعیفوں اور اپاہج لوگوں کے وظائف بیت المال سے مقرر کیے مسافروں کے لیے شاہراہوں میں مہمان خانے تعمیر کرائے۔ لاوارث بچوں کے تربیتی مراکز قائم کیے۔ راتوں کو اپنی نشاندہی کرائے بغیر گلیوں اور قصبوں میں گھومتے اور حاجت مندوں کا پتہ کرتے۔ پھر ایسا بھی کئی دفعہ ہوا کہ اپنی کمر پہ سامان اٹھا کر بیواؤں اور یتیموں کی ضرورت پوری کی۔

۱۱ اقلیتوں سے حسنِ سلوک

اسلام ان کافروں سے جو تم سے نہ لڑیں حسنِ سلوک کی تعلیم دیتا ہے۔ جن کافروں کو امان

---

[۱] رواہ مسلم جلد ۱ صہ ۵۴

دی جائے ان کے جان و مال کی حفاظت بھی اسی طرح حکومت کے ذمہ ہے جس طرح مسلمانوں کے جان و مال کی:۔

لا ینھٰکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبرّوھم وتقسطوا الیھم ط ان اللہ یحبّ المقسطین۔

(پ ۲۸ الممتحنہ ۸)

ترجمہ۔ اور نہیں منع کرتا اللہ تمہیں ان لوگوں کے حسن سلوک سے اور ان سے انصاف کرنے سے جو تم سے دین میں نہیں لڑے اور نہ انہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

حضرت عمرؓ نے کتاب و سنت کا یہی نظام قائم کیا۔ اقلیتوں کے حقوق کا پورا تحفظ کیا۔ غیر مسلموں پر جزیہ ظلماً نہیں لگایا جاتا یہ ان کے مال و جان کی حفاظت کے عوض لگایا جاتا ہے۔ انہیں جبراً فوج میں نہیں لیا جا سکتا۔ بخلاف مسلمانوں کے کہ ان سے زکوٰۃ وصول کی جاتی ہے اور انہیں فوج میں آنے پر مجبور بھی کیا جا سکتا ہے ایک اسلامی سلطنت اپنے فرزندوں پر یہ حق رکھتی ہے لیکن اقلیتوں کو اس پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں اگر وہ خود اس میں آنا چاہیں تو انہیں ملکی خدمت کا موقع دیا جا سکتا ہے۔

حضرت عمرؓ کے سپہ سالار ابو عبیدہؓ حمص کو فتح کر کے وہاں کے غیر مسلموں سے جزیہ وصول کر چکے تھے۔ پھر جب انہیں جنگ یرموک کی خاطر حمص سے پیچھے ہٹنا پڑا تو انہوں نے وہاں کی غیر مسلم رعایا کو ان سے بطور جزیہ وصول کی گئی رقم واپس کی کہ اب جب وہ ان کے جان و مال کی حفاظت نہ کر سکیں گے تو وہ اس رقم کے حقدار نہیں ہیں۔

مسلمانوں کی حمص سے واپسی پر وہاں کے غیر مسلم مسلمانوں کے اس نظام عدل پر رو رہے تھے اور دعا مانگتے تھے کہ اللہ تعالیٰ انہیں پھر یہاں لائے۔ جس ملک میں عدل و انصاف اس طرح نافذ ہو وہاں کی رعایا حکمران کی اسی طرح غلام بے دام بنتی ہے۔ حضرت عمرؓ اپنے عادلانہ نظام اور غیر مسلم اقلیتوں سے حسن سلوک کے باعث اپنی رعایا کے دلوں پر حکومت کرتے تھے مسلمان ہوں یا غیر مسلم سب ان کا دم بھرتے تھے۔ حضرت عمرؓ کی یہ حکومت ان کی وفات کے بعد بھی ان کے دلوں پر قائم رہی۔

حضرت عمرؓ کی اقلیتوں سے حسنِ سلوک کی ایک اور مثال لیجئے :۔

حضرت عمرؓ نے جب بیت المقدس فتح کر لیا اور عیسائیوں نے بلا جنگ کیے بیت المقدس کی چابیاں ان کے سپرد کر دیں تو حضرت عمرؓ نے عیسائی بطریق کے ساتھ شہر کے متعدد مقامات کو دیکھا ان کی بڑی بڑی عبادت گاہیں بھی دیکھیں. اتفاق سے اسی معائنہ کے دوران نماز کا وقت آگیا. عیسائیوں نے وہیں ایک بڑے گرجا میں صفیں بچھا دیں. بطریق نے آپ سے کہا کہ آپ چاہیں تو یہاں نماز پڑھ سکتے ہیں. حضرت عمرؓ نے گرجا میں نماز پڑھنے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ اگر ہم یہاں نماز پڑھیں تو مسلمان آئندہ کسی وقت مسجد بنا لیں گے. میں نہیں چاہتا کہ غیر مسلموں کی عبادت گاہ میں ہم کسی طرح کا حق قائم کریں.

حضرت عمرؓ نے فتح بیت المقدس پر اہل ایلیا سے جو معاہدہ کیا وہ بتاتا ہے کہ خلفاء راشدین غیر مذاہب والوں سے کیا سلوک کرتے تھے. نامناسب نہ ہوگا کہ ہم یہاں اس معاہدہ کے الفاظ بھی ہدیہ قارئین کر دیں :۔

یہ وہ معاہدہ امن ہے جو خدا کے بندے امیر المومنین عمرؓ نے ایلیا کے لوگوں سے کیا ہے. یہ امن جو ان کو دیا جاتا ہے ان کی جانوں. ان کے مالوں ۔ ان کے گرجاؤں اور ان کی صلیبوں ــــ اور ان کے بیماروں اور تندرستوں ــــ اور ان کے جملہ اہل مذاہب کے لیے ہے اور وہ یہ ہے کہ. ا. ان کے گرجا گھروں میں سکونت نہ کی جائے گی نہ انہیں گرایا جائے گا نہ انہیں اور ان کے احاطوں کو کوئی قسم کا نقصان پہنچایا جائے گا نہ ان پر دین کے بارے میں کوئی جبر کیا جائے گا.

حضرت عمرؓ کی فتوحات

آپ کی فتوحات کی بنیاد حضرت ابوبکرؓ اپنے ہاتھوں رکھ گئے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کی پالیسی یہی رہی کہ اسلامی سلطنت کی سرحدوں کو زیادہ سے زیادہ مضبوط رکھا جائے۔ آپ کو اسلامی سرحدات پر جہاں بھی کوئی آبادی ایسی نظر آئی جس کا ربط کسریٰ یا قیصر کے ساتھ ہے آپ نے اسے کمزور کیا تاکہ وہ کسی وقت ان بڑی طاقتوں کی آلہ کار نہ بنے اور سلطنت اسلامی کو ان سرحدوں سے کوئی خطرہ نہ رہے۔ اسی فکر سے حضرت ابوبکرؓ نے ایران اور روم کی سرحدوں پر عرب سلطنت کو ہر ممکن خطرے سے محفوظ کیا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی اسی لائن پر ایران اور روم سے جنگیں جاری رکھیں۔

عراق عرب

دریائے فرات کے مغرب کی طرف جو عرب آبادی تھی اسے عراق عرب کہتے تھے یہ علاقہ ایران کے قبضے میں تھا اس عرب آبادی پر ایران کا قبضہ تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں حضرت خالد بن ولیدؓ حیرہ پر قبضہ کر چکے تھے وہاں آپ نے مثنیٰ کو سپہ سالار بنایا اور خود شام چلے گئے۔ حضرت خالدؓ اور حضرت مثنیٰؓ کی کوششوں سے عرب سلطنت کا یہ علاقہ اب پوری طرح محفوظ ہو چکا تھا۔

ایران کی پیش قدمی

ایران نے ہرمز کی قیادت میں دس ہزار کی فوج مثنیٰؓ کو زیر کرنے کے لیے بھیجی۔ مثنیٰؓ نے دریائے فرات کے مغربی کنارے کو محاذ بنانے کی بجائے فرات کو عبور کر کے اس کے مشرقی کنارے کو محاذ بنایا اور مثنیٰؓ نے ایران کی کثیر فوج کو پیچھے بھگا دیا۔ ان علاقوں کے جو عرب ایران سے ملے ہوئے تھے آپ نے ان پر مواخذہ کرنے کی بجائے انہیں اپنے ساتھ ملانے کی پالیسی اختیار کی اور کمک حاصل کرنے کے لیے مدینہ چلے آئے یہ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کا آخری دن تھا۔ آپ نے حضرت عمرؓ کو کہا کہ ایران کی سرحد پر فوج بھیجو۔ وہ ہرمز کی قیادت میں جنگ کی پہل کر چکے تھے۔

حضرت عمرؓ کی فتوحات کا آغاز

حضرت عمرؓ نے ابوعبیدہؓ کو سپہ سالار بنایا کہ وہ اس خطرے کا مقابلہ کریں. اسی دوران ایرانی فوجوں نے رستم کی قیادت میں دریائے فرات کو عبور کر لیا اور کئی عرب علاقے مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل گئے یہاں تک کہ حضرت مثنیٰؓ بھی حیرہ سے پیچھے ہٹ آئے.

جنگِ نمارق

نمارق کے مقام پر حضرت ابوعبیدہؓ اور رستم کے درمیان معرکہ کی جنگ ہوئی. رستم کو شکست ہوئی اور ایرانی افواج ابھی فرات کے اس پار تھیں کہ حضرت ابوعبیدہؓ نے فرات کو عبور کر کے انہیں شکست دی اور عرب علاقوں پر اب دوبارہ مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا اور حیرہ پھر قلمرو اسلامی میں آگیا.

اب ایرانیوں نے فرات کے اس پار اپنی پوری فوجی قوت جمع کر دی بہمن کو سپہ سالار بنایا اور ہاتھیوں کو اس سرحد پر لے آئے کسی نے دریا کا پل توڑ دیا اور ادھر سے کمک پہنچنے کی کوئی صورت نہ رہی. مقام جسر پر بڑا معرکہ لگا اور حضرت ابوعبیدہؓ شہید ہو گئے. اب کمان پھر مثنیٰؓ نے سنبھال لی. حضرت عمرؓ نے جریر کی زیر قیادت ایک بڑی فوج مثنیٰؓ کی امداد کے لیے بھیجی عرب کے رہنے والے عیسائی بھی مسلمانوں کی حمایت کے لیے نکلے.

اتنے میں اطلاع ملی کہ ایران کے دارالحکومت مدائن میں بغاوت ہو گئی ہے. مدائن دریائے دجلہ کے دونوں طرف آباد تھا. یہ جگہ بغداد سے تقریباً پندرہ میل دور تھی.

جنگِ بویب

اب فرات کے دونوں کناروں پر دونوں فوجوں کا معرکہ لگا. ایران نے مہران کی قیادت میں ایک بڑی فوج اور بھیج دی. کوفہ کے قریب بویب کے مقام پر ایک بڑی جنگ ہوئی. ایرانیوں نے فرات کو عبور کر لیا لیکن شکست کھائی. مہران مارا گیا. اب یہاں ایرانیوں کو بھاگنے کے لیے بھی راہ نہ ملتی تھی. مسلمانوں نے پل پر ان کا راستہ روک رکھا تھا. یہ معرکہ بویب واقعہ جسر کا کافی جواب بنا. تاہم ایرانیوں کی مرکزی قوت ابھی قائم تھی.

جنگِ قادسیہ

حضرت عمرؓ کا ایران سے تیسرا معرکہ قادسیہ کے مقام پر لگا۔ یہ رمضان ۱۴ ہجری کا واقعہ ہے۔ ایرانیوں نے بویب میں شکست کھانے کے بعد عرب کے سرحدی مقبوضات میں پھر سے بغاوتیں پھیلائیں اور اس طرح کئی علاقے مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئے۔ حضرت عمرؓ نے اب حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو سپہ سالار بنا کر مثنیٰؓ کی امداد کے لیے بھیجا۔ حضرت سعدؓ نے کوفہ کے قریب اپنی فوجیں اتار دیں۔ حضرت عمرؓ نے حکم بھیجا کہ قادسیہ کے مقام پر اس طرح فوج اُتارو کہ پیچھے پہاڑ ہو۔ قادسیہ ایران کے دارالحکومت مدائن سے تقریباً چالیس میل کے فاصلے پر ہے۔ ایرانیوں کی طرف سے رستم سالار افواج تھا اور مسلمانوں کی طرف سے حضرت سعدؓ میدان میں اترے۔ حضرت مثنیٰؓ شہید ہو چکے تھے۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے حضرت عمرؓ کے حکم سے پہلے انہیں اسلام کی دعوت دی۔ ثانیاً انہیں جزیہ دینے کا کہا۔ ثالثاً وہ جنگ کے لیے تیار رہیں۔

یہ جنگ تین دن جاری رہی۔ اس میں ایرانیوں کی کمر ٹوٹی۔ مسلمانوں کی فوج تیس ہزار تھی اور رستم کی فوج ایک لاکھ بیس ہزار سے اوپر تھی۔ پہلے دن کی لڑائی یوم الامارت کے نام سے، دوسرے دن کی یوم الاغواث کے نام سے اور تیسرے دن کی یوم العماس کے نام سے تاریخ میں مذکور ہے۔ تیسرے دن کی جنگ میں رستم مارا گیا۔ جنگِ قادسیہ میں مسلمانوں کے ساڑھے آٹھ ہزار آدمی شہید ہوئے۔ ایرانی فوجوں نے بھاگ کر بابل میں پناہ لی۔ حضرت سعدؓ نے وہاں بھی ان کا رُخ کیا اور انہیں وہاں سے بھی نکالا۔ اب یہ دریائے دجلہ کے مغربی کنارے جا بیٹھے۔ دجلہ کے مشرقی کنارے ان کا دارالحکومت تھا جہاں یزدگرد شاہِ ایران رہتا تھا۔ دجلہ کے مغرب میں بہرہ شیر کا علاقہ تھا۔

حضرت سعدؓ پھر حضرت عمرؓ کی اجازت سے ۱۵ ہجری میں مدائن کی طرف بڑھے۔ آپ کو جب کسریٰ کے محل نظر آئے تو آپ نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور کہا کہ آج حضورؐ کی وہ پیش گوئی پوری ہو گئی کہ مجھے کسریٰ کے محل دکھائے گئے ہیں اور بتایا گیا ہے کہ وہاں میری امت کے قدم پہنچیں گے۔

فتحِ مدائن

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے مدائن کے مغربی حصہ (بہرہ شیرہ) کو گھیرے میں لے لیا

اور ایرانی فوج یہاں سے کلیتہً نکل گئی اور پورا عراق عرب مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔ ایرانی دجلہ کے مشرق میں چلے گئے۔ یزدگرد نے اپنے خزانہ اور خاندان کو احتیاطاً حلوان بھیج دیا کہ اگر مسلمان دجلہ عبور کر لیں تو اسے اس وقت مدائن سے نہ نکلنا پڑے۔ حضرت سعدؓ نے ساٹھ ساٹھ سواروں کے دس دستے ترتیب دیئے اور انہیں باری باری دجلہ عبور کرنے کے لیے کہا۔ پہلے دستے نے اللہ اکبر کہہ کر اپنے گھوڑے دریا میں ڈال دیئے۔ جب پہلا دستہ دجلہ کے مشرقی کنارے آ لگا تو ایرانی اس ایمان پرور دستہ کو دیکھ کر جنوں کی آمد سمجھے اور مدائن چھوڑ گئے۔ حضرت سعدؓ ۱۶ ہجری کو قرآن کی یہ آیت[1] پڑھتے ہوئے مدائن داخل ہوئے:۔

کم ترکوا من جنٰت وعیون و زروع و مقام کریم و نعمة کانوا فیها فاکهین کذٰلک واورثنٰها قوماً اٰخرین۔ (پ۲۵ الدخان ۲۵)

ترجمہ: بہت کچھ چھوڑ گئے باغ اور چشمے اور کھیت اور اچھی جگہ رہنے کی اور آرام کی کہ وہ ان میں عیش کرتے تھے اسی طرح اور وارث کیا ہم نے ان چیزوں کا اور لوگوں کو۔ پھر نہ رویا ان پر آسمان اور نہ زمین اور وہ کچھ ڈھیل نہ دیئے گئے۔

ابو مخنف کہتا ہے حضرت عمرؓ فتح شام پر جب دمشق آئے تو انہوں نے یہ آیت پڑھی تھی اور اس کے بعد نابغہ کے دو شعر پڑھے تھے لیکن دوسرے مؤرخین اس سے اتفاق نہیں کرتے۔ لم ینقل احد انه دخلها فی شیء من قدماته الثلث الی الشام [2]

حضرت سراقہؓ کے ہاتھوں میں کسریٰ کے کنگن

ایران کے دولت کے خزانے مسلمانوں کے ہاتھ لگے تو ان میں کسریٰ شاہِ ایران کے سونے کے کنگن بھی تھے۔ حضرت سعدؓ نے حضرت سراقہ بن مالکؓ کو بلایا اور اسے وہ کنگن پہنائے اس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ پیشگوئی پوری ہوئی جو آپ نے سولہ سال پہلے فرمائی تھی۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے ہجرت فرمائی تو سراقہ گھوڑے پر سوار ہو کر آپ کا تعاقب کرتے پیچھے آ رہا تھا۔ جب وہ آپ کے قریب پہنچا تو اس کا گھوڑا ٹھوکر کھا جاتا اور

---

[1] یہ آیات فرعون کے مصر سے نکلنے اور ان کے اموال دوسروں کے قبضہ میں جانے کے متعلق ہیں۔ [2] البدایہ جلد ۷ صـ۵۸

وہ حضورؐ تک نہ پہنچا اس سے اسلام کی صداقت اس کے دل میں اُتر گئی۔ اب وہ صدقِ دل سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آیا۔ آپ نے فرمایا سراقہ میں تیرے ہاتھوں میں کسریٰ کے کنگن دیکھ رہا ہوں۔

یہ کسریٰ کے سونے کے کنگن پہننا محض ایک اظہارِ خوشی کے طور پر تھا کہ کس طرح حضورؐ کی پیشگوئی پوری ہوئی لباس تفاخر کے طور پر نہ تھا۔ چنانچہ حضرت سراقہؓ نے وہ کنگن اُتار دیئے کہ اسلام میں مردوں کے لیے سونا پہننا دلباس تفاخر کے طور پر جائز نہیں۔

یزدگرد اب مدائن سے سو میل کے فاصلے پر بمقام حلوان مقیم ہوا۔ یہ جگہ مدائن کے شمال کی طرف تھی۔ ایرانی اب یہاں سے جنگ کی تیاریاں کرنے لگے۔ حضرت سعدؓ نے حضرت عمرؓ سے اب آگے بڑھنے کی اجازت لے لی اور مسلمان بارہ ہزار کے لشکر جرار کے ساتھ آگے بڑھے اور حلوان میں ان کا محاصرہ کر لیا اسی دن تک یہ محاصرہ رہا مسلمانوں نے حلوان پر بھی قبضہ کر لیا۔ اب یزدگرد رے میں پناہ گزیں ہوا۔

ایرانیوں کے اموالِ غنیمت جب مدینہ پہنچے اور مسجد نبوی میں ان کے مال و دولت کے ڈھیر لگ گئے۔ زیاد نے حضرت عمرؓ سے خراسان کی طرف بڑھنے کی اجازت مانگی تو حضرت عمرؓ نے اجازت نہ دی۔ آپ نے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ ہمارے اور ایرانیوں کے درمیان ایسے پہاڑ ہوں کہ وہ آئندہ کبھی ہم تک نہ پہنچ سکیں۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ توسیع پسندی میں دوسرے ممالک کی طرف نہ بڑھ رہے تھے آپ چاہتے تھے کہ سلطنت اسلامی چاروں طرف سے محفوظ ہو۔

ایرانیوں کے بعد رومی افواج کا خطرہ

دریائے دجلہ کے اُوپر شمال کی طرف جائیں تو آگے عیسائیوں کی بہت سی بستیاں تھیں۔ رومی بڑی تعداد میں مقیم تھے۔ عرب بدوؤں کے عیسائی اپنے رومی بھائیوں سے ہمدردی رکھتے تھے۔ اس خطرے کو روکنے کے لیے مسلمان آگے شمال کی طرف بڑھے۔ بمقام تکریت مسلمانوں اور رومیوں کا مقابلہ ہوا۔ ایاد تغلب اور نمر کے کچھ قبائل مسلمان ہو گئے اور وہ مسلم افواج سے آملے۔ رومی فوجوں نے شکست کھائی اور مسلمانوں نے آگے بڑھ کر قبضہ کر لیا۔ اب مسلمان عراق عرب سے آگے نکل چکے تھے اور الجزیرہ میں داخل ہو چکے تھے۔ تکریت اور موصل دونوں الجزیرہ کے علاقے

ہیں۔ قیصر روم برابر یہاں اپنی فوجیں بھیج رہا تھا کہ جہاں تک ہو سکے مسلمانوں کو آگے بڑھنے سے روکا جائے۔ اب قیصر کی طاقت کو توڑے بغیر مسلمان اپنی جگہ (سلطنت اسلامی میں) محفوظ نہ تھے۔

عراق کے جنوب پر پیشقدمی

حضرت عمرؓ عراق کے جنوبی علاقوں میں بھی استحکام چاہتے تھے۔ آپ کے حکم سے عتبہؓ نے ۱۴ ہجری میں ایلہ (بندرگاہ) پر قبضہ کیا ہوا تھا تین سال بعد اس علاقہ میں بصرہ آباد ہوا۔ حیرہ کے قریب کوفہ آباد ہوا۔ آپ نے یہاں عبداللہ بن مسعودؓ کو لا بٹھایا۔ ان کا درس حدیث پورے عراق کی مسند علم تھا۔ ان حالات میں سلطنتِ اسلامی کو بصرہ اور کوفہ سے کافی استحکام ملا۔ اب حضرت عمرؓ نے شام کی طرف توجہ فرمائی۔

یہاں بھی حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کے لیے راہِ عمل بنا رکھی تھی حضرت ابوبکرؓ بمقام اجنادین قیصر کی افواج کو شکست دے چکے تھے۔ اب ہرقل نے انطاکیہ کو مرکز بنایا۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے ۱۴ ہجری میں شام کا رُخ کیا۔ چھ ماہ تک دمشق کا محاصرہ رہا۔ ہرقل حمص سے شام کمک بھیجتا رہا مگر حضرت خالدؓ نے ان محصورین کے لیے امداد کی تمام راہیں بند کر رکھی تھیں۔

فتح دمشق

حضرت خالد بن ولیدؓ ایک رات جب کہ سخت سردی تھی اہلِ دمشق شراب میں مدہوش تھے فصیل پر چڑھ گئے اور اندر سے دروازے کھول دیئے۔ دمشق کی دوسری طرف ابوعبیدہؓ تھے۔ اس طرف کا دروازہ ان محصورین نے خود کھول دیا۔ اور اس طرح لڑے بغیر شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا۔ نہ یہاں مالِ غنیمت جمع کیا گیا نہ کسی کو قید کیا گیا۔ جب یہ فتح لڑے بغیر ہوئی تھی تو حضرت خالدؓ نے وہاں قرآن کی ہدایت کے مطابق انہیں وہاں مکمل امن دیا اور جان و مال کی حفاظت بخشی۔

ہرقل کا دوسرا محاذ

ہرقل شام کے لیے برابر کمک بھیجتا رہا۔ مگر حضرت خالدؓ نے وہ امداد محصورین تک نہ پہنچنے دی۔ اب ہرقل نے اردن میں اپنی فوجی کمک جمع کی۔ حضرت خالدؓ نے اب اس طرف کا رخ کیا اور مقام فحل میں اپنی طاقت جمع کی۔ عیسائی فوجیں مسلمانوں سے مرعوب ہوگئیں اور انہوں نے صلح کی پیشکش

کی۔ حضرت خالدؓ نے ان کی طرف حضرت معاذؓ کو بھیجا۔ انہوں نے حضرت معاذؓ کے سامنے اپنی کثرت کا ذکر کیا۔ حضرت معاذؓ نے وہاں قرآن پڑھا:۔

کم من فئۃٍ قلیلۃٍ غلبت فئۃً کثیرۃً باذن اللّٰہ۔ (پ۲ البقرہ ۲۴۹)

ترجمہ۔ کتنی چھوٹی جماعتیں پہلے بڑی جماعتوں پر اللہ کے حکم سے غالب آچکی ہیں۔
اس سے پتہ چلا کہ قرآن کس طرح ان کے دلوں پر حکومت کرتا تھا۔

اس صورت حال نے اتفاق نہ ہونے دیا۔ جنگ کا عظیم معرکہ لگا۔ رومیوں کی تعداد پچاس ہزار سے زائد تھی۔ مگر ہوا وہی کچھ جس کی خبر حضرت معاذؓ نے قرآن کے حوالے سے دی تھی۔ اب مسلمانوں نے ان سے صلح کر لی اور انہیں جان و مال کی حفاظت کی ضمانت دی۔ ان کے عبادت خانوں کو قائم رہنے دیا۔ صرف یہ کہا کہ وہ ان کی زمین میں مسجد قائم کرنے کے لیے کچھ جگہ ضرور لیں گے۔
اب مسلمانوں نے حمص کا رخ کیا۔ اردن میں عمرو بن عاصؓ مقیم رہے۔

فتح حمص

مسلمان فوجیں حضرت خالدؓ کی قیادت میں آگے بڑھیں اور حمص بھی فتح ہو گیا۔ اب حضرت عمرؓ نے حضرت خالدؓ کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔ ابوعبیدہؓ حمص میں رہے اور حضرت خالدؓ واپس دمشق چلے گئے۔ دمشق، اردن، حمص کی پے در پے شکستوں سے ہرقل بہت پریشان تھا۔ اب اس نے مسلمانوں سے ایک فیصلہ کن جنگ لڑنے کے لیے انطاکیہ میں جمع افواج کی نفیر عام دے دی کہ اب بے حرکت میں کوئی پیچھے نہ رہے۔ حمص سے اپنی فوجیں ہٹا لینے کے بعد ابوعبیدہؓ نے وہاں کے لوگوں سے جزیہ کی جو رقم لی تھی وہ انہیں واپس کر دی۔ وہ رقم ان کی جان و مال کی حفاظت کے عوض لی تھی۔ اور وہ اب ان کی حفاظت کے ذمہ دار نہ رہے تھے۔

جنگِ یرموک

حضرت ابوعبیدہؓ نے ان نئے حالات میں سوچا کہ حمص کو خالی کر دیں اور اردن کے بھی بعض حصوں سے پیچھے ہٹیں اور جنگ کا محاذ وہاں بنے جہاں پیچھے سے کمک آسانی سے پہنچ سکے وقت کا یہ انتخاب یرموک کے نام دکھائی دیا۔ حضرت عمرو بن عاصؓ بھی اپنی افواج کے ساتھ یرموک آ پہنچے اور مدینہ سے بھی امداد وہیں آگئی۔ اب مسلمان وہاں تیس ہزار کے قریب جمع ہو گئے۔ رومی

افواج دو لاکھ کے قریب تھیں۔ پہلے دونوں طرف سے کچھ صلح کی بات چلی حضرت ابو عبیدہؓ کی طرف سے صرف ایک ہی صلح کی شرط تھی کہ رومی اپنی شکست تسلیم کرلیں اور خراج دینے کا عہد کریں تب ہماری ان سے صلح ہو سکتی ہے۔ یہ سطور بولتی ہیں کہ وہ کس قدر اسلام کی سچائی پر یقین رکھتے تھے جو اس کم تعداد پر دو لاکھ کے لشکر سے اقرار شکست مانگ رہے تھے۔

رومی اپنی شکست تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھے یہاں تک کہ جنگ ہوئی اور گھمسان کا رن پڑا۔ رومی افواج اس بڑی کثرت کے باوجود بھاگ نکلیں عیسائی بڑی تعداد میں مارے گئے تین ہزار مسلمان بھی کام آئے۔ ہرقل نے یہ خبر سنتے ہی اپنا مصر چھوڑ دیا اور قسطنطنیہ کی طرف چل نکلا یہ جنگ یرموک شام کی تمام جنگوں کی فیصلہ کن منزل تھی۔ جنگ یرموک کے بعد شام کے تمام بڑے بڑے شہروں نے اطاعت قبول کرلی اور جزیہ دینا قبول کیا۔ ان بلاد کی بڑی آبادی عیسائیت پر رہی۔ کسی کو جبراً مسلمان نہ بنایا گیا بعض لوگ اس خدائی مدد کو دیکھ کر بھی مسلمان ہو گئے کہ کس قدر قلیل تعداد اللہ کے حکم سے کثیر تعداد پر غالب آئی ہے۔

جرجونہ کے رہنے والوں نے جزیہ دینا منظور نہ کیا لیکن جنگ میں مسلمانوں کے ساتھ ہو کر لڑنے کا عہد کیا۔ اس معاہدے پر ان سے بھی صلح ہو گئی جہاں مناسب سمجھا جاتا جزیہ کی شرط بھی چھوڑ دی جاتی۔ مسلمانوں کے سامنے صرف ایک ہی بات رہی کہ جس طرح بھی ہو سکے ان ملکوں میں امن و امان قائم رہے۔ عدل و انصاف نافذ ہو اور اسلام کی شوکت کھلے بندوں تسلیم کی جائے۔ جب یہ اقرار ہو جاتا تو مسلمان کسی کے مذہب سے تعرض نہ کرتے نہ اسلام میں بالجبر کسی کو مسلمان کرنے کی اجازت ہے۔

فتح بیت المقدس

شام پر اگرچہ پورا تصرف ہو گیا مگر فلسطین کی طرف ابھی پوری توجہ نہ ہوئی تھی۔ فتوح شام میں حضرت عمرؓ نے جو کارہائے نمایاں انجام دیئے اور فتوحات حاصل کیں ان کا سنگ بنیاد حضرت ابوبکرؓ رکھ گئے تھے۔ آپ نے شام کی مختلف اطراف میں لشکر روانہ کیے۔ فلسطین کی طرف جو لشکر بھیجا گیا اس کے قائد حضرت عمرو بن العاصؓ تھے۔ آپ کو دوسرے علاقوں میں بھیجے لشکروں کی امداد کے لیے بار بار جانا ہوتا تھا۔ اس لیے فلسطین پر پوری توجہ نہ دی گئی تھی۔ بیت المقدس ابھی عیسائیوں کے ہاتھ میں تھا۔ اس کی باری اب جنگ یرموک کے بعد آئی۔ اب حضرت ابو عبیدہؓ بھی شمال کی مہمات سے

فارغ ہو کر یہاں پہنچ گئے۔ بیت المقدس کا حاکم ارطبون یہاں کی فوجوں کو لے کر مصر چلا گیا۔ اب یہاں کے لوگوں نے بغیر جنگ کیے اس شرط سے صلح کی کہ خود حضرت عمرؓ یہاں آئیں تاکہ ان کے مذہبی پیشوا پچھلی کتابوں کی روشنی میں فاتح بیت المقدس کو پہچان سکیں۔ اس صورت میں وہ بلا جنگ کیے بیت المقدس فاتح بیت المقدس کے حوالے کر دیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ بیت المقدس عیسائیوں کی تعمیر نہ تھی۔ حضرت مریم کی پیدائش سے پہلے اس کا تقدس چلا آرہا تھا۔

حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کو اپنا قائم مقام بنایا[1] اور خود بیت المقدس تشریف لائے۔ جابیہ میں حضرت خالد بن ولیدؓ نے ان کا استقبال کیا اور اہل بیت المقدس نے آپ کو پہچان کر حضرت عمرؓ کو بیت المقدس کا قبضہ دے دیا اور چابیاں آپ کے سپرد کر دیں۔ یہاں اہل ایلیا سے جو معاہدہ طے پایا اس پر حضرت خالد بن ولیدؓ، حضرت عمرو بن عاصؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور حضرت معاویہؓ نے بطور گواہ دستخط کیے اور کاتب اس معاہدہ کے حضرت معاویہؓ تھے۔

۱۵ ہجری میں یہ تحریر لکھی گئی :-

> یہ وہ معاہدہ امن ہے جو خدا کے بندے امیرالمومنین عمرؓ نے ایلیا کے لوگوں سے کیا۔ یہ امن جو ان کو دیا جاتا ہے ان کی جانوں اور ان کے مال، ان کے گرجاؤں اور ان کی صلیبوں اور ان کے بیماروں اور تندرستوں اور ان کے جملہ اہل مذاہب کے لیے ہے اور وہ یہ کہ ان کے گرجا گھروں میں سکونت نہ کی جائے گی نہ انہیں گرایا جائے گا نہ انہیں یا ان کے احاطوں کو کچھ نقصان پہنچایا جائے گا نہ ان کی صلیبوں اور ان کے اموال کو اور نہ ان کے ساتھ دین کے بارے میں کوئی جبر کیا جائے گا اور نہ ان میں سے کسی کو تکلیف دی جائے گی ... جو کچھ اس تحریر میں ہے اس پر اللہ کا عہد اور اس کے رسول کا اور اس کے خلفاء کا اور مومنین کا ذمہ ہے جب تک کہ یہ لوگ مکمل جزیہ ادا کرتے رہیں گے۔[2]

حضرت عمرؓ نے انہیں یہاں تک مذہبی آزادی کا اعتماد دلایا کہ ان کے گرجے میں باوجود عیسائی بطریق کی اجازت کے قسطنطین کے گرجا میں نماز پڑھنے سے انکار کر دیا اور اندیشہ ظاہر کیا کہ آئندہ مسلمان کہیں اس گرجا گھر کو مسجد نہ بنالیں۔ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اس وقت مسلمانوں

---

[1] واستخلف علی المدینۃ علی بن ابی طالب وسار العباس بن عبدالمطلب علی مقدمہ تاریخ ابی الفداء جلد ۲، صفحہ ۵۵ [2] البدایہ والنہایہ لابن کثیر جلد ۷، صفحہ ۵۷

میں صحابہؓ کے اعمال آئندہ آنے والے مسلمانوں میں لائحہ عمل سمجھے جاتے تھے اور یہ صحیح سوچ تھی قوم تبھی قوم رہ سکتی ہے کہ پچھلے پہلوں کے پیچھے چلیں وہ قطار کیا جس میں اونٹ ایک سمت نہ چلیں۔

من کجا نغمہ کجا ساز سخن بہانہ ایست
سوئے قطار مے کشم ناقہ بے زمام را

قیصر کا دمِ واپسیں

مسلمانوں سے پہلے عرب کے گرد دو بڑی طاقتیں تھیں قیصر اور کسریٰ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں طاقتوں کے ٹوٹنے کی خبر دے چکے تھے۔

کسریٰ کی طاقت فتح قادسیہ کے ساتھ ہی ٹوٹ گئی تھی۔ قیصر فتح بیت المقدس سے اپنی طاقت کھو بیٹھا۔ تاہم یہ امر واقع ہے کہ اس نے ایک دفعہ پھر اقتدار میں آنے کی انگڑائی لی۔ اسے ہم قیصر کا دم واپسیں کہہ سکتے ہیں۔

عراق عرب کے شمال میں جزیرہ کی سلطنت ہے۔ جزیرہ کے لوگ عیسائی تھے وہ اپنے تحفظ کے لیے قیصر کو پھر سے اقتدار میں لانا چاہتے تھے۔ چنانچہ قیصر نے شام کو واپس لینے کی کوشش کی اور انطاکیہ۔ قنسرین۔ حلب میں بغاوتیں کرادیں۔ شام اس وقت حضرت ابو عبیدہؓ کی کمانڈ میں تھا۔ جزیرہ والے تیس ہزار کا لشکر لے کر نکلے۔ قیصر نے سمندر کے راستے اپنی فوجیں بھیجیں انطاکیہ والے بھی ان کے ساتھ مل گئے۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے اپنی فوجیں حمص میں جمع کر کے حضرت عمرؓ کو صورتِ حال کی اطلاع دے دی۔

حضرت عمرؓ نے کمک عراق عرب بھیجنے کی بجائے اپنی افواج جزیرہ بھیج دیں۔ اس سے اہل جزیرہ گھبرا گئے۔ انطاکیہ قنسرین اور حلب میں جن عرب قبائل نے بغاوتیں کی تھیں انہیں حضرت خالد بن ولیدؓ نے اطاعت پر آمادہ کر لیا۔ اب پیشتر اس کے کہ حضرت عمرؓ کی بھیجی امداد حمص پہنچے ابو عبیدہؓ نے جزیرہ اور قیصر کی ملی افواج پر ان کے حملہ کرنے سے پہلے حملہ کر دیا اور انہیں شکست دی۔ یہیں قیصر کا دم واپسیں ٹھنڈا پڑ گیا۔ تاہم جن جن علاقوں میں عیسائی آباد تھے وہ قیصر کو اب بھی اپنا نظریاتی سربراہ سمجھتے تھے۔ حضرت عمرؓ کے بعد ایک دفعہ پھر قیصر نے سر اٹھایا اور شام پر حملہ کیا۔ اب کے حضرت عثمانؓ نے اسے شکست دی۔

جزیرہ پر حملہ

شام کی بغاوتوں پر قبضہ کرنے اور قیصر کی افواج کو پسپا کرنے کے بعد حضرت عمرؓ نے اہل جزیرہ پر قیصر سے ساز باز کرنے اور انطاکیہ، قنسرین اور حلب میں عیسائیوں سے بغاوتیں کرانے کی وجہ سے فوج کشی کا حکم دیا۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اس کے لیے آگے بڑھے۔ قیصر کی شکست کی وجہ سے اب ان میں کسی بڑے مقابلے کی ہمت نہ تھی۔ اب مسلمان جزیرہ پر بھی قابض ہو چکے تھے یہ ۱۷ ہجری میں ہوا۔

مصر سے جنگ

شام میں حضرت عمرو بن عاصؓ سالار افواج تھے۔ انہوں نے اس خدشہ سے کہ مصر ایک بڑی غیر اسلامی طاقت ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہاں کے عیسائی قیصر کو پھر مقابلہ پر لے آئیں۔ انہوں نے شام کے تحفظ کے لیے قیصر کو مصر میں کمزور کرنا چاہا اور حضرت عمرؓ سے مصر پر حملے کی اجازت مانگی آپ نے اجازت دے دی۔

قیصر جب اہل جزیرہ کی مدد سے عراق عرب پر حملہ آور ہوا تھا تو انطاکیہ والوں سے بغاوت کرا کر اس نے اپنی فوجیں اسکندریہ کی بندرگاہ سے اُتاری تھیں۔ سو مسلمان اس طرف سے غافل نہ بیٹھ سکتے تھے۔ یہ وہ حالات ہیں جن کی وجہ سے مصر سے جنگ ناگزیر تھی۔

حضرت عمرو بن عاصؓ چار ہزار کی فوج سے وادی العرش کے راستے ۱۸ھ میں وارد ہوئے حضرت عمرؓ نے حضرت زبیرؓ کی قیادت میں کچھ اور فوج بھی عمرو بن عاصؓ کی مدد کے لیے بھیج دی چند جھڑپوں میں معمولی چھڑپیں ہوئیں اور آپ دریائے نیل کے کنارے فسطاط پہنچ گئے۔ یہاں مصریوں کا مضبوط قلعہ تھا۔ حضرت عمرو بن عاصؓ سات ماہ تک اس کا محاصرہ کیے رہے۔ پھر ایک دن حضرت زبیرؓ اور ان کے ساتھی سیڑھی لگا کر فصیل پہ چڑھ گئے۔ عیسائیوں نے مرعوب ہو کر صلح کی پیش کش کی مسلمانوں نے انہیں امان دے دی اور ۱۹ھ میں مسلمان مصر کے اس حصہ زیریں پر جہاں عیسائیوں کی بستیاں تھیں قابض ہو گئے۔ مسلمانوں کی یہ فتح جنگ کے بغیر ہوئی۔

مصر کے شمال کا محاذ اسکندریہ بنا۔ قیصر روم نے اسکندریہ میں اپنی فوجیں اتار دیں۔ حضرت عمرو بن عاصؓ نے حضرت عمرؓ سے اسکندریہ کی طرف بڑھنے کی اجازت چاہی۔ آپ کو اجازت دی گئی

اور آپ اسکندریہ پر حملہ آور ہوئے۔

رومیوں اور مصریوں نے ایک جگہ مقابلہ کیا مگر انجام کار شکست کھائی۔ ۲۰ھ میں پورا مصر فتح ہو گیا۔ حضرت عمرو بن عاصؓ نے فسطاط کو دار الحکومت بنایا۔ دریائے نیل کو ایک نہر کھدوا کر بحیرۂ قلزم سے ملا دیا۔

(نوٹ) حضرت عثمانؓ کے عہد میں قیصر نے اسکندریہ کو پھر لے لیا وہاں اس وقت بہت مختصر فوج تھی حضرت عمرو بن عاصؓ نے حضرت عثمانؓ کے حکم سے پھر اسکندریہ پر حملہ کیا اور اسے دوبارہ فتح کیا۔ اب مصر مکمل طور پر اسلام کے زیر پرچم آ گیا۔

فتح ایران

ایران ایک مستقل ملک ہے۔ حدودِ ایران کے باہر بھی ان کے مقبوضات تھے۔ عراق عرب تک یہ لوگ پھیلے ہوئے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی یہ سیاسی پالیسی رہی کہ اسلامی سلطنت کی سرحدیں پوری مضبوط رہیں اور عراق عرب میں جہاں جہاں ان کے مقبوضات ہوں انہیں اتنا کمزور رکھا جائے کہ یہ اپنے مرکز کی شہ پر کبھی بغاوت نہ کر پائیں۔ جنگِ قادسیہ میں یہ سب طاقتیں ٹوٹ چکی تھیں۔ تاہم اس میں شک نہیں کہ ایران اپنی جگہ ایک عظیم ہمسایہ سلطنت تھی اور مسلمان خواہ مخواہ اسے ختم کرنے کے درپے نہ تھے۔ حضرت عمرؓ نے انہیں اس طرف بڑھنے سے روکا ہوا تھا۔

ہرمزان ایک ایرانی صوبے کا حاکم تھا اور جنگِ قادسیہ میں شکست کھانے کے بعد اہواز چلا گیا تھا۔ وہاں سے اس نے پھر عرب سرحدوں پر ریشہ دوانیاں جاری رکھیں۔ مسلمان پھر اسے اہواز سے نکالنے میں بھی کامیاب ہو گئے۔ ہرمزان نے صلح کے بعد ایک دفعہ عہد توڑا مگر پھر شکست کھائی اور مشرق کی طرف بھاگ گیا۔

اس قسم کے اور بھی کئی واقعات ہوئے جن کے باعث حضرت عمرؓ کو وہ پابندی اُٹھانی پڑی جو آپ نے اپنے سالاروں پر ایران کی طرف نہ بڑھنے کی عائد کر رکھی تھی۔ ولیم میور لکھتا ہے:-

> دربار ایران کے جنگ جویانہ رویہ سے وہ آخر مجبور ہو گئے کہ اپنی فوجوں کو حکم دیں کہ اب ایران پر قبضہ کر لیا جائے[1]

اس فیصلہ کن موڑ پر ایران کا حاکم یزدگرد ثالث تھا۔ اس نے فیروزان کے تحت ڈیڑھ لاکھ

کا لشکر جرار ہمدان میں جمع کر دیا. حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے نعمان کو سالار بنا کر ایک پورا لشکر ان کی قیادت میں حلوان بھیجا. نعمان آگے نہاوند آئے یہیں ان کا فیروزان سے معرکہ لگا.

جنگِ نہاوند

یہ جنگ بمقام نہاوند ۲۱ ہجری کو لڑی گئی اس میں مسلمانوں کے سالار حضرت نعمان تھے اور ایرانیوں کا سالار فیروزان تھا. اس لڑائی میں حضرت نعمانؓ تو شہید ہو گئے لیکن میدان مسلمانوں کے ہاتھ میں رہا. یزدگرد اصفہان اور پھر وہاں سے بلخ چلا گیا اور خاقانِ چین کو کہلا بھیجا کہ پورا ایران خطرے میں ہے اس نے ترکوں سے بھی مدد مانگی (ترک ابھی مسلمان نہ ہوئے تھے) یزدگرد مختلف مقامات میں مقابلہ کرتا رہا مگر اب مسلمان فارس. مکران بحستان. خراسان اور آذربائیجان کو بھی اپنے قبضہ میں لے چکے تھے. کرمان اور سیستان بھی ۲۳ ہجری میں مسلمانوں کے قبضے میں آ گئے. سو جنگ نہاوند ایرانی سلطنت کے کلی خاتمہ کی جنگ تھی. تاہم یزدگرد ابھی مصروف گرد تھا.

حضرت عمرؓ کے خلاف ساسانی انتقام کی آگ

حضرت عمرؓ نے ایران میں ساسانیوں کے صدیوں کے اقتدار کو ختم کیا. اب پورا ایران قلمرو اسلامی میں آ گیا تھا. تاہم اس سے ساسانیوں کی نارِ انتقام نہ بجھی اور اب انہوں نے مسلمانوں میں داخلی انتشار پیدا کرنے کے لیے حضرت عمرؓ کے خلاف فرقہ بندی کے کانٹے بکھیرے. حضرت عمرؓ کو غارت گرِ عجم کہا ان کا پہلے ساسانی بادشاہوں کے بارے میں بادشاہت کے ربانی حق

کا عقیدہ تھا. اب انہوں نے حضور پیغمبر اسلام کے خاندان میں بھی اس عقیدہ کو اختیار کیا اور ایران کی چوتھائی آبادی دسویں صدی ہجری تک اسی عقیدے پر رہی بخلاف دوسرے اسلامی ممالک کے کہ ان کے ہمخیال ان ملکوں میں کہیں چار فیصد سے زیادہ نہیں ہے. ایران کے تین چوتھائی مسلمان حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی درسگاہ کوفہ کے زیر اثر حنفی مذہب کے رہے. پھر صفوی عہد میں جبراً ملک کی اکثریت اقلیت بنا دی گئی اور ایران کی کثیر آبادی پھر ساسانیوں کے بادشاہوں کے زمان حق کے زیر اثر عقیدہ امامت پر آ گئی. ان کا ایک شاعر کہتا ہے:

بشکست عمر پشت ہژبران عجم را — برباد فنا داد رگ و ریشہ جم را
ایں عربدہ از غصب خلافت نہ علی نیست — با آل عمر کینہ قدیم است عجم را

حضرت عمرؓ کی شہادت

حضرت عمرؓ کا قاتل بھی ایک ایرانی غلام ابولؤلؤ تھا۔ یہ رومیوں کے زیرِ اثر عیسائی ہو گیا تھا حضرت مغیرہؓ اسے عراق سے مدینہ لے آئے۔ اس نے ایک دن حضرت مغیرہؓ کے خلاف حضرت عمرؓ سے شکایت کی اور دادرسی نہ پانے کو بہانہ بنا کر آپ کو شہید کر دیا۔ یہ ایرانی غلام ایرانی رقابت کو بھی اپنے دل میں لیے ہوئے تھا۔ معلوم نہیں اس قوم نے اس انتقام کی آگ میں اور کتنے تیر ہیں جو مسلمانوں کے دلوں میں ٹھنڈے کیے ہوں گے۔ ہم اس پر آپ کے اس سلسلہ فتوحات کو ختم کرتے ہیں۔

واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت عمر فاروقؓ کی شجاعت

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد :

حضرت عمرؓ کو بچپن میں سپہ گری اور پہلوانی کا شوق تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ ذوق سوا بہادروں کے اور کسی کو نصیب نہیں ہوتا۔ عکاظ کے میلہ میں جہاں شعراء اور ادبار کی عام محفلیں لگتیں اور اہل کمال اپنے اپنے کمال دکھاتے وہاں کشتی لڑنے والے بھی اپنے فن کا مظاہرہ کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ سوق عکاظ میں کشتی بھی لڑتے تھے اور تقریر کے جوہر بھی دکھلاتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ جنگ بدر۔ جنگ احد۔ جنگ خندق۔ سفر حدیبیہ۔ جنگ خیبر۔ فتح مکہ۔ جنگ حنین اور جنگ تبوک میں برابر شریک رہے۔ ان معرکوں کی تفصیل میں آپ اتریں تو آپ کو حضرت عمرؓ جیسے جری اور بہادر لوگ بہت کم ملیں گے۔ بہادری آپ کی فطرت میں اُتری ہوئی تھی۔

ان معرکوں میں دو معرکے ایسے بھی لگے جہاں مسلمانوں کو ظاہراً کچھ زک اٹھانا پڑی یہ جنگِ احد اور جنگِ حنین کے مواقع ہیں۔ جنگ احد میں جب دشمن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ بات پھیلا رہے تھے کہ آپ مارے گئے اس وقت حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ آپ کے گرد وفا کا پہرہ دے رہے تھے۔ امام بخاری نے معرکہ احد میں حضرت ابوسفیانؓ (جو ابھی حضرت ابوسفیان نہ ہوئے تھے) کے یہ الفاظ روایت کیے ہیں :-

واشرف ابوسفیان فقال أفی القوم محمد فقال لا تجیبوہ فقال أفی القوم ابن ابی قحافۃ قال لا تجیبوہ فقال أفی القوم ابن الخطاب فقال ان ھؤلاء قتلوا فلو کانوا احیاء لاجابوا فلم یملک عمر نفسہ۔[1]

یہ ان تینوں کے مقابل ابوسفیان کی للکار تھی۔

ابوسفیان کے مقابلہ میں اہل اسلام کی طرف سے کون بولا؟ وہی جو اس گروہ کا عظیم نمائندہ ہو سکتا تھا۔ حضرت عمرؓ۔ آپ نے جذبۂ شجاعت سے بھرپور آواز میں کہا :-

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۵۷۸

كذبت يا عدو الله، ابقى الله لك ما يخزيك۔ [1]

ترجمہ۔ اے اللہ کے دشمن تو نے غلط کہا ہے۔ اللہ نے باقی رکھا ہے اس چیز کو جو تجھے رسوا کر کے رہے گی۔

جنگ حنین میں مسلمانوں کی فوج کا ایک حصہ اپنے فخر و پندار میں قدم چھوڑ گیا تھا اس بھگدڑ میں حضرت عمرؓ پوری استقامت اور پورے شوقِ شہادت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے پھر اللہ تعالیٰ نے جب آپ پر اپنا سکینہ اتارا تو اس سکینہ کی غیر مرئی بارش ان خوش نصیبوں پر بھی پڑی جو حضورؐ کے ساتھ استقامت کا پہاڑ بنے دائیں بائیں کھڑے تھے۔

قرآن کریم میں ہے:۔

ويوم حنين اذا عجبتكم كثرتكم فلم تغن عنكم شيئاً وضاقت عليكم الارض بما رحبت ثم وليتم مدبرين. ثم انزل الله سكينته على رسوله وعلى المومنين وانزل جنوداً لم تروها. (پ التوبہ ۲۵)

ترجمہ۔ اور حنین کے دن جب تمہیں تمہاری کثرت خوش لگ رہی تھی پھر وہ کچھ کام نہ آئی تمہارے اور تنگ ہو گئی تم پر زمین باوجود اپنی سب فراخی کے۔ پھر ہٹ گئے تم پیچھا دکھا کر۔ پھر اللہ نے اتاری اپنی طرف سے تسکین اپنے رسول پر اور ایمان والوں پہ اور اتاریں فوجیں جن کو تم نے نہ دیکھا تھا۔

وہ کون مومنین تھے جن پہ اس میدان میں سکینہ اترا؟ حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ ان میں نمایاں ہستیاں تھیں۔

شیخ الاسلامؒ لکھتے ہیں:۔

حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم مع چند رفقاء کے دشمنوں کے نرغہ میں تھے ابو بکرؓ عمر، عباس، علی، عبداللہ بن مسعود وغیرہ رضی اللہ عنہم تقریباً سو یا اسی صحابہؓ بلکہ بعض اہل سیر کی تصریح کے موافق کل نفوس قدسیہ میدان جنگ میں باقی رہ گئے۔ جو پہاڑ سے زیادہ مستقیم نظر آتے تھے یہ خاص موقع تھا جب کہ دنیا نے پیغمبرانہ صداقت و توکل اور معجزانہ شجاعت کا ایک محیر العقول نظارہ ان ظاہری آنکھوں سے دیکھا۔ آپ ایک سفید خچر پر سوار ہیں، عباسؓ ایک رکاب اور ابو سفیان بن حارث دوسری

---

[1] ۵۰

رکاب تھامے ہوئے ہیں. چار ہزار کا مسلح لشکر پورے جوش انتقام میں ٹوٹا پڑتا ہے
ہر چہار طرف سے تیروں کا مینہ برس رہا ہے ساتھی منتشر ہو چکے ہیں مگر رفیق
اعلیٰ آپ کے ساتھ ہے. ربانی تائید اور آسمانی سکینہ کی غیر مرئی بارش آپ پر
اور آپ کے گنے چنے رفیقوں پر ہو رہی ہے [1]

معرکہ حدیبیہ میں آپ کا حضورؐ سے بار بار کہنا کہ ان شرطوں کو مان کر کیا ہم دب نہیں رہے؟ بتلاتا ہے کہ لڑنے کا شوق آپ میں کیسا اُبھر رہا تھا. یہ اندازِ گفتگو بہادر لوگوں کے سوا کیا کہیں اور بھی دیکھا گیا ہے؟ فاعتبروا یا اولی الابصار.

سیاسی بصیرت میں آپ حضرت ابوبکرؓ کے قدم بہ قدم چلے. حضرت ابوبکرؓ کی طرح آپ چاہتے تھے کہ اردگرد کی ہمسایہ سلطنتیں اس عروج پر نہ رہیں کہ سلطنت کو کبھی ان سے کسی قسم کا کوئی خطرہ لاحق ہو. ایران اور روم کی سرحدوں پر عرب علاقوں میں جو بستیاں تھیں اگر وہ عیسائی یا کسی اور نظریے کی ہوں (جیسے ستارہ پرست اور آتش پرست) تو آپ انہیں اتنا کمزور رکھنا چاہتے تھے کہ کسی وقت ان کے ایران اور روم کے آلہ کار بننے کا موقع نہ رہے. حضرت ابوبکرؓ نے اگر ان سرحدوں کو کبھی چھوا تو اس لیے کہ ان کا اپنا تحفظ یقینی بنانا تھا. تاکہ کوئی بیرونی طاقت کبھی سلطنتِ اسلامی پر غلبہ نہ پا سکے. یہ نہیں کہ آپ ان ممالک کو بزورِ تلوار مسلمان بنانا چاہتے تھے. اسلام میں بزورِ تلوار اپنا عقیدہ پھیلانے کا کوئی تصور نہیں. حضرت عمرؓ کا ان ممالک سے جنگیں اسلام کے پھیلانے کے لیے نہ تھیں ظالم حکمرانوں کے ظلم کو روکنے کے لیے تھیں. جہاد اسلام پھیلانے کے لیے نہیں شوکتِ اسلامی کو قائم رکھنے کے لیے ہو سکتا ہے یا اس لیے کہ اللہ کے بندوں کو (قطع نظر اس سے کہ ان کا مذہب کیا ہو) ظلم سے بچایا جائے. ہدایہ میں فرضیتِ جہاد کی غایت اس طرح بیان کی گئی ہے:

هو فرض على الكفاية لانه ما فرض لعينه اذ هو افساد في نفسه وانما فرض لاعزاز دين الله ودفع الشر عن العباد فاذا حصل المقصود سقط عن الباقين۔[2]

ترجمہ. جہاد اس لیے فرض کیا گیا ہے کہ اللہ کے دین کی عزت رہے اور انسانوں سے ظلم دور کیا جاتا رہے. جب یہ مقصد حاصل ہو جائے تو باقی لوگوں سے یہ ذمہ داری ساقط ہو گی.

نامناسب نہ ہو گا کہ ہم یہاں حضرت عمرؓ کے دور کی فتوحات کا کچھ ذکر کر دیں جن سے قارئین اس کتاب کے صفحہ ۲۵۱ تا صفحہ ۲۶۴ پر مطالعہ کر آئے ہیں.

---

[1] صفحہ ۲۵۲ [2] ہدایہ جلد ۲ صفحہ ۵۵۸

سرحدوں کی حفاظت میں حضرت ابوبکرؓ کے نقشِ قدم پر

حضرت ابوبکرؓ اسلامی سرحدوں کی حفاظت میں ایران اور روما کی سرحدوں تک پہنچے۔ آپ کے پیش نظر ان ممالک پر قبضہ نہ تھا۔ آپ صرف سلطنتِ اسلامی کا تحفظ چاہتے تھے۔ حضرت عمرؓ بھی استحکام سلطنت اسلامی میں حضرت ابوبکرؓ کے نقش پہ چلے۔ اب ایرانی اور رومی کھل کر سلطنت اسلامی کی سرحدات میں دخل دینے لگے۔ اس میں حضرت عمرؓ نے ان دو بڑی سلطنتوں کو کمزور کر کے ان کے بڑے حصہ پر قبضہ کر لیا قیصر و کسریٰ کی شوکت کو مٹانے کے لیے کس درجہ بہادری درکار تھی۔ عام آدمی اس کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ آپ کو بیت المقدس اکیلے آنے کے لیے کہا گیا تو آپ اس کے لیے بھی تیار تھے۔ حضرت علیؓ نے آپ کو اس سے روکا اور کہا آپ اسلام کی اس چکی کی درمیانی کیل ہیں جس کے گرد ساری چکی گردش کرتی ہے۔ آپ اپنی اس پوزیشن میں رہیں اور رحی الاسلام (اسلام کی چکی) کو گردش دیں مگر آپ اپنی بے مثل شجاعت میں جنگی مشق سے نہیں ربط الٰہی سے چلتے تھے ظاہر ہے کہ جہاں حضرت علیؓ شیر خدا بھی احتیاط کی تلقین کرتے ہوں وہ موقع کتنا حوصلہ آزما ہوگا۔ تاریخ نے یہ شہادت محفوظ کرلی ہے کہ پھر حضرت عمرؓ گئے اور ایک غلام افلح نام کو ساتھ لے کر گئے۔ سواری ایک تھی جس پہ آقا و غلام باری باری سوار ہوتے تھے۔

علامہ رضی (۴۰۴ھ) حضرت علیؓ کا مذکور الصدر مشورہ ان الفاظ میں ذکر کرتا ہے:۔

والعرب الیوم وان کانوا قلیلاً فھم کثیرون بالاسلام عزیزون بالاجتماع فکن قطباً واستدر الرحی بالعرب اصلھم دونک نار الحرب فانک ان شخصت من ھذہ الارض انتقضت علیک العرب عن اطرافھا واقطارھا حتی یکون ما تدع وراءک من العورات اھم الیک مما بین یدیک[1]

اس سے جہاں اس چیز کا پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں حضرت علیؓ آپ کی مجلس شوریٰ میں تھے اور وہ ہر طرح سے آپ کی خیریت چاہتے تھے۔ یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمرؓ کس دل گردے کے آدمی تھے۔ آپ فطری طور پہ بہادری کی تمام اداؤں پر قابو پائے ہوئے تھے شیطان جیسا جری فرد بھی آپ کو دیکھ کر راستہ چھوڑ دیتا تھا۔

---

[1] نہج البلاغہ جلد ۲ صہ ۳۹

شیطان کا پندار بڑائی کس قدر اُوپر گیا

شیطان کا پندار و غرور گو حضرت آدم کے مقابلے میں تھا لیکن اللہ کے حضور بھی اسے عاجزی نصیب نہ ہوئی۔ وہ اللہ کے حضور بھی بنی آدم کے مقابل صف آرا ہو گیا۔ اس نے کہا :-

لاقعدن لهم صراطك المستقيم. ثم لآتينهم من بين ايديهم ومن خلفهم وعن ايمانهم وعن شمائلهم ولا تجد اكثرهم شاكرين. قال اخرج منها مذءوما مدحورا لمن تبعك منهم لاملئن جهنم منكم اجمعين.

(پ ۸ الاعراف ۱۸)

ترجمہ: میں ضرور بیٹھوں گا تیری سیدھی راہ پر اولادِ آدم کی تاک میں (کہ ان کو وہاں سے بہکا دوں) پھر میں ان پر آؤں گا ان کے آگے سے ــ اور پیچھے سے ــ اور دائیں سے ــ اور بائیں سے ــ اور ان میں سے زیادہ کو تو شکر گزار نہ پائے گا۔ فرمایا (اللہ تعالیٰ نے) نکل جا یہاں سے بُرے حال میں مردود ہو کر ــ جو کوئی ان میں سے تیری راہ پہ چلے گا میں بھر دوں گا دوزخ کو تم سب سے۔

جو پہلے منھم میں تھے اب منکم میں آ گئے پہلے وہ بنی آدم تھے اب انہیں شیاطین میں شمار فرمایا اور منکم سب کو کہا۔ اس سے پتہ چلا کہ جہنم انہی کے لیے ہے جن کے راستے میں شیطان آ بیٹھے اور انہیں بہکا دے خوش قسمت ہیں وہ جن کے راستے میں وہ بیٹھ نہ پائے ــ اور کس قدر سعادت مند وہ ہے کہ شیطان اس کے سامنے آئے تو راہ چھوڑ دے اس کے سامنے نہ ٹھہر سکے۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کہتے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو بتلایا :-

والذی نفسی بیدہ مالقیك الشیطان قط سالکاً فجاً الا سلك فجاً غیر فجك.[1]

ترجمہ: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے جب شیطان تجھے کسی رستے میں جاتا ہوا دیکھتا ہے تو اس رستے کو چھوڑ کر کسی دوسرے رستہ پہ چلنے لگتا ہے یعنی وہ تیرے رستے میں نہیں ٹھہر سکتا یہ اس کا سامنا نہیں کر پاتا۔

شیطان کی دلیری (اور وہ بھی اللہ کے حضور میں) آپ کے سامنے آ چکی اب آپ سوچیں

---

[1] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۷۶

اس کا پتہ جس کے آگے پگھلے اور وہ رستے سے ایک طرف ہو جائے اللہ تعالیٰ نے اس کو شجاعت اور دلیری کا کیا حوصلہ دیا ہوگا۔ اور وہ ایک الٰہی نور ہے جو جب قلب مومن پر اترتا ہے تو اس کے سوزِ باطن سے عشق الٰہی کے چراغ جلنے لگتے ہیں۔ اسلام کے ان بہادروں میں حضرت ابو عبیدہؓ سعد بن ابی وقاصؓ۔ حضرت عمرؓ۔ حضرت علیؓ۔ حضرت طلحہؓ۔ حضرت خالد بن ولیدؓ اور فاتح مصر حضرت عمرو بن العاصؓ سرفہرست نظر آتے ہیں۔

حضرت عمرؓ حضورؐ کی خدمت میں کس ارادے سے؟

حضرت عمرؓ اپنے عہد کفر کے آخری دن حضورؐ کو شہید کرنے کے ارادے سے نکلے۔ ان دنوں عرب میں حق و باطل کی جنگ نہیں ہوتی تھی۔ قبائل اور برادریوں کی جنگ چلتی تھی۔ جاہلیت میں بس یہی دیکھا جاتا کہ زیادہ بہادر کون ہے۔ اس قوم کی پوری تاریخ دیوانِ حماسہ بنی ہوئی تھی۔

اس دور میں ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ (جو ابھی حضرت نہ بنے تھے) حضورؐ کو شہید کرنے کے ارادے سے نکلتے ہیں انہیں علم ہے کہ قریش کی شاخ بنو عدی اس شوکت اور عزت اور کثرت میں نہیں جو بنی ہاشم اور ان کے چچیرے بھائیوں بنو امیہ کو حاصل ہے وہ اپنے اس ارادے میں بنو ہاشم اور بنو زہرہ سے ٹکرانے کا خطرہ مول لیتے ہیں مگر برابر وہ اپنے ایک شوقِ شجاعت میں چلے آرہے ہیں حتیٰ کہ انہیں راستہ میں نعیم بن عبداللہ نے کہا :۔

کیا تمہیں بنو ہاشم اور بنو زہرہ کا خطرہ نہیں؟

اللہ کی قدرت دیکھئے اس نے آپ کو اس غلط اور ناپاک ارادہ سے باز رکھا بلکہ ان کی اندر کی ناپاکی دھودی اور دولتِ اسلام نے ان کی سب پہلی آلائشیں بھی دھودیں۔

جو نہ تھے خود راہ پر اوروں کے ہادی ہوگئے

حالات نے کیا صورت اختیار کی یہ بات اپنی جگہ ہے لیکن یہ واقعہ اس مرد قلندر کی جوانمردی اور جذبۂ شجاعت کی ایک خبر ضرور دے رہا ہے۔

حضرت ابو بکرؓ نے جب مانعین زکوٰۃ کے خلاف سخت اقدام کا فیصلہ کیا اور حضرت عمرؓ نے کچھ نرمی کا مشورہ دیا تو حضرت ابو بکرؓ نے کہا :۔

اجبار فی الجاهلية وخوار فی الاسلام۔ [1]

---

[1]

ترجمہ: آپ جاہلیت میں تو بڑے سخت تھے اب اسلام میں کیوں نرم ہو رہے ہو۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ آپ کی بہادری اور سختی پہلے سے آپ کے ماحول میں معروف تھی اور اس وقت نرمی کی پالیسی، ایک اپنی ذمہ داری کے احساس میں تھی نہ کہ آپ ذاتی طور پر اس صورتحال کا مقابلہ کرنے سے گھبرا رہے تھے۔

حضرت عثمانؓ کا انتخاب خلافت

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد :

جب حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کو اپنا جانشین نامزد کیا تو حضرت عثمانؓ سے کہا کہ آپ میرے جانشین ہوتے تو بے شک آپ بھی اس کے لائق تھے حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کو جانشین بناتے سب سے پہلے حضرت عثمانؓ اور حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ سے ہی مشورہ کیا تھا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کی نظر میں اس وقت یہ دونوں بزرگ گہری سیاسی بصیرت کے مالک تھے۔ اب یہ کہنا کہ حضرت عثمانؓ کی سیاسی بصیرت کمزور تھی یہ کیا حضرت ابوبکرؓ سے کھلا تصادم نہیں ؟

سو یہ حقیقت ہے کہ حضرت عثمانؓ کے انتخاب خلافت میں حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ حضرت علیؓ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ بھی برابر کے شریک ہیں معترضین آخر کس کس پر انگلی رکھیں گے ؟

حضرت عمرؓ کے جانشین حضرت عثمانؓ یا عبدالرحمن بن عوفؓ

حضرت عمرؓ پر جب ابولؤلؤ نے قاتلانہ حملہ کیا تو آپ نے اپنا جانشین نماز حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کو مقرر کیا جس طرح حضورؐ نے اپنے ایام علالت میں حضرت ابوبکرؓ کو امام نماز مقرر کیا تھا اور پھر وہی خلیفہ بھی چنے گئے تھے۔ یہاں بھی وہی صورت درکار تھی کہ حضرت عمرؓ کے بعد حضرت عبدالرحمنؓ کو خلیفہ بنایا جاتا۔ وہ نہ اموی تھے نہ ہاشمی۔ اس صورت میں وہ اختلاف بھی نہ اٹھتے جو آئندہ حضرت علیؓ یا حضرت عثمانؓ کے اموی اور ہاشمی ہونے کی وجہ سے بعض نادانوں کے ہاں اُٹھے۔ حضرت عمرؓ نے جب حضرت عبدالرحمنؓ کو اپنا قائم مقام امام بنایا تو معلوم ہوا کہ چھ افراد میں سے آپ کا پہلا انتخاب حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ ہی تھے ؟

الجواب :

حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کے مقام اور شان سے کسی کو انکار نہیں لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ آپ اس ذمہ داری کو لینے کے لیے تیار نہ تھے۔ پھر جب چھ صحابہؓ کی کمیٹی انتخاب خلیفہ

کے لیے بیٹھی تو حضرت طلحہؓ حضرت عثمانؓ کے حق میں اور حضرت زبیرؓ حضرت علیؓ کے حق میں دستبردار ہوئے تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ بھی خلافت کا بار اُٹھانے سے دستبردار ہو گئے پھر حضرت سعدؓ بھی حضرت عثمانؓ کے حق میں ہو گئے تو صرف دو نام سامنے رہ گئے۔

ثانیاً حضرت عمرؓ بھی تو جانتے تھے کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ شاید اس ذمہ داری کو اٹھانے کے لیے تیار نہ ہوں وہ ان کے مزاج کو بہت سمجھتے تھے ہو سکتا ہے حضرت عمرؓ نے اس میں اشارہ دیا ہو کہ انتخاب خلیفہ میں آپ الیکشن کمشنر کے فرائض سرانجام دیں۔ یہ بھی ایک درجہ میں نماز کی امامت کی طرح قوم کی امامت ہے۔ تاکہ امامت اس امامت کا سبب ہو جائے۔

ثالثاً یہ چھ حضرات جنہیں حضرت عمرؓ نے خلیفہ کے انتخاب کے لیے نامزد کیا تھا۔ ان میں صرف حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ تھے جن کے پیچھے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک نماز پڑھی تھی[۱]۔ یہ وہ جزوی فضیلت ہے جو آپ کو باقی پانچ حضرات پر حاصل تھی جہاں تک مطلق فضیلت کا تعلق ہے حق یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے برابر شاید ہی ان میں سے کوئی ہو۔ پھر جہاں تک نماز کا تعلق ہے اس سے بہتر کس کی امامت ہو سکتی ہے جس کے پیچھے خود امام الانبیاء نے بھی نماز ادا کی ہو۔

پھر اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت ابوبکرؓ اپنے دورِ خلافت میں حضرت عثمانؓ کو ہمیشہ ساتھ ساتھ رکھتے تھے۔ آپ نے سیاسی بصیرت حضرت ابوبکرؓ سے پائی تھی اور ان کے خلیفہ بننے سے بنو امیہ کی تمام ترقوتیں اسلام کے حق میں سمٹ آنے کے جو مواقع ان کی خلافت میں تھے اور سیرتِ شیخین کی پابندی کا جو جذبہ ان میں تھا یہ وہ امور تھے جن کے باعث حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے حضرت عثمانؓ کو خلیفہ چنا۔ پہلے آپ نے ان کی بیعت کی اور دوسری بیعت کرنے والے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تھے اب حضرت سعدؓ کی رائے بھی حضرت عثمانؓ کے حق میں تھی، سو حضرت عثمانؓ کا انتخاب اس تمام صورتِ حال کا منطقی نتیجہ تھا جو اس وقت صحابہ کرامؓ کو پیش آئے اور یہ بات اس ماحول کے بھی بہت قریب ہے کہ جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عین حیات حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے بعد حضرت عثمانؓ کا ہی نام آتا تھا۔

---

[۱] طبقات جلد ۲ ص۹۵ ما قبض نبی قط حتی یصلی خلف رجل صالح من امتہ۔

عن ابن عمرؓ قال کنا فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا نعدل بابی بکر احداً ثم عمر ثم عثمان ثم نترک اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا نفاضل بینھم[1]

البتہ حضرت ابوہریرہؓ سے بسند حسن یہ منقول ہے کہ حضورؐ نے فرمایا:۔

نعم الرجل ابوبکر ثم نعم الرجل عمر ثم نعم الرجل ابوعبیدۃ بن الجراح[2]

حضرت ابوعبیدہؓ ۱۸ھ میں حضرت عمرؓ کے دور میں وفات پا چکے تھے۔ وہ اس وقت موجود ہوتے تو شاید حضرت عمرؓ یہ چھ رکنی کمیٹی نہ بناتے۔ انہی کو بغیر کسی سے مشورہ کیے خلیفہ نامزد کر دیتے۔ آپ نے یہ کہہ بھی دیا تھا:۔

لو ادرکت ابا عبیدۃ بن الجراح لاستخلفتہ وما شاورت فان سئلت عنہ قلت استخلفت امین اللہ و امین رسولہ[3]

ترجمہ۔ اگر میں ابوعبیدہ بن الجراحؓ کو موجود پاتا تو میں اسے خلیفہ نامزد کر دیتا اور اس میں مجھے کسی سے مشورہ کی ضرورت نہ تھی اب اس کے بارے میں اگر مجھ سے (قیامت کے دن) پوچھا جاتا تو میں کہہ سکتا تھا کہ میں نے اسے خلیفہ کیا جو اللہ اور اس کے رسول ہاں امین قرار پائے ہوئے تھا۔

چھ حضرات کی کمیٹی میں صرف تین رہ گئے

خلافت کی ذمہ داری اُٹھانے میں حضرت طلحہؓ حضرت عثمانؓ کے حق میں، حضرت زبیرؓ حضرت علیؓ کے حق میں، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے حق میں دستبردار ہو گئے۔ اب یہ موقف اختیار کیا گیا کہ ان تینوں میں جو اُمیدوار نہ رہے اسے باقی دو میں سے کسی کو خلیفہ چُننے کا اختیار دیا جائے۔

اگر حضرت علیؓ دستبردار ہو جاتے تو حضرت عثمانؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ میں سے حضرت عبدالرحمٰنؓ کے انتخاب کے زیادہ مواقع تھے۔ حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ کے تمام فضائل کے اقرار کے باوجود شاید انہیں اموی ہونے کی وجہ سے نہ چُنتے۔ اسی طرح اگر حضرت عثمانؓ یہ ذمہ داری اٹھانے سے دستبردار ہو جاتے تو وہ بھی حضرت عبدالرحمٰنؓ کو ہی چُنتے۔ کیونکہ حضرت عمرؓ نماز کے لیے انہیں اپنا جانشین مقرر کر چکے تھے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ کے دستبردار ہونے سے اب یہ اختیار

---

[1] رواہ البخاری جلد ۱ صـ ۵۲۳ [2] رواہ الترمذی جلد ۲ صـ ۲۱۷ [3] طبقات جلد ۳ صـ ۳۱۵

ان کے پاس آگیا کہ اب حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ میں سے کسی کو خلیفہ چنیں. آپ نے حضرت عثمانؓ سے کہا کہ اگر آپ کا انتخاب نہ ہو تو آپ کے نزدیک یہ منصب کس کے سپرد کیا جائے. آپ نے فرمایا. حضرت علیؓ کے.

حضرت عبدالرحمٰنؓ امت میں اتحاد رکھنے کے لیے سیرت شیخین کی پابندی کو بہت اہمیت دیتے تھے. آپ کے سامنے حضرت ابوبکرؓ کا یہ کھلا فیصلہ موجود تھا کہ آپ حضرت عمرؓ کے ساتھ حضرت عثمانؓ کو بھی اس منصب کا برابر کا اہل سمجھتے تھے. عمر میں بھی آپ حضرت علیؓ سے بڑے تھے. حضورؐ سے رشتہ دامادی میں دونوں برابر تھے.

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے ان دو میں سے کسی کو چننے میں اور اعیانِ امت سے بھی مشورہ. امہاتُ المومنین سے بھی استصواب کیا. بیشتر آراء حضرت عثمانؓ کے حق میں تھیں. سو آپ نے چوتھے دن حضرت عثمانؓ کے حق میں اپنا فیصلہ دے دیا. حضرت عمرؓ نے پابندی لگائی تھی کہ تین دن سے زیادہ انتخاب میں نہ لگیں.

علم الٰہی میں تھا کہ حضرت عثمانؓ کے بعد حضرت علیؓ موید ہوں گے. اب حضرت عثمانؓ کو چنا جائے تو حضرت علیؓ چوتھی خلافت میں چنے جا سکیں گے. اب اگر حضرت علیؓ کو چن لیا جاتا تو حضرت عثمانؓ کسی طرح خلافت پر نہ آ سکتے تھے پھر چار یار انہیں کیسے کہا جاتا؟

ہیں کرنیں ایک ہی مشعل کی ابوبکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و علیؓ
ہم مسلک ہیں یارانِ نبی کچھ فرق نہیں ان چاروں میں

ہم مرتبہ انہیں اس لحاظ سے کہا جاتا ہے کہ مرتبہ خلافت میں یہ سب برابر کے مرتبہ میں تھے. رہی فضیلت تو یہ ہر ایک کی اپنی اپنی ہے اور حدیث کی کتابوں میں ان کے درجہ بدرجہ فضائل کے ابواب بندھے ہیں.

سیدنا حضرت عثمانؓ کا قبولِ اسلام

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ امابعد:

جن حضرات نے اس وقت اسلام قبول کیا جب اسلام کا دورِ ابتلاء تھا اور مکہ کے سب سردار مسلمانوں کے درپے آزار تھے۔ بعد کے آنے والے کبھی ان کے درجے کو نہیں پہنچ سکتے۔ قرآن کریم کہتا ہے۔

لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولٰئک اعظم درجۃ۔
من الذین انفقوا من بعد وقاتلوا وکلاً وعد اللہ الحسنیٰ۔ (پ۲۷ الحدید:۱)

ترجمہ: جو تم میں سے فتح مکہ سے پہلے اللہ کی راہ میں خرچ کر پائے اور جہاد کیا وہ ان سے درجہ میں عظیم ٹھہرے جنہوں نے بعد میں خرچ کیا اور لڑے اور جنت کا وعدہ تو سب سے ہو چکا۔

یہاں انفاق کو قتال پر مقدم رکھا ہے اور ظاہر ہے کہ کسی تحریک کی ابتداء میں مال کی ضرورت لڑنے سے زیادہ ہوتی ہے۔

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عثمانؓ مکہ کے بڑے لوگوں میں سے تھے اور دونوں کی مالی حالت خاصی اچھی تھی۔ مکہ کے رؤساء میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ سے اسلام کی گنتی شروع ہوئی۔ آپ نے مسلمان ہوتے ہی حضرت عثمانؓ اور حضرت طلحہؓ کو اسلام کی دعوت دی اور یہ دونوں حضرات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ یہ تینوں سابقین اولین میں سے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ کا حضرت عثمانؓ پر اعتماد بڑھتا گیا اور آپ نے انہیں اپنے دورِ خلافت میں اپنا چیف سیکرٹری مقرر کیا۔ آپ کہا کرتے تھے کہ میں نے اپنے آپ کو چھٹا مسلمان پایا۔ کیا مبارک وہ وقت ہوگا جب یہ چھ حضرات کعبہ کے سائے میں اسلام کی دعوت کی تدبیریں کرتے ہوں گے۔

حضرت عثمانؓ نے ظہورِ احمدؐ کی غیبی آواز سنی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور سے حضورؐ کی بشارت چلی آرہی تھی آپ نے فرمایا تھا میں اپنے بعد کے لیے احمد کی بشارت دیتا ہوں۔ مبشراً برسول یأتی من بعدی اسمہ احمد۔

حضورؐ کی بعثت کے وقت قوموں کو اس نبی امیؐ کا انتظار تھا جب حضرت عثمانؓ شام کے سفر تجارت سے واپس آرہے تھے کہ آپ نے راستے میں معان اور زرقار کے بین ایک غیبی آواز سُنی. آپ کہتے ہیں:۔

فلما كنا بين معان والزرقاء ضمن كالنيام اذا مناد ينادينا ايها النيام
هبوا فان احمد قد خرج بمكة فقدمنا فسمعنا بك.[1]

ترجمہ: جب ہم معان اور زرقار کے درمیان تھے اور نیند کی سی حالت تھی تو ہم نے ایک پکارنے والے کی آواز سُنی " اے سونے والو اُٹھو کہ مکہ میں احمد کا ظہور ہو گیا ہے"، سو ہم آئے اور آپ کو سُنا.

حضرت عمرؓ کے لیے دُعا اور حضرت عثمانؓ کے لیے ندا

جو نہی آپ مکہ آئے حضرت ابو بکرؓ آپ کے پاس گئے اور آپ کو حضورؐ کی بعثت کی خبر دی اور آپ کو اسلام کی دعوت دی. جس طرح حضرت عمرؓ کا اسلام لانا حضورؐ کی خصوصی دُعا سے ہوا حضرت عثمانؓ کا ایمان لانا بھی ایک غیبی ندا سے ہوا. مکہ پہنچنے پر پھر حضرت ابو بکرؓ نے آپ کو اسلام کی دعوت دی اور آپ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اسلام قبول کیا اور ساتھ ہی آپ نے آپ کو اس غیبی آواز کی بھی خبر دی.

ایک اُموی ایک ہاشمی کی قیادت میں

آپ کا قبول اسلام اس پہلو سے بہت اہمیت رکھتا ہے کہ بنو امیہ کا ایک بڑا آدمی. مکہ کا ایک سردار ایک ہاشمی کی قیادت میں آیا. بنو امیہ اور بنو ہاشم دونوں سلسلے عبد مناف کی اولاد تھے. قریش کا قومی علم بنو امیہ کے ہاتھ میں تھا اور کعبہ کی تولیت بنو ہاشم کے پاس تھی. بنو امیہ دنیوی وجاہت میں اپنے آپ کو بنو ہاشم سے بڑا سمجھتے تھے. سو اس واقعہ سے کہ ایک اموی ایک ہاشمی کی قیادت میں آیا ہے پورے مکہ میں تہلکہ مچ گیا. بڑائی اس کی جسے اللہ بڑائی دے. یہ بنو ہاشم کی بڑائی اور برتری کا کھلا اعلان تھا. حضرت عثمانؓ کے چچا حکم نے آپ پر بہت سختیاں کیں. مگر آپ کی ثابت قدمی اور استقامت نے امویوں

[1] طبقات ۳ ص ۴۰

کی ہر کوشش کو ناکام بنا دیا۔

بھلا مٹے ہیں کبھی جبر اور تشدد سے　　　وہ فلسفے کہ جلا دے گئے دماغوں کو
قدم قدم پر لہو پیش کر رہی ہے حیات　　　سیاہیوں سے الجھتے ہوئے چراغوں کو

آپ کے قبول اسلام سے اسلام کی زندگی جاگ اٹھی اور آپ نے اس زندگی کے ہر مرحلے میں اسے تازہ خون مہیا کیا۔

حضرت ابوبکرؓ کے بعد اسلام کا سب سے بڑا محسن

جس طرح حضرت ابوبکرؓ کی مالی قوت اسلام میں لگی دوسرے درجہ میں حضرت عثمان غنیؓ اسلام کا سب سے بڑا مالی سرمایہ بنے۔ حضرت ابوبکرؓ کے بارے میں تو خود حضورؐ فرما چکے تھے:۔

ان من امنّ الناس عليّ في صحبته وماله ابو بكر۔[1]

ترجمہ۔ بے شک مال خرچ کرنے میں اور ساتھ دینے میں مجھ پر سب سے زیادہ احسان ابوبکرؓ کا ہے۔

حضرت عثمانؓ اسلام پر اپنا مال خرچ کرنے میں سوائے حضرت ابوبکرؓ کے باقی سب صحابہؓ پر سبقت لے گئے۔

(۱) مدینہ کے مسلمانوں نے بیئر رومہ کا پانی انہی کی سبقت مالی سے پیا۔ آپ نے یہ کنواں خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا۔ آپ نے یہ کنواں ۳۵ ہزار درہم میں خریدا۔

(۲) حضورؐ کے مدینہ تشریف لانے پر جب مسجد میں توسیع کی ضرورت ہوئی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ملحقہ قطعہ زمین پر نظر کی۔ حضرت عثمانؓ نے اس زمین کو خریدا اور مسجد میں شامل کر دیا۔ اب ہر نمازی کی نماز میں حضرت عثمانؓ کا بھی حصہ ہو گیا۔ اب آل سعود نے جہاں تک اس مسجد کو بڑھا دیا ہے حضرت عثمانؓ ہر نمازی کی نماز میں برابر کے شریک ہیں۔ اس سے بڑا امت کا محسن کون ہو گا۔

(۳) قیصر روم کے مقابلہ میں ایک بڑی فوجی قوت کی ضرورت تھی۔ جنگ تبوک کی تیاری مسلمانوں کی پہلی بین الاقوامی تحریک تھی۔ حضرت عثمانؓ نے اس کے لیے ایک ہزار دینار نقد اور تین سو اونٹ مال تجارت سے لدے حضورؐ کی خدمت میں پیش کر دیئے۔

---

[1] رواہ الترمذی وقال ہذا حدیث حسن صحیح جلد ۲ صـ۲۰۷

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

ما علیٰ عثمان ما عمل بعد ھذہ ما علیٰ عثمان ما عمل بعد ھذہ۔[1]

ترجمہ۔ اب عثمانؓ پر کوئی بار نہ ہوگا وہ جو بھی کرے اس پر کوئی گرفت نہ ہوگی وہ اب کے بعد جو بھی کر پائے۔

یہ وہ آسمانی بشارت ہے جو اہل بدر کو اعملوا ما شئتم قد غفرت لکم کے الفاظ میں دی گئی تھی۔

آپ نے اسلام کو قبول کیا تو یوں سمجھئے کہ اسلام نے ہی آپ کو قبول کر لیا۔ اب آپ کا سب کچھ اسلام کے لیے ہی تھا۔ تاریخ نے جس کو غنی کہا وہ زندگی کے آخر میں اس قدر بے بس تھا کہ اپنی حفاظت کے لیے اپنے خرچ سے محافظ دستہ نہ رکھ سکتا تھا اور تقویٰ کی یہ شان تھی کہ بیت المال کے خرچ سے اپنی جان کی حفاظت کرنا ناجائز جانا۔ یہاں تک کہ اپنی جان حضورؐ کے شوقِ لقاء میں اس طرح جانِ آفرین کے سپرد کی کہ ہر مومن کے دل سے صدا آتی ہے۔ یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے اسلام نے آپ کو قبول کر لیا۔ اس سے ہماری مراد یہی ہے۔

یہ وہ شان تقوےٰ اور جذبہ انفاق ہے جس نے حضرت عثمانؓ کو حضرت ابو بکرؓ کے بہت قریب کر دیا تھا۔ آپ نے اپنے دورِ خلافت میں آپ کو اپنا چیف سیکرٹری بھی بنایا اور جب آپ نے حضرت عمرؓ کو اپنا جانشین نامزد کیا تو حضرت عثمانؓ سے بھی کہا کہ بے شک آپ بھی اس لائق تھے کہ میرے جانشین ہوتے۔ حضرت عثمانؓ کی سبقت اسلام اور جذبہ انفاق نے آپ کو حضورؐ اور حضرت ابو بکرؓ کی آنکھوں کا تارا بنا دیا تھا۔ پھر چالیسویں نمبر پر حضرت عمرؓ بھی ان سے آملے اور ایسے ملے کہ حضرت عثمانؓ سے بھی بڑھ گئے۔

حضرت عثمانؓ کی کامیاب خلافت

الحمد و سلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد:

کامیاب خلافت وہی ہے جو پورے عالمِ اسلام پر ایک ہی ہو. جس طرح حضور پیغمبر خاتمؐ پوری دنیا کے لیے ایک ہی پیغمبر خاتم تھے. پیغمبر خاتم کی خلافت بھی تمام قلمرو اسلامی کے لیے ایک ہی ہو. دوسرے درجے کی خلافت وہ ہے جس میں پورے اسلامی قوانین کا نفاذ ہو لیکن پورا رقبہ اسلامی ایک اقتدار کے ماتحت نہ ہو. جس طرح بنو عباس کی خلافت کا مرکز بے شک بغداد میں تھا لیکن اس وقت سپین میں اموی خلافت ہی قائم تھی اور اس کا تاریخی تسلسل پہلی اموی خلافت کے ساتھ ہی تھا عباسی اپنے انقلاب میں ایک حصہ تو اپنے قبضہ میں لے آئے. لیکن کل قلمرو اسلامی پر وہ اپنی خلافت قائم نہ کر پائے ان کی خلافت خلافتِ تامہ نہ تھی.

(۱) حضرت عثمانؓ کی خلافت اس پہلو سے ایک کامیاب خلافت ہے کہ آپ کے خلاف جتنی بغاوتیں بھی اٹھیں اور آپ کے گورنروں کے خلاف جتنی شکایات بھی آئیں. آپ کے مخالفین ایک چھوٹا سا خطہ یا کوئی صوبہ اور کوئی ملک اس خلافت سے جدا نہ کر سکے اور پوری قلمرو اسلامی ایک ہی نظام کے تحت رہی.

(۲) شریعتِ محمدی کا بنیادی قاعدہ ہے کہ خواتیم اعمال سند بنتے ہیں. حضرت عثمانؓ سے ایک یہ مطالبہ بھی ہوا کہ آپ کبیر السن ہو چکے ہیں اب کسی نوجوان کو موقع دیں اور خود خلافت سے دستبردار ہو جائیں. حضورؐ نے بھی آپ کو بتلا دیا تھا کہ آپ سے قمیص اتارنے کا مطالبہ کیا جائے گا آپ اسے نہ اُتاریں. یہ خلافت کی قمیص تھی. آپ نے جان دینی گوارا کی مگر یہ قمیص نہ اتاری اور خلافت سے دستبردار نہ ہوئے. آپ کی شہادت تک یہ ایک ہی قلمرو اسلامی رہی.

اس پہلو سے یہ ایک کامیاب خلافت تھی. خلافت تامہ وہی ہے کہ خلیفہ کی وفات بھی خلافت میں ہی ہو. جس طرح حضرت عمرؓ وقت شہادت تک منصب خلافت پر تھے. کوئی بیرونی طاقت ان سے کوئی خطہ زمین واپس نہ لے سکی تھی

(۳) سیدنا حضرت حسنؓ، حضرت علی المرتضیٰؓ کے بعد اہل عراق کے منتخب خلیفہ تھے. چھ ماہ تک آپ برسر خلافت رہے. آپ کے عہد میں اسلامی قوانین ہی نافذ تھے لیکن چونکہ آپ حضرت معاویہؓ کے حق میں دستبردار ہو گئے تھے اپنی خلافت ان کے سپرد کر دی تھی. لہٰذا وہ خلافت تامہ

نہ تھی۔ کیونکہ آپ کی وفات بحالت خلافت نہ تھی۔ نظام گو خلافت کا ہی رہے لیکن خلافت آخر تک نہ چلے وہ خلافت تامہ نہ کہلائے گی۔ اسی وجہ سے خلفائے راشدینؓ چار ہی شمار ہوتے ہیں پانچ نہیں۔ گو تیس سال میں ان کا دور بھی شامل ہے۔ خلافتِ نبوت بے شک تیس سال ہوئی مگر اس دور میں خلافت تامہ چار خلفاء ہی کی رہی جو آخر دم تک خلیفہ رہے۔

(۲) حضرت علی المرتضیٰؓ مدینہ منورہ میں جب خلیفہ چنے گئے تھے تو اس وقت آپ پوری قلمرو اسلامی کے ایک حکمران تھے جن لوگوں نے آپ کو خلیفہ چنا ان کا فیصلہ ان تک متعدی ہو گا جو اس وقت (خلیفہ چنتے وقت) وہاں نہ تھے سب مسلمانوں کا ایک جگہ آ موجود ہونا اس کے لیے اس وقت کے حالات کے مطابق کوئی عملی راہ نہ تھی۔ حضرت علیؓ خود فرماتے ہیں :۔

لئن کانت الخلافة لا تنعقد حتی تحضرها عامة الناس فما الی ذلك من سبیل ولکن اهلها یحکمون علی من غاب عنها۔[1]

ترجمہ: اگر خلافت اس کے سوا ہو ہی نہ سکے کہ سب لوگ اس میں حاضر ہوں تو یہ کبھی ہو ہی نہیں سکتا لیکن جو اس میں موجود ہو پائیں وہ ان کے لیے بھی فیصلہ کن ٹھہرے جو اس سے غائب رہے۔

سو یہ خلافت وقت نصب خلیفہ پوری قلمرو اسلامی کی خلافت تھی۔ گو بعد میں اہل شام نے اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ مگر اہل شام اس کے متبادل کوئی دوسرا خلیفہ نہ لا سکے۔ حضرت امیر معاویہؓ اپنے سابق صوبائی گورنر ہونے کے ہی مدعی رہے۔ سو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس وقت قلمرو اسلامی دو خلافتوں میں منقسم تھی۔ امیر معاویہؓ کا اس وقت ان کی خلافت سے انکار مستقل طور پر نہ تھا۔ اس وقت تک کے لیے مؤخر تھا جب تک آپ قاتلانِ عثمانؓ کو اپنی گرفت میں نہ لیں اور انہیں سزائے بغاوت نہ دیں۔ حضرت معاویہؓ کی یہ رائے ان کا ایک اجتہاد تھا جس کی وجہ سے ان کا تسلیم خلافت سے انکار ایک اجتہادی اختلاف کہا جا سکتا ہے۔ ان کی خلافت سے اصولی انکار نہیں کہا جا سکتا۔

پھر حضرت علی المرتضیٰؓ نے ۴۰ھ میں (عام الهدنہ میں) امیر معاویہؓ سے جو عارضی معاہدہ کیا اس کی رو سے حضرت امیر معاویہؓ اپنے علاقے میں عہد بغاوت سے نکل کر ایک قانونی حیثیت میں آ گئے کہ خلیفہ وقت نے انہیں اس علاقے پر حکومت کرنے کی عارضی اجازت

---

[1] نہج البلاغۃ جلد ۲ صفحہ ۱۰۵

دے دی۔ یہ صلح نامہ حضرت کی کل قلمرو اسلامی میں خلافت تامہ کا ایک حکم نامہ تھا۔ اگلے سال حضرت علیؓ کو ایک خارجی نے شہید کر دیا۔ اگر کسی شامی نے شہید کیا ہوتا تو کہا جا سکتا تھا کہ حضرت معاویہؓ نے اس صلحنامہ کو توڑ دیا۔ ایسا نہیں ہوا۔ حضرت معاویہؓ حضرت علیؓ کی شہادت تک اس صلح پر پابند رہے۔ سو حضرت علی المرتضیٰؓ کا دورِ حکومت آپ کی خلافت تامہ ہی رہا۔ ایک تاویل سے آپ کی خلافت پورے قلمرو اسلامی میں رہی اور حضرت معاویہؓ بھی دورِ بغاوت سے نکل کر دورِ مصالحت میں آ گئے۔

اس وقت بات حضرت علی المرتضیٰؓ کی خلافت سے نہیں ہو رہی ہم حضرت عثمانؓ کی خلافت پر بحث کر رہے ہیں کہ وہ خلافت تامہ تھی اور آپ کی وفات بحالتِ خلافت ہوئی اور یہ کہ اس وقت آپ کل قلمرو اسلامی کے ایک ہی خلیفہ تھے۔ اس میں حضرت علیؓ کی خلافت پر ضمناً بحث چل نکلی کہ پھر آپ کی خلافت خلافت تامہ نہیں رہتی۔ ہم نے اس کے جواب میں کہا ہے کہ ۳۹ھ میں آپ کی امیر معاویہؓ سے جس طرح مصالحت ان کے دورِ حکومت کو ایک قانونی حیثیت میں لے آئی اس طرح حضرت علیؓ بھی اپنے آخر وقت میں اپنے ایک عمل سے کل قلمرو اسلامی کے ایک ہی خلیفہ رہے۔ آپ کے حینِ حیات حضرت معاویہؓ نے یا اور کسی نے اپنے لیے خلافت کا دعوےٰ نہیں کیا۔

۵ حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں مفسدین آپ کے گورنروں کے خلاف تو طرح طرح کی شکایات (اس وقت ان کے جھوٹ یا صحیح ہونے سے بحث نہیں) لاتے رہے۔ لیکن آپ کے خلاف کوئی ایسی بات اٹھا نہ پائے جس سے آپ کی خلافت مجروح ہوتی ہو۔ یہ صحیح ہے کہ حضرت عثمانؓ کے آخر دورِ خلافت میں مسلمانوں میں صحابہؓ کی تعداد بہت کم رہ گئی تھی سو اسلامی معاشرہ میں تقویٰ و دیانت صحابہؓ کے پیرائے کا سا نہ رہا تھا۔ اب اس وقت میں اگر حضرت عمرؓ بھی ہوتے تو انہیں بھی ان نئے حالات کا سامنا کرنا پڑتا۔ حضرت عثمانؓ نے اگر یہ دور دیکھا تو یہ اس وقت کے سیاسی حالات کا ایک فطری تقاضا تھا۔ یہ نہیں کہ آپ میں ان حالات کا سامنا کرنے کی سیاسی بصیرت نہ تھی۔ مسلمانوں میں صحابہؓ کی تعداد دن بدن کم ہونے کے باعث ایسے حالات کا پیدا ہو جانا ناگزیر تھا۔ تاہم اس سے آپ کا کوئی سخت سے سخت مخالف بھی انکار نہیں کر سکتا کہ حضرت عثمانؓ تاریخ اسلام کے اس نازک موڑ پر اتحادِ امت کے ایک عظیم سگنل تھے۔ اور آپ رگ رگ سے اس امت کے لیے

حضور کے رؤف رحیم ہونے کا عملی نشان تھے۔

حضورؐ کے رؤف رحیم ہونے کا مظہر اتم

قرآن نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات میں آپ کے اپنی امت کے حق میں نہایت مہربان اور سراپا عطوفت ہونے پر یہ بیان دیا ہے:۔

لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریصٌ علیکم بالمؤمنین رؤف رحیم۔ (پ۱۱ التوبہ ۱۲۸)

ترجمہ۔ اے لوگو! تمہارے پاس تم ہی لوگوں میں سے ایک رسول آیا ہے اس پر تمہاری ہر تکلیف گراں گذرتی ہے تمہاری بھلائی اس کی بڑی تمنا ہے ایمان والے کے لیے وہ نہایت درجہ کا شفیق اور مہربان ہے۔

آپ کی امت میں آپ کی ان صفات کا پرتو حضرت عثمان پر پڑا اور آپ اس امت کے یکجا رکھنے کے اس قدر شیدائی ہوئے کہ امت کی اس خیر خواہی پر آپ نے جان قربان کر دی۔ اگر آپ امت محمدی کے کسی گروہ کو اپنے محاصرہ کرنے والوں کے خلاف استعمال کرتے تو آپ کے سامنے ہی آپ کی امت دو ٹکڑے ہو جاتی۔ ایک آپ کے حق میں اور ایک آپ کے مخالف۔ آپ نے آخر دم تک امت کو ایک رکھنا چاہا۔ جو شفقت کی نظر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس امت پر تھی آپ کے بعد آپ کے اسی جذبہ عطوفت و رأفت کا مظہر اتم حضرت عثمان رضؓ تھے۔ آپ نے اپنے آپ کو اتحادِ امت پر قربان کر دیا اور اپنے ہوتے امت دو ٹکڑے نہ ہونے دی۔

حضورؐ کی سیرت کے چار پہلو نہایت نمایاں رہے ہیں:۔

(۱) حضورؐ کا استقلال۔ حالات کی باد صرصر کیسی تیز کیوں نہ چلے حضورؐ کے قدم کبھی نہ ہلتے۔ آپ کے وقار کا کوہ گراں کسی کمزوری کا اشارہ نہ دیتا۔

(۲) زندگی میں قوت لانے آنے اور غلبہ پانے کا احساس۔

(۳) ایک امت بنانے اور اس کے یکجا رکھنے کی سعی و تمنا اور

(۴) امت کا داخلی فتنوں سے تحفظ۔

ہم سیرت کے ان چار پہلوؤں کو خلافتِ راشدہ کے چار دوروں میں نمایاں دیکھتے

ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے جس طرح اوائل خلافت میں ہر چار طرف کی بغاوتوں میں جو کھالڑائی لڑی وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے استقلال کے پہلو کو نمایاں کرتی ہے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں قیصر و کسریٰ اور مجوس کی تہذیب و ثقافت کو توڑا۔ اور حضرت عثمانؓ نے اپنی خلافت میں آپ کی امت کے لیے وہی جذبہ محبت و عطوفت اپنے اندر اُبھارا جو حضور اکرمؐ اپنے میں اپنی اس امت کے بارے میں محسوس کرتے تھے۔ اور حضرت علی المرتضیٰؓ نے اپنی خلافت میں عبداللہ بن سبا اور خوارج کے الحادی فتنوں کا جس حسنِ تدبیر اور جوانمردی سے مقابلہ کیا اس میں آپ نے حضورؐ کی سیرت کے اس پہلو کو جو آپ کے دل میں آپ کی امت کے الحادی فتنوں سے بچ نکلنے کے بارے میں تھا اپنے عمل سے روشن کیا۔ اس سلسلہ میں حضورؐ خود بھی حضرت علیؓ کے بارے میں یہ پیشگوئی فرما چکے تھے:۔

ان منکم من یقاتل علی تاویل القرآن کما قاتلت علی تنزیلہ۔[1]

ترجمہ۔ بے شک تم میں ایسے لوگ بھی ہیں جو مراداتِ قرآن پر ایسے لڑیں گے جیسے میں قرآن کے الفاظ پر لڑتا رہا۔

حالات کے اس سیاق میں دیکھیں تو یہ جاننا کوئی مشکل نہیں رہتا کہ خلافت راشدہ دراصل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ہی ایک حصہ تھی جس نے تاریخ کے مختلف موڑوں پر اپنا دوبارہ ظہور چاہا۔ سیرت کے اس بروز میں حضرت عثمانؓ آپ کی شان رؤف رحیم کو پا گئے۔ آپ کو ان دو نوروں کی دولت مل گئی اور ہو سکتا ہے آپ کو اس جہت سے بھی ذوالنورین کہا گیا ہو۔ آپ میں بیک وقت ان دونوں نوروں کا ظہور تھا اور آپ کی دو بیٹیاں تو بیک وقت آپ کے نکاح میں نہ تھیں۔ یہ دو رشتے باری باری آپ کی زندگی کا حصہ بنے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ حضورؐ کی نیابت میں بارِ نبوت کو اٹھانے والے حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ تھے اور آپ کے بارِ ولایت کو اٹھانیوالے زیادہ حضرت علی مرتضیٰؓ رہے یہی وجہ ہے کہ ولایت کے زیادہ سلسلے حضرت علیؓ پر جا ملتے ہیں۔ رہے حضرت عثمانؓ تو ان کی پوزیشن ان دونوں کے درمیان تسلیم کی گئی ہے۔ آپ بارِ نبوت اور بارِ ولایت دونوں کے اٹھانے والے رہے اور ہو سکتا ہے کہ آپ کو اس

[1] رواہ احمد فی مسندہ والطحاوی فی مشکل الآثار

پہلو سے بھی ذوالنورین کہا گیا ہو کہ آپ نے بارِ نبوت اور بارِ ولایت دونوں کی دولت پائی۔
جو لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے دشمنوں کو کچلنے میں کمزوری دکھائی وہ آپ کو سمجھ نہیں پائے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ نے اپنے آپ کو اتحادِ امت پر قربان کیا۔ آپ نے یہ نہ دیکھنا چاہا کہ آپ کے سامنے حضورؐ کی امت دو حصوں میں بٹے۔ آخری دنوں میں حضرت علیؓ نے آپ سے یہ کہا تھا کہ کہیں آپ ہی تو اس امت کے وہ امام نہیں جس کے قتل پر مسلمانوں کی تلوار آپس میں چلے گی اور پھر ایسی چلے گی کہ پھر میان میں کبھی نہ جا سکے گی۔

موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اپنا فیصلہ دیا

آپ پر جب ایک جعلی خط کا الزام لگا اور آپ نے اس سے کلی برأت کا اظہار فرمایا تو ان مخالفین نے آپ کے سامنے یہ تین صورتیں رکھیں:۔

(۱) آپ خلافت سے دستبردار ہو جائیں۔
(۲) یا آپ کے اور ہمارے مابین جنگ فیصلہ کرے۔
(۳) یا ہم آپ کا فیصلہ کر دیں۔

آپ اپنی بارہ سالہ خدمت (خلافت) کو ختم کرنے کے لیے تیار نہ ہوتے۔ ایسا کرتے تو ان کی حکومت خلافت تامہ نہ رہتی اور آپ کے سامنے حضورؐ کی یہ حدیث بھی تھی کہ اے عثمانؓ اللہ تعالیٰ تجھے ایک قمیص پہنائیں گے لوگ کہیں گے کہ تم اسے اتار دو تم اسے نہ اتارنا۔ رہی دوسری بات جنگ تو آپ نے فرمایا:۔

> اگر میں اس کے لیے تیار ہوتا تو آج ہزاروں لوگ میرے اردگرد ہوتے اور میری طرف سے وہ دفاع کرتے۔ مگر میں اس کے آمادہ نہیں کہ مسلمانوں میں خونریزی ہو۔ مسلمان اب تک کافروں سے لڑتے رہے ہیں مسلمانوں میں آپس میں لڑنے کا دروازہ کیوں کھولوں۔ رہی میری جان تو میں موت سے نہیں ڈرتا اسے سہل سمجھتا ہوں۔

حضرت عثمانؓ نے موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اپنا فیصلہ دے دیا۔ اب اس حقیقت کے تسلیم کرنے سے کوئی چارہ نہیں کہ آپ اپنے دشمنوں کو کچلنے میں کسی کمزوری کا شکار نہ تھے۔ آپ کے سامنے ایک عظیم قومی مقصد تھا اور آپ نے محض اس کی حفاظت کے لیے موت پر فتح پائی۔ آپ

کی شہادت ایک نڈر جرنیل کی شہادت تھی جو موت سے نہیں ڈرتا ایک اصول پر جان دیتا ہے۔

حضرت عثمانؓ نے اس عظیم مقصد کے لیے جان دی کہ ان کے ہوتے ہوئے امت دو ٹکڑوں میں نہ بٹے اور اسی قابل فخر کارنامہ کے لیے آپ نے یہ تمام مصائب و شدائد برداشت کیے۔ اس پہلو سے آپ کی خلافت یقیناً ایک کامیاب خلافت ہے۔ اور آپ نے حضرت عمرؓ کے جانشین کی حیثیت سے اپنے آپ کو اس منصب کا اہل ثابت کیا۔ آپ نے قلمرو اسلامی کی سرحدوں کو اور مضبوط کیا۔ بلکہ ان میں اور بہت سے علاقے بڑھائے اور یہ اس کامیاب خلافت کی ہی ضوفشانیاں تھیں جن میں مسلمان آئندہ چل کے نیل کے ساحل سے کاشغر تک جا پہنچے۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاکِ کاشغر
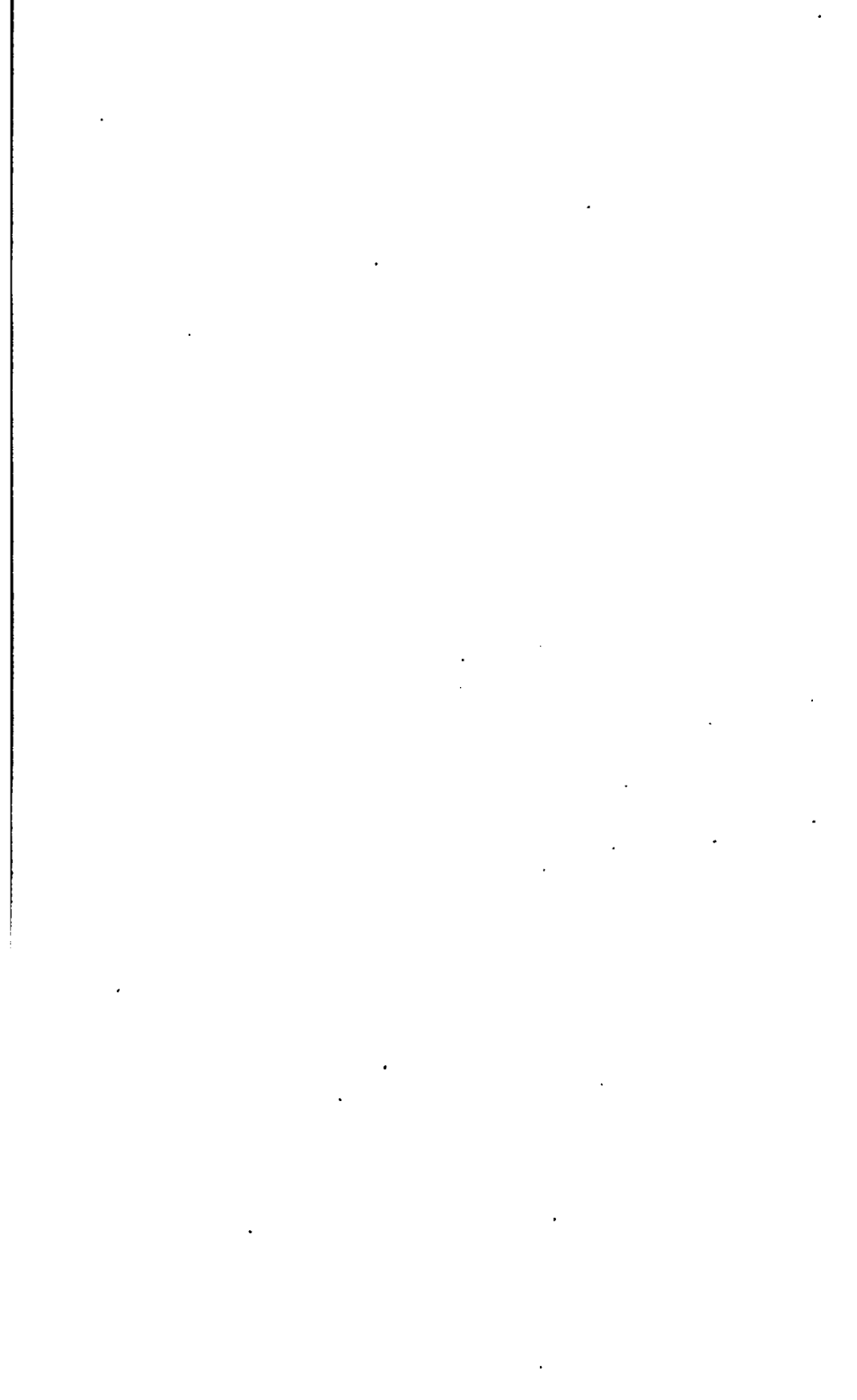
غایۃ البرہان علیٰ افضلیۃ عثمانؓ

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد :

حضرت عثمانؓ خلفائے راشدین میں تیسرے خلیفہ راشد تھے. جو خلافت منہاج نبوت پر قائم ہو اس کے عالی مقام حاملین اپنے اپنے عہد میں وقت کے افضل ترین افراد ہوتے ہیں جس طرح پیغمبر اپنے وقت کے افضل ترین ہوتے ہیں. خلافت علیٰ منہاج النبوۃ میں بھی یہ شان افضلیت پوری طرح جھلکتی ہے. جس طرح حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ اپنے اپنے عہد کے افضل ترین افراد تھے. امیر المؤمنین امام المتقین حضرت عثمانؓ بھی اپنے وقت کے افضل ترین فرد تھے. حضورؐ کی رشتہ داری میں بھی آپ پر نورِ نبوت دو دفعہ چمکا اور آپ باجماع امت ذوالنورین کہلائے.

اسلام میں گو افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی خلافت قائم ہو سکتی ہے مگر یہ مطلق خلافت کا انعقاد ہے. حضرت عمرؓ نے اس کی گنجائش رکھی کہ ان کے بعد چھ حضرات میں سے کسی خلیفہ چنا جا سکے لیکن ان میں افضل ترین ایک ہی تھا. اللہ رب العزت کا تکوینی فیصلہ یہی تھا کہ بات بالآخر ان چھ کے افضل ترین پر آ ٹھہرے اور خلافتِ راشدہ اسی طرح چلے کہ اس کے عالی مقام حاملین اپنے اپنے عہد کے افضل ترین افراد ہوں. مطلق خلافت اس طرح نہیں مگر خلافتِ راشدہ وہ خلافت جس میں ہمیشہ اپنے اپنے وقت کے افضل ترین افراد سربراہان مملکت ہوئے. حضرت ابوبکر صدیقؓ افضل الناس بعد الانبیاء مانے گئے اور ان کے بعد وقت کے افضل ترین فرد حضرت عمرؓ مانے گئے اور تیسرے خلیفہ پر جس طرح کتاب وسنت کی پیروی لازم رہی ان پر باتفاق صحابہؓ سیرت شیخین کی پیروی بھی لازم کی گئی. خلافت راشدہ کا تیس سالہ دور اپنے اپنے وقت کے افضل ترین افراد سے چلتا رہا. حضرت عثمانؓ کے بعد یہ گوئے سبقت حضرت علی مرتضیٰؓ لے گئے.

شہزادۂ صلح و وفا حضرت حسن مجتبیٰؓ سیدنا حضرت حسینؓ سے اس وجہ سے افضل ٹھہرے کہ آپ پر کچھ عرصہ خلافت راشدہ کا نور چمکا اور آپ نے پھر سے مسلمانوں کی دو جماعتوں کو ایک کر دیا. خلافت راشدہ وہ خلافت ہے جو منہاج نبوت پر قائم ہوئی اور اپنے اپنے عہد کے افضل ترین انسانوں کا نصیب ٹھہری.

سکندر را نمے بخشند آبے

بزور و زر میسر نیست ایں کار

حضرت عثمانؓ کی فضیلت پر قرآن و حدیث کی لاتعداد شہادتیں آپ کے سامنے ہیں لیکن آج کی مجلس میں ہم صرف ان کی افضلیت پر کچھ گذارشات کریں گے۔ واللہ ھو الموفق لما یحبہ و یرضیٰ بہ۔

تیسرے خلیفہ کا انتخاب حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے سپرد رہا۔

صحابہ میں عشرہ مبشرہ وہ دس حضرات تھے جن کو حضرت خاتم النبیینؐ نے اپنے حینِ حیات جنتی ہونے کی بشارت دی۔ یہ اپنے وقت کے افضل ترین افراد تھے۔ حضرت عمرؓ کی شہادت پر ان دس میں سے صرف سات باقی تھے۔ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ جنت میں اپنے خیمے لگا چکے تھے۔ ان سات میں حضرت سعید بن زیدؓ حضرت عمرؓ کے چچازاد بھائی تھے آپ نے انہیں نکال کر باقی حضرات کی ایک چھ رکنی کمیٹی نامزد کر دی کہ تیسرا خلیفہ ان میں سے چنا جائے۔ یہ چھ بھی ان کی اپنی پسند نہ تھی۔ انہوں نے حضورؐ کی پسند کو ہی مقدم رکھا۔ اپنے چچازاد بھائی کو ان میں نہ رکھا۔ کہ حضور اکرمؐ نے بھی تو خلافت میں اپنے چچازاد بھائی کو کہیں تجویز نہ کیا تھا۔

اب چھ رکنی کمیٹی کی بات ان دو میں کیسے آگئی۔

یہ چھ افراد اپنے وقت کے افضل ترین حضرات تھے۔ ان میں حضرت طلحہؓ حضرت عثمانؓ کے حق میں حضرت زبیرؓ حضرت علیؓ کے حق میں اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ حضرت عبدالرحمٰنؓ کے حق میں دستبردار ہو گئے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ پہلے سے سب کو بتا چکے تھے کہ وہ ان کے مقابلہ میں نہ آئیں گے۔ ہاں وہ چاہیں تو آپ ان میں انتخاب کی خدمت سرانجام دے سکیں گے صحیح بخاری میں ہے کہ آپ نے ان سے کہا:۔

لست بالذی انا فسکم علیٰ ھذا ھذا الامر ولکنکم ان شئتم اخترت لکم منکم۔[1]

ترجمہ۔ میں ایسا نہیں کہ خلافت میں تمہارے مقابل آؤں ہاں اگر تم چاہو تو میں تم میں انتخاب کا کام کر سکتا ہوں۔

ان حضرات نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو خلیفہ کے انتخاب کا حق دے دیا۔ اب

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۷۱

اس چھ رکنی کمیٹی میں خلافت کے امیدوار صرف دو رہ گئے۔

۱. حضرت عثمانؓ اور ——— ۲. حضرت علیؓ

حضرت عبدالرحمنؓ کا موقف یہ رہا کہ انتخاب افضلیت کی بنیاد پر ہو ورنہ ان چھ میں سے کوئی بھی معیار خلافت سے ساقط نہ تھا۔ آپ نے خدا کو گواہ کر کے کہا:۔

واللہ عليّ ان لا آلو عن افضلکم۔ [1]

ترجمہ۔ مجھ پر یہ ذمہ داری رہی کہ تم میں سے افضل کے انتخاب میں کوتاہی نہ کروں۔

اس موقعہ انتخاب پر اور بھی بہت سے لوگ وہاں موجود تھے کہ دیکھیئے کیا فیصلہ ہوتا ہے۔ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اس وقت تک پوری قلمرو اسلامیہ میں سب لوگ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کو بالکل ہم عقیدہ اور ہم مسلک سمجھتے تھے اور مطلق خلافت کے لیے دونوں ایک وزن کے تھے۔ اس وقت کسی شخص کا یہ عقیدہ نہ تھا کہ ان میں سے کوئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نامزد کردہ ہے ورنہ وہ نامزدگی اس وقت کھل کر سامنے آجاتی اور کوئی تو کہتا کہ حضرت علیؓ کو تو حضورؐ نے غدیر خم میں اپنا جانشین بنا دیا تھا۔

حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کا یہی موقف رہا کہ ان دونوں میں سے افضل کا انتخاب کیا جائے اور وہ اس کا اعلان بھی فرما چکے تھے۔ آپ اس نقطہ پر سب اہل حل وعقد سے مشورہ لیتے رہے۔ ہر ایک نے یہی کہا کہ اس وقت پوری امت میں حضرت عثمانؓ کے برابر کا کوئی فرد نہیں ہے۔

صحیح بخاری میں ہے:۔

فلما ولوا عبد الرحمن امرهم فمال الناس علی عبد الرحمن... يشاورونه تلك الليالی۔ [2]

ترجمہ۔ جب انہوں نے اپنا معاملہ عبدالرحمن کے سپرد کر دیا تو لوگ عبدالرحمن کی طرف گئے...

یہ ان تین راتوں میں انہیں مشورے دیتے رہے۔

ابوالحسن علی بن عمر الدارقطنی (۳۸۵ھ) نے غرائب مالک میں امام مالک کی روایت ابن شہاب الزہری (۱۲۰ھ) سے نقل کی ہے:۔

لا يخلو به رجل ذو رای فيعدل بعثمان احدًا۔ [3]

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ ص ۵۲۵ [2] ایضاً جلد ۲ ص ۱۰۷۰ [3] فتح الباری جلد ۲ ص ۱۲۴ ارشاد الساری جلد ۱۰ ص ۲۵۶

ترجمہ. ایسا نہ تھا کہ کوئی شخص صاحب الرائے خلوت میں بھی کسی کو حضرت عثمانؓ کے برابر سمجھے.

سب صحابہ کی یہی ایک رائے کیوں تھی ؟

صحابہ کرامؓ نے گو آنحضرت صلی اللہ وسلم سے کسی کے حق میں خلافت سلطنت کی نص جلی نہ سُنی تھی. لیکن وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عثمان بن عفانؓ کے حق میں تیسرے درجہ پر ہونے کے غیبی اشارے بار ہا سن چکے تھے.

۱. ایک شخص نے حضورؐ کی زندگی میں ایک خواب دیکھا اور وہ سب کے سامنے حضور اکرم کے سامنے پیش کیا. اس نے خواب دیکھا کہ آسمان سے ایک ترازو اتری ہے. اس میں تین تول باری باری سامنے آئے :-

۱. پہلے تول میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ تولے گئے.
حضور اکرمؐ کا پلڑا بھاری نکلا.

۲. دوسرے تول میں حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمر بن الخطابؓ تولے گئے
حضرت ابو بکرؓ کا پلڑا بھاری نکلا.

۳. تیسرے تول میں حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ تولے گئے.
حضرت عمرؓ کا پلڑا بھاری نکلا.

خواب میں ہے کہ پھر وہ ترازو اُٹھالی گئی. [1]

یہ خواب چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور بیان کیا گیا. اس لیے یہ حضرت عثمانؓ کے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے ساتھ تیسرے نمبر پر ہونے کا غیبی اشارہ ہے.

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ترازو کے اٹھائے جانے پر پریشان ہوئے. تاہم ایک دوسرے خواب سے پتہ چلتا ہے کہ وہ رسی پھر جوڑ دی گئی.

۲. حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ ایک صحابی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنا یہ خواب بیان کیا :-

ایک ابر کا ٹکڑا ہے جس سے شہد اور گھی ٹپک رہا ہے جسکے آگے لوگ ہاتھ

---

[1] رواہ ابوداؤد عن ابی بکرۃ ازالۃ الخفاء جلد ا صہ ۵۸

لیے کھڑے ہیں اور ہر ایک کچھ نہ کچھ لے رہا ہے۔ پھر میں نے دیکھا کہ ایک رسی آسمان سے زمین پر آرہی ہے اور آپ نے اس رسی کو پکڑ لیا ہے اور آپ اس رسی سے اوپر چڑھ گئے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت اونچا کیا ہے۔ پھر آپ کے بعد ایک دوسرا شخص آیا ہے اور اس نے وہ رسی پکڑ لی ہے اور وہ بھی اس سے اوپر چڑھ گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے اونچا کر دیا ہے۔ پھر اس کے بعد ایک اور شخص نے اس رسی کو پکڑ لیا ہے اور وہ بھی اوپر چڑھ گیا اور اللہ نے اسے بھی اونچا کر دیا۔ پھر اس کے بعد ایک اور شخص نے اس رسی کو پکڑ لیا اور وہ رسی ٹوٹ گئی ہے۔ پھر وہ جڑ گئی اور سلسلہ متصل ہو گیا ہے۔

حضرت ابوبکرؓ نے حضورؐ سے عرض کی کہ مجھے اس کی تعبیر کرنے کی اجازت دیں۔ آپ نے انہیں اجازت دی۔ آپ نے کہا یہ رسی جو آسمان سے زمین تک آرہی ہے وہ آپ کا لایا ہوا دینِ برحق ہے۔ آپ کے بعد تین شخص یکے بعد دیگرے متصلاً اوپر چڑھیں گے۔ پھر تیسرے پر وہ رسی ٹوٹ جائے گی اور پھر سے بندھ جائے گی اور وہ بھی اس پر چڑھ جائے گا۔[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تعبیر کی جزوی طور پر تصویب فرمائی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے شہد اور گھی ٹپکنے میں صرف شہد کی تعبیر بیان کی کہ اس سے مراد قرآن کریم ہے مگر گھی ٹپکنے کی بات نہ کھولی۔ اس سے غالباً سنت مراد ہوگی۔

اس حدیث میں مذکور یہ آپ کے تین خلفاء راشدینؓ کا ذکر ہے۔ رسی ٹوٹ کر پھر بندھ گئی یہ حضرت عثمانؓ پر خلافت کا ٹوٹنا اور حضرت علیؓ کی خلافت سے اس کا پھر بندھ جانا ہے

۳۔ آپ نے جب مسجد نبوی کی بنیاد رکھی تو پہلا پتھر آپ نے رکھا۔ پھر فرمایا میرے پتھر کے ساتھ ابوبکرؓ ایک پتھر رکھیں۔ پھر فرمایا۔ ابوبکرؓ کے پتھر کے ساتھ عمرؓ ایک پتھر رکھیں۔ پھر کہا کہ عمرؓ کے پتھر کے ساتھ عثمانؓ ایک پتھر رکھیں۔[2]

کیا یہ حضرت عثمانؓ کے تیسرے نمبر پہ ہونے کی الٰہی خبر نہیں ہے۔

۴۔ ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں کنکریوں نے تسبیح پڑھی۔ جسے سب لوگوں نے جو وہاں تھے سنا۔ پھر آپ نے وہ کنکریاں حضرت ابوبکرؓ

---

[1] رواہ مسلم عن ابن عباس جلد ۲ صفحہ ۲۴۳ [2] ازالۃ الخفاء جلد ۱ صفحہ

کے ہاتھ میں دیں تو کنکریاں پھر اسی طرح تسبیح پڑھنے لگیں۔ پھر آپ نے وہ کنکریاں حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں دیں۔ وہاں بھی ان کنکریوں نے خدا کی تسبیح و تقدیس کی اور اسے سب حاضرین نے سُنا۔ پھر آپ نے وہ کنکریاں حضرت عثمانؓ کے ہاتھ میں دیں۔ آپ کے ہاتھ میں بھی کنکریوں نے باآواز تسبیح پڑھی۔ اور سب لوگوں نے اسے سُنا۔ [1]

۵۔ عن ابی بکرۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ذات یوم من رای منکم رؤیا فقال رجل انا رأیت کانّ میزاناً نزل من السماء فوزنت انت و ابو بکر فرجحت انت بابی بکر ووزن ابو بکر و عمر فرجح ابو بکر ووزن عمر و عثمان فرجح عمر ثم رفع المیزان فرأینا الکراھیۃ فی وجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ [2]

ترجمہ۔ حضرت ابوبکرہؓ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن پوچھا تم میں سے آج کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے ایک شخص نے کہا میں نے دیکھا ہے ایک ترازو آسمان سے اتری جس میں آپ اور حضرت ابوبکرؓ تولے گئے آپ کا ابوبکرؓ سے پلڑا بھاری رہا اور پھر ابوبکرؓ اور عمرؓ تولے گئے اور ابوبکرؓ کا پلڑا بھاری رہا اور عمرؓ اور عثمانؓ تولے گئے اس میں عمرؓ کا پلڑا بھاری رہا۔ پھر وہ میزان اٹھالی گئی۔ ہم نے حضورؐ کے چہرے پر ناگواری محسوس کی۔

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دوسروں کے دیکھے خواب ہیں اور یہ کچھ مشاہدات ہیں ان سب میں حضرت عثمانؓ تیسرے نمبر پر نظر آرہے ہیں اور آنحضرتؐ نے ان خوابوں اور مشاہدات میں سے کسی کو خلاف ظاہر نہیں بتایا تو یہ یقین کرنے کے لیے کافی ہے کہ حضرت عثمانؓ تیسرے درجے میں پوری امت میں افضل الناس تھے اور اسی ترتیب سے خلافت علی منہاج النبوۃ قائم ہوئی۔

۶۔ اب ایک خواب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا بھی سُن لیں۔ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں آپ نے فرمایا:۔

---

[1] ازالۃ الخفاء جلد ۱ ص [2] سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۶۳۷ جامع ترمذی جلد ۲ ص ۵۲ وقال ہٰذا حدیث صحیح و مسند امام احمد جلد ۲ ص ۲۰ ص ۳۳۲

بینا انا نائم رأیت انی انزع علی حوض انتقی الناس فجاء نی ابوبکر فاخذ الدلو من ید یسر وجنی فنزع دلوین وفی نزعه ضعف واللہ یغفر لہ فجاء ابن الخطاب فاخذ منه فلم اری رجلاً نزع قط اقوی حتی تری الناس والحوض ملاٰن یتفجر۔[1]

ترجمہ: میں نیند میں تھا کہ میں نے خواب دیکھا کہ میں ایک کنویں پر ہوں اور اس کنویں سے پانی نکال رہا ہوں اور لوگوں کو پلا رہا ہوں اور پھر میرے پاس ابوبکر آئے اور مجھ سے ڈول لے لیا جس قدر اللہ تعالیٰ کو منظور تھا۔ پھر مجھ سے وہ ڈول ابن ابی قحافہ نے لے لیا اور اس نے ایک دو ڈول نکالے مگر ان کے ڈول کھینچنے میں کچھ ضعف تھا اللہ تعالیٰ انہیں معاف کرے۔ پھر عمر آئے اور انہوں نے ان سے ڈول لے لیا۔ میں نے کسی پانی نکالنے والے کو ان سے زیادہ قوی صورت نہیں دیکھا۔ سب لوگ پی کر چلے گئے اور حوض ابھی پورا بھرا تھا اور اچھل رہا تھا۔

اس موضوع پر ہم آپ کے سامنے چار مقتدر صحابہؓ کی شہادتیں پیش کرتے ہیں۔ پہلی شہادت حضرت عبدالرحمٰن کی لیجیے:۔

۱۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی شہادت

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے مختلف صوبوں کے امراء اور اشرافِ مدینہ کو بھی اپنے ہاں بلایا ہوا تھا۔ دیگر صحابہ اور اشرافِ امت سے بھی مشورہ لیتے رہے۔ بالآخر آپ منبر پر تشریف لائے۔ حضرت عثمانؓ کے حق میں فیصلہ دیا۔ اور حضرت علیؓ کو خصوصی طور پر مخاطب کر کے کہا:۔

یا علی انی قد نظرت فی امر الناس فلم ارھم یعدلون بعثمان فلا تجعلن علیٰ نفسک سبیلاً۔[2]

ترجمہ: اے علی! میں نے امت کے اس معاملہ پر پورا غور کیا ہے لوگوں کو میں نے اسی پر پایا ہے کہ وہ حضرت عثمانؓ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے۔ آپ اپنے جی میں کوئی اور خیال نہ لائیں۔ میرے حضرت عثمان کو چننے پر مجھے کسی طرح ملامت نہ کریں۔

---

[1] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۷۵ [2] صحیح بخاری کتاب الاحکام جلد ۲ صفحہ ۱۰۷ قسطلانی جلد ۱۰ صفحہ ۲۵۴

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے اس بیان کا حاضرین میں سے کسی نے انکار نہ کیا معلوم ہوا اس وقت تک نہ کہیں شیعی عقائد وضع ہوئے تھے نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں اس وقت تک عقیدہ امامت تجویز ہوا تھا. سب مسلمان ایک عقیدہ کے تھے اور نہ کوئی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پہلے سے نامزد ہونے کا عقیدہ رکھتا تھا.

۲. حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی شہادت

آپ اس چھ رکنی کمیٹی کے رکن تھے اور عشرہ مبشرہ میں سے تھے. آپ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے حق میں دستبردار ہوئے تھے اور آپ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے اب انتخاب کا حق حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو دیا تھا. آپ نے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو اپنی طرف سے اشارہ دے دیا تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا انتخاب کریں. یہ آپ کی طرف سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس وقت افضل الناس ہونے کی ایک کھلی شہادت تھی.

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ المدائنی نے اس روایت میں بھی روایت کیا ہے:

ان سعداً اشار علیه بعثمان.[1]

ترجمہ. حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے انتخاب کا اشارہ دے دیا تھا.

۳. حضرت جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہ کی شہادت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لٹکے ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے لٹکے ہیں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے لٹکے ہوئے ہیں. اس پر حضرت جابر رضی اللہ عنہ صحابہ کی یہ اجتماعی شہادت پیش کرتے ہیں کہ وہ دین جو اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دے کر بھیجا اس کے یہ تینوں ولاۃ الامر ہیں. اب صحابہ میں سے کوئی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے تیسرا خلیفہ راشد ہونے کے سوا حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو کیسے کوئی اور رائے دے سکتا تھا. رب العزت کا اپنا تکوینی فیصلہ بھی یہی تھا. تینوں حضرات اس طرح اس دین کے والی ہوئے.

---

[1] فتح الباری جلد ۱۳ صفحہ ۲۱۳

سنن ابی داؤد میں ہے:۔

قال جابر فلما قمنا من عند رسول الله صلی الله علیہ وسلم قلنا اما الرجل الصالح فرسول الله صلی الله علیہ وسلم واما تنوط بعضهم ببعض فهم ولاة هذا الامر الذی بعث الله به نبیه صلی الله علیہ وسلم [1]

ترجمہ: حضرت جابرؓ کہتے ہیں ہم (اس خواب کے سننے کے بعد) جب حضورؐ سے اٹھ کر گئے تو ہم آپس میں اس خواب کا تذکرہ کیا۔ ہم نے کہا کہ اس میں مرد صالح سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ان صحابہؓ کا آپس میں ایک دوسرے سے لٹکنا اس سے مراد وہ والیان مملکت ہیں جو اس دین کو لے کر اٹھیں گے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا۔

۴۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی شہادت

آپ کہتے ہیں کہ حضورؐ کے زمانے میں بھی حضرت عثمانؓ ہمیشہ تیسرے نمبر پر سمجھے گئے ہیں۔ آپ کہتے ہیں:۔

فی زمن النبی صلی الله علیہ وسلم لا نعدل بابی بکر احدًا ثم عمر ثم عثمان ثم نترك اصحاب النبی صلی الله علیہ وسلم لا نفاضل بینهم [2]

ترجمہ: حضورؐ کے وقت میں ہم حضرت ابوبکرؓ کے برابر کسی کو نہ سمجھتے تھے پھر حضرت عمرؓ کو پھر حضرت عثمانؓ کو اور پھر باقی صحابہؓ میں کسی کو افضلیت میں نمایاں نہ کرتے تھے۔

اور آپ نے یہ بھی فرمایا:۔

کنا نخیر بین الناس فی زمن رسول الله صلی الله علیہ وسلم فنخیر ابا بکر ثم عمر بن الخطاب ثم عثمان بن عفان۔

ترجمہ: ہم حضورؐ کے وقت میں لوگوں میں خیر الناس کا ذکر کرتے تو ہم حضرت ابوبکرؓ کو سب سے بہتر سمجھتے۔ پھر حضرت عمرؓ کو اور پھر حضرت عثمانؓ کو۔

اور یہ بھی فرمایا:۔

کنا نقول و رسول الله صلی الله علیہ وسلم حی ابو بکر و عمر و عثمان رضی الله عنهم [3]

ترجمہ: ہم حضورؐ کے حین حیات ان تینوں ناموں کو اس طرح ذکر کرتے ابوبکرؓ عمرؓ اور عثمانؓ۔ اللہ ان سب سے راضی ہو۔

---

[1] مشکوٰۃ صہ ۵۶۳ [2] صحیح بخاری جلد ۱ صہ ۵۲۳ [3] رواہ الترمذی

یہ ایک صحابی کی شہادت نہیں۔ کنّا نقول کے الفاظ بتا رہے ہے کہ یہ صحابہ کرامؓ کا اجماع بیان کیا جارہا ہے اور یہ بات اصول میں طے ہو چکی ہے کہ اجماع صحابہ معصوم ہے عصمت کا سایہ ان پر محیط ہے۔ جس طرح ہر پیغمبر اپنی ذات میں معصوم ہے صحابہ اپنے اجماع میں معصوم ہیں۔

صحابہ کی ان چار شہادتوں کے بعد اب ائمہ اربعہ میں سے اور حضرت امام اعظمؒ اور امام احمدؒ کی شہادتیں بھی سن لیں۔ حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں۔

قال الامام احمد لم یتفق الناس علی بیعة کما اتفقوا علی بیعة عثمان ولاه المسلمون بعد تشاورهم ثلثة ایام وهم مؤتلفون متفقون متحاربون متوادون معتصمون بحبل الله جمیعًا فلم یعدلوا بعثمان غیره کما اخبر بذالك عبدالرحمٰن بن عوف۔ [1]

ترجمہ۔ لوگ کسی بیعت پر اس طرح متفق نہیں رہے جیسا کہ وہ حضرت عثمانؓ کی بیعت پر متفق ہوئے۔ مسلمانوں نے تین دن کے اپنے مشورے سے آپ کو والی بنایا اور اس پر وہ پوری خوشی سے، اتفاق سے، محبت اور مودت سے اللہ کی رسی کو تھامے رہے۔ انہوں نے حضرت عثمانؓ کے برابر کسی کو نہ جانا جیسا کہ عبدالرحمٰن بن عوف نے ان کے اس حال کی خبر دی ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ فقہ اکبر میں لکھتے ہیں :۔

افضل الناس بعد النبیین علیهم الصلوٰة والسلام ابوبکر صدیق، ثم عمر بن الخطاب ثم عثمان بن عفان ذوالنورین ثم علی بن ابی طالب المرتضیٰ رضوان الله علیهم اجمعین۔ [2]

سو اس میں اہل سنت کے ہاں تردد نہ رہنا چاہیئے کہ حضرت عمرؓ کے بعد پوری امت میں حضرت عثمانؓ ہی افضل الناس مانے گئے ہیں۔

حضرت امام طحاوی عقیدہ طحاویہ میں لکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت ان کے افضل الناس ہونے پر قائم ہوئی تھی اور آپ کے بعد حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ خلافت راشدہ پر آئے اور یہ چاروں اپنے اپنے وقت میں امام مہدی رہے امام مہدی کا مطلب یہ ہے کہ ان کے عہد میں، ان کی اقتدار میں ہدایت ہی ہدایت تھی۔ یہ

---

[1] منہاج السنة جلد ۳ صد ۲۳۳ [2] شرح فقہ اکبر صد ۹۷/۹۸ طبع بیروت

بات غلط ہے کہ سب صحابہ جس بات پر اجماع کرلیں اس پر عصمت کا سایہ نہیں ہوتا۔
امام طحاوی لکھتے ہیں :۔
ونثبت الخلافة بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اولاً لابی بکر الصدیق
تفضیلاً لہ و تقدیماً علی جمیع الامة ثم لعمر بن الخطاب ثم لعثمان ثم لعلی
بن ابی طالب وہم الخلفاء الراشدون والائمة المہدیون [1]
ترجمہ ہم حضور اکرمؐ کے بعد خلافت بلا فصل ابوبکر صدیق رض کے لیے آپ سب سے
افضل ہونے اور سب سے پہلے اسلام لانے والے ہونے کی بنا پر ثابت کرتے
ہیں۔ پھر یہ مرتبہ حضرت عمر رض کو پھر حضرت عثمان رض کو اور پھر حضرت علی رض کو
حاصل ہے۔ یہی خلفائے راشدین اور ائمہ ہدایت ہیں۔
شیعہ نے جس قدر متعہ کو یا قیام نماز میں ہاتھ چھوڑنے کو غلط طور پر امام مالکؒ کی طرف
نسبت کیا۔ انہوں نے یہ بات بھی ان کی طرف نسبت کی کہ آپ حضرت عثمان رض اور حضرت علی رض
میں کسی کی افضلیت کے قائل نہ تھے وہ اس میں توقف کے قائل تھے۔ مالکی علماء نے
اس کی تردید کی ہے۔ قاضی عیاض (۵۴۴ھ) لکھتے ہیں امام مالکؒ نے اس توقف سے
رجوع فرمالیا تھا۔ امام قرطبی (۶۷۱ھ) فرماتے ہیں۔ وھو الصحیح ان شاء اللہ تعالیٰ۔
امام مالکؒ امام دارالہجرت تھے۔ مدینہ میں روضہ اطہر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے ساتھ صرف حضرت ابوبکر رض اور حضرت عمر رض مکین گنبد خضرا ہیں حضرت عثمان رض وہاں نہیں
شاید اس لیے وہاں کسی نے کہہ دیا ہو کہ جس طرح حضرت ابوبکر رض اور حضرت عمر رض کی تمام
امت پر فضیلت قطعی ہے۔ حضرت عثمان کی افضلیت اس طرح قطعی نہیں اور اس کو پھر
توقف سمجھ لیا گیا ہو۔
ہم کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رض کے عقد خلافت کے وقت تین دن اور تین رات صحابہ کرام رض
بالاجماع یہ کہتے رہے کہ حضرت عثمان رض کے برابر کوئی نہیں۔ کیا ان کھلی شہادتوں کے بعد بھی
ان کی افضلیت میں کوئی شک ہو سکتا ہے۔ کیا اب بھی آپ کا اس وقت افضل الناس
ہونا کسی توقف میں رہ سکتا ہے۔
اگر علامہ تفتازانی (۷۹۱ھ) کو اس میں تردد رہا ہے تو کیا امام ربانی مجدد الف ثانی

---

[1] ماخوذ از شرح عقیدہ طحاویہ صد

حضرت شیخ احمد سرہندیؒ نے اس کی تردید نہ کردی؟ مجدد تو آتے ہی اس لیے ہیں کہ امت میں کوئی غلطی راہ پانے لگے تو وہ امت کو صحیح سمت پر پھیر سے ڈال دیں۔

اکثر اہل سنت اس بات پر ہیں کہ شیخین کے بعد افضل حضرت عثمان ہیں۔ حضرت علیؓ اور ائمہ اربعہ مجتہدین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا بھی یہی مذہب ہے اور وہ توقف جو حضرت عثمانؓ کی فضیلت میں امام مالک سے نقل کیا گیا ہے اس کے بارے میں قاضی عیاض مالکی نے کہا ہے کہ امام مالک نے توقف سے حضرت عثمان کی تفضیل کی طرف رجوع کر لیا ہے اور قرطبی مالکی نے کہا ہے۔ ھو الاصح ان شاء اللہ تعالیٰ۔[1]

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بھی لکھتے ہیں :۔

امام محی الدین نووی نے صحیح مسلم کی شرح میں لکھا ہے کہ کوفہ کے بعض اہل سنت حضرت عثمانؓ کو حضرت علیؓ پر فوقیت نہیں دیتے مگر صحیح اور مشہور یہی ہے کہ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ پر مقدم ہیں۔[2]

شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ بھی لکھتے ہیں :۔

بعض اہل علم جیسے علامہ تفتازانی رحؒ جس کو اس بارہ میں تردد لاحق ہے کہ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ میں افضل کون ہے ان کا یہ تردد صحیح نہیں۔ اس لیے کہ جن صحابہ کرامؓ نے حضرت عثمانؓ کو تین دن رات کے مشوروں کے بعد بلا کسی اختلاف کے اپنا خلیفہ منتخب کیا ان کو حضرت عثمانؓ کی افضلیت میں ذرہ برابر کوئی شبہ اور تردد نہ تھا۔ بلا کسی تردد اور بلا کسی اختلاف اور بلا کسی بحث کے حضرت عثمانؓ کو سب سے افضل سمجھ کر خلیفہ مقرر کیا اور یہی تمام اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے حضرت عثمانؓ کا مرتبہ حضرت علیؓ سے بڑھا ہوا ہے۔[3]

ہم سمجھتے ہیں کہ اب اس مسئلے میں کسی کو کسی درجے کا ابہام نہ رہے گا۔

---

[1] مکتوبات دفتر اول حصہ چہارم ص ۶۶۸ [2] تکمیل الایمان ص ۱۶۴ مکتبہ نوریہ لاہور [3] خلافت راشدہ ص ۱۹۵

حضرت عثمان غنیؓ کی شجاعت

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد،

سیدنا حضرت عثمان غنیؓ کی عمر ستر برس کے قریب تھی، جب آپ کو حضرت عمرؓ کا جانشین چنا گیا اور ان لوگوں نے چنا جو اپنے وقت کے نہایت بہادر اور جانباز مجاہد تھے۔ حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ بمع حضرت عثمانؓ۔ یہ چھ حضرات حضرت عمرؓ کا انتخاب تھے۔ یہ چھ حضرات عشرہ مبشرہ میں سے تھے اور اس پہلو سے یہ چھ حضرات اللہ تعالیٰ اور حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی رضا یافتہ تھے۔

ستر برس کی عمر میں حضرت عثمانؓ کو حضرت عمرؓ جیسے مدبر، جری اور بہادر حکمران کا جانشین چننا تبھی ہو سکتا ہے کہ آپ اپنے عزم و حزم میں ابھی بوڑھے نہ ہو پائے ہوں اور یہ صورت حال صرف بہادروں اور جانبازوں کو ہی نصیب ہو سکتی ہے ان کو نہیں جن کا خون بڑھاپے کے باعث سرد ہو چکا ہو۔

خاندانی شجاعت کے وارث

آپ حضرت عبد مناف کی اولاد میں سے ہیں اور آپ کا نسب حضرت خاتم النبیینؐ سے پانچویں پشت میں مل جاتا ہے۔ یہ بنو امیہ میں سے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بنو ہاشم سے خاندان قریش میں قومی جھنڈا بنو امیہ کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ مکہ کے لوگ جب مدینہ والوں کے مقابل نکلتے تو کمان ابو سفیان کے ہاتھ میں ہوتی تھی۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ لوگ حکمرانی اور جہانبانی میں پیدائشی سردار تھے۔ گو حضرت عثمانؓ اوائل میں ہی ان سے نکل کر مسلمان ہو چکے تھے۔ تاہم آپ کے پیدائشی سردار ہونے سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ آپ ستر برس کی عمر میں بھی جانشین عمرؓ ہونے کی ہمت و شجاعت اور جرأت و حرارت رکھتے تھے اور اس عمر میں بھی آپ کا خون ٹھنڈا نہ ہونے پایا تھا اور اس پر حضرت علیؓ جیسے شیر خدا کی بھی شہادت ثبت ہے۔ جب فاتح مصر عمرو بن العاصؓ نے بھی افریقہ کی طرف بڑھنے سے جواب دے دیا تو بھی اس اسی سالہ خلیفہ راشد نے دم نہیں توڑا اور اس کے لیے ایک دوسرے جرنیل کو حکم دیا اور فتح نے اس کے قدم چوم لیے۔ آپ کا ایک

عام فوجی چند گھنٹوں میں شاہِ افریقہ کا سر لے کر آگیا۔ یہ صورتِ حال آپ کے فطری جوہر شجاعت کا پتہ دیتی ہے۔

حضورؐ کی آپ کے بدری ہونے کی شہادت

جنگ بدر کے ۳۱۳ جانبازوں کے جذبۂ شہادت سے کیسے انکار ہو سکتا ہے۔ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں اللہ رب العزت کے حضور کہا:۔

اللّٰھم ان تھلک ھذہ العصابۃ من اھل الاسلام لا تعبد فی الارض۔

صحیح بخاری میں ہے حضرت ابوبکرؓ نے آپ کا ہاتھ پکڑ لیا اور عرض کیا۔

حسبک اللہ فقد الححت علی ربک۔

جنگ بدر میں حضرت عثمانؓ شامل نہ تھے۔ حضورؐ کی دوسری صاحبزادی حضرت رقیہ سلام اللہ علیہا بسترِ مرگ پر تھیں اور حضور اکرمؐ نے انہیں ان کی تیمارداری کے لیے مدینہ چھوڑا تھا۔ چنانچہ اسی میں ان کا انتقال ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے غنائم میں حضرت عثمانؓ کو برابر کا حصہ دیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ رسالت کی نظر میں آپ کا جذبۂ جہاد اور اس کے لیے تیاری اور خلوص کسی دوسرے بدری سے کم نہ تھی۔ ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انہیں صرف معذور قرار دیتے۔ بدر کے غنائم میں حصہ دار نہ ٹھہراتے۔

پھر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی خلافتوں میں بھی آپ کو بدری صحابہؓ کے ساتھ برابر کا حصہ دیا جاتا رہا۔ غور کیجیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو آپ کو شرکائے بدر میں شمار فرمائیں جن کی نصرت کے لیے فرشتے آسمان سے اُترے تھے اور منافقین ان کے جنگ بدر میں شامل نہ ہونے کو آپ کی پہلو تہی اور کمزوری شمار کریں۔ ان کا یہ طعن ہی بتلاتا ہے کہ وہ منافقین ہیں ورنہ وہ اپنا فیصلہ پیغمبر کے فیصلے کے خلاف ہرگز نہ کرتے۔

حضرت عثمانؓ کی حدیبیہ میں حضورؐ سے بیعت برائے جہاد

حضرت عثمانؓ جس طرح جنگ بدر میں معذور رہے حدیبیہ میں بھی آپ بیعت کی مجلس میں شریک نہ تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے مکہ سفیر بن کر گئے ہوئے تھے۔ اس دوران آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ کو حضرت عثمانؓ کا دایاں ہاتھ قرار دے کر

اپنے دائیں ہاتھ سے حضرت عثمان رضؓ کی بیعت لی۔ اب کیا ہو سکتا ہے کہ حضورؐ کے بائیں ہاتھ پر کوئی شخص بے وفائی۔ بزدلی یا منافقت کا شبہ کرے اور پھر مومن بھی کہلائے؟ یاد رکھیئے کہ جو شخص حضورؐ کے دستِ مبارک پر منافقت کا گھناؤنا الزام لگائے تو یقین کیجیئے کہ ایمان کی کوئی کرن اس کے دل و دماغ میں نہ پھوٹی ہو گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے حضرت عثمان رضؓ کو بیعتِ حدیبیہ میں شامل فرمایا اور قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے سے بیعت کرنا بتلایا۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

جنگِ اُحد میں دخل شیطانی سے بھگدڑ مچی

حضرت عثمان رضؓ جنگ احد میں برابر شریک رہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح دی۔ خالد بن ولیدؓ جو ابھی حضرت خالد نہ بنے تھے انہوں نے پہاڑ کے پیچھے سے درہ کی راہ سے ایک دوسرا لشکر لے آئے جس کے بارے میں مسلمانوں نے سوچا بھی نہ تھا۔ اس اچانک حملے سے مسلمانوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ اس دوران کچھ لوگ ایک کنارے پر جا کھڑے ہوئے ان میں حضرت عثمان رضؓ بھی تھے۔ حضورؐ کے چہرہ مبارک کو حضرت طلحہؓ نے اپنے ہاتھ سے پردے میں کر رکھا تھا۔ تاکہ اس پر کوئی تیر نہ لگے۔ اس خدمت میں حضرت طلحہ رضؓ اس دن اول نمبر پر رہے۔

قرآن کریم اس صورتِ حال کو دخل شیطانی بتلاتا ہے۔ ان لوگوں کو جو ایک طرف جا کھڑے ہوئے تھے مجرم نہیں کہتا ان کی معافی کا اعلان کرتا ہے۔ اس میں ان کے معافی مانگنے کا بھی ذکر نہیں ملتا۔ اس دن انہیں جس صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑا اسے ان کی پہلے سے ہوئی کسی غلطی کی سزا کہتا ہے اور حق بھی یہ ہے کہ اگر اس دن درے پر متعین کیے گئے فوجی درہ نہ چھوڑتے تو خالد بن الولید کبھی اپنے عقبی حملے میں کامیاب نہ ہو سکتے تھے۔ قرآن کریم کہتا ہے:۔

ان الذین تولوا منکم یوم التقی الجمعٰن انما استزلھم الشیطان ببعض ما کسبوا ولقد عفا اللہ عنھم۔ (پ آل عمران ۱۵۵)

ترجمہ۔ جو لوگ ہٹ گئے جس دن لڑیں دو فوجیں سوائے اس کے نہیں کہ پھسلا دیا ان کو شیطان نے ان کی کسی پہلی غلطی کے باعث اور البتہ بیشک بخش چکا اللہ تعالیٰ انہیں۔

یعنی ان کا احد سے ایک طرف چلے جانا خود کوئی گناہ نہیں۔ بلکہ پہلے کی ان کی کسی غلطی کی سزا کے طور پر تھا۔ اب وہ جو ایک کنارے جا کھڑے ہوئے وہ اس بھگدڑ کا ایک فطری نتیجہ تھا۔ یہ ایک غیر اختیاری عمل تھا جو ان کے کسی سابقہ عمل کے نتیجہ کے طور پر عمل میں آیا۔ حضرت عثمانؓ اس سابقہ عمل کے قصور وار نہ تھے۔ اس کے نتیجہ میں بھگدڑ مچی اس کی زد میں البتہ آگئے اور اس پر بھی اللہ تعالیٰ نے ان سب کی معافی کا اعلان کر دیا۔

حضرت شیخ الاسلامؒ فرماتے ہیں :۔

جنگ احد میں جو (بعض) مخلص مسلمان ہٹ گئے تھے کسی پچھلے گناہ کی شامت سے شیطان نے بہکا کر ان کا قدم ڈگمگا دیا۔ چنانچہ ایک گناہ تو یہی تھا کہ تیر اندازوں کی بڑی تعداد نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی پابندی نہ کی۔ مگر خدا کا فضل دیکھو کہ اس کی سزا میں کوئی تباہ کن شکست نہیں دی۔ بلکہ ان حضرات پر اب کوئی گناہ بھی نہیں رہا۔ حق تعالیٰ کلیۃً ان کی تقصیر معاف فرما چکا (اب) کسی کو طعن ملامت کا حق نہیں [۱]

اس تفصیل سے یہ بات اور کھل جاتی ہے کہ احد کے دن حضرت عثمانؓ کا ان لوگوں میں نکل جانا جو ایک طرف ہٹ گئے ان کی کسی کمزوری یا بزدلی کا نتیجہ نہ تھا۔ یہ بھگدڑ صرف اس عمل کی سزا تھی کہ درے والوں نے حضرت کے حکم کے خلاف وہ درہ چھوڑا تھا —— اور یہ بھگدڑ اس سزا کا ایک فطری نتیجہ تھی —— خود کوئی لائق مواخذہ جرم نہ تھا —— یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فوری عفو کا اعلان ہوا۔ پوری تاریخ اسلام میں کسی غلطی اور معافی کا اتنا مختصر فاصلہ نہیں رہا۔ جتنا اس واقعہ میں پیش آیا اور اللہ تعالیٰ نے بھی اسے صحابہؓ کی طرف منسوب کرنے کی بجائے استزلھم الشیطٰن کے الفاظ میں ایک زلت کہا گناہ نہیں کہا۔

صحابہ میں سیدنا حضرت عبداللہ بن عمرؓ جیسا عالم بہت کم ملے گا۔ ان سے جب حضرت عثمانؓ کے بارے میں، بدر اور احد کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا :۔

---

[۱] تفسیر عثمانی صہ ۹۱

ابین لک اما فرارہ یوم احد فاشہد ان اللہ عفا عنہ وغفرلہ و اما تغیبہ عن بدر فانہ کانت تحتہ بنت رسول اللہ وکانت مریضہ فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انک لک اجر رجل ممن شہد بدرًا و سہمہ واما تغیبہ عن بیعۃ الرضوان فلوکان احد اعز ببطن مکۃ من عثمان لکان بعثہ مکانہ .... فقال رسول اللہ بیدہ الیمنیٰ ھذہ ید عثمان فضرب بہا علیٰ یدہ فقال ھٰذہ لعثمان رواہ البخاری [1]

ترجمہ میں تمہیں بتائے دیتا ہوں آپ کا احد کے دن دور نکل جانا اس کے لیے میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو معاف کر دیا ہے اور آپ کی مغفرت فرما دی ہے۔ آپ کا بدر کے دن غائب رہنا اس لیے تھا کہ حضورؐ کی صاحبزادی آپ کے نکاح میں تھی اور وہ بیمار تھی اس پر حضورؐ نے انہیں کہا تھا تمہیں ان کے برابر اجر ملے گا جو لوگ بدر میں شامل رہے اور ان کے برابر تجھے غنیمت سے حصہ ملے گا۔ رہا آپ کا بیعتِ رضوان سے غائب رہنا سو اگر کوئی اور شخص آپ سے زیادہ اہل مکہ کے ہاں عزت والا ہوتا تو آپ کی بجائے اسے مکہ بھیجتے۔ حضور اکرمؐ نے اپنے دائیں ہاتھ کو اپنے سامنے کر کے فرمایا یہ عثمان کا ہاتھ ہے۔ پھر آپ نے وہ ہاتھ اپنے ہاتھ پہ مارا اور فرمایا یہ عثمان کی طرف سے بیعت ہے۔

جنگِ تبوک میں حضرت عثمانؓ کا حصہ سب سے زیادہ رہا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بدر و احد اور احزاب و حنین میں سب معرکے مشرکین مکہ کے مقابل لگے۔ بین الاقوامی درجہ میں آپ کا پہلا قدم تبوک کی طرف اُٹھا۔ یہ قیصر رُوم کے خلاف پہلی عظیم الشان مہم تھی۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ صد ۵۲۳

حضرت عثمان غنیؓ شجاعت کے نقطۂ نظر سے

الحمد للہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد :

کسی انسان کی بہادری اور بزدلی کا پتہ کیسے چلتا ہے :-

۱. جو شخص اپنی سوسائٹی کے مسلمات کے خلاف کلمہ حق کہنے کی جرأت رکھتا ہو وہ بہادر سمجھا جاتا ہے بزدل نہیں۔

۲. جو شخص موت سے نہ ڈرے اور اس کے استقبال کے لیے کھلے چہرے سے تیار ہو۔

۳. مخالفین کے نرغے میں کھلے دل سے گھسنے اور جانے کے لیے تیار ہو اور ان سے اپنی بات کر سکے۔

۴. مال خرچ کرنے میں دریا دل ہو اور کمانے میں باہمت۔

۵. اپنی فوجوں کو آگے بڑھنے کا حکم دینے کی جرأت رکھتا ہو۔

۶. بڑے بڑے شیر دل اس کے ہاتھ پر وفاداری کی بیعت کیے ہوں۔

۷. حضور اکرمؐ نے اسے غانمین میں شمار کر کے اموالِ غنیمت سے حصہ دیا ہو۔

اب ہم حضرت عثمانؓ کے بارے میں ان وجوہ سبعہ سے نمبروار بحث کرتے ہیں۔ آخر میں ہم ان شاء اللہ العزیز ان اعتراضات کے جواب دیں گے جو ان کے بارے میں یہودی لابی نے "الزاماً" قائم کر رکھے ہیں۔

۱. آنحضرتؐ کی بعثت کے وقت پورا مکہ شرک کی آلودگی میں بُری طرح گھرا تھا۔ یہ قوم ایک خدا کے تصور سے بالکل ناآشنا تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان قومی روایات کے خلاف ایک خدا کی آواز لگائی تو یہ غیر مانوس صدا مکہ میں آسانی سے نہ سُنی گئی۔ حضور اکرمؐ اور ان کے ابتدائی رفقاء پر مخالفتوں کے پہاڑ ٹوٹے۔ حضرت عثمانؓ ان چند پہلے لوگوں میں سے تھے جنہوں نے حضورؐ کی ہاں میں ہاں ملائی۔ آپ مکہ کے بنو امیہ میں سے تھے جو دنیوی وجاہت میں عبدالمطلب کی وفات کے بعد قریش کا سب سے بڑا خاندان سمجھا جاتا تھا۔ بنو ہاشم ان کے بعد دوسرے نمبر پر آ گئے تھے۔ یہ اپنی بزرگی اور اچھی عادات کی وجہ سے کعبہ کے متولی سمجھے جاتے تھے۔ بنو امیہ اور بنو ہاشم دونوں عبد مناف کی اولاد تھے اور دونوں میں خاندانی رقابت تھی۔ اپنی برادری کے دباؤ سے نکل کر سچائی کا ساتھ

دینا اور اپنے معاشرہ کے خلاف اٹھنا کسی بزدل کا کام نہیں ہوسکتا۔ یہ وہ اخلاقی ہمت ہے جو بہادروں کا ہی نصیب ہے کبھی کوئی بزدل اپنے معاشرہ اور خود اپنی ہی برادری کے اس طرح منہ آنے کے لیے جلدی تیار نہیں ہوتا۔ آپ کب مسلمان ہوتے اور آپ کب برادری کے اس اخلاقی دباؤ سے نکلے اس کے لیے ہم یہ چند شہادتیں ہدیۂ قارئین کیے دیتے ہیں۔

خطیب تبریزی (۷۴۳ھ) لکھتے ہیں:۔

کان اسلامه فی اول الاسلام علی یدی ابی بکر قبل دخول النبی دار الارقم وهاجر الی ارض الحبشة.[1]

ترجمہ: آپ پہلے اسلام لانے والوں میں سے ہیں جو حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر ایمان لائے حضورؐ کے دار الارقم میں آنے سے پہلے اور آپ نے حبشہ کی طرف ہجرت بھی کی۔

آپ مردوں میں چوتھے مسلمان تھے آپ نے خود فرمایا:۔

انی رابع اربعة فی الاسلام.[2]

ایک اور جگہ ہے:۔

وکان یقول انی لرابع اربعة فی الاسلام.[3]

مؤرخ اسلام مولانا سعید احمد اکبرآبادی لکھتے ہیں:۔

آپ کے سابقین اولین میں سے ہونے پر سب متفق ہیں۔[4]

حضرت عثمان غنیؓ جب بارہ سال کے قریب حکومت کر چکے تو یہودی لابی کے بعض لوگ اسلام میں داخل ہو کر اسلامی خلافت کے خلاف اٹھے اور حضرت عثمانؓ کے خلاف بغاوت سوچی، اور حالات یہاں تک پہنچے کہ باغیوں نے آپ سے خلافت چھوڑنے کا مطالبہ کر دیا۔ اب آپ کے سامنے عمل کی دو ہی راہیں تھیں۔

۱. خلافت چھوڑ دیں یا ۲. موت کو قبول کریں۔

آپ اگر موت سے ڈرتے خلافت چھوڑ دیتے اس صورت میں آپ کے عہد خلافت کے بارہ سالہ فیصلے اور اقدامات خلافت راشدہ کے کارناموں سے نکل جاتے اور امت کے لیے وہ سند نہ رہتے۔ آپ نے اپنی خلافت کو خلافت تامہ سے نہ نکلنے دیا اور موت قبول کر لی یہ کس کا کام ہوسکتا ہے؟ کسی بہادر کا یا بزدل کا؟ یہ گمان نہ کیجئے کہ آپ بے بس تھے اور صحابہؓ

---

[1] الاکمال ص۶۰۲ [2] البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص۱۸۱ [3] اسد الغابہ جلد ۳ ص۵۷۸ [4] حضرت عثمانؓ ص۱۲

آپ کا ساتھ دینے کے لیے تیار نہ تھے۔ ہرگز نہیں۔ اس وقت بھی خلافت اسلامی کا ۳۶، لاکھ ۲۰ ہزار مربع میل پر قبضہ تھا۔ اور مسلح افواج سرحدوں پہ حوزۂ اسلام کی حفاظت کے لیے چوکس کھڑی تھیں۔ آپ نے خود ان کو حکم دے رکھا تھا کہ وہ آپ کی جان کی حفاظت کے لیے نہ آئیں نہ کوئی شخص آپ کے حکم کے خلاف آپ کے مخالفوں کے خلاف تلوار اٹھائے۔ موت کا اس طرح کھلے چہرہ سے استقبال کرنا اونچے درجے کے بہادروں کا ہی نصیب ہو سکتا ہے۔ یہ جرأت اور موت کے لیے ہمت کسی بزدل کا کام نہیں ہو سکتا۔ تاریخ اسلام میں یہ خبر تواتر کے سے منقول ہے کہ آپ نے اپنے آخری ایام میں موت کا نہایت کھلے چہرہ سے استقبال کیا اور اس وقت بھی قرآن کریم آپ کی گود میں تھا۔

نشاں مرد مومن با تو گویم چو مرگ آید تبسم برلب اوست

یہودیوں کو نکالا تو خیبر سے حضرت عمرؓ نے تھا۔ لیکن انہوں نے اس کا بدلہ حضرت عثمانؓ سے لیا۔ مگر انہوں نے بھی خلافت پر قائم رہنے سے یہودیوں کے سارے منصوبے خاک میں ملا دیئے اور زندگی کی آخری گھڑیاں بڑی استقامت سے بسر کیں۔

آپ وقتِ شہادت بھی ایک قوت تھے

۱۔ بیس تو آپ کے پاس کھڑے آپ کے غلام تھے جو آپ نے اس وقت آزاد کیے۔ آپ کا آزاد کردہ غلام ابو سعید کہتا ہے:۔

ان عثمان اعتق عشرین مملوکا ودعا بسراویل فشدھا علیہ ولم یلبسھا فی جاھلیۃ ولا اسلام وقال انی رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی المنام ورایت ابا بکر وعمر وانھم قالوا لی اصبر فانک تفطر عندنا القابلۃ ثم دعا بمصحف فنشرہ بین یدیہ فقتل وھو بین یدیہ۔[1]

ترجمہ: حضرت عثمانؓ نے بیس غلام آزاد کیے آپ نے شلوار منگوائی اور اسے زیب تن کیا اور آپ نے اپنے عہد جاہلیت اور اپنے عہد اسلام میں کبھی شلوار نہ پہنی تھی اور آپ نے کہا میں نے حضور اکرم کو خواب میں دیکھا ہے اور میں نے حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ کو بھی خواب میں دیکھا ان حضرات نے مجھے کہا ہے صبر کا اظہار کر تو کل کا روزہ ہمارے ساتھ افطار کرے گا پھر آپ نے قرآن پاک منگوایا اسے اپنے سامنے کھولا۔ آپ شہید ہوئے تو قرآن آپ کے سامنے کھلا تھا۔

---

[1] البدایہ جلد ۷ صـ۱۸۲ مسند امام احمد جلد ۱ صـ تاریخ طبری جلد ۵ صـ۱۲۵

۲. عن نائلة بنت الفرافصة امرأة عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ قالت نعس امیر المؤمنین عثمان فاغفی فاستیقظ فقال لیقتلننی القوم قلت کلّا ان شاء اللہ لم یبلغ ذاك ان رعیتك استعتبوك قال انی رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی منامی وابابکر وعمر رضی اللہ عنہما فقالوا تفطر عندنا اللیلۃ ۔[1]

ترجمہ۔ حضرت عثمانؓ کی بیوی نائلہ کہتی ہیں کہ حضرت عثمانؓ کو اونگھ آگئی اور آپؓ بے خود ہو گئے پھر آپ جاگے اور آپ نے فرمایا مجھے یہ لوگ قتل کر دیں گے میں نے کہا نہیں بات یہاں تک نہ پہنچے گی آپ کے عوام آپ سے یونہی اظہار عتاب کر رہے ہیں آپ نے کہا میں نے حضورؐ کو اور حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کو خواب میں دیکھا ہے یہ حضرات مجھے کہہ رہے ہیں کہ آج رات روزہ ہمارے ساتھ افطار کرنا۔

۳. حافظ ابن کثیر (۷۷۴ھ) لکھتے ہیں کہ حضرت کے قریب سات سو کے قریب لوگ مہاجرین اور انصار میں سے جمع تھے۔ ان میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ عبداللہ بن زبیرؓ حضرت حسنؓ حضرت حسینؓ حضرت مروانؓ اور حضرت ابوہریرہؓ بھی تھے۔ آپ اگر انہیں اپنے حال پر رہنے دیتے تو وہ آپ کو ان کے حملے سے بچا لیتے۔ لیکن آپ نے ان سب کو یہ کہہ کر روک دیا:۔

اقسم علی من لی علیہ حق ان یکف یدہ وان ینطلق الی منزلہ ۔[2]

ترجمہ۔ جس پر بھی میرا کوئی حق ہے میں اسے قسم دیتا ہوں کہ وہ (باغیوں کے مقابلہ سے) اپنا ہاتھ روکے رکھے اور اپنے گھر چلا جائے۔

۴. فلما کان یوم الدار وحصر فیہا قلنا یا امیر المؤمنین الا تقاتل قال لا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عہد الیّ عہدًا وانی صابر نفسی علیہ تفرد بہ احمد[3]

ترجمہ۔ پھر جب یوم الدار آیا اور محصور کر دیئے گئے۔ ہم نے کہا اے امیر المؤمنین کیا آپ ہمیں لڑنے کی اجازت نہیں دیتے۔ آپ نے کہا نہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے عہد لیا ہوا ہے اور میں اپنے آپ کو اس پر قائم رکھے ہوئے ہوں۔

---

[1] مسند امام احمد جلد ۱ ص۵۹ [2] البدایہ جلد ۷ ص۱۸۱ [3] ایضاً

ابن ابی سلیط کہتے ہیں ۔

نہانا عثمان عن قتالھم فلو اذن لنا لضربنا ھم حتی نخرجھم عن اقطارھا۔[1]

ترجمہ۔ ہمیں حضرت عثمان رض نے ان سے لڑنے سے روک دیا۔ آپ اگر ہمیں اجازت دیتے ہم ان کی اس قدر پٹائی کرتے کہ انہیں ان کی صفوں سے نکال دیتے۔

۵۔ عبداللہ بن عامر کہتے ہیں ۔

کنت مع عثمان فی الدار فقال اعزم علی کل من رای ان لی علیہ سمعاً وطاعۃ الا کف یدہ وسلاحہ فان افضلکم عندنا من کف یدہ وسلاحہ۔[2]

ترجمہ۔ میں گھر میں حضرت عثمان رض کے ساتھ تھا کہ آپ نے کہا جو شخص بھی یہ سمجھتا ہے کہ میرا اس پر کوئی حق سمع و طاعت ہے تو میں اسے پابند کرتا ہوں کہ اپنے ہاتھ اور اپنے اسلحہ کو روکے تم میں سے وہی بہتر ہے جو اپنے ہاتھ اور ہتھیار کو روکے رکھے۔

فقال عثمان عزمت علیکم لا یقاتل معی منکم احد۔[3]

ترجمہ حضرت عثمان رض نے فرمایا میں تم پر لازم کرتا ہوں کہ کوئی تم میں سے میرے ساتھ ہو کر نہ لڑے۔

تاریخ کی ان روایات سے اس بات کی قوی شہادت ملتی ہے کہ آپ میں موت کا استقبال کرنے کی پوری اخلاقی قوت تھی۔ جب اس عمر میں آپ یہ ہمت رکھتے تھے۔ تو آپ اندازہ کریں کہ جوانی میں آپ کا پارہ شجاعت کیا ہوگا۔ ان حالات میں ضروری ہے کہ اگر اس دور کی کوئی بات بظاہر اس کے خلاف ملے تو ہم پوری دیانت سے اس کے صحیح محامل تلاش کریں۔ کیا اس طرح موت کے لیے تیار ہونے والے کو کوئی سمجھ دار آدمی بزدل کہہ سکتا ہے۔ مگر افسوس کہ یہودی لابی کے لوگ ایسے حضرات پر بھگوڑے کی گردانیں کرتے نہیں تھکتے۔

عن النعمان بن بشیر عن نائلۃ بنت الفرافصۃ الکلبیۃ امرأۃ عثمان قالت لما حصر عثمان ظل الیوم الذی کان فیہ قتلہ صائماً۔[4]

ترجمہ۔ نعمان بن بشیر حضرت عثمان رض کی بیوی نائلہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت عثمان محصور کر دیئے گئے تو اس دن جس میں آپ قتل کیے گئے روزے سے تھے۔

---

[1] البدایہ جلد ۷ ص ۱۸۱ [2] العواصم من القواصم ص ۱۴۱ [3] المصنف لعبدالرزاق ج ۱۱ ص ۴۴۷ [4] البدایہ ص ۱۸۳

اپنے قاتل کے خلاف جوابی کارروائی نہ کرنا کیا یہ جائز ہے؟

یہودی لابی کے جو لوگ حضرت عثمان کے خلاف نکلے وہ بظاہر لباسِ اسلام میں سامنے آئے تھے. سو ظاہر کا اعتبار کرتے حضرت عثمانؓ نے انہیں کافروں کی بجائے باغیوں میں سے مانا. بھائی قاتل بن جائے تو اس کے خلاف ہاتھ نہ اٹھانے میں عزیمت ہے کہ اس کے ہاتھوں کوئی مسلمان قتل نہ ہو پائے. ہاں بطور رخصت اس کی اجازت ہے. اگر ہاتھ اٹھانے میں عزیمت ہوتی تو اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ہابیل کے اس عمل پر ضرور نکیر فرماتے۔

واتل علیھم نبأ ابنی ادم بالحق اذ قربا قربانا فتقبل من احدھما ولم یتقبل من الاخر قال لاقتلنك قال انما یتقبل اللہ من المتقین ٥ لئن بسطت الیّ یدك لتقتلنی ما انا بباسط یدی الیك لاقتلك انی اخاف اللہ رب العٰلمین ٥ (پ المائدہ ۲۸)

ترجمہ. اور انہیں سناؤ آدم کے دو بیٹوں کی خبر برحق جب دونوں نے ایک ایک نیاز پیش کی تو ایک کی قبول ہوئی اور ایک کی قبول نہ ہوئی تو اس دوسرے نے پہلے کو کہا کہ میں تجھے قتل کردوں گا اس نے کہا اللہ تعالیٰ اپنے سے ڈرنے والوں کی ہی نیاز قبول کرتا ہے اگر تو اپنا ہاتھ مجھ پر بڑھائے گا کہ مجھے قتل کرے تو میں اپنا ہاتھ تجھ پر نہ بڑھاؤں گا کہ تجھے قتل کروں میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو مالک ہے سب جہانوں کا.

حضرت ایوب سختیانی (۱۳۱ھ) کہتے ہیں :۔

ان اول من اخذ بھٰذہ الآیۃ من ھٰذہ الامۃ (لئن بسطت الیّ یدك لتقتلنی ما انا بباسط یدی الیك لاقتلك انی اخاف اللہ رب العالمین) لعثمان بن عفان رضی اللہ عنہ رواہ ابن ابی حاتم [1]

ترجمہ. اس آیت پر اس امت میں سب سے پہلے جس نے عمل کیا وہ البتہ حضرت عثمان بن عفان ہیں. اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا.

حضرت عثمانؓ نے اپنے خون سے اپنی فطری بہادری کی وہ داستان رقم کی کہ بڑے بڑے

[1] تفسیر ابن کثیر کامل ص۴۱۲

بہادران کے سامنے دم بخود ہو کر رہ گئے۔

قال حذیفة طارت القلوب مطارها ثکلت کل شجاع بطل من العرب امه الیوم [1]

ترجمہ: حضرت حذیفہ رض کہتے ہیں دل اس دن پوری جولانی تک اڑے۔ عرب کے ہر بہادر جوان کی ماں اس پر ماتم کناں ہوئی۔

وقت شہادت بھی آپ کے پاس جانثاروں کی کمی نہ تھی لیکن کسی میں آپ کے حکم کے خلاف کرنے کی ہمت نہ تھی۔ انہیں ڈر تھا کہ ان کا نام بھی کہیں آپ کے باغیوں میں نہ آجائے۔ امیرالمؤمنین کے حکم کی پابندی وہ فرض جانتے تھے۔ باغیوں پر ہاتھ اٹھانے کے لیے وہ صرف آپ کے حکم کے انتظار میں تھے۔ لیکن آپ کو جلد اپنے ساتھیوں کے پاس جانے کا انتظار تھا۔ ہم اس پر چند شہادتیں پیش کرتے ہیں یہ وہی صورت حال ہے جس کی حضور اکرم نے آپ کو پہلے سے خبر دی تھی۔

---

[1] المصنف لعبدالرزاق جلد ۱۱ صفحہ ۴۴۶

حضرت عثمانؓ سے بعض صحابہؓ کے اختلافات

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد:

حضرت عثمانؓ نے اپنے دورِ خلافت میں جن مشکلات کا سامنا کیا ان میں آپ سے بعض اکابر صحابہؓ کے علمی اختلافات بھی ہیں۔ آپ نے جس ایمانی فراست اور ہمت سے انہیں حل کیا اس سے اس مردِ آہن کے عزم و استقلال کی ایک نئی عمارت سامنے آتی ہے۔ اس عمارت میں داخل ہوئے بغیر شاید ہم خلافتِ راشدہ کی مثالی روشن راہوں کو کماحقہ دیکھ نہ پائیں۔

(۱) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے اختلاف

حضرت عثمانؓ کی اپنے دور کی علمی خدمات میں ایک اہم خدمت قرآن کریم کو ایک لغت پر لانا ہے۔ عرب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کوئی علمی مرکزیت نہ تھی نہ وہاں کوئی مدرسہ تعلیم تھا۔ اپنے طور پر بعض صحابہؓ نے پڑھنا لکھنا سیکھا ہوا تھا اور ان میں حضرت عثمانؓ بھی تھے۔ عرب میں مختلف قبائل مختلف تلفظ اور لہجے رکھتے تھے اور انہیں حضورؐ نے اپنی اپنی قرأت (اختلاف احرف) میں قرآن پڑھنے کی اجازت دے رکھی تھی۔ خلافتِ راشدہ میں اسلام صرف عرب میں نہیں دوسری قوموں تک بھی پہنچ چکا تھا اور ان کے لیے لہجوں کا اختلاف کوئی وزن نہ رکھتا تھا انہیں ہر بات نئے سرے سے سیکھنی تھی۔ حضرت عثمانؓ کی علمی رائے یہ تھی کہ یہ اختلاف احرف غیر عرب اقوام میں جانے نہ پائے۔ حضورؐ نے اپنے وقت میں عربوں کو جو اس اختلاف کی اجازت دے رکھی تھی حضرت عثمانؓ اسے دوسری قوموں میں نہ لے جانا چاہتے تھے۔

حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں قرآن کریم ایک کتابی شکل میں آ گیا تھا مگر اس مستند مصحف کی نقلیں سرکاری اہتمام سے مختلف صوبوں میں نہ بھجوائی جا سکی تھیں۔ وہ مصحف اب ام المومنین حضرت حفصہؓ کے پاس موجود تھا۔ حضرت عثمانؓ نے اس کی مستند نقول کرا کر انہیں تعلیم اسلام کے سب بیرونی مراکز میں بھیجا اور ہر وہ نسخہ قرآن (وہ کسی حصہ قرآن کا ہو یا پورے قرآن کا) جس میں عربوں کے لہجہ و تلفظ کے اختلاف کے کوئی نشانات لگے تھے یا صحابہؓ نے اپنے مصحف میں معلومات کے لیے کہیں کہیں اپنے الفاظ بھی بسلسلہ تفسیر لکھے تھے۔ تو آپ نے چاہا کہ ان تمام مصاحف کو حکومت اپنے قبضہ میں لے لے۔ تاکہ آئندہ کوئی شخص ان تفسیری اشارات یا اختلاف احرف سے

غلط فائدہ اُٹھا کر قرآن میں اختلاف کا دعوےٰ نہ کرے۔ آپ نے ایسے تمام نسخے اکٹھے کرا کر ان سے وہ زائد الفاظ اور اختلاف لغات کے اختلافی نشانات وہاں سے محو کر دیئے:

امر بما سواہ من القرآن فی کل صحیفة ان یحرق۔[۱]

ترجمہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ ہر ایک صفحہ پر جو کچھ قرآن کے ماسوا ہے اسے چھیل دیا جائے۔[۲]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنا مصحف انہیں دینے سے انکار کر دیا۔ یہ انکار کسی عام آدمی کا نہ تھا کہ اس پر سختی روا ہوتی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو صحابہ رضی اللہ عنہم میں جو مقام حاصل تھا اس کے پیش نظر ان سے ان کا مصحف لینا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ جلیل القدر صحابی حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:۔

ما اعلم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ترک بعدہ اعلم بما انزل اللہ من ھذا القائم۔[۳]

ترجمہ: میں نہیں جانتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد ان سے بڑا کوئی قرآن کا عالم چھوڑا ہو۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

ما نری ابن مسعود وامه الا من اهل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من کثرة دخولھم ولزومھم له۔[۴]

ترجمہ: ہم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور آپ کی والدہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کثرت سے آنے جانے اور آپ کی مجلس میں رہنے کے باعث اہلِ بیت میں سے ہی سمجھتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب آپ کو عراق بھیجا تاکہ آپ وہاں ایک دارالعلوم قائم کریں تو اہل عراق کو کہا میں نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو تمہارے پاس بھیج کر تمہیں اپنے اوپر ترجیح دی ہے ورنہ ان کی ضرورت تو مجھے تھی کہ میں انہیں اپنے پاس اپنی علمی امداد کے لیے رکھتا۔

---

[۱] صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷۴۶

[۲] حرق یحرق کے معنی رگڑ دینے اور چھیل دینے کے بھی ہیں۔ (دیکھئے تاج العروس جلد ۶ ص ۳۱۱)

[۳] صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۹۳ [۴] ایضاً ص ۲۹۲

ہر دو حضرات کے جمع کردہ قرآن ایک ہی ترتیب پر تھے۔ دونوں نے حضورؐ کی زندگی میں اپنے مصحف علیحدہ علیحدہ لکھے ہوئے تھے حضرت علیؓ نے بھی اپنا قرآن لکھ رکھا تھا:

کان ممن جمع القرآن علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو حیّ عثمان بن عفان علی بن ابی طالب وعبد اللہ بن مسعود من المھاجرین[1]

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنا مصحف حضرت عثمانؓ کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا۔ اس اختلاف میں جمہور صحابہؓ حضرت عثمانؓ کے ساتھ تھے۔ حضرت عثمانؓ کے لیے اتنے بڑے آدمی کا مقابلہ کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ اس اختلاف کو کھلا رکھنا بھی آئندہ نسلوں کے ایمان بالقرآن میں جارج تھا۔

حضرت عثمانؓ اپنے موقف پر ثابت قدمی اور استقامت سے قائم رہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو برابر لکھتے رہے اور سمجھاتے رہے یہاں تک کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی اس موقف پر آگئے جس پر دیگر سب صحابہؓ کا اجماع ہو چکا تھا۔ حافظ ابن کثیر (۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:

نکتب الیہ عثمان یدعوہ الی اتباع الصحابۃ فیما اجمعوا علیہ من المصلحۃ فی ذلک وجمع الکلمۃ وعدم الاختلاف فاناب واجاب الی المتابعۃ وترك المخالفۃ رضی اللہ عنھم اجمعین[2]

ترجمہ: حضرت عثمانؓ نے آپ کو اتباع صحابہؓ کی دعوت دی جس پر وہ (صحابہ) سب اجماع کر چکے ہوں اسی میں بہتری تھی اتحاد امت تھا اور قرآن میں اختلاف ختم ہوتا تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ان اصولوں کے آگے جھک گئے آپ کی بات مان لی اور مخالفت چھوڑ دی۔ اللہ ان سب سے راضی ہوا۔

اب قرآن ایسی مجمع علیہ دستاویز تھی کہ اب کسی کو اس سے تجاوز کرنے کا حق نہ تھا صحابہؓ کا اجماع معصوم ہے اس پر خدا کی حفاظت کا سایہ ہے۔ پانچویں صدی کی ایک اجماعی شہادت لیں۔ حافظ ابن عبدالبر مالکی (۴۶۳ھ) لکھتے ہیں:

واجمع العلماء ان ما فی مصحف عثمان بن عفان وھو الذی بایدی المسلمین فی اقطار الارض حیث کانوا ھو القرآن المحفوظ الذی لا یجوز لاحد ان یتجاوزہ ولا تحل الصلوٰۃ لمسلم الا بما فیہ۔[3]

---

[1] الاستیعاب جلد ۱ صفحہ ۳۸۵ [2] البدایہ والنہایہ جلد ۷ صفحہ ۲۱۷ [3] کتاب التمہید لما فی المؤطا من المعانی والمسانید صفحہ ۲۷۸ جلد ۴

ترجمہ. اور اس پر تمام علماء کا اجماع ہو چکا کہ جو کچھ مصحف عثمان میں ہے کسی کو جائز نہیں کہ اس سے کچھ تجاوز کرے اور مسلمان کے لیے نماز اسی سے ہوگی جو اس میں ہے، یہی مصحف اس وقت تمام دنیا میں مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہے اور یہ وہی قرآن ہے جو محفوظ چلا آرہا ہے۔

اس اختلاف میں حضرت عثمانؓ کی ثابت قدمی اور استقامت تھی جس نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جیسے علم کے پہاڑ سے بھی اپنی بات منوالی۔

② حضرت ابوذر غفاریؓ سے اختلاف

حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں حضرت ابوذر غفاریؓ شام میں مقیم ہوئے۔ وہاں کے گورنر حضرت معاویہؓ تھے۔ حضرت معاویہؓ بھی بڑی علمی شخصیت تھے دونوں میں ایک مسئلے میں اختلاف ہو گیا۔ حضرت ابوذرؓ بیت المال کو مال اللہ نہیں مانتے تھے اسے مال المسلمین کہتے تھے جس کا جمع رکھنا جائز نہیں، جتنا مال آئے اسے مستحق مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ حضرت معاویہؓ اسے مال اللہ کہتے تھے۔ یسئلونك ماذا ینفقون قل العفو (پ البقرہ) کی تفسیر میں بھی دونوں میں اختلاف تھا۔ معاملہ حضرت عثمانؓ کے پاس گیا۔ حضرت عثمانؓ اور دوسرے سب صحابہؓ حضرت معاویہؓ کے ساتھ رہے۔ حضرت ابوذرؓ تفرد میں رہے اور اپنے موقف پر جمے رہے آپ کا علمی درجہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے برابر سمجھا گیا ہے۔ حافظ ذہبی (۷۴۸ھ) لکھتے ہیں:۔

> آپ علم و فضل میں عبداللہ بن مسعودؓ کے ہم پلہ ہیں۔ آپ مال جمع رکھنے کے حق میں نہ تھے۔ حق بات کہنے کے دلدادہ تھے خواہ سننے والوں کو کتنی ہی ناگوار کیوں نہ ہو۔ [۱]

آنحضرتؐ نے آپ کے صدق عفاف کی اس طرح خبر دی ہے:۔

ما اظلت الخضراء ولا اقلت الغبراء علی اصدق من ابی ذر [۲]

ترجمہ۔ نہیں آسمان نے سایہ کیا اور نہ زمین نے کسی کو جگہ دی جو ابوذر سے بات میں زیادہ سچا ہو۔

---

[۱] تذکرہ جلد ۱ ص ۱۸ [۲] جامع ترمذی جلد ۲ ص ۲۲۱

حضرت عثمانؓ کی مدبرانہ کاروائی

آپ نے اسے وقار اور اسلامی وحدت کا مسئلہ نہ بنایا۔ امت کو اس اختلاف سے محفوظ رکھنے کے لیے حضرت ابوذر غفاریؓ کو ایک دور کی بستی ربذہ میں بھیج دیا اور انہیں بڑے شہروں میں آنے جانے سے روک دیا۔ فتوے دینے سے بھی منع فرمایا۔ حضرت ابوذر غفاریؓ کے شخصی وقار پر بھی کچھ آنچ نہ آنے دی۔ کبھی کبھی آپ خود بھی حضرت ابوذرؓ کی خدمت میں حاضری دیتے اور کچھ تحائف بھی حاضر خدمت کرتے۔ کسی بڑے سیاست دان کا اپنے سے اختلاف کرنے والے کسی ماتحت سے یہ پُرکیف نظارہ شاید ہی چشم فلک نے دیکھا ہو۔

③ حضرت عمرو بن عاصؓ سے اختلاف

حضرت عمرو بن عاصؓ فاتح مصر ایک بڑی شخصیت تھے۔ ان کے بیٹے حضرت عبداللہ بن عمروؓ (۶۷ ھ) صحابہؓ میں حدیث کے سب سے بڑے حافظ سمجھے جاتے تھے۔ ان کے بعد حضرت ابوہریرہؓ کا ذکر آتا ہے۔ آداب حکومت آداب جہانبانی اور فوجی کاروائیوں کے مدوجزر سے آپ خوب واقف تھے۔ حضرت عثمانؓ نے انہیں مصر سے آگے دیگر افریقی ممالک کی طرف بڑھنے کا کہا۔ آپ نے اپنے فوجی نقطہ نظر سے آگے بڑھنے کی معذرت کر دی۔ اسلام کے اتنے بڑے جرنیل سے اختلاف کرنا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ آپ نے اس کام کے لیے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو کہا اور حضرت عمرو بن عاصؓ کو صرف انتظامی امور پر رکھا جب دونوں میں اتفاق نہ رہ سکا تو آپ نے حضرت عمروؓ بن عاصؓ کو مصر سے واپس بلا لیا۔ حضرت عبداللہ بن سعدؓ افریقہ کی طرف بڑھے اور فتح پائی۔ بہت سے نئے علاقے قلمرو اسلامی میں شامل ہو گئے۔

اس صورت حال سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عثمانؓ اپنے عزم و استقلال میں ایک مرد آہن تھے۔ آپ کی رگوں میں بوڑھوں کا نہیں جوانوں کا خون دوڑتا تھا اور آپ اپنے دور خلافت میں بڑے سے بڑے آدمی سے اختلاف کرنے میں ذرا بھی کمزوری محسوس نہ کرتے تھے

حضرت عثمانؓ کی خلافت کو ناکام کرنے کے لیے
مُفسدوں کی باغیانہ حرکات

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد:

حضرت خاتم النبیینؐ کے تئیس سالہ دورِ نبوت کے بعد آپ کی خلافت بھی تیئس سال تک بڑی آب و تاب سے چلی یُوں سمجھیے کہ یہ تیئس سال (خلافت راشدہ) نبوت کا ہی دوسرا دور تھا سوا دو سال پہلی خلافت کے ساڑھے دس سال دوسری خلافت کے. دس سال تیسری خلافت کے (حضرت عثمان غنیؓ کی خلافت کے پہلے) یہ کل تیئس سال ـ اسے یُوں سمجھیے :-

۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ سے	۲۲ جمادی الثانی ۱۳ھ تک	دو سال دو ماہ
۲۳ جمادی الثانی ۱۳ھ سے	۲۶ ذوالحجہ ۲۳ھ تک	۱۰ سال ۲ ماہ
یکم محرم ۲۴ھ سے	فتنہ عبداللہ بن سبا ۳۴ھ تک	۱۰ سال ۳ ماہ

اس کے بعد حضرت عثمانؓ کے گورنروں کے خلاف کبھی کہیں کبھی کہیں طرح طرح کی یورشیں اُٹھنے لگیں. ڈیڑھ سال تک مفسدین سر اٹھاتے رہے. تاہم اسلام کا قلعہ بیرونی طور پر اسی طرح مضبوط رہا جس طرح حضرت عمرؓ نے اسے چھوڑا تھا. ہاں آخری پونے دو سال میں اندرونی طور پر کچھ شرارتیں ہونے لگیں یہاں تک کہ حضرت عثمان غنیؓ کو شہید کر دیا گیا اور مسلمانوں میں سیاسی اختلاف کا آغاز ہو گیا. پھر چوتھی خلافت میں ۴۰ھ عام الہدنہ (صلح کا سال) میں یہ باہمی لشکر کشی رُکی اور حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ میں عارضی جنگ بندی ہوئی. حضرت حسنؓ کے ایثار و قربانی سے پھر مسلمانوں کے یہ دو عظیم گروہ ایک ہو گئے اور حضورؐ نے پہلے سے فرما دیا تھا کہ :-

میرا یہ بیٹا واقعی سردار ہے کہ جس کے باعث اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں کو پھر سے ایک کر دیں گے.

اب ہم اس داستانِ اختلاف کو جسے مسلمانوں کی تاریخ کا سیاہ باب کہنا بے جا نہ ہو گا. کچھ ذکر کرتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کی خلافت کو ناکام کرنے کے لیے مفسدوں کی باغیانہ حرکات کیسے شروع ہوئیں.

ان شرارتوں کا آغاز مصر سے ہوا. ایک یہودی عبداللہ بن سبا ایک مسلمان کے روپ میں مسلمانوں میں گھسا اور اس نے ایک منصوبے کے تحت مختلف صوبائی گورنروں کے خلاف لوگوں کو

اٹھایا اور حکومت کی جڑیں کمزور کرنے کے لیے گورنروں کی روز روز کی تبدیلیوں کو اختلافات کا زینہ بنایا۔ مصر کے ساتھ اس نے بصرہ اور کوفہ میں بھی اپنے کچھ حامی پیدا کر لیے۔ ان مفسدوں کی یہ سب کاروائیاں زیرِ زمین تھیں۔ بیرونی طور پر سلطنتِ اسلامی کا رعب و دبدبہ وہی تھا جو حضرت عثمانؓ کی خلافت کے پہلے ساڑھے دس سالوں میں تھا۔

مصر میں عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کا تقرر

حضرت عثمانؓ نے حضرت عمرو بن عاصؓ (فاتح مصر) کو مصر سے آگے افریقہ کی طرف بڑھنے کو کہا۔ انہوں نے اپنی رائے اس کے خلاف ظاہر کی۔ حضرت عثمانؓ نے مصر کے مالی امور تو انہی کے پاس رہنے دیئے لیکن وہاں فوجی کاروائی کے لیے عبداللہ بن ابی سرح کو مقرر فرمایا۔ یہ حضرت عثمانؓ کے رشتہ دار تھے۔ عبداللہ بن سبا نے حضرت عثمانؓ پر خویش پروری کی تہمت رکھی اور مدینہ منورہ میں دو بڑے آدمی اپنے اعتماد میں لے لیے۔ ۱۔ محمد بن ابی بکر۔ ۲۔ محمد بن ابی حذیفہ۔ یہ دونوں کسی بات پر عبداللہ بن سعد بن ابی سرح سے لڑ پڑے اور انہوں نے یہیں سے حضرت عثمانؓ کے خلاف ایک حلقہ بنانا سوچ لیا۔ عبداللہ بن سبا یہودی نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور ان کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ یہ ۳۴ ھ کی بات ہے۔

گورنروں کے خلاف یہ روز روز کی بڑھتی شکایات دیکھ کر حضرت عثمانؓ نے تجویز کیا کہ بصرہ، کوفہ، شام اور مصر میں مستقل آدمی بھیجیں جو وہاں کی صحیح صورتِ حال بتائیں۔ اس کے لیے ۱۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ ۲۔ اسامہ بن زیدؓ ۳۔ محمد بن مسلمہؓ اور ۴۔ عمار بن یاسرؓ کو بھیجا گیا۔ بصرہ، کوفہ اور دمشق کی رپورٹیں صحیح تھیں اور وہاں گورنروں کے خلاف کوئی عام شکایات نہ تھیں۔ صرف حضرت عمار بن یاسرؓ لوگوں کی باتوں میں آگئے اور اپنی سادہ طبیعت کے باعث ابن سبا کے حلقے کے لوگوں کی باتوں کو صحیح سمجھ لیا۔ حضرت عثمانؓ نے پوری قلمروِ اسلامی میں اعلان کرایا کہ حج کے بعد وہیں سب گورنر جمع ہوں اور شکایات سننے کے لیے مجلس عام ہو جس نے کوئی شکایت کرنی ہو وہ سب کے سامنے وہ بات لائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اب حج کے بعد جب یہ عام عدالت لگی تو کوئی بھی شکایت کرنے والا نہ دیکھا گیا اور گورنر سب موجود تھے۔ حضرت عثمانؓ کے خلاف مختلف صوبوں میں فساد پھیلانے کا کام کرنے والے سخت ناکام ہوئے۔ اب انہوں نے خاموشی اختیار کی اور باہم طے کیا کہ وہ اب اگلے سال حج کے بعد وہاں یہ بات اٹھائیں گے۔

مدینہ منورہ میں بغاوت پھیلانے کے لیے باہر سے لوگوں کو مدینہ لانا ضروری تھا. بصرہ. کوفہ اور مصر سے مفسدین کے قافلے حج کے بہانے مدینہ منورہ داخل ہوئے. اہل مدینہ نے ان کا ساتھ نہ دیا. انہوں نے مدینہ سے باہر اپنے اپنے خیمے لگا لیے اور انہوں نے حضرت عثمانؓ کے خلاف مدینہ منورہ کی تمام بڑی شخصیتوں سے ملاقاتیں کیں. ۱. ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے. ۲. حضرت علی المرتضیٰ رضؓ سے. ۳. حضرت زبیرؓ سے. ۴. حضرت طلحہؓ سے ان سب حضرات میں کسی نے ان کی کسی بات سے اتفاق نہ کیا. ان لوگوں نے اپنے آپ کو ناکام پایا تو صرف ایک تجویز پر اپنے لوٹنے کا عزم ظاہر کیا کہ صرف مصر کے گورنر کو ہٹا دیا جائے اور عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کی جگہ محمد بن ابی بکر کو مصر کا گورنر بنا دیا جائے. حضرت عثمانؓ نے ان کی یہ تجویز منظور کر لی اور مفسدین کے یہ تینوں خیمے اُٹھ گئے اور مفسدین واپس ہو گئے. اہل مدینہ نے سمجھا کہ ہم ایک بہت بڑے خطرہ سے باہر نکل گئے ہیں.

ایک جعلی خط کا شاخسانہ

حضرت عثمانؓ نے ان لوگوں سے عہد کیا تھا کہ وہ مصر کے گورنر کو بدل کر وہاں محمد بن ابی بکر کو مقرر کریں گے. والیٔ مصر کے نام یہ خط لکھا گیا لیکن اسے کسی طرح اس طرح لایا گیا کہ جب تمہارے پاس محمد بن ابی بکر آئے تو اسے قتل کر دو. اذا جاءکم محمد بن ابی بکر فاقبلوہ کے آخری لفظ کو اوپر دو نقطے ڈال کر فاقتلوہ بنا لیا گیا. خط پر مہر بے شک حضرت عثمانؓ کی ہی تھی. یہ لفظ حضرت عثمانؓ کے سیکرٹری مروان نے بدلا یا ان مفسدین نے اسے کھول کر اس میں یہ تبدیلی کی. یہ اس کی تفصیل کا موقعہ نہیں. صرف اتنی بات درست ہے کہ خط کی اس تبدیلی سے وہ آگ پھر سے بھڑک اُٹھی جسے بڑے جتنوں سے بجھایا گیا تھا.

مفسد لوگوں کی اچانک واپسی

یہ مفسد لوگ تین اطراف کے تھے. جب تینوں اطراف کے لوگ مدینہ سے مطمئن ہو کر لوٹے تھے تو ظاہر ہے کہ پھر ان کا آپس میں اتنی جلدی ملنا کیسے ممکن ہو گیا. جب کہ مدینہ سے تینوں کے راستے مختلف تھے. ان تینوں کا پھر اتنی جلدی اکٹھا ہو جانا اور مدینہ میں چلے آنا تبھی ہو سکتا ہے کہ پہلے سے ان کے ہاں اس کی سازش ہو چکی ہو کہ حالات کو پھر سے کیسے

بدلنا ہے۔

عام آدمی یہاں سوچنے پر مجبور ہوتا ہے کہ اگر خط سے بات بگڑی تھی تو صرف مصر والوں کو واپس مدینہ آنا چاہیئے تھا۔ بصرہ اور کوفہ والوں کو تو پھر بھی بلایا جا سکتا تھا۔ اتنی جلدی مصر سے قاصد کیسے بصرہ اور کوفہ پہنچ گئے ہوں گے اور اتنی جلدی یہ بلائے آسمانی کیسے ترتیب پا گئی ہو گی۔

کیا یہ خط مکتوب الیہ تک پہنچا؟

خط والیٔ مصر کے نام لکھا گیا تھا۔ کیا خط وہاں پہنچا یا راستے میں کھلا تو کن لوگوں نے کھولا؟ یہ لوگ پھر تبدیلی کے ذمہ دار کیوں نہیں؟ جب وہ خط واپس مدینہ لایا گیا تو حضرت عثمانؓ نے اس پر کیا کھلے طور پر انکار نہیں کیا؟ جو مہر راستے میں توڑ دی گئی وہ واقعی حضرت عثمانؓ کی مہر تھی تو کیا اس سے یہ لازم آتا ہے کہ اندر کے الفاظ میں ان مفسدین نے کوئی تبدیلی نہ کی ہو گی؟ کیا اس بات کی کوئی گواہی تھی کہ وہ (قابل اعتراض الفاظ) حضرت عثمانؓ نے ہی لکھے ہیں؟ اگر مفسدین کے پاس کوئی شہادت نہیں تو اس صورت میں حضرت عثمانؓ کا قسم کھا کر انکار کرنا کیا شریعت میں واجب القبول نہیں ٹھہرتا؟

یہ وہ امور ہیں جن پہ غور کرتے کرتے ہم اس نتیجہ پہ پہنچتے ہیں کہ اس خط میں یہ تبدیلی خود انہی مفسدین نے کی اور اس کا مقصد ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کو حضرت عثمانؓ کے خلاف کرنا تھا کہ دیکھو انہیں نے محمد بن ابی بکر کو قتل کرنے کا حکم صادر فرمایا۔

نوٹ: مؤرخین بیان کرتے ہیں کہ جب یہ مفسدین حضرت عثمانؓ پر حملہ کرنے آگے بڑھے تو محمد بن ابوبکر بھی ان میں تھے۔ حضرت عثمانؓ نے اسے کہا کہ اگر آج تیرا باپ زندہ ہوتا تو وہ تیرے اس عمل پر کیا کہتا؟ اس پر محمد بن ابی بکرؓ پیچھے ہٹ گیا۔

مذکورہ خط میں اگر واقعی محمد بن ابی بکر کے قتل کا حکم دیا گیا تھا تو اس وقت حضرت محمد بن ابی بکر کیا یہ جواب نہ دے سکتا تھا کہ اگر آج میرا باپ زندہ ہوتا تو وہ میرے قتل کا حکم صادر کرنے پر آپ کو کیا کہتا؟ محمد بن ابی بکر کا پیچھے ہٹ جانا بتلاتا ہے کہ اسے خط کے حکم قتل کا یقین نہ تھا۔ ورنہ یہ موقع تھا کہ وہ یہ بات کہہ دیتے۔

حضرت عثمانؓ حضرت عمرؓ کے جانشین کی حیثیت سے

الحمد للہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد:

حضرت عمرؓ کی عالمی مہمات میں ایران، روم اور مصر کی عظیم سلطنتوں کی شکست اور ایک وسیع سلطنت اسلامی کا قیام اور استحکام ہے۔ حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد یہ تینوں ملک پھر بغاوتوں کی لپیٹ میں آگئے۔ حضرت عثمان غنیؓ نے ان تینوں ممالک کی بغاوتوں کو نہایت کامیابی سے سر کیا اور ان تینوں ملکوں کے ارد گرد کے اور بہت سے علاقے بھی محروسہ اسلام میں شامل کیے۔ آپ نے جس حسنِ تدبر اور خاندانی شجاعت اور پختہ حوصلے سے ان مہمات کا سامنا کیا اور ان پر قابو پایا۔ وہ بتاتے ہیں کہ آپ اپنے سیاسی کردار میں حضرت عمرؓ کے صحیح جانشین اور پیرو تھے۔ اور ستر سال کی عمر میں بھی آپ کی رگوں میں جوانوں کا خون دوڑتا ہے۔ آپ نے کبھی مایوسی کو قریب نہ آنے دیا۔

خودی کے ساز میں ہے عمر جاوداں کا سراغ
خودی کے سوز سے روشن ہیں امتوں کے چراغ

① ایران میں بغاوت

ساسانی تاجدار یزدگرد گو شکستوں پہ شکستیں کھا چکا تھا مگر ابھی زندہ تھا اور اس کا گمان تھا کہ شاید اب مسلمانوں کو حضرت عمرؓ جیسا سربراہ نہ ملے۔ اس نے ایرانیوں اور ان کے حلیفوں کی طرف سے کیے گئے پہلے سب معاہدات تڑوا دیئے۔ عام اہلِ ایران ابھی اسی عقیدہ پر تھے کہ ساسانیوں کو حکومت کا الٰہی حق حاصل ہے اور حکومت انہیں ہی کی ہے اور وہ پھر سے انہیں مل کر رہے گی۔ ایرانیوں نے اس کے لیے پھر سرحدی آبادیوں کو استعمال کیا۔ حضرت عثمانؓ نے پھر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی پالیسی پر عمل کرتے ہوئے فوج کو پھر سے مضبوط کیا اور ایران کی دوبارہ فتح میں کچھ اور علاقے بھی مسلمانوں نے لے لیے۔ بلخ اور ترکستان کے علاقے بھی مسلمانوں کو مل گئے افغانستان کے علاقے ہرات، کابل اور غزنی بھی سلطنت اسلامی میں آگئے۔ خراسان کی طرف سے نیشاپور اور طوس اور مرو بھی فتح ہو گئے۔ ۳۱ھ میں یزدگرد مر گیا اور ساسانی عقیدہ حکومت اب ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا

اب ایرانیوں نے ترکوں سے ساز باز کی۔ وہ اگلے سال آذر بائیجان کی پہاڑیوں سے مسلمانوں کے خلاف نکلے، مگر وہ بھی پسپا ہوئے اور حضرت عمرؓ کا یہ پہلا جانشین سلطنت اسلامی کے استحکام اور تحفظ میں اپنے پیشرو سے کچھ پیچھے نہ رہا۔

② قیصر کا حملہ شام پر

شام کے گورنر حضرت معاویہؓ تھے، پہلے آپ صرف والی دمشق رہے مگر اپنی روشن سیاسی کارکردگی کے باعث آپ پورے شام کے گورنر مقرر کر دیئے گئے۔ حضرت عثمانؓ کے دور میں قیصر روم نے بیرونی امداد کے سہارے ایشیائے کوچک کی راہ سے شام پر حملہ کیا۔ حضرت عثمانؓ نے حضرت معاویہؓ کی مدد کے لیے اور فوج بھیج دی اور ان میں اور قیصر میں بڑی زبردست جنگ ہوئی۔ قیصر نے شکست کھائی اور مسلمان ایشیائے کوچک تک جا پہنچے۔ آرمینیا کی طرف سے مسلمانوں نے طبرستان پر قبضہ کر لیا۔ حضرت عثمانؓ ایک بہادر حکمران کی حیثیت سے کبھی گھبراہٹ میں نہ آتے۔ مایوسی کی کوئی لہر آپ کے ذہن میں حرکت نہ کرتی تھی۔

نہ ہو نومید نومیدی زوالِ علم وعرفان ہے
امید مردِ مومن ہے خدا کے راز دانوں میں

قیصر کے اس حملہ نے مسلمانوں کے لیے اور راہیں کھول دیں۔ مسلم افواج شمال کی طرف طفلس اور بحیرہ اسود تک جا پہنچیں۔ مسلمانوں کے ترکوں سے مقابلے شروع ہو گئے۔ ۲۸ ھ میں قبرص پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ قبرص کے لوگ جو کہ پہلے خراج قیصر کو دیتے تھے اب وہ مسلمانوں کو دینے لگے۔ ۳۳ ھ میں حضرت معاویہؓ نے اسے پورے طور پر سلطنت اسلامی میں شامل کر لیا اور حضرت معاویہؓ کتنے ہی روشن خیال سیاست دان ہوں مگر ان سب کامیابیوں کا سہرا حضرت عثمانؓ کے سر بندھتا ہے۔

اس صورت حال سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے نہ صرف حضرت عمرؓ کی عالمی فتوحات کو مضبوطی سے قائم رکھا بلکہ ان کے قریب کے اور بہت سے علاقے بھی سلطنت اسلامی میں شامل کر لیے اور حضرت عمرؓ کے جانشین کی حیثیت سے آپ نے ہر محاذ پر اپنے اعلیٰ تدبر اور عظیم جوانمردی کا ثبوت دیا اور اس سے کوئی انصاف پسند مؤرخ انکار نہیں کر سکتا کہ آپ نے حضرت عمرؓ کے جانشین ہونے کا حق ادا کر دیا۔

③ قیصر کا حملہ مصر پر

مصر میں گورنر حضرت عمرو بن عاصؓ تھے۔ ۲۵ ھ میں قیصر نے وہاں سمندر کی طرف سے فوجیں اتاریں اور اسکندریہ پر قبضہ کر لیا۔ حضرت عمرو بن عاصؓ نے قیصر کو زبردست شکست دی اور اسکندریہ واپس لے لیا۔ مصر کے بالائی حصے پر عبداللہ بن سعد بن ابی سرح حکمران تھے۔ حضرت عمرو بن عاصؓ اور ان میں کچھ اختلافات ہوئے۔ حضرت عثمانؓ نے حضرت عمرو بن عاصؓ کو مدینہ بلا لیا اور مصر پر عبداللہ بن سعد حاکم رہے۔ حضرت عثمانؓ نے انہیں رومیوں کی طرف بڑھنے اور انہیں اس سرحد سے دبانے کا حکم دیا۔ آپ سمجھتے تھے کہ انہیں یہاں دبائے بغیر مصر میں امن نہ رہ سکے گا۔ ۲۶ ھ کو یونانیوں کو شکست ہوئی۔ اب الجزائر، مراکش اور تیونس بھی مسلمانوں کے زیر نگین آ چکے تھے۔ ان حالات کی روشنی میں بلا تامل کہا جا سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے نہایت کامل اور روشن خیال جانشین حضرت عثمانؓ تھے۔ جدھر بڑھتے فتوحات ان کا قدم چومتی جاتیں۔

حضرت عثمانؓ سمندری جنگوں میں

رومیوں نے ۳۱ ھ میں پھر مخالفت کی ایک انگڑائی لی۔ پانچ سو بحری جہازوں کا ایک بیڑا لے کر سمندر میں اترے۔ حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو جو اس وقت مصر میں حکمران تھے بحری بیڑا تیار کرنے کا حکم دیا۔ مسلمانوں کا بحری بیڑا گو رومیوں کے بیڑے کے برابر نہ تھا لیکن انہیں حضرت عثمانؓ جیسا مدبر حکمران میسر نہ تھا۔ حضرت عثمانؓ کی زیر ہدایت عبداللہ بن سعد نے کشتیوں سے کشتیاں ملا کر ایسی جنگ لڑی کہ رومی بیڑا شکست کھا گیا۔ اور دنیا نے ایک دفعہ پھر کم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ کا ایمان افروز نظارہ دیکھا۔

حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ناس من امتی یرکبون البحر الاخضر فی سبیل اللہ۔[1]

ترجمہ: میری امت کے کچھ لوگ بحر اخضر میں اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے۔

وہ جہاد کب ہوا اور مسلمان سمندروں میں کب لڑے؟ حضرت عثمانؓ کے دور میں۔

حافظ ابن حجر (۸۵۲ ھ) لکھتے ہیں:

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ صـ

ومعاویة اول من رکب البحر للغزاة وذلك من خلافة عثمانؓ. [1]

ترجمہ: سمندر میں سب سے پہلے حضرت معاویہؓ جہاد کے لیے اُترے اور یہ حضرت عثمانؓ کے دور میں ہوا۔

حضرت عمرؓ کی رائے تھی کہ ابھی مسلمانوں کو بحری جنگوں میں نہ اترنا چاہیئے۔ بلاد مصر وشام کے انتظام کو بہتر سے بہتر بنایا جائے ابھی آگے نہ بڑھیں (رواہ مالک)

حضرت عثمانؓ کا دور آیا تو گورنر مصر حضرت معاویہؓ آپ سے اصرار کرنے لگے کہ ہمیں اب سمندروں میں لڑنے کی اجازت دی جائے۔ ہم اپنا بحری بیڑا بنائیں۔ حضرت عثمانؓ پہلے حضرت عمرؓ کی پالیسی سے موافقت رکھتے تھے۔ حضرت معاویہؓ کا اظہار جاری رہا۔ یہاں تک کہ آپ نے اجازت دے دی۔ حافظ ابن حجر (۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:۔

وذکر مالك ان عمر کان یمنع الناس من رکوب البحر حتی کان عثمانؓ فما زال معاویة یستاذنه حتی اذن له [2]

ترجمہ: امام مالک کہتے ہیں حضرت عمرؓ لوگوں کو بحری جنگ سے منع کرتے رہے یہاں تک کہ حضرت عثمانؓ کا دور آیا آپ سے حضرت معاویہؓ بحری جنگ کی اجازت مانگتے رہے یہاں تک کہ آپ نے اجازت دے دی۔

قسطنطنیہ کی بحری جنگ

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

سمعتم بمدینة جانب منها فی البر وجانب فی البحر۔

ترجمہ: تم نے ایک شہر سن رکھا ہوگا جس کی ایک جانب میدانی علاقہ ہے اور دوسری طرف پانی ہے۔

انہوں نے کہا۔ ہاں اللہ کے رسول۔۔۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا:۔

لا تقوم الساعة حتی یغزوها سبعون الفاً من بنی اسحٰق [3]

ترجمہ: آخری گھڑی قائم نہ ہوگا جب تک ستر ہزار آدمی (وہ بنو اسرائیل میں سے ہوں یا بنو اسماعیل میں سے) اس شہر سے جنگ نہ کریں۔

---

[1] فتح الباری جلد ۱۱ صہ [2] ایضاً صہ ۲۳ [3] صحیح مسلم جلد ۲ صہ ۳۹۶

قال الشافعی وسائر العلماء معناه لایکون کسریٰ بالعراق ولا قیصر بالشام کما کان فی زمنه صلی اللہ علیہ وسلم فاعلمنا صلی اللہ علیہ وسلم بانقطاع ملکھما فی ھٰذین الاقلیمین نکان کما قال صلی اللہ علیہ وسلم فاما کسریٰ فانقطع ملکہ وزال بالکلیۃ من جمیع الارض فتمزق ملکہ کل ممزق واضمحل بدعوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واما قیصر فانھزم من الشام ودخل اقاصی بلادہ فافتتح المسلمون بلادھما۔ [1]

ترجمہ۔ امام شافعی اور دوسرے سب علماء نے کہا ہے کہ آئندہ عراق میں کسریٰ اور شام میں قیصر نہ ہوگا۔ جیسا کہ یہ حضورؐ کے دور میں تھے۔ سو حضورؐ نے ہمیں بتلایا کہ یہ دونوں سلطنتیں ان علاقوں میں ختم ہوکر رہیں گی سو اسی طرح ہوا جیسا کہ حضورؐ نے فرمایا تھا۔ کسریٰ کا ملک جاتا رہا اور پوری روئے زمین سے مٹ گیا اس کی بادشاہی بالکل ٹکڑے ٹکڑے ہوئی اور مضمحل ہوئی حضورؐ کی بددعا سے۔ رہا قیصر سو وہ شام میں شکست کھا گیا اور اپنے ملک کی دور کی سرحدوں میں کہیں جا بسا (سو مسلمانوں نے ان دونوں سلطنتوں کو فتح کیا)۔

یہ صورت حال بتاتی ہے کہ حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں نظامِ حکومت اسی طرح مضبوط تھا جس حال میں حضرت عمرؓ نے اسے چھوڑا تھا۔ جہاں بغاوت ہوتی رہی اسے ساتھ ہی ساتھ دبا دیا جاتا۔ سلطنت کسی طرح کمزور نہ ہو پائی۔ سرحدوں پر جہاں بھی قیصر و کسریٰ کے حلیف اٹھے انہیں پے در پے شکستیں دی گئیں اور ان سرحدوں کو اور وسیع کر لیا گیا۔ مسلمان بحری لڑائیوں میں اُترے تو ان میں بھی باوجودیکہ انہیں کوئی تجربہ نہ تھا وہ کامیاب رہے۔ بری جنگوں میں وہ افریقہ تک جا پہنچے۔ یہ سب کچھ حضرت عثمانؓ کی خلافت میں ہوا۔ آپ نہ صرف حضرت عمرؓ کے کامیاب جانشین ثابت ہوئے بلکہ اپنے دور کے اعتبار سے آپ کہیں آگے جا چکے تھے۔

سو یہ بات کسی طرح باور نہیں کی جا سکتی کہ حضرت عثمانؓ مسلمانوں کے کوئی کمزور سربراہ تھے۔ اگر آخری دنوں میں ان کے خلاف کوئی بغاوت اٹھی تو یہ صرف ایک مقامی کارروائی تھی جس میں افواجِ اسلامی کو کسی طرح استعمال نہ ہونے دیا گیا تھا۔ حضرت عثمانؓ اپنے اس مؤقف پر مصر اور قائم رہے کہ میں اپنی ذات کی حفاظت کے لیے بیت المال کے خرچ سے قائم کی گئی فوجوں کو

---

[1] نووی جلد ۲ ص ۳۹٦

استعمال نہیں کرنا چاہتا۔

سوہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس وقت نظام حکومت کچھ کمزور ہو گیا تھا یا فوجی قوت کسی درجے میں کمزور تھی۔ مدینہ منورہ کے عمائد بھی ان دنوں حج پہ نکلے ہوئے تھے۔ اس سے مدینہ منورہ میں ان باغیوں کو حضرت عثمانؓ کے گھر عقبی طرف سے داخل ہونے کی ہمت ہو گئی۔ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ اکیلے ان باغیوں کو ہر طرف سے نہ روک سکتے تھے۔ حضور فرما گئے تھے کہ اس امت میں ایک امام ہو گا جس کے قتل پر مسلمانوں کی تلواریں آپس میں میانوں سے نکلیں گی اور پھر قیامت تک نیاموں میں نہ جائیں گی (یعنی مسلمانوں میں خانہ جنگی شروع ہو جائے گی) آپ نہ چاہتے تھے کہ آپ ہی امت کے وہ امام ہوں۔ لہذا آپ نے اپنے آدمیوں کو اپنا محاصرہ کرنے والوں کے خلاف لڑنے کی اجازت نہ دی اور ظاہر ہے کہ وفادار فوجیں اپنے سردار کے حکم کے بغیر کبھی نہیں لڑتیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کا مضبوط فوجی ڈسپلن اس وقت بھی پوری طرح قائم تھا۔

جس طرح حضرت عمرؓ نے حضرت خالد بن الولیدؓ کو معزول کرنے میں ذرا سی کمزوری محسوس نہ کی حضرت عثمانؓ نے بھی فاتح مصر حضرت عمرو بن العاصؓ کو مصر سے معزول کرنے میں ذرا بھی کمزوری محسوس نہ کی۔

حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ (۵۲ھ)

حضرت عمرؓ نے آپ کو ۲۰ھ میں بصرہ کا گورنر مقرر کیا تھا۔ ۲۹ھ میں حضرت عثمانؓ سے لوگوں نے آپ کی شکایات کیں اور کہا کہ یہ قریش کی بہت طرفداری کرتے ہیں۔ آپ نے انہیں معزول فرمادیا اور اس بات کی پرواہ نہ کی کہ آپ حضرت عمرؓ کے مقرر کیے ہوئے ہیں۔ آپ نے یہ بھی نہ دیکھا کہ علمی دنیا میں آپ کی کتنی شہرت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو مخاطب کرتے ہوئے آپ سے فرمایا تھا:۔

یا ابا موسیٰ لقد اعطیت مزماراً من مزامیر آل داؤد۔[1]

ترجمہ۔ اے ابوموسیٰ! مجھے آل داؤد کے نغموں میں سے ایک نغمہ دیا گیا ہے۔

اب اس درجے کے آدمی کو چند معمولی شکایات کے باعث اس کی ذمہ داری سے فارغ کر دینا کسی کم جری آدمی کا کام نہیں ہو سکتا۔

حضرت عثمانؓ نے ابوموسیٰ اشعریؓ کو بصرہ کی گورنرشپ سے ہٹا دیا اور اس میں کچھ بھی کمزوری اپنے اندر محسوس نہ کی۔ یہ اکابر صحابہؓ حضرت عثمانؓ کی عظمت و مرتبت کے پوری طرح قائل تھے ایسے مواقع پر مجال ہے کہ کسی کے دل میں کوئی جذبہ خلاف پیدا ہو یہی وجہ ہے کہ جب آپ نے ۳۴ھ میں دوبارہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا تو آپ نے بسر و چشم اس ذمہ داری کو قبول کر لیا۔ کسی پہلے شکوہ کا اظہار کیا اشارہ تک نہ کیا۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کی حکومت اپنے اندر پوری حاکمانہ قوت رکھتی تھی اور کسی مصلحت سے آپ کو کسی سے دبنے کی ہرگز کوئی ضرورت نہ تھی۔

---

[1] رواہ الترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۲۶

حضرت سعد بن ابی وقاص رض (۵۵ ھ)

حضرت سعد رض عشرہ مبشرہ میں سے تھے اور حضرت عمر رض کی رائے کے مطابق حضرت سعد رض کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا گیا تھا۔ یہ تقرر حضرت عثمان رض کے ہاتھوں عمل میں آیا۔ کوفہ میں جو علمی منزلت حضرت عبداللہ بن مسعود رض (۳۲ ھ) کی تھی وہ اور کسی کی نہ تھی۔ ان میں اور حضرت سعد رض میں کسی بات میں اختلاف ہو گیا۔ حضرت عثمان رض حضرت عبداللہ بن مسعود رض کو ناراض نہ کرنا چاہتے تھے۔ سو آپ نے (۲۵ ھ) میں حضرت سعد رض کو واپس بلا لیا اور ولید بن عقبہ کو وہاں گورنر مقرر کر دیا۔

گورنروں کے نصب و عزل میں حضرت عثمان رض کا موقف

حضرت عثمان رض گورنروں کے مقرر کرنے میں زیادہ ان کی اہلیت کو دیکھتے تھے۔ عرب میں قریش سیادت و قیادت میں بہت آگے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی میں سے سردار چننے کی ہدایت دی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ عرب دل کی تعظیم سے صرف انہی کی عظمت کو تسلیم کریں گے۔ آداب جہانبانی و حکمرانی میں قریش کی سب سے بڑی شاخ بنوامیہ تھے۔ ظاہر ہے کہ قومی مہمات اور ملکی انتظامات میں اب انہی کے لوگ زیادہ آئیں گے۔ اتفاق سے حضرت عثمان رض خود بھی اُموی تھے۔ اس صورتِ حال میں حضرت عثمان رض پر اس قسم کے الزامات آنا کہ آپ اپنے رشتہ داروں کو زیادہ آگے لا رہے ہیں بالکل ایک فطری بات تھی۔ لیکن یہ بات کہ حضرت عثمان رض بھی کنبہ پروری کے ارادے سے یہ تقرریاں کرتے تھے باور نہیں کی جاسکتی۔ کیونکہ جونہی کسی گورنر کے خلاف کوئی بات اُٹھتی آپ اسے فوراً ہٹا دیتے اسکی طرفداری نہ کرتے۔

ولید بن عقبہ کوفہ کے گورنر آپ کے رشتہ دار تھے۔ ان پر شراب پینے کا الزام لگا۔ شورش پیدا کرنے والوں نے اس پر شہادت بھی تیار کر لی تھی۔ حضرت عثمان رض نے ولید پر حد قائم کی اور رشتے کی کوئی پرواہ نہ کی نہ شہادت کو کمزور بتلایا۔ اب آپ نے کوفہ پر سعید بن العاص رض کو گورنر مقرر کیا۔ یہ تقرری ۳۰ ھ میں ہوئی۔ یہ بھی حضرت عثمان رض کے رشتہ دار تھے۔ تقریباً چار سال بعد آپ کے خلاف بھی بدانتظامی کی شکایت اُٹھی۔ آپ نے انہیں ہٹا کر حضرت ابوموسیٰ الاشعری رض کو کوفہ کا گورنر بنایا اور سعید بن العاص کی کوئی طرفداری نہ کی جس طرح کسی علاقے کے لوگ کہتے آپ ان کی بات مان لیتے اور بسا اوقات انہیں ان کی پسند کا آدمی دے دیتے۔

پھر اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہود و مجوس ایک خفیہ تحریک پوری قلمرو اسلامی میں چلا رہے تھے کہ جس طرح بھی ہو سکے مسلمانوں میں انتشار پیدا کیا جا سکے اور ان کا نظام خلافت قائم نہ رہنے پائے۔ اس کے لیے ہر علاقے کے عوام اور عاملین میں بد اعتمادی پیدا کی جاتی تھی اور ان سازشوں کی وجہ سے ہر علاقے میں گورنروں کے عزل و نصب کا عمل تیز ہو گیا تھا۔ اس سازش کا سرغنہ ایک سابق یہودی عبداللہ بن سبا تھا۔

حضرت عثمان غنیؓ نے اگر یہ تقرریاں اپنے رشتہ داروں کو خوش کرنے کے لیے کی ہوتیں تو کبھی آپ اس قسم کی شکایات پر انہیں معزول نہ کرتے کبھی تو تحقیقات کو طول زیادہ دیا ہوتا۔

پھر اس بات کو بھی تاریخ جھٹلا نہیں سکتی کہ حضرت عثمانؓ کے دور میں اموی عامل حضرت عمرؓ کے دور کے اموی عاملوں سے کبھی زیادہ نہ رہے۔ دمشق میں حضرت عمرؓ نے حضرت ابوسفیانؓ کے بیٹے یزیدؓ کو عامل لگا رکھا تھا اور اس کی وفات کے بعد آپ نے اس کے بھائی حضرت معاویہؓ بن ابی سفیانؓ کو وہاں والی مقرر کیا اور پھر آپ کو پورے شام کا گورنر بنایا۔ حضرت عمرؓ پر امویوں کو آگے کرنے کا الزام اس لیے نہ لگ سکا کہ آپ خود اموی نہ تھے۔ اگر اس وقت حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوتے تو کوئی نہ کوئی مفسد صرف یہ آواز اٹھاتا کہ دیکھئے بنی امیہ کے لوگوں کو کس طرح آگے لایا جا رہا ہے۔

اس وقت ہم اس عنوان پر بحث نہیں کر رہے کہ حضرت عثمانؓ کے عاملوں کے خلاف یہ بد اعتمادی پھیلائی جا رہی تھی؟ وہ لوگ اتارنا تو حضرت عثمانؓ کو چاہتے تھے لیکن آپ کی شخصیت پر وہ کہیں انگلی نہ رکھ سکتے تھے۔ ان کے ترکش کا یہ آخری تیر تھا کہ اگر وہ اسے خلافت پر نہیں چلا سکتے تو کم از کم یہ تو ہو کہ اس سلطنت کے گورنر کہیں مستحکم پوزیشن میں نہ ہوں کہ وقت اور ہر لحظہ یہ زمین ملتی رہے۔ صرف حضرت معاویہؓ (شام) اور حضرت عمرو بن العاصؓ (مصر) تھے جن کے خلاف یہ کچھ شہادتیں نہ پیدا کر سکے۔

ہم یہاں صرف یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کے ان کے بڑے بڑے لوگوں سے جو اختلافات ہوئے اور آپ نے اپنے دور خلافت میں اس قسم کی بدمزگی دیکھی۔ تاہم یہ حقیقت ہے کہ ان تمام اختلافات میں کوئی بڑے سے بڑا آدمی بھی آپ کے نظام حکومت کو ذرہ بھر کمزور نہ کر سکا۔ آپ اپنی حکومت میں آخر دم تک ایک مستحکم سربراہ رہے۔ ابھی آپ ہندوستان کی جانچ پڑتال کے لیے اپنے آدمی ہندوستان بھیج رہے تھے کہ بیرونی حملہ آوروں نے آپ کے گھر پر

عقبی دروازہ سے حملہ کر دیا. آپ مزید زندگی پاتے تو ممکن ہے ہندوستان میں عام لوگ جس طرح عام لوگ ظلم وستم کی چکی میں پس رہے تھے آپ ہی کے حکم سے ان کی زندگی کو ہوا ملتی. مسلمان جن ملکوں کی طرف بھی بڑھے ہیں ظلم کے ہاتھوں کو رد کرنے کے لیے انسانوں کو اُن کے بنیادی حقوق دلوانے کے لیے نہ کہ اپنے مذہب کی اشاعت کے لیے. قرآن میں کسی جبراً اپنے مذہب میں لانا ناجائز قرار دیا گیا ہے.

حضرت عثمانؓ کا ہندوستان کی طرف رُخ کرنا وہاں کے لوگوں کو خوشحالی دینے کے لیے تھا. تاہم آپ کی شہادت سے یہ برات خلیفہ عبدالملک کے نام لکھی تھی جس کے حکم سے محمد بن قاسم نے یہاں قدم رکھے.

ہری ہے شاخِ تمنا ابھی جلی تو نہیں | دبی ہے آگ جگر کی مگر بجھی تو نہیں
جفا کی تیغ سے گردن وفا شعاروں کی | کٹی ہے برسرِ میدان مگر جھکی تو نہیں

کسی ملزم یا متہم سے نیک گمانی کیا اُنکی وکالت ہے؟ صحابہؓ کے بارے میں حق گوئی ان کی وکالت نہیں۔

الحمد للہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد:

کسی شخص کے بارے میں کوئی مومن کوئی بات سُننے تو اسے چاہیئے کہ اس بات کے مختلف پہلوؤں سے اسے کسی اچھے محمل پر لائے یہ اس ملزم سے نیک گمانی ہے جو ہر مومن کا حق ہے یہ اس کی وکالت نہیں ظنوا بالمؤمنین خیرا کی رو سے یہ ہر مومن کا حق ہے کہ اس کے بارے میں اوّل نیک گمانی سے کام لیا جائے۔ صحابہ کرامؓ اور ائمہ دین سے ہم جو بات سُنیں اسے اس کے کسی بہترین محمل پر لائیں یہ مؤمنین کا حق ہے جو آپ انہیں دے رہے ہیں۔ اللہ کے بندے بلا دلیل بدگمانی نہیں کرتے بدگمانی کے لیے دلیل کی ضرورت ہے اور نیک گمانی کے لیے بس اصل کافی ہے کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔

فبشر عباد الذین یستمعون القول فیتبعون احسنه اولئك الذین هداهم الله واولئك هم اولوا الالباب۔ (پ ۲۳ الزمر ۱۸)

ترجمہ۔ پس آپ میرے ان بندوں کو بشارت دے دیں جو سنتے ہیں کوئی بات تو وہ اس کے احسن پیرائے کو لیتے ہیں وہی لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے صحیح راہ سجھائی ہے اور وہی لوگ حقیقت میں سمجھ دار ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ارشاد فرماتے ہیں:۔

اذا حدثتم بالحدیث عن رسول الله صلی الله علیه وسلم فظنوا به الذی هو اهیا والذی هو اهدی والذی هو اتقیٰ۔[1]

ترجمہ۔ جب تمہیں حضور اکرمؐ سے کوئی بات پہنچے تو اسے بہترین پیرائے بہترین راہ اور پورے خوف خدا کے محمل میں اتاریں۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ بھی فرماتے ہیں کہ اگر کسی کے کلام میں سارے پہلو کفر کے نکلتے ہوں اور ایک پہلو اسلام کا ہو سکے تو فتوے اس ایک پہلو پہ دیا جائے۔ دوسرے پہلوؤں کو سامنے رکھ کر اس کی تکفیر نہ کر دی جائے۔

---

[1] سنن دارمی جلد ۱ ص ۹۷

سو کسی ملزم یا متہم سے نیک گمانی یہ اس کی وکالت نہیں۔ سبائیوں نے حضرات صحابہ کرامؓ کے خلاف بہت سی باتیں وضع کیں. کبار تابعین اور ائمہ دین نے انہیں کذب و زور اور بہتان و افتراء پایا اور جو صحیح روایات ملیں ان کے اچھے محامل بیان کیے یہاں تک کہ اسلامی عقائد فقہ اکبر اور عقیدہ طحاویہ میں منضبط ہو گئے. محدثین نے حدیث کی کتابوں میں فضائل صحابہ کے باب باندھے کتاب و سنت کی ہر بات اپنے محامل پا گئی. ائمہ دین کی یہ محنتیں حق اور سچائی کے پورے نکھار سے کھلیں اور عقیدہ اہل سنت ایک ضابطے کے طور پر طے ہو گیا۔

حق کی راہ میں کی گئی ان محنتوں کو تحقیق و تنقیح اور نیک گمانی کے تحت تو لایا جا سکتا ہے لیکن اسے وکالت نہیں کہا جا سکتا. وکالت میں نیت انصاف کی نہیں طرفداری کی ہوتی ہے. اور ظاہر ہے کہ اہل حق کبھی اپنے عقائد طرفداری سے طے نہیں کرتے. یہ طرفداری علم و دیانت کے یکسر خلاف ہے. سو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ائمہ اربعہ اور مؤلفین کتب صحاح حضرات صحابہ کرامؓ کے وکیل تھے جو کچھ انہوں نے کہا کتاب و سنت کی روشنی میں کہا اسے حق سمجھ کر کہا. کسی طرفداری میں انہوں نے اپنے عقیدے اور مسلک کی تدوین نہیں کی۔

پھر ان کے علمی جانشینوں نے ان کی لائن پہ چلتے ہوئے قرآن کریم اور سنت مطہرہ کی ہر الحاد اور ہر تاویل باطل سے پوری حفاظت کی اور دین قیم کے یہ محافظ نہایت نیک نیتی سے دین کی حفاظت کرتے رہے ہے. اسے صحابہ کرام اور ائمہ دین کی طرفداری نہیں کہا جا سکتا. اور نہ امام غزالی اور امام رازی پر نہ قاضی عیاض اور امام نووی پر نہ حافظ ابن تیمیہ پر اور نہ حافظ ابن کثیر پر نہ امام ربانی مجدد الف ثانی اور حضرت شاہ ولی اللہ پر ان تمام علماء حق میں سے کسی پر صحابہ کی طرفداری کا الزام نہیں لگایا جا سکتا۔

ہم مولانا مودودی کی اس رائے سے اتفاق نہیں کر سکتے کہ ان اکابر علمائے حق نے سبائیوں کے جملہ الزامات کا رد بطور وکیل کیا ہے. وکالت میں نیت طرفداری کی ہوتی ہے اور ان علماء حق کی نیت کتاب و سنت کی صیانت اور صرف حق کی حمایت رہی ہے. ان بزرگوں کی نیت پر حملہ (کہ انہوں نے جو کچھ لکھا ہے طرفداری میں لکھا ہے) کرنا کسی کو زیبا نہیں. مولانا مودودی کے بیان سے ہم اتفاق نہیں کرتے۔

میں یہ بات بھی واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میں نے قاضی ابوبکر ابن العربی کی العواصم من القواصم. امام ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) کی منہاج السنۃ اور حضرت

شاہ عبدالعزیز کی تحفہ اثنا عشریہ پر انحصار کیوں نہ کیا۔۔۔ تینوں حضرات نے اپنی کتابیں شیعوں کے شدید الزامات اور ان کی افراط و تفریط کی رد میں لکھی ہیں جس کی وجہ سے عملاً ان کی حیثیت وکیل صفائی کی سی ہو گئی ہے اور وکالت خواہ وہ الزام کی ہو یا صفائی کی اس کی عین فطرت یہ ہوتی ہے کہ اس میں آدمی اس مواد کی طرف رجوع کرتا ہے جس سے اس کا مقدمہ مضبوط ہوتا ہو اور وہ اس مواد کو نظر انداز کر دیتا ہے جس سے اس کا مقدمہ کمزور ہو جائے۔ لہ

مولانا مودودی صحابہ کرامؓ کے خلاف وہ مواد سامنے لانا چاہتے ہیں جسے صحابہؓ کے وکیل حضرات نے نظر انداز کیا ہے۔ یا تاریخی مواد جو واقدی جیسے لغو گو رواۃ و مؤرخین کا روایت کردہ ہے۔ اہل سنت کے یہ علماء اعلام اسے پوری جانچ پڑتال کے بعد ردی کی ٹوکری میں پھینک آئے ہیں اسے پھر سے وہاں سے نکالنا اور گڑھے مردے اکھاڑنا یہ ہرگز کوئی دین کی خدمت نہیں ہے نہ یہ کہنا درست ہے کہ اسے سامنے لائے بغیر پاکستان میں اسلامی نظام نافذ نہ ہو سکے گا۔

عیسائی حضرات اگر یہ کہیں کہ مولانا آل حسن موہانی اور مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے ہمارے خلاف جو کچھ لکھا ہے وہ بطور وکیل لکھا ہے اور انہوں نے اس مواد کو یکسر نظر انداز کر دیا ہے جس سے اسلام کا مقدمہ کمزور ہوتا تھا۔ تو کیا ان کا یہ کہنا صحیح مانا جائے گا؟ اس طرح مولانا مودودی نے اب تک جو کچھ اسلام کی حمایت میں لکھا ہے وہ آپ نے اسلام کی وکالت کرتے ہوئے لکھا ہے اور اس مواد کو نظر انداز کیا ہے جس سے اسلام کا مقدمہ کمزور ہوتا تھا۔ تو پھر اسلام کی تحقیقی آواز کہاں سے لگے گی۔ اگر یہ دینی آوازیں سب کچھ وکیلوں کی معرکہ آرائی ہی ہیں جن میں ذرا سی محنت سے ادھر کا پلڑا ادھر اور ادھر کا ادھر ہو سکتا ہے تو دنیا میں سچائی معلوم کرنے کی اور راہ کون سی کھلے گی؟

قرآن کریم نے یہ تعلیم دے کر کہ خاندانی امتیازات صرف تعارف کے لیے ہیں اصل بزرگی تقویٰ میں ہے صحابہ کرامؓ میں یہ ذہن پیدا کر دیا تھا کہ وہ لوگوں کو نام سے نہیں کام سے پہچانیں

یا ایھا الناس انا خلقنا کم من ذکر و انثیٰ و جعلنا کم شعوباً و قبائل لتعارفوا۔ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم ان اللہ علیم خبیر۔

(پ ۲۶ الحجرات ۳)

ترجمہ۔ اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں
شاخیں اور قبائل بنایا تاکہ تم ایک دوسرے کو جانتے رہو۔ اللہ کے ہاں تم میں بزرگ
وہی ہے جو اس سے ڈرنے والا ہو۔ بیشک اللہ ہر بات جانتے ہیں اور ہر چیز کی خبر رکھتے ہیں۔

قرآن نے یہ جو فکری انقلاب پیدا کیا حضورؐ نے بطور حکمران اپنے عامل مقرر کرتے وقت
قطعاً اس بات کی پرواہ نہ کی کہ ایک ہی خاندان کے لوگوں کو اس میں آگے نہ بڑھایا جائے۔
آپ نے حضرت سعید بن العاصؓ اموی کے تین بیٹوں خالد بن سعیدؓ، ابان بن سعیدؓ اور عمرو بن سعیدؓ
کو یمن، بحرین اور تیما، خیبر، تبوک کا عامل لگا دیا اور یہ پرواہ نہ کی کہ عام لوگ کہیں گے کہ بنو امیہ کی
طاقت تو صرف فتح مکہ پر ٹوٹی تھی اب ان کو دور دراز کے علاقوں میں پھر سے قوت بنانے کا
موقعہ کیوں دیا جا رہا ہے۔ کیا حضورؐ نہ چاہتے تھے کہ اب اس نئے عرب میں پرانی جاہلی چنگاریاں
نہ چھوڑی جائیں۔ کام صحیح ہو تو نام کوئی بھی ہو، سو اس کی فکر نہ کرنی چاہیئے۔

حضورؐ کی تشریف آوری سے جاہلیت کی ہر آواز آپ کے قدموں کے نیچے پامال ہو گئی
تھی۔ ایک ہی باپ کے تینوں بیٹوں کو گورنر بنانے سے کسی جگہ بھی کوئی جاہلی آواز نہ اٹھی۔ بلکہ مکہ
کے عامل بھی حضرت عتاب بن سعیدؓ اموی مقرر کیئے گئے۔ حضرت ابوسفیانؓ نے فتح مکہ کے بعد آپ سے
ایک علاقے کی حکومت مانگی تو آپ نے بخوشی اسے منظور فرمایا۔ یہ نہ کہا کہ اب تمہاری شوکت
ٹوٹ چکی ہے اب بھی تم قیادت کے خواب دیکھ رہے ہو۔

حضرت ابوبکرؓ کے دورِ خلافت میں بھی مکہ پر حضرت عتاب بن سعید اموی مقرر تھے اور
اور بنو امیہ کے حلیف علاء بن حضرمی بحرین کے گورنر تھے اور کبھی کسی کونے سے یہ احتجاج نہ اٹھا
کہ مکہ مکرمہ حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ جیسے سابقین اولین کو کیوں نہ یہ ذمہ داریاں
دی گئیں۔

حضرت عمرؓ کے عہد میں شام میں یزید بن ابی سفیانؓ گورنر تھے۔ یزیدؓ کی وفات پر حضرت عمرؓ
نے حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ کو وہاں کا گورنر بحال رکھا۔ حضرت ابوسفیانؓ نے اس پر سوال بھی
اٹھایا کہ بھائی کے بعد بھائی ہی کیوں؟ آپ نے انہیں یکسر خاموش کر دیا کہ ملک میں نے چلانا ہے
مجھے علم ہے کہ کوئی شخص کہاں کے لائق ہے۔

یہ وہ مبارک دور تھا جب خاندانی امتیازات اللہ کے کام میں اور رسالت کے پیغام
میں ہرگز لائق لحاظ نہ تھے۔ صحابہ کرامؓ بلا کسی خاندانی امتیاز کے خیر امت تھے اور اسی خیر امت کو

کو کل بنی نوعِ انسان میں اللہ اور اس کے رسولِ خاتم کے پیغام کو آگے لے جانے کا حکم تھا۔
قرآن کریم میں اس کو آگے لے جانے کا حکم تھا۔
کنتم خیر امۃ اخرجت للناس۔ (پ آل عمران ۱۱۰)
ترجمہ: تم بہترین امت ہو جو بنی نوعِ انسان کی رہنمائی کے لیے آگے لائے گئے ہو۔

حضرت عثمانؓ کے دور میں اُن کے کس طرح کے ساتھی آگے رہے

حضرت عثمانؓ نے اپنے دورِ خلافت میں اپنے خاندان (بنوامیہ) کے جن لوگوں کو آگے کیا وہ اپنی اعلیٰ کارکردگی اور فاتحانہ شانِ عمل میں بڑی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ ان کی فتوحات سے قلمروِ اسلامی کو بڑی وسعت ملی۔

مولانا مودودی نے بھی ان حضرات کی اعلیٰ کارکردگی کا اس طرح اقرار کیا ہے۔

اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ اپنے خاندان کے جن لوگوں کو سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حکومت کے مناصب دیئے۔ انہوں نے اعلیٰ درجے کی انتظامی اور جنگی قابلیتوں کا ثبوت دیا اور ان کے ہاتھوں بہت سی فتوحات ہوئیں۔[1]

سو اس میں ہرگز کوئی شک نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت عثمانؓ نے صدیوں میں حکومت کے مناصب دینے میں اپنے پیشروؤں کی پالیسی کو برابر قائم رکھا۔ پھر اس بات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت عثمانؓ کے عہد میں یہودیوں نے اپنا ایک ایجنٹ عبداللہ بن سبا مسلمانوں کی صفوں میں داخل کر دیا تھا اور اس کی شب و روز اسی پر محنت رہی کہ مختلف علاقوں میں حضرت عثمانؓ کے مقرر کردہ گورنروں کے خلاف شکایتیں پیدا کی جائیں اور ایک بات ایسی بھی چلائی جائے جس کی زد خود حضرت عثمانؓ پر بھی آئے۔ سو یہ آواز انہی سبائیوں کی اٹھائی ہوئی تھی کہ یہ بنوامیہ کے لوگ کیوں پوری سلطنت پر چھائے ہوئے ہیں۔

تاریخ کے ایسے نازک موڑ پر سیدنا حضرت عثمانؓ کی یہ مجبوری تھی کہ دور دراز کے علاقوں میں حکومت کے مناصب پر زیادہ انہی لوگوں کو لائیں جو دل سے ان کے خیر خواہ ہوں اور وہ کسی پیرائے میں کسی سبائی پراپیگنڈے اور سازش میں شریک نہ ہو سکیں اور انہیں کہیں کوئی دشمن طاقت خرید نہ سکے۔ سو حضرت عثمانؓ انہی لوگوں سے کام لینے میں مجبور تھے جن پر وہ

---

[1] خلافت و ملوکیت صد ۳۲۳

پوری طرح اعتماد کر سکیں۔

پھر حضرت علیؓ پر بھی ایک ایسا وقت آیا کہ آپ نے بنو ہاشم کے لوگوں کو بڑے بڑے عہدے دیئے۔ اپنے چچا کے بیٹوں حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبیداللہ بن عباسؓ اور قثم بن عباسؓ کو اعلیٰ حکومتی مناصب پر فائز کیا۔

مولانا مودودی حضرت علیؓ کی اس پالیسی کی حمایت میں لکھتے ہیں:۔

بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے اپنے متعدد رشتہ داروں کو بڑے بڑے عہدوں پر سرفراز کیا۔۔۔۔ لیکن یہ اعتراض درست نہیں ہے انہوں نے یہ کام ایسے حالات میں کیا تھا جب کہ اعلیٰ درجہ کی صلاحیتیں رکھنے والے اصحاب میں سے ایک گروہ ان کے ساتھ تعاون نہیں کر رہا تھا۔۔۔۔۔ ان حالات میں وہ انہی لوگوں سے کام لینے پر مجبور تھے جن پر وہ وہ پوری طرح اعتماد کر سکیں۔[1]

مگر افسوس کہ مولانا مودودی حضرت عثمانؓ کو یہ رعایت دینے کے لیے آمادہ نہ ہوئے آپ عہدِ عثمانی کے گورنروں کی جنگی صلاحیتوں کا پورا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

محض قابلیت اس بات کے لیے کافی دلیل نہ تھی کہ خراسان سے لے کر شمالی افریقہ تک کا پورا علاقہ ایک ہی خاندان کے گورنروں کی ماتحتی میں دے دیا جاتا۔[2]

سوال پیدا ہوتا ہے کہ سبائیوں نے حضرت عثمانؓ کے مختلف گورنروں کے خلاف الزام تراشی کی جو تحریک اٹھا رکھی تھی اور ان کی اس تحریک کے پیچھے ان کی یہ جلن تھی۔ کہ مسلمان اتنی عظیم فتوحات کیوں حاصل کرتے جا رہے ہیں۔ انہوں نے اپنی کام برآری اسی میں سمجھی کہ عام نوجوانوں کو مشتعل کرنے کے لیے یہ شورش عام کی جائے کہ یہ بوڑھے صحابہ کرام، کب تک ہم پر حکمرانی کرتے رہیں گے۔ اب موقعہ نوجوانوں کو ملنا چاہیئے۔ بلکہ حضرت عثمانؓ خود بھی خلافت چھوڑ دیں۔ ان سبائیوں کے دلوں میں صحابہؓ کے خلاف بہت بدترین درجے کا بغض پایا جاتا تھا۔ پاکستان کا ایک سبائی ان فتوحات کو اس طرح نفرت کی عینک سے دیکھتا ہے۔

---

[1] خلافت و ملوکیت صـ۱۴۷ [2] ایضاً صـ۱۰۹

ثلثہ کی فتوحات نے اسلام کو بدنام کیا ہے

اے کاش! یہ لوگ ملکی فتوحات نہ کرتے۔ انہی لوگوں اور انہی کی ان مزعومہ فتوحات نے اسلام کو اغیار کی نظروں میں بدنام کیا ہے اور ان کو یہ کہنے کا موقعہ دیا ہے کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا ہے نہ کہ اپنی صداقت و حقانیت کے بوتے پر۔ [1]

ہم سمجھتے ہیں کہ سبائی اس احساس میں حق پر نہ تھے اور حضرت عثمانؓ بحالات اس پر مجبور تھے کہ اپنے گرد و پیش اور دور و دراز زیادہ انہی لوگوں کو رکھیں جن پر وہ پوری طرح اعتماد کر سکیں۔ سبائی اپنی تحریک میں یقیناً ظالم تھے اور سیدنا حضرت عثمانؓ مظلوم۔

اب یہ قارئین فیصلہ کریں کہ ظالم و مظلوم کی اس کشمکش میں وہ ظالم کے ساتھ ہیں یا مظلوم کے ساتھ۔ حضرت عثمانؓ کے مظلوم ہونے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی بھی موجود ہے:۔

ذکر رسول اللہ فتنۃ فقال یقتل فیہا مظلوماً رواہ الترمذی۔

ترجمہ۔ رسول اللہؐ نے ایک فتنہ کا ذکر کیا اور فرمایا کہ اس میں ایک مقتول ظلماً مارا جائے گا۔

مولانا مودودی نے تو خلافت سے ملوکیت تک پہنچنے کا سارا بوجھ حضرت عثمانؓ پر ڈالا ہے۔ اور حق یہ ہے کہ وہ اس میں حق پر نہیں ہیں اہلسنت کی طے شدہ راہ سے ہٹ گئے ہیں۔

آیئے اب ذرا ان گورنروں کی کارکردگی کا بھی کچھ جائزہ لیں جن سے یہ صوبائی حکمرانوں کے خلاف کہانیاں بنانے والے یہ سبائی اور مولانا مودودی یہاں تک ناراض ہیں کہ انہوں نے اس میں سیدنا حضرت عثمانؓ کی شخصیت کریمہ کو بھی مجروح کرنے سے کچھ دریغ نہیں کیا۔

---

[1] تجلیات صداقت حصہ اول ص ۱۰۲

کتابوں میں جو روایات روافض و خوارج جیسے راویوں سے مروی ہوں انہیں لے کر صحابہ کرامؓ کی شخصیاتِ کریمہ کو ہرگز مجروح نہ کریں۔

مولانا مودودی نے صحابہ کرام کے بارے میں دو صفوں کے ہوتے ہوئے ایک تیسری صف قائم کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ امت میں مزید انتشار کی ایک نئی راہ ہے اور اس طرح اہلحدیث (باصطلاحِ جدید) نے چار مذاہب کے مقابل ایک پانچویں راہ قائم کر کے امتِ مسلمہ کی گرتی دیوار کو ایک اور دھکا دیا ہے۔ ہم انتشارِ امت کی ان نئی کاوشوں پر اظہارِ افسوس کے سوا اور کچھ نہیں کہہ سکتے۔ اہلحدیث (باصطلاح جدید) اور مولانا مودودی کے پیروؤں میں یہ قدر مشترک ہے۔ اول الذکر نے چار مذاہب کے مقابل ایک پانچویں راہ قائم کی اور ثانی الذکر نے صحابہؓ کے بارے میں پہلی دو لائنوں کے ساتھ ساتھ ایک تیسری صف قائم کر کے رکھ دی ہے۔ یہ وہ نقطۂ اشتراک ہے جس پر دونوں حلقے ایک دوسرے کے قدردان ہیں، گوجرانوالہ کے مولانا محمد اسمٰعیل لکھتے ہیں:۔

> جہاں تک مولانا اصلاحی اور مولانا مودودی کی ذات کا تعلق ہے یا ان کی مساعی کا میرے دل میں ان کے لیے پورا احترام ہے۔ [۱]

مولانا مودودی کی حدیث کے بارے وہ مساعی کون سی ہیں جن کی وجہ سے مولانا محمد اسمٰعیل ان کی قدردانی فرما رہے ہیں۔ یہ وہ قدر مشترک ہے جو دونوں حلقوں میں صحابہؓ سے اعتماد اٹھانے میں کارفرما ہے۔ والی اللہ المشتکیٰ

نامناسب نہ ہوگا کہ ہم یہاں مولانا مودودی کی ان اہلحدیث کے بارے میں یہ رائے لکھ دیں:۔

> خدا کی شریعت میں کوئی ایسی چیز نہیں جس کی بنا پر اہلحدیث وغیرہ الگ الگ امتیں بن سکیں، یہ امتیں جہالت کی پیداوار ہیں۔ [۲]

شریعت کی نسبت پیغمبروں کی طرف ہوتی آئی ہے۔ خدا کی طرف دین کی نسبت ہوتی ہے۔ کما ورد فی الحدیث امہاتھم شئ و دینھم واحد۔

---

[۱] خطبات ص ۱۳۸ [۲] مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش جلد ۳ ص ۱۶

کیا تاریخ کی کوئی مُستند کتابیں بھی ہیں؟

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد:

صحابہ کرام کے خلاف عبداللہ بن سبا کے پیروؤں نے بہت سی غلط روایات گھڑ رکھیں۔ تاریخ کے یہ قدیم ذخیرے بہت بے سروپا ہیں اور ان سے صحابہ کرام کی عظیم شخصیتوں کو مجروح کرنا ایک بڑا ظالمانہ کاروبار رہا ہے۔ اکابر تابعین اور ائمہ و محدثین زیادہ حدیث پر متوجہ رہے تاریخ کی طرف زیادہ توجہ نہ کر پائے۔

اس صورتِ حال پر بعض منتہی طلبہ نے بار بار یہ سوال کیا ہے کہ تاریخ اسلام کی مستند کتابوں کے نام ہمیں لکھوا دیں جن کی رو سے ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدین اور کبار تابعین کے بارے میں صحیح معلومات جمع کر سکیں اور تاریخ اسلام صحیح طور پر مرتب کی جا سکے۔

اس سوال کے جواب میں ہم اسلامی کتب خانوں میں دورِ اول کی کسی مستند کتاب کو تلاش کرتے کرتے تھک گئے مگر افسوس کہ ہمیں ایک بھی تاریخی ذخیرہ ایسا نہ ملا جس میں عبداللہ بن سبا اور اس کے ہم مذہب لوگوں نے اپنی موضوع روایات بڑے بڑے ناموں سے روایت نہ کر رکھی ہوں۔

اسلامی ذخیرۂ کتب میں تاریخ اسلام کی ایک بھی ایسی مستند کتاب نہ ملی جسے مستند تاریخ اسلام کہا جا سکے۔ ہاں ان ادوار میں بعض مؤرخین ایسے ضرور ہوتے جو اپنے علم محنت، شخصیت اور جمع روایات میں مستند مانے گئے لیکن انہوں نے بھی اپنی جملہ روایات کو کبھی مستند ہونے کی سند نہیں دی۔ مؤلفین کا مستند ہونا اور بات ہے اور ان کی جمع مرویات کا مستند ہونا اور بات ہے۔

اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ جب مسلمان اپنے عہد اول کی کوئی مستند تاریخ اسلام مرتب نہ کر پائے تو مسلمان بطور ایک قدیم قوم کے کیسے آگے چل سکیں گے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان اپنے دین کے قیام میں کتاب و سنت کے پابند کیے گئے تھے تاریخ کے نہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سفرِ آخرت سے پہلے امت کو نصیحت کی:

ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بهما کتاب الله و سنة نبیه [1]

---

[1] مؤطا امام مالک صد ۳۶۳

سو دورِ اوّل کی کوئی مستند تاریخ اسلام نہ ملنے سے دین میں کوئی کمی نہیں آتی نہ قیام نظامِ اسلامی میں اس سے کبھی کوئی مشکل درپیش ہوتی ہے۔

مؤرخین میں حافظ محمد ابن سعد (ھ) علامہ طبری (۳۱۰ھ) حافظ ابن عبدالبر ۴۶۳ھ حافظ ابن عساکر (۵۷۱ھ) ابن اثیر (۶۰۶ھ) ابن کثیر (۷۷۴ھ) اور علامہ ابن خلدون (۸۰۸ھ) بے شک بلند پایہ مؤرخین گزرے ہیں لیکن ان کے مجموع ہائے تاریخ کو کبھی پوری طرح مستند نہیں مانا گیا ہے۔ یہ حضرات اپنے راویوں سے کئی کئی طرح کی روایات لائے ہیں اور دروغ برگردنِ راوی کے اصول پر کاربند رہتے ہوئے انہوں نے اہلِ کذب راویوں سے بچنے میں کوئی زیادہ احتیاط نہیں کی۔ بدمذہب اور جھوٹے راویوں کی جانچ پڑتال کیے بغیر انہیں اپنی کتابوں میں جگہ دے دی۔ اب ہم ان کی روایات کو قرآن و حدیث سے ملی معلومات اور اصولِ درایت پر پرکھے بغیر کبھی قبول نہ کر سکیں گے۔ انہیں یہ کہہ کر کبھی قبول نہ کیا جا سکے گا کہ یہ روایات تاریخ کی مستند کتابوں میں موجود ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ تاریخ اسلام کی کوئی کتاب بذاتِ خود مستند نہیں مانی گئی۔ ان سے تاریخی مواد تو ضرور ملتا ہے لیکن بلا دیکھ بھال اور راویوں کی پڑتال کیے بغیر ان سے مستند تاریخ ہمیں نہیں ملتی اور جو مؤلفین ان کتابوں کو تاریخ کی مستند کتابیں سمجھتے ہیں۔ وہ ان کتابوں اور ان کے مؤلفین کے دابِ تالیف سے یکسر بے خبر ہیں۔

ہاں ان کتابوں میں دی گئی ان روایات کو راویوں کی جانچ پڑتال اور انہیں اصولِ روایت و درایت پر پرکھنے سے ہمیں مستند تاریخی مواد ضرور مل جاتا ہے جس سے متاخرین نے اس دور میں بعض کتابیں مستند مرتب کی ہیں۔ لیکن ان میں بھی ان مصنفین کی بعض بشری کمزوریوں سے بعض کمزور روایات جگہ پا گئی ہیں۔ سو علمائے امت نے دین کو ہمیشہ کتاب و سنت کے چشموں سے لیا ہے۔ عقائد کی ترتیب میں تاریخ کو کوئی اساسی حیثیت نہیں دی۔

دیکھئے علامہ طبری اپنی کتاب تاریخ الملوک والامم میں غلط راویوں کی دی گئی روایات کی ذمہ داری سے اس طرح نکلتے ہیں:۔

فلیعلم انہ لم یأت فی ذلک من قبلنا وانما اتی من قبل بعض ناقلیہ الینا۔[1]

---

[1] مقدمہ تاریخ طبری ص

ترجمہ. جان لیجیے کہ ایسی باتیں اس میں ہماری طرف سے نہیں آئیں یہ اس کے بعض راویوں سے ہم تک آئی ہیں.

علامہ طبری نے واقدی جیسے مؤرخین سے جو روایات نقل کی ہیں ان کی ذمہ داری دروغ بر گردن راوی کے اصول پر واقدی پر آتی ہے. علامہ طبری ان کی ذمہ داری لیتے تو انہیں واقدی کے نام سے روایت نہ کرتے. حضرت عثمانؓ کے خلاف یورش کرنے والے باغی جب مصر سے مدینہ کی طرف چلے تو طبری نے ان کے کوائف واقدی کے حوالے سے پیش کیے ہیں اور ان میں بھی مؤرخ طبری یہ بات کہہ گئے ہیں:۔

واقدی نے مصریوں کی حضرت عثمانؓ کی طرف نکلنے کی بہت سی باتیں لکھی ہیں ان میں سے بعض کے ذکر سے میں نے اعراض کیا ہے مجھے ان کی قباحت وشناعت کے سبب ان کے ذکر کرنے سے گھن آتی ہے۔[1]

جب طبری کا حال یہ ہے تو دوسرے مؤرخین کا کیا حال ہو گا جو روایتیں گھڑنے سے مطلقًا حیا نہیں کرتے. قاضی ابوبکر ابن العربی (۵۴۳ھ) لکھتے ہیں:۔

ولا تسمعوا المؤرخ کلامًا الا للطبری فانھم ینشئون احادیث فیھا استحقارۃ الصحابۃ والسلف والاستخفاف بھم.[2]

ترجمہ. اور تم ان ابواب میں سوائے طبری کے کسی مؤرخ سے کوئی بات نہ سنو وہ ایسی حدیثیں خود گھڑتے ہیں جن سے صحابہ سلف صالحین کی تحقیر ہوتی ہے اور ان کے بارے میں استخفاف لازم آتا ہے.

قاضی صاحب کی یہ وصیت آب زر سے لکھنے کے لائق ہے:۔

فاقبلوا الوصیۃ ولا تلتفتوا الا ما صح من الاخبار واجتنبوا اھل التواریخ.[3]

ترجمہ. میری یہ وصیت پلے باندھو ان روایات کی طرف ہرگز دھیان نہ کرو سوائے ان اخبار کے جو صحیح طور پر ہم تک پہنچیں اور ان اہل تاریخ سے پوری طرح بچو.

---

[1] تاریخ طبری جلد ۳ ص ۳۹۱ [2] العواصم ص ۲۴۷ [3] ایضًا ص ۲۴۵

البتہ یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ امام زہری کے شاگرد موسیٰ بن عقبہ جو امام مالک کے استاد تھے انہوں نے دوسروں کی نسبت صحت روایت کا کچھ التزام کیا ہے۔ لیکن افسوس کہ یہ کتاب عام شائع نہ ہو سکی۔ علامہ شبلی لکھتے ہیں:۔

موسیٰ کی کتاب آج موجود نہیں لیکن ایک مدت تک شائع و ذائع رہی ہے اور سیرت کی تمام قدیم کتابوں میں کثرت سے اس کے حوالے آتے ہیں۔[1]

حافظ ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) اور حافظ کثیر (۷۷۴ھ) تاریخ کے ان ذخیروں کو مستند تسلیم نہیں کرتے۔

حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:۔

المورخون الذین یکثرون الکذب فیما یرودنہ وقل ان یسلم نقلہم من الزیادۃ والنقصان۔[2]

ترجمہ۔ مورخین جو اپنی مرویات میں زیادہ سے زیادہ جھوٹ لاتے ہیں اور بہت کم ہیں کہ ان کی نقل زیادتی اور کمی سے بچی ہو۔۔۔۔ الخ

وانما ھو من جنس نقلۃ التواریخ التی لا یعتمد علیھا اولوا الابصار۔[3]

ترجمہ۔ اور یہ بات تاریخ نقل کرنے والے لوگوں کی روایت سے جن پر آنکھوں والے کبھی ان پر بھروسہ نہیں کرتے۔

اور حافظ ابن کثیر کی رائے بھی ملاحظہ کرلیں۔ آپ لکھتے ہیں:۔

اور بہت سے مؤرخین مثلاً ابن جریر وغیرہ نے مجہول راویوں سے ایسی خبریں ذکر کی ہیں جو صحاح کے ثابت شدہ حقائق کے مخالف ہیں ان پر اعتماد کیا جائے یا انہیں رد کیا جائے اس پر آپ نے یہ فیصلہ دیا ہے:۔

فہی مردودۃ علیٰ قائلہا وناقلہا واللہ اعلم۔[4]

ترجمہ۔ یہ روایتیں اپنے غیر ثقہ دعویداروں اور راویوں پر رد کی جائیں گی (قبول نہ کی جائیں گی)

تاریخ کی اس قسم کی روایتیں ہرگز قبول ہونے کے لائق نہیں خصوصاً وہ جن کے قبول

---

[1] سیرت النبی ص۲۳ [2] منہاج السنۃ جلد ۳ ص۱۹۲ [3] ایضاً ص۲۴۲ [4] البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص۱۴۷

کرنے سے کتاب و سنت کے بہت سے فیصلوں سے ٹکراؤ لازم آتا ہے۔

یہ صرف ان قرونِ متوسطہ ہی کی پیداوار نہیں اس دورِ جدید میں بھی سیرت نگاروں نے اس اصول کو قائم رکھا ہے وہ یہ جانتے ہوئے کہ عبداللہ بن سبا اور اس کے پیروؤں نے صحابہ کرام کی شخصیتوں کو بری طرح مجروح کیا ہے۔ کبھی تاریخ کے ان غیر مستند قدیمی ذخیروں کو مستند نہیں کہہ پائے۔ ان حضرات کی چند آرا ہم بھی ذکر کیے دیتے ہیں۔

چودہویں صدی کے تاریخ دانوں کی رائے

یہ صحیح ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں قرآن و حدیث کے علوم کی سب سے بڑی درسگاہ دارالعلوم دیوبند سمجھی جاتی ہے لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ دیوبندی علماء کی زیادہ توجہ تاریخ پر نہیں رہی قرآن و حدیث پر رہی ہے۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء نے تاریخ کی طرف زیادہ توجہ کی ہے اور عصری تقاضوں کی روشنی میں گرانقدر علمی سرمایہ مہیا کیا ہے۔

نامناسب نہ ہو گا کہ ہم یہاں ان بعض علماء کی آراء بھی نقل کر دیں جو تاریخ کے موضوع پر آگے بڑھے اور وہ بھی اس نتیجہ پر پہنچے کہ ہمارے ہاں کوئی کتابیں تاریخ کی پوری مستند کتابیں نہیں ہیں۔ مولانا شبلی نعمانی (۱۳۳۲ھ) لکھتے ہیں :۔

> سیرت پر اگرچہ آج بھی سینکڑوں تصنیفیں موجود ہیں لیکن سب کا سلسلہ جا کر صرف تین چار کتابوں پر منتہی ہوتا ہے۔ سیرت ابن اسحاق، واقدی، ابن سعد طبری ان کے علاوہ جو کتابیں ہیں وہ ان سے متاخر ہیں اور ان میں جو واقعات مذکور ہیں زیادہ تر انہی کتابوں سے لیے گئے ہیں.... ان میں سے واقدی تو بالکل نظر انداز کر دینے کے قابل ہے۔ محدثین بالاتفاق کہتے ہیں کہ وہ خود اپنے جی سے روایتیں گھڑتا ہے۔... ابن سعد کی نصف سے زیادہ روایتیں واقدی کے ذریعہ سے ہیں اس لیے ان روایتوں کا وہی مرتبہ ہے جو خود واقدی کی روایتوں کا ہے۔۔ طبری کے بڑے بڑے شیوخ روایت مثلاً سلمہ بن الابرش ابن سلمہ وغیرہ ضعیف الروایۃ ہیں۔ اس بناء پر مجموعی حیثیت سے سیرت کا ذخیرہ کتب حدیث کا ہم پلہ نہیں۔ البتہ ان میں سے جو تحقیق و تنقید کے معیار پر اتر جائے وہ حجت اور استناد کے قابل ہے۔[1]

---

[1] سیرت النبی ص ۴۸ و ص ۴۹

علامہ شبلی نے یہ رائے دی ہے کہ تاریخ کے ان ذخیروں میں جو روایات ہیں ان کو تحقیق وتنقید کی کسوٹی پر لائے بغیر قبول نہ کیا جائے۔ یہ کہنا کہ یہ روایات تاریخ کی مستند کتابوں میں موجود ہیں یہ سوچ ہرگز درست نہیں نہ ان کے بل بوتے صحابہ کرام رض کی کسی شخصیت کو مجروح کیا جا سکتا ہے۔ علامہ شبلی یہ بھی لکھتے ہیں :-

ابن سعد اور طبری میں کسی کو کلام نہیں لیکن افسوس ہے کہ ان لوگوں کا مستند ہونا ان کی تصنیفات کے مستند ہونے پر چنداں اثر نہیں ڈالتا۔ یہ لوگ خود شریک واقعہ نہیں اس لیے جو کچھ بیان کرتے ہیں راویوں کے ذریعہ سے بیان کرتے ہیں لیکن ان کے بہت سے رواۃ ضعیف الروایۃ اور غیر مستند ہیں۔ [1]

مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی بھی لکھتے ہیں :-

بہت سے غلط واقعات تاریخ کا جزو بن گئے حتیٰ کہ مؤرخ ابن جریر طبری اپنی محدثانہ تنقید کے باوجود اپنی کتاب کو غلط روایات سے محفوظ نہ رکھ سکا اور آغاز تاریخ اسلام میں جو واقعات پولٹیکل مقاصد کے لیے تراشے گئے تھے ان میں داخل ہو گئے۔ [2]

علمائے دیوبند کی بھی تحقیق یہی ہے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رح (۱۳۷۷ھ) لکھتے ہیں :-

مؤرخین کی روایتیں عموماً بے سروپا ہوتی ہیں نہ راویوں کا پتہ ہوتا ہے نہ ان کی توثیق وتجریح کی خبر ہوتی ہے نہ انفصال و انقطاع سے بحث ہوتی ہے اور اگر بعض متقدمین نے سند کا التزام بھی کیا ہے تو عموماً ان میں سے ہر غث وسمین سے اور ارسال و انقطاع سے کام لیا گیا ہے جو ابن اثیر ہوں یا ابن قتیبہ۔ ابن ابی الحدید ہوں یا ابن سعد۔ ان اخبار کو مستفاض و متواتر قرار دینا بالکل غلط ہے۔ [3]

دیوبند کے ایک دوسرے عالم مولانا عامر عثمانی رح کی رائے بھی اس کے قریب قریب ہے۔

---

[1] سیرت النبی جلد ۱ صفحہ ۴۹ [2] سیر الصحابہ جلد ۱ صفحہ ۱۴ [3] مکتوبات شیخ الاسلام صفحہ ۲۶۶

اب بجائے اس کے کہ ان ناقد علماء کرام کی ان کاوشوں کو خراجِ تحسین ادا کیا جائے جنہوں نے تاریخ کے ان ابتدائی غیر مستند ذخیروں کو اپنی تحقیق و تنقیح سے کسی درجہ لائق انتفاع بنایا، قوم کو پھر سے ان غیر مستند ذخیروں پر لاڈالنا اور اسے ایک آزاد رائے بتلانا علم و تحقیق کے کسی تقاضے کو پورا نہیں کرتا۔

مولانا مودودی صرف اس لیے ان پرانے غیر مستند تاریخی ذخیروں کو معتبر قرار دینے پر مصر ہیں کہ وہ کسی طرح صحابہ کرام کے ان وکلاء سے اپنی جان چھڑالیں جنہوں نے صحابہ کے خلاف سبائیوں کی تمام سازشوں کو بالکل تار تار کر دیا ہے۔

صحابہ کے وہ وکلاء کون کون سے ہیں جن کی بات مولانا مودودی ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں، آپ لکھتے ہیں :-

> میں یہ بات بھی واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میں نے قاضی ابوبکر ابن العربی امام ابن تیمیہ اور حضرت شاہ عبدالعزیز پر انحصار کیوں نہ کیا جس وجہ سے اس مسئلے میں میں نے ان پر انحصار کرنے کی بجائے براہ راست اصل ماخذ سے خود تحقیق کرنے اور اپنی آزادانہ رائے قائم کرنے کا راستہ اختیار کیا وہ یہ ہے کہ ان تینوں حضرات نے اپنی کتابیں شیعوں کے شدید الزامات اور ان کی افراط و تفریط کے رد میں لکھی ہیں جس کی وجہ سے ان کی حیثیت وکیل صفائی کی سی ہو گئی ہے۔[1]

مولانا مودودی نے کن دو حلقوں سے نکل کر یہ ایک آزادانہ رائے قائم کی ہے؟ اس پر غور کریں۔ آپ سوادِ اعظم اہل سنت اور شیعوں کے درمیان کھڑے ہوئے ہیں۔ اب جبکہ آپ ایک تیسری راہ قائم کرنا چاہتے ہیں تو انہیں خواہ مخواہ اہل سنت میں رہنے پر مجبور کرنا یہ ہرگز درست نہیں۔ البتہ یہ بات ضرور ہے کہ مولانا مودودی ان قدیم تاریخی ذخیروں کو مستند سمجھنے میں سخت غلطی کا شکار ہیں اور حق یہ ہے کہ پہلے دور میں ہمیں تاریخ کی کوئی مستند کتاب نہیں ملتی اور اس پر ہم عظیم علماء اسلام کی چند واضح شہادتیں پیش کر آئے ہیں۔

مولانا مودودی نے حضرت عثمانؓ کے خلاف الزامات لگانے میں اس دورِ اول کے غیر مستند تاریخی ذخیروں کو مستند تاریخی کتابیں قرار دینے میں ایک ذاتی غلطی کی ہے۔

---

[1] ترجمان القرآن ماہ ستمبر ۱۹۶۵ء ص ۱۷

آپ لکھتے ہیں :۔

جو تاریخی مواد ان مضامین میں پیش کیا گیا ہے وہ تاریخ اسلام کی مستند کتابوں سے ماخوذ ہے۔ [1]

حق یہ ہے کہ دورِ اوّل میں تاریخ کی کوئی مستند کتاب کہیں بھی ہی نہیں۔

سِرِ خدا کہ عارف و زاہد کسے نگفت
در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید

مؤرخین کی غلط روایتوں سے بچ نکلنے کی ایک اُصولی راہ

آنحضرت ؐ نے اپنے بعد جلدی واقع ہونے والے افتراقِ امت کی خبر دی تو ساتھ ہی فرمایا، اس افتراق میں نجات کے لائق وہی ہوں گے جو میرے اور میرے صحابہ کی راہ پر ہوں (ما انا علیہ و اصحابی) اس سے یہ واضح ہوا کہ اس دور میں ایسے رواۃ اخبار جن کی روایات سے صحابہ کرام رض کی شخصیات کسی درجہ میں مجروح ہوتی ہوں کسی طرح لائق قبول نہ سمجھے جائیں گے۔ سو ہدایتِ نبوی سے یہ ایک اصولی راہ مل گئی کہ اختلاف کے اس دور میں سلامتی اسی طرف رہنے میں ہے جس میں صحابہ کی عزت و ناموس برقرار رہے اور جو روایات ان کی شخصیات کو مجروح کریں لائق رد سمجھی جائیں۔

اور یہ بھی درست ہے کہ اس امت میں حافظ ابن تیمیہؒ اور حضرت شاہ ولی اللہؒ جیسے محدثین نے امت کی رہنمائی کے لیے اپنی تحقیقات میں اسی راہِ عمل کو اختیار فرمایا ہے جس میں صحابہ کی عزت و ناموس قائم رہے اور انہوں نے اپنی ایک دینی ذمہ داری سمجھا کہ وہ ما انا علیہ و اصحابی کی روشنی میں چلیں صحابہ کرام رض کے وکیل اس میں غیر جانبدار نہ رہیں۔

اب ظاہر ہے کہ حضور ؐ کے اس ارشاد کی روشنی میں کسی مسلمان کے لیے اس سے بڑی سعادت اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ صحابہ کرام کا وکیل بنے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اسلام ایسی وکالت کی ہرگز اجازت نہیں دیتا جس میں کسی وکیل کو حق سے کسی درجے میں تجاوز کرنا پڑے۔ اب یہ کیسے مانا جا سکتا ہے کہ یہ اکابر اہل علم محض وکالت کی خاطر حقائق اور کتاب و سنت کے خلاف چلیں اور یہ درست ہے کہ آج کل وکالت کا پیشہ بہت بدنام ہو چکا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ

---

[1] ترجمان القرآن ماہ ستمبر ۱۹۶۵ء

یہ وکالت، ایک کاروبار بن گیا ہے اور اس وکالت پر بھاری رقمیں وصول کی جاتی ہیں۔ سو جن علماء حق نے صحابہ کی علمی وکالت کی ان کی اس دینی خدمت کو عہد حاضر کے پیشہ وکالت پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

اس صورت عمل میں یہ سوچ ہرگز کسی پذیرائی کے لائق نہیں۔ مولانا مودودی کی صحابہ کرام سے کنارہ کشی کرنے کی دلیل آپ اوپر پڑھ آئے ہیں:۔

> میں نے قاضی ابوبکر ابن العربی (۵۴۳ھ) کی العواصم من القواصم، امام ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) کی منہاج السنۃ اور حضرت شاہ عبدالعزیز کی تحفہ اثناعشریہ پر انحصار کیوں نہ کیا... تینوں حضرات نے دراصل اپنی کتابیں شیعوں کے شدید الزامات اور ان کی افراط و تفریط کے رد میں لکھی ہیں۔ جس کی وجہ سے عملاً ان کی حیثیت وکیل صفائی کی سی ہو گئی ہے اور وکالت خواہ وہ الزام کی ہو یا صفائی کی اس کی عین فطرت ہوتی ہے کہ اس میں آدمی اس مواد کی طرف رجوع کرتا ہے جس سے اس کا مقدمہ مضبوط ہوتا ہو اور وہ اس مواد کو نظر انداز کر دیتا ہے جس سے اس کا مقدمہ کمزور ہو جائے [۱]

یہ اسی طرح ہے جیسے کوئی شخص کہے کہ عیسائیوں کے ان الزامات کے جواب میں جو انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر کیے ہیں جو کتابیں حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے لکھی ہیں ان کا اعتبار نہ کیا جائے۔ کیونکہ انہوں نے یہ کتابیں اسلام کے وکیل کے طور پر لکھی ہیں اور وکالت خواہ وہ الزام کی ہو یا صفائی کی اس کی عین فطرت یہ ہوتی ہے کہ اس میں آدمی .... اس مواد کو نظر انداز کر دیتا ہے جس سے اس کا مقدمہ کمزور ہو جائے۔

اس کا حاصل اس کے سوا کیا سمجھا جا سکتا ہے کہ عیسائیوں اور آریوں کے اسلام پر کیے گئے اعتراضات کے جواب میں جو کچھ علماء اسلام نے لکھا ہے وہ بطور وکیل لکھا ہے اور انہوں نے اس مواد کو نظر انداز کر دیا ہے جس سے حضورؐ کی شخصیت گرامی کسی درجہ میں مجروح ہوتی ہے۔ استغفراللہ العظیم من ذلک الفکر اللئیم۔

عبداللہ بن سبا یہودی کی سازشوں سے صحابہ کرامؓ کی شخصیتوں کو مجروح کرنے کی

---

[۱] ترجمان القرآن ستمبر ۶۵ ص ۶۷

آندھی چلی اور حضورؐ کے اس ارشاد کی روشنی میں کہ صحیح راہ وہی ہوگی جس پر میں اور میرے صحابہؓ چلے ہوں۔ محدثین، مفسرین اور فقہاء، متکلمین صحابہ کی وکالت میں اُٹھے اور انہوں نے روافض و خوارج کو ہر معرکے میں شکستوں پر شکستیں دیں۔ اب صحابہ کرام کی وکالت کرنے والے علماء حق اور علماء اعلام کو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ جانبدار ہیں اور ان کی بات قرار واقعی وزن نہیں رکھتی۔

غیر مستند تاریخی ذخیروں کو استعمال کرنے کی علمی راہ

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد:

جب یہ بات سمجھ میں آگئی کہ مسلمانوں کے پاس اپنے دورِ اول کی کوئی مستند تاریخی کتاب نہیں. البتہ کچھ مستند مؤرخین ضرور ہوتے جو اپنی کتابوں میں ہر طرح کی رطب ویابس اور مستند اور موضوع روایات لاتے رہے. تو سوال ابھرتا ہے کہ پھر تحقیق سے کام لینے والے ان تاریخی ذخیروں سے کس طرح استفادہ کریں. اس کا جواب اختصاراً ہم پہلے دے آئے ہیں. اب اس کے لیے ہم ایک قاعدہ عقلیہ بھی یہاں بیان کیے دیتے ہیں.

عدالتوں میں جو گواہ بھی سامنے آئے وہ اپنی ذات میں ایک بے داغ اور لائق اعتماد شخصیت ہوتا ہے جب تک کہ فریق مخالف کی جرح سے اس کا مجروح اور ناقابل اعتبار ہونا ثابت نہ ہو جائے. پھر جب وہ مجروح ثابت ہو گیا تو اب اس کی عدالت میں دی گئی گواہی ساقط الاعتبار ہو جائے گی. اس سے معلوم ہوا کہ کسی شخص کے بارے میں نیک گمان کرنے کے لیے کسی دلیل کی ضرورت نہیں. البتہ اس کے خلاف، کسی بدگمانی کے لیے دلیل ضرور درکار ہے. ہم کسی کے خلاف بلا دلیل بدگمانی کر لے کے کسی طرح مجاز نہیں ہیں.

صحابہ کرامؓ سب کے سب اپنی جگہ ثقہ. لائق اعتبار اور دیانت دار ہیں. کوئی بات جو ان کی عمومی نیک زندگی اور بزرگانہ شخصیت کے خلاف ان غیر مستند تاریخی ذخائر میں ملے تو ان کی جانچ پڑتال کی پوری ضرورت ہوگی اور اس کے رواۃ کو جرح و تعدیل کی میزان پر ضرور لایا جائے گا اور دو طرح کی روایات میں جو بات ان کے حق میں جائے اس پہ کسی مزید تحقیق کی ضرورت نہ ہوگی.

ہم مؤرخ طبری کی اس روایت کو حضرت عثمانؓ کی عام نیک زندگی سے ہم آہنگ پاتے ہیں:-

> میں اللہ کے مال میں سے ایک درہم بھی نہیں اٹھاتا ہیں کھانا تک بھی اپنے ہی مال سے کھاتا ہوں. [۱]

اب اس کے خلاف ایک دوسری روایت لیجیے:-

---

[۱] طبری جلد ۳ صہ ۳۸۵

حضرت عثمانؓ پر یہ الزام لگایا گیا کہ انہوں نے اپنے اقرباء میں سے مروان کو پندرہ ہزار اور ابن اسید کو پچاس ہزار کی رقم خطیر بطور امداد دی ہے۔ اس روایت میں ہے کہ آپ نے ایک مجلس میں جس میں عشرہ مبشرہ کے چار بزرگ اور حضرت معاویہؓ بھی موجود تھے اس کی وجہ ان الفاظ میں بیان کی :-

میرے دونوں پیشرو اپنی ذات اور اپنے رشتہ داروں کے معاملے میں سختی برتتے رہے مگر رسول اللہؐ تو اپنے رشتہ داروں کو مال دیا کرتے تھے۔ میں ایک ایسے خاندان سے ہوں جس کے لوگ قلیل المعاش ہیں اس وجہ سے میں نے اس خدمت کے بدلے میں جو اس حکومت کی کر رہا ہوں اس مال میں سے روپیہ لیا ہے اور اپنے اقرباء کو دیا ہے اور میں سمجھتا ہوں مجھے ایسا کرنے کا حق ہے۔ اگر آپ لوگ اسے ناحق سمجھتے ہیں تو ان رقوم کو واپس کرنے کا فیصلہ کر دیجیے۔ چنانچہ یہ رقوم ان دونوں سے بیت المال کو واپس دلوائی گئیں۔

(یہ روایت تاریخ طبری جلد ۳ صہ ۳۸۲ میں موجود ہے)۔

اس روایت کی تحقیق کی جائے تو اس کے رواۃ میں ایک راوی اسحق بن یحییٰ ملے گا اس کے بارے امام جرح و تعدیل یحییٰ بن معین کہتے ہیں۔ لا یکتب حدیثہ۔ اس کی بات نہ لکھی جائے گی۔ امام احمد اور امام نسائی فرماتے ہیں یہ شخص متروک الحدیث ہے۔ ائمہ حدیث اسے ترک کر چکے ہیں۔ علامہ ذہبی میزان الاعتدال جلد ا صہ ۹۵ پر اسے لا شئی ء کے الفاظ سے نقل کرتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ اس روایت سے حضرت عثمانؓ کے بارے میں آپ کی پہلی روایت کو رد نہ کیا جا سکے گا۔ پھر یہ بھی ہے کہ اس روایت کو حضرت طلحہؓ کے ایک صغیر السن بیٹے موسیٰ کے سوا اور کوئی نقل نہیں کرتا۔ جب حضرت علیؓ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ اس مجلس میں موجود پائے گئے ہیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان اکابر میں سے کوئی اس کہانی کو کیوں روایت نہیں کرتا؟ یہ درست ہے کہ اسے ایک مستند مؤرخ علامہ طبری نے نقل کیا ہے۔ لیکن اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ روایت مستند نہیں ہے۔ ایک لا شئی درجے کا راوی اسے روایت کرتا ہے۔ مؤلف کا مستند ہونا اور بات ہے اور اس کی کتاب

کا پورے طور پر مستند ہونا اور بات ہے۔ بالخصوص جب کہ وہ خود ان روایات کی ذمہ داری نہیں لیتا۔ ان کی ذمہ داری اس کے راویوں پر ڈالتا ہے

پھر اس بات کو بھی نظر انداز نہیں کیا سکتا کہ اس روایت میں حضرت عثمانؓ بڑی جرأت سے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کی پالیسی سے ہٹ رہے ہیں اور ان صحابہؓ میں سے کوئی انہیں نہیں کہتا کہ عقد خلافت کے وقت تو آپ نے ان کی سیرت پر کار بند رہنے کا اقرار کیا تھا۔ اب آپ اس پالیسی سے کیوں ہٹ رہے ہیں؟

یہ روایت خود بتلا رہی ہے کہ یہ الفاظ حضرت عثمانؓ کے کہے نہیں ہو سکتے۔ کوئی حکمران اپنی کسی غلطی کو اس کھلے پیرائے میں بیان نہیں کرتا۔ اس پہلو سے یہ روایت درایۃً بھی قابل قبول نہیں ہوتی۔

اسی طرح ابن سعد مؤلف طبقات ابن سعد کے معتبر ہونے میں کلام نہیں لیکن جب اس کی روایت میں بھی کذاب قسم کے راوی آموجود ہوں تو اس مستند مؤرخ کے حوالے سے اس کے غیر مستند تاریخی مواد کو قبول نہ کیا جا سکے گا۔ خصوصاً خلفائے راشدینؓ کے خلاف جن کا تزکیہ قرآن و حدیث کی روشنی میں اپنی جگہ اجلی بدیہیات میں سے ہے۔

ابن سعد جلد ۳ صفحہ ۶۴ کی روایت ملاحظہ ہو:۔

> حضرت عثمانؓ نے مصر کا خمس اپنے داماد مروان کو دیا اور اپنے رشتہ داروں کو بڑے بڑے عطیے دیئے۔ یہاں تک کہ لوگوں نے آپ کے اس عمل کو منکرات میں سے ٹھہرایا۔ فانکر الناس علیہ — لوگوں نے آپ کی اس پالیسی پر بہت پکڑ کی۔

ابن سعد نے یہ روایت مؤرخ واقدی سے لی ہے۔ علامہ شبلی نعمانی نے واقدی کو سیرت النبی میں بے نقاب کیا ہے:۔

> واقدی کی لغو بیانی مسلمہ عام ہے اور اس لیے ان کی شہرت بدنامی کی شہرت ہے۔[1]

سو یاد رکھیئے کہ مستند مورخین وہ ابن سعد اور طبری کیوں نہ ہوں جب کہیں واقدی جیسے غلط راوی سے وہ کوئی بات لیں تو وہ ہرگز قابل قبول نہ سمجھی جائے گی۔ چہ جائیکہ ان کی

---

[1] سیرت النبی جلد ۱ صفحہ ۲۲

کی بنا پر خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم میں سے کسی کے کردار کو مجروح کیا جائے۔

ایک مثال ہم یہاں پیش کیے دیتے ہیں

"ابن سعد نے صرف دو واسطوں سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے یہ بات نقل کی ہے کہ انہوں نے مصر کا خمس اپنے داماد مروان کو دے دیا تھا"

کیا یہ دو واسطوں کا لفظ کذاب راوی پر پردہ ڈالنے کے لیے نہیں۔ تحقیق سے کام لینے والا یہ ضرور پوچھے گا کہ یہ دو واسطے کن لوگوں کے ہیں ان میں جب وہ واقدی کو دیکھے گا تو وہ کہہ اُٹھے گا کہ واقدی جیسے راویوں کے بیان سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی دیانت وامانت اور دینی وجاہت کو مجروح نہیں کیا جا سکتا۔ جن حضرات کا تزکیہ و تعدیل اللہ رب العزت اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے۔ ان کے بارے میں اس درجہ کے کذاب راویوں کی روایت ہرگز قابل قبول نہیں سمجھی جا سکتی۔

ابن سعد کو یہ روایت واقدی نے سنائی ہے۔ ابن سعد نے اسے امام زہری سے نہیں لیا۔ اب واقدی کو نظر انداز کر کے اسے ان الفاظ سے بیان نہیں کیا جانا چاہیئے کہ اسے ابن سعد نے دو واسطوں سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے لیا ہے۔

سو اس اصول پر ہم واپس لوٹتے ہیں کہ اسلام کے دور اول کے یہ بعض مؤرخین بے شک مستند ہیں لیکن ان کی کتابیں ہرگز پوری مستند نہیں مانی گئیں۔ سو جب تک ان کی پیش کردہ روایات تحقیق اور پڑتال کی میزان پہ نہ تولی جائیں انہیں یہ کہہ کر ہرگز قبول نہ کیا جائے گا کہ فلاں مستند مؤرخ نے اسے دروغ بر گردن راوی کے قاعدہ کے تحت اپنی کتاب میں روایت کیا ہے۔

مولانا مودودی خود بھی تسلیم کرتے ہیں کہ تاریخ کی کتابوں پر تحقیقی کام پورا نہیں پایا آپ لکھتے ہیں:-

> اس میں شک نہیں کہ تاریخ کے معاملے میں چھان بین، اسناد اور تحقیق کا وہ اہتمام نہیں ہوا ہے جو احادیث کے معاملہ میں پایا جاتا ہے۔[1]

یہ حقیقت تسلیم کرنے کے بعد معلوم نہیں وہ محض تاریخ کے سہارے قرآن و حدیث

---

[1] خلافت و ملوکیت صفحہ ۳۰۲

کے نفضیلت یافتہ حضرات کے خلاف یہ تاریخ کی یہ چنگاری کیوں سلگا رہے ہیں کہ وہ واقدی کی روایت سے حضرت عثمانؓ جیسی عظیم شخصیت پر جرح کرنے پر قادر ہو گئے۔

حدیث اور تاریخ میں فرق کی وجہ کیا رہی ہے

تاریخ اور حدیث کی کتابوں میں یہ جو فرق بتلایا گیا ہے کیا اس کی وجہ علماء کی کوئی کمزوری رہی ہے یا قرونِ اولیٰ میں تاریخ کی کتابوں میں اس درجہ کی محنت ضروری نہ سمجھی گئی تھی۔

حدیث سے دین ثابت ہوتا ہے۔ قرآن کریم کی عملی تفسیر ملتی ہے۔ شریعت مکمل ہوتی ہے۔ فقہ کا عمل کشید علم کے انہی چشموں سے جاری ہوتا ہے۔ اس لیے علماء نے اس کی طرف زیادہ توجہ کی اور تاریخ سے حالات کا صرف ربط ملتا ہے۔ اس پر نہ عقائد مرتب ہوتے ہیں نہ اس سے شریعت بنتی ہے۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں ہم جب حلال و حرام کی روایتیں لیں تو ہم اس میں سختی سے کام لیتے ہیں اور جب ان امور کا بیان ہو جو شریعت میں مؤثر نہیں تو ہم قبول روایت میں نرمی برتتے ہیں۔

صحابہ کرامؓ دینی شخصیتیں ہیں خصوصًا وہ صحابہ جن کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نام لے کر منقبت اور فضیلت بیان فرمائی اسلامی عقائد کی کتابوں میں ان کے مقامات تفصیل سے دیئے گئے ہیں۔ سو تاریخ کی وہ روایات جو صحابہ اور ائمہ دین مجتہدین کے بارے میں ہوں گی انہیں ہم بلا جانچ پڑتال کسی درجے میں قبول نہ کریں گے۔ کیونکہ ان سے عقائد اسلام درہم برہم ہوتے ہیں حضورؐ کے ارشادات میں شکوک و وہمات پیدا ہوتے ہیں۔ لسانِ نبوت کی تصدیق کے لیے ہم ان روایات کو ہرگز تسلیم نہ کر سکیں گے جن سے شانِ رسالت مجروح ہوتی ہے۔ اور نہ ائمہ مجتہدینؒ کے بارے میں مؤرخین کی ان خرافات کو قبول کر سکیں گے جن سے دین کے فقہی ذخیرے مجروح ہوتے ہیں۔

سو تاریخ اور حدیث کی کتابوں میں یہ جو فرق پایا جاتا ہے یہ اس لیے نہیں کہ اس میں علماء کی کوئی اپنی کمزوری رہی ہے بلکہ یہ اس لیے ہے کہ مسلمانوں نے قرونِ اولیٰ میں دین کے عقائد اور اعمال سب قرآن و حدیث سے کشید کیے ہیں اور صحابہ کے بارے میں کسی ایسی تاریخی روایت کو قبول نہیں کیا جس سے ان کی تاریخ ان کے بارے میں دیئے گئے حدیثی نقشوں سے متصادم ہوتی ہو۔ مؤلف مودودی سے علماء امت کی ناراضگی کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ مولانا مودودی

اس فرق کو ملحوظ رکھے بغیر صحابہؓ کے بارے میں تاریخ کی غیر مستند روایات پر تکیہ کر لیتے ہیں اور اس میں وہ قرونِ وسطیٰ کی ان تحقیقات کی طرف کچھ توجہ کرنے کے لیے تیار نہیں جو علماء محققین نے اس خلیج کو پاٹنے کے لیے امتِ مسلمہ کو فراہم کی ہیں۔ مولانا مودودی سمجھتے ہیں کہ قرونِ متوسطہ کے یہ محققین صحابہؓ کے وکیل رہے ہیں اور وہ سنی اور شیعہ راہوں میں سے کسی کی راہ پر چلنا نہیں چاہیئے پہلی فرقہ بندی ہی مسلمانوں کے لیے کوئی کم مصیبت نہیں رہی۔ اب اس تیسری راہ کے قائم کرنے سے امت کو کیا ملے گا۔ جو لوگ سمجھتے ہیں کہ اس راہ کو قائم کیے بغیر پاکستان میں اسلامی نظام نہیں آسکتا وہ سخت غلطی میں مبتلا ہیں۔ پاکستان کے مسلمان کبھی علامہ خمینی کے ہم خیال نہ ہو پائیں گے۔ ان کا بے دینی کی راہ پر آنا تو ممکن ہے لیکن وہ کبھی بد دینی کی راہ نہ اپنا سکیں گے۔

مروان کو خمس دینے کی روایت درست نہیں

حضرت عثمانؓ نے جب فاتح مصر حضرت عمرو بن العاصؓ کو افریقہ کی طرف پیش قدمی کے لیے کہا تو انہوں نے رائے دی بحالات ابھی اس طرف بڑھنا مناسب نہیں۔ آپ پہلے مصر کو فتح کیے ہوئے تھے اور ان اطراف اور ان کے حالات سے پوری طرح واقف تھے۔ سو اس طرف بڑھنے کے لیے حضرت عثمان کا پہلے آپ کو کہنا ہی مناسب تھا۔ آپ جب اس کے لیے تیار نہ ہوئے تو آپ نے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو اس کڑی مہم کی کمان کے لیے آمادہ کیا اور انہیں انعامی وعدہ دیا کہ وہ ان افریقی ممالک پر فتح پالیں تو انہیں امام کے خمس کا پانچواں حصہ دیا جائے گا۔ آپ نے انہیں کہا:[1]

ذلك مما افاء الله علی المسلمین خمس الخمس من الغنیمة نفلا۔

ترجمہ: سو تجھے ان اموال سے جو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو غنیمت لوٹائیں امام کے خمس سے پانچواں حصہ دیا جائے گا۔

حضرت عبداللہ بن سعدؓ ۲۷ ہجری میں اس محاذ پر بڑی بے جگری سے لڑے یہاں تک کہ فتح ان کے نصیب رہی۔ مالِ غنیمت کے چار حصے تو فوج میں تقسیم کر دیئے گئے اور امام کا خمس مدینہ منورہ میں حضرت عثمانؓ کو بھیج دیا گیا جسے مروان نے پانچ لاکھ دینار میں

---

[1] تاریخ طبری جلد ۳ صـ ۳۱۳

خرید لیا۔ حضرت عثمانؓ نے اس کا خمس حسبِ وعدہ جرنیل ابن ابی سرح کو دے دیا۔ دوسرے فوجیوں نے اسے پسند نہ کیا۔ حضرت عثمانؓ نے عبداللہ بن سعد سے اسے واپس کرنے کے لیے کہا۔ انہوں نے حالات کی بہتری اسی میں سمجھی اور اسے واپس کر دیا۔

حضرت عثمانؓ نے اپنے انعامی وعدہ کو پورا کرنے کے لیے پھر اتنی رقم اسے اپنے مال سے ادا کی۔ تاہم یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ آپ نے وہ خمس الخمس مروان کو نہ دیا تھا اس نے صرف اسے خریدا تھا۔ علامہ ابن خلدون مغربی (۸۰۸ھ) لکھتے ہیں :-

فاشتراه مروان بن الحکم بخمس مائة الف دینار و بعض الناس یقولون اعطاه بمروان ولا یصح وانما اعطی ابن ابی سرح خمس الخمس من الغزوة الاولی۔[1]

ترجمہ۔ اسے مروان نے پانچ لاکھ دینار میں خرید لیا۔ بعض لوگ کہتے ہیں آپ نے یہ خمس مروان کو دے دیا تھا اور یہ بات درجہ صحت کو نہیں پہنچتی آپ نے یہ خمس الخمس جرنیل ابن ابی سرح کو افریقہ کی اس پہلی فتح پر دیا تھا۔

اب یہاں سوال اُبھرتا ہے کہ پھر خلافت اور ملوکیت میں کس اتھارٹی پر یہ کہدیا گیا:۔

انہوں نے افریقہ کے مال غنیمت کا پورا خمس (پانچ لاکھ دینار) مروان کو بخش دیا۔[2]

یہاں بخش دیا کے الفاظ کتنا گہرا زخم لگا رہے ہیں یہ اس تفصیل کا موقع نہیں جہاں تک اس روایت کے حوالے کا تعلق ہے خلافت و ملوکیت میں صرف واقدی کی اتھارٹی پر یہ دعویٰ کیا گیا ہے۔ ہم کہتے ہیں یہاں واقدی کی بجائے ابن خلدون کی بات زیادہ لائق اعتماد ہے۔ مولانا مودودی واقدی پر زیادہ اعتماد کریں تو یہ ان کی اپنی پسند ہے۔

مولانا مودودی عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کی فوجی صلاحیت کا انکار نہیں کرتے انہیں افریقہ کی اس پوری مہم میں صرف یہ بات ناگوار ہے کہ یہ ابن ابی سرح حضرت عثمانؓ کے رضاعی بھائی تھے۔ آپ نے مروان کو یہ رقم دی ہو یا ابن ابی سرح کو یہ دونوں آپ کے رشتہ دار تھے اور آپ پر اقرباء نوازی کے الزام کے لیے اور یہ بتانے کے لیے کہ آپ کس طرح اپنے عزیزوں

---

[1] تاریخ ابن خلدون جلد ۲ ص ۱۲۹ [2] خلافت و ملوکیت ص ۱۰۶

کو مال بخشتے تھے۔ مولانا کو واقدی کے اس بیان پر تکیہ کرنے کی زیادہ ضرورت تھی۔

یہ صحیح ہے کہ حضرت عثمانؓ صحابہؓ میں صلہ رحمی میں بہت حساس واقع ہوئے تھے خرچ کرنے میں آپ ذات غنی کا مظہر تھے اور سب صحابہ نے جنگ تبوک کے موقعہ پر اس کا جلوہ دیکھا تھا لیکن اس سے بھی تاریخ انکار نہیں کرتی کہ آپ اپنے اقرباء پر یہ خرچ اپنے مال سے کرتے تھے نہ کہ بیت المال سے۔ آپ نے ایک مرتبہ اسے اس طرح واضح کیا۔

واما اعطاءهم فانی اعطیهم من مالی ولا استحل اموال المسلمین لنفسی ولا لاحد من الناس۔[۱]

ترجمہ۔ اور میرا انہیں یہ مال دینا سو بات یہ ہے کہ میں انہیں اپنے مال سے دیتا ہوں اور میں بیت المال کا مال اپنے لیے حلال نہیں سمجھتا اور نہ اور لوگوں میں سے کسی کو میں اس پر تصرف دیتا ہوں۔

تاریخ کی اس شہادت کو بھی چھپایا نہیں جا سکتا:۔

وکان عثمان قد قسم ماله وارضه فی بنی امیة۔[۲]

ترجمہ۔ حضرت عثمانؓ نے اپنے تمام اموال اور زمینیں بنی امیہ میں تقسیم کر دی تھیں۔

اب اگر اس تقسیم میں آلِ حکم کو بھی ایک لاکھ مل گیا تو یہ حضرت عثمانؓ کی عطا ان کے اپنے مال سے تھی بیت المال سے نہ تھی۔ سو اس پر کسی دوسرے کو آپ پر اعتراض کرنے کا حق نہیں ہے۔ ہاں اگر اسی بات کو سبائیوں کی بات سے سنا جائے تو یہ پروپیگنڈا ہو گا کہ آپ (معاذ اللہ) بیت المال سے یہ اقرباء نوازی کرتے تھے۔

اس سے زیادہ ظالم حکمران کون ہو سکتا ہے جو مسلمانوں کے مال سے اپنی کنبہ پروری کرے۔

غلط پیر اور بدعتی علماء اس طرح مسلمانوں کا مال کھاتے تو سُنے تھے لیکن یہ بات باور کرنی بہت مشکل ہے کہ کوئی حکمران مسلمانوں کے مال اس طرح ہضم کر پائے۔ قرآن کریم میں ہے۔

ان کثیرًا من الاحبار والرهبان لیاکلون اموال الناس بالباطل۔ (پ التوبہ ۳۴)

ترجمہ۔ بیشک بہت سے مولوی اور پیر لوگوں کا مال باطل طریقوں سے کھا جاتے ہیں۔

---

[۱] طبری جلد ۳ صفحہ ۳۱۵ [۲] ایضاً

سلطنتیں کفر سے تو زندہ رہ سکتی ہیں ظلم سے نہیں. ظلم سے کوئی حکمرانی جاودانی شہرت نہیں پاتی. چہ جائیکہ تاریخ اسے خلافت راشدہ کہے اور خلفائے راشدین میں اسے سب سے زیادہ دورِ خلافت ملے ـــ سو یاد رکھیے ایسی کوئی روایت جو اتنے نیک لوگوں کے کردار کو مجروح کرے ہرگز پذیرائی کے لائق نہیں ہو سکتی. نیک گمانی بلا دلیل بھی ہو سکتی ہے. بدگمانی کے لیے دلیل ہمیشہ پختہ چاہیئے واقدی جیسے راویوں اور سبائیوں کی روایات سے ہم کسی ایسے شخص کی کردار کشی نہیں کر سکتے جو پیغمبر کی زبان سے ہمیشہ مورد مدح رہا، اور اس کے مناقب پر حدیث کی ہر کتاب پر باب بندھے.

ہم آخر میں اس بات کو پھر دہرائے دیتے ہیں کہ مسلمانوں میں مستند مؤرخین تو بیشک بہت اٹھے لیکن تاریخ کی کوئی مستند کتاب نہیں لکھی جا سکی جس کا سارا مواد غلط راویوں سے محفوظ ہو. سو تاریخ کے طلبہ کو چاہیئے کہ کبھی تاریخ کی کسی کتاب کو مستند نہ کہیں۔ اور مستند مؤرخین کی لائی کمزور روایات پر اپنے کسی عقیدے کی بنیاد نہ رکھیں.

صحابہ کرامؓ کے بارے میں چودہ سو سال بعد ایک نئے عقیدے کی تحریک

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد:

بارہ سو سال سے صحابہؓ کے بارے میں دو ہی راہیں چلی آرہی تھیں جو صحابہؓ کے ساتھ چلے وہ اہل سنت کہلائے اور جو ان کی مخالفت پر اُترے وہ شیعہ کے نام سے جانے جاتے رہے۔ ان دونوں کے درمیان بارہ صدیوں میں کوئی تیسری صف بندی نظر نہیں آتی۔ یہاں تک کہ چودھویں صدی میں ایک بیچ کی راہ نکلی۔ خدا کا شکر ہے کہ اس تیسری لائن پر آگے کوئی جماعت بندی نہیں ہو سکی۔

اسلام ایک دین قدیم ہے جو چودہ سو سال سے قائم ہے اور اس کے ساتھ ایک امت چودہ سو سال سے مسلسل چلی آرہی ہے۔ امتِ مسلمہ کو بطور ایک امت کے اس پر چلتے ہوئے چودہ صدیاں گزر گئیں اس دوران میں صفِ اسلام میں بڑے بڑے محققین پیدا ہوئے۔ اور یہ ائمہ متقنین مسلسل اس دین پر دیکھے گئے۔ انہوں نے اسلام کو اصولاً اور فروعاً ایک نہایت واضح پیرائے میں مدون کیا اور عام افراد امت اس پر بڑی بے فکری سے چلے: تاریخ کے اس سفر میں اہلِ حق باطل فرقوں معتزلہ وجہمیہ روافض وخوارج اور مرجئہ وکرامیہ سے بالکل جدا ہو کر چلے۔ فروعات میں ائمہ مجتہدین نے اسلام کی وسعتِ عمل میں اپنی اپنی ترجیحات قائم کیں اور ایک راہِ عمل کو اختیار کر کے دوسری کئی راہوں کو امت کے دائرہ وسعتِ عمل میں بڑی عزت کے ساتھ جگہ دی، انہیں ایک عقیدہ کی مختلف فرعی راہیں بتایا انہیں مستقل فرقے نہ کہا۔ سب ایک ہی دائرہ اہل سنت میں شامل رہے۔ سو اسلام اپنے اصول وفروع میں اپنی جگہ پوری طرح طے اور مدون تھا کہ چودھویں صدی اپنے اختتام کو آپہنچی۔

چودھویں صدی میں صحابہؓ کے بارے میں نیا موقف

مولانا مودودی کی محققین اہل سنت سے کنارہ کشی ان کی درج ذیل عبارت میں ملاحظہ کریں:-

میں یہ بات واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میں نے قاضی ابو بکر ابن العربی کی العواصم، امام ابن تیمیہ کی منہاج السنۃ اور حضرت شاہ عبدالعزیز کی تحفہ اثنا عشریہ

پر انحصار کیوں نہ کیا۔ میں نے ان پر انحصار کرنے کی بجائے براہ راست اصل ماخذ
سے خود تحقیق کر لے اور اپنی آزادانہ رائے قائم کرنے کا راستہ اختیار کیا اس
لیے کہ ان تینوں نے اپنی کتابیں شیعوں کے شدید الزامات اور ان کی افراط
و تفریط کی رد میں لکھی ہیں۔[1]

چودہویں صدی میں مولانا مودودی نے صحابہ کرامؓ کے بارے میں پرانے عقائد اسلام
سے انحراف چاہا اور جو علماء حق فتنہ سبائیت کے خلاف صحابہ کرامؓ کے وکیل چلے آرہے تھے
ان سے صحابہ کی ناجائز حمایت کی بدگمانی کی۔ آپ نے اپنے تبدیلی عقیدہ کے اس موڑ پر ان پرانے
تاریخی ذخیروں کی طرف رجوع کیا جو ہر طرح کے مجروح و مطرود راویوں پر مشتمل تھے اور اسلام
کی تنقیح یافتہ کتب عقائد پر اعتماد کھو دیا۔ مولانا مودودی اپنے تبدیلی عقیدہ کے اس موڑ پر کھلے
طور پر سواد اعظم اہل سنت اور شیعوں سے جدا ایک تیسرے موقف پر کھڑے نظر آتے ہیں۔

اس کا مطلب اس کے سوا کیا سمجھا جا سکتا ہے کہ یہ امت چودہ سو سال صحابہ کرامؓ کے
بارے میں محض اندھیرے میں ہچکولے کھاتی رہی ہے اور اسے صحابہؓ کے بارے میں اس عہد طویل
میں کوئی بنیادی یقین حاصل نہ ہو پائی۔ یہاں تک کہ چودہویں صدی میں مولانا مودودی کو خیال
آیا کہ اسلام کو نئے سرے سے ایک نیا استناد بخشا جائے۔

افسوس کہ مولانا مودودی نے نہ سوچا کہ غیر قومیں ان کی اس سوچ پر کہیں گی کہ جو قوم
چودہ سو سال تک صحابہ کے بارے میں کسی صحیح عقیدے پر نہ آسکی وہ دیگر عقائد اسلامی میں
کب کسی روشنی میں چلی ہو گی۔ اپنے ماضی سے کٹنے کا یہ نہایت تاریک موقف ہے۔ جو لوگ مولانا
مودودی کی پیروی میں اس دلدل میں کھچے چلے آتے رہے ہیں وہ اس تیسری صف کے لوگ ہیں۔
اب نئے مصلحین کی ایسی ایک اور حرکت کو بھی ملاحظہ کیجئے :-

چودہویں صدی تک امت نماز کی ایک صورت پر جمع نہ ہو سکی۔

اسلام کی پہلی صدی میں امت نماز کی ایک وسیع صورت پر جمع ہو چکی تھی۔ نماز کی تمام
عملی ہیئات اپنی پوری وسعت کے ساتھ امت کے زیر عمل تھیں۔ نماز کی شکل و صورت میں امت
میں کوئی جھگڑا نہ تھا۔ جامع ترمذی کی پہلی جلد میں نماز کی ان تمام صور ممکنہ کی پوری تاریخ مروی
ہے۔ حضور اکرمؐ نے اپنی نمازیں جو جو صورتیں اختیار کیں امت نے ان سب کو کسی نہ کسی درجے

---

[1] ترجمان القرآن ماہ ستمبر ۱۹۶۵ء صفحہ ۴۷

میں باقی رکھا۔ ائمہ مجتہدین نے ان تمام طریقہائے نماز میں کسی ایک میں ترجیح پائی اور ائمہ اربعہ اپنے اپنے طریقہ میں صحابہ کی مختلف ہیئاتِ نماز کے وارث ہوئے۔ پھر اس پر امت پر تیرہ سو سال گزرے اور دنیائے اسلام میں نماز کی یہ مختلف صورتیں امت میں برابر زیرِ عمل رہیں، اور ائمہ دین نے ان میں سے کسی ایک طریقِ عمل کو بھی خلافِ سنّت نہ سمجھا یہاں تک کہ چودھویں صدی آگئی اور غیر مقلدین کا ایک طبقہ اٹھا جنہوں نے نماز کو ایک طریقہ پر لانے کی تحریک شروع کی اور کہا کہ جس طرح امت اصولِ اسلامی میں صرف ایک صورت پر قائم ہے فروعِ اسلامی میں بھی امت میں ایک ہی راہِ عمل ہونی چاہیئے۔ اب اختلاف امتی رحمۃٌ کی بجائے اختلاف امتی نقمۃ کا نظریہ اختیار کر لیا گیا۔

عہدِ صحابہؓ میں امت کسی ایک طریقہ نماز پر بند نہ تھی

جامع ترمذی کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ امت قرونِ اولیٰ میں کسی ایک طریقہ نماز پر بند نہ تھی صحابہؓ میں حضورؐ کے تمام طریقہائے نماز پوری وسعتِ عمل سے جاری تھے۔ جامع ترمذی کی جلد اول کی فہرست پر نظر کرنے سے قارئین کو اس وسعتِ عمل کی مختلف صورتیں نمایاں طور پر ملیں گی۔ امام ترمذی نماز میں ہاتھ باندھنے کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

رای بعضهم ان یضعهما فوق السرة ورای بعضهم ان یضعهما تحت السرة وکل ذلک واسع عندهم[1]

ترجمہ۔ (ان قرونِ خیر میں) بعض ائمہ کی یہ رائے رہی کہ نمازی ہاتھ ناف کے اوپر باندھے اور بعض دوسرے ائمہ اس بات پر ہیں کہ نمازی اپنے دونوں ہاتھ ناف کے نیچے باندھے اور محدثین کے ہاں ایسے اعمال میں صحیح موقف وسعتِ عمل ہے۔

آٹھویں صدی تک نماز کی یہ وسعتِ عمل کس صورت میں قائم رہی حافظ ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) کے الفاظ میں صحابہ کرامؓ کی وسعتِ عمل کو ملاحظہ فرمائیں:۔

فان السلف فعلوا هذا وهذا وکان کلا الفعلین مشهوراً بینهم کانوا یصلون علی الجنازة بقرأة وبغیر قرأة کما یصلون تارة بالجهر

[1] جامع ترمذی جلد ۱ صـ۳۴

بالبسملة وتارة بغير جهر وتارة باستفتاح وتارة بغير استفتاح
وتارة برفع اليدين فى المواطن الثلٰثة وتارة بغير رفع ....
کل ھذا ثابت عن الصحابة۔ [1]

ترجمہ۔ پہلے لوگ دونوں طریقوں پر عمل کرتے رہے اور دونوں حلقوں میں دونوں طرح کے عمل معروف تھے نماز جنازہ میں قرأت کرنے والے بھی تھے اور قرأت کے بغیر جنازہ پڑھنے والے بھی تھے جیسے کبھی نماز میں وہ بسم اللہ بالجہر پڑھتے اور کبھی آہستہ کبھی سبحانک اللّٰھم پڑھتے اور کبھی (اس کے بغیر قرأت شروع کر لیتے) نہ پڑھتے اسی طرح مواطن ثلٰثہ میں (ابتداء میں رکوع جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت) کبھی رفع یدین کرتے اور کبھی صرف شروع میں ہی ہاتھ اٹھاتے تھے۔

اس کے بعد بھی امت میں یہی وسعتِ عمل رہی۔

تیرہویں صدی میں شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی بھی اسی نظریہ وسعتِ عمل پر کاربند رہے۔ آپ لکھتے ہیں :۔

ہم فروعی مسائل میں امام احمد بن حنبل کے طریقہ پر ہیں چونکہ ائمہ اربعہ کا طریقہ منضبط ہے اس لیے ہم ان کے کسی مقلد پر انکار نہیں کرتے۔ ... ہم لوگوں کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ چاروں اماموں میں سے کسی ایک کی تقلید کریں۔ [2]

کسی ایک طریقہ پر عمل کرتے ہوئے یہ حضرات دوسرے فقہی مسالک پر نکیر نہ کرتے تھے۔ چاروں فقہوں میں سے کسی کو وہ خلافِ سنت نہ کہتے تھے۔

چودہویں صدی میں ایک نیا فرقہ غیر مقلدین کے نام سے اٹھا۔ اسے لا مذہب بھی کہتے ہیں یہ اس لیے کہ یہ مذاہبِ اربعہ میں سے کسی ایک مذہب کے پابند نہیں ہیں۔ دیکھتے دیکھتے انہوں نے فروعی اختلاف کے امتیاز کے لیے کئی مسجدیں بنا ڈالیں اور فرقہ وارانہ مساجد سے امت فروعی اختلافات میں بھی ان کے ہاتھوں بُری طرح بٹ گئی ہے ان کی مسجدوں پر مسجد اہلحدیث کے بورڈ لگے ہوئے ہیں اور لوگ نہیں جانتے کہ حدیثوں کے

---

[1] رسالہ سنۃ الجمعۃ لابن تیمیۃ ماخوذ از الانصاف لرفع الاختلاف مدا مطبوعہ ١٩١٠ء
[2] مولفات الشیخ جلد ١١ صـ١٠٦ ترجمہ از مولانا محمد اسمٰعیل غزنوی طبع ١٩٢٧ء

اختلاف میں یہ لفظ مسجد اہلحدیث کیا معنی دیتا ہے. اس سے عام لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ کچھ ایسے مسلمان بھی ہوں گے جو حدیث کو نہیں مانتے اور یہ کہ حجیت حدیث مسلمانوں میں ایک اختلافی مسئلہ ہے. اسی سوچ نے آگے منکرین حدیث کو جگہ دی ہے.

جس طرح مولانا مودودی نے صحابہ کے بارے میں اہل سنت اور اہل شیعہ کے مابین ایک نئی آزادانہ راہ قائم کی اور وہ مدعیانِ اسلام کے چودہ سو سال کے تسلسل میں نہ رہ سکے. اہلحدیث باصطلاح جدید) بھی صحابہ وتابعین کی وسعتِ عمل کو امت میں انتشار کا سبب بتلاکر مسلمانوں کے چودہ سو سال کے تسلسل سے یکسر نکل گئے. مولانا مودودی کو بھی نہ چاہیئے تھا کہ اہل سنت اور شیعہ کے مابین ایک تیسرا پلیٹ فارم قائم کریں اور ان اہلحدیث حضرات کو بھی نہ چاہیئے تھا کہ مذاہب اربعہ کے بالمقابل وہ چودہویں صدی میں ایک نیا مسلک اہلحدیث کے نام سے قائم کریں اور پوری امتِ مسلمہ کو جو چودہ سو سال سے فروعاتِ عملیہ میں وسعتِ عمل پر عقیدہ رکھے ہوئے تھی یکسر گمراہ قرار دیں.

عصرِ حاضر کی ان دو نئی صداؤں کا حاصل اس کے سوا کیا ہے کہ یہ امت چودہ سو سال کا فاصلہ عبور کرنے کے بعد بھی ابھی تک نہ صحابہ کرام کے بارے میں کوئی واضح موقف اختیار کر پائی نہ فروعی اختلاف میں وہ ایک امت ہو کر رہ سکی. افسوس کہ یہ کوتاہ نظر عالم پوری امت کو خیرِ امت کی اتباع اور وسعتِ عمل (ایک دوسرے کو برداشت کرنے) کا کوئی سائبان مہیا نہ کر سکے ؎

ز اجتہاد عالماں کوتاہ نظر　　　اقتدار رفتگاں محفوظ تر

صحابہؓ اور ائمہ کے اپنے اپنے منصب ہیں

ائمہ فقہ وحدیث اس امت کی علمی شخصیتیں ہیں. لیکن صحابہ کرام ہماری دینی شخصیتیں ہیں. ان سے غیر جانبدار ہو کر ہم ان کے روایت کردہ دین پر ہرگز نہیں چل سکتے. ان کے خلاف جب پہلے سے ایک جماعت موجود ہے تو اب کسی تیسری صف کا قیام کن لوگوں سے ہو پائے گا؟ یہ تیسری صف انہی لوگوں سے بنے گی جو پہلے اہل سنت میں شامل تھے دو حلقوں کی موجودگی میں غیر جانبدار ہونے کا اعلان ایک تیسرے گروہ کا قیام ہے، سو یہ اسلامی اتحاد کی ہرگز کوئی راہ نہیں ہے. ایک نئی راہ کی ابتداع ہے.

صحابہؓ کے بارے میں اس تیسرے گروہ کے عقائد

خلفاء راشدینؓ کو خلیفہ تو مانا جائے لیکن انہیں اپنے طریق کارکردگی میں راشد نہ مانا جائے صحابہ امت کو ہر عام تنقید کی اجازت دی جائے یہ عقیدہ آپ کو مولانا مودودی کی ان عبارات میں کھلے طور پر ملے گا. آپ لکھتے ہیں:۔

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جانشین ہوئے تو رفتہ رفتہ وہ (حضرت عمرؓ کی) اس پالیسی سے ہٹتے چلے گئے انہوں نے پے درپے اپنے رشتہ داروں کو بڑے بڑے عہدے عطا کیے اور ان کے ساتھ ایسی رعایات کیں جو عام طور پر لوگوں میں ہدف طعن بن کر رہیں..... انہوں نے افریقہ کے مال غنیمت کا پورا خمس مروان کو بخش دیا۔[1]

قطع نظر اس سے کہ مولانا کی تاریخ دانی یہاں محل بحث بنے یہ بات کھلے طور پر معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عثمانؓ کے خلاف عبداللہ بن سبا کوئی سازش کا جال نہ بن رہا تھا یہ حضرت عثمانؓ کی (معاذاللہ) اپنی کنبہ پروری تھی جس کی بنا پر وہ ہدف طعن بنے اور امور سلطنت میں وہ دیانت اور امانت قائم رکھنے سے نکل گئے. آپ یہ بھی لکھتے ہیں:۔

حضرت عمرو بن عاصؓ سے دو کام ایسے سرزد ہو گئے جنہیں غلط کہنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔[2]

حضورؐ نے امت کے لیے ہدایت پر رہنے کی ایک ہی راہ بتلائی تھی وہ یہ کہ وفات کے بعد صحابہ کی راہ پر چلیں (ما انا علیہ و اصحابی) مولانا مودودی نے مسلمانوں کو ما انا علیہ و اصحابی کے مژدہ جنت سے نکالنے کے لیے ایک پوری جماعت تشکیل دے دی اور جماعت اسلامی کے دستور میں یہ دفعہ شامل کی:۔

رسول خدا کے سوا کسی انسان کو معیار حق نہ بنائے کسی کو تنقید سے بالا نہ سمجھے کسی کی ذہنی غلامی میں مبتلا نہ ہو۔[3]

صحابہ کرام پر وہ خلفاء راشدین ہی کیوں نہ ہوں تنقید کرنے کی راہ کھولنا اہلسنت مکتب فکر میں کہیں نہ تھا یہ ایک نئی راہ ہے. مولانا مودودی نے اہلسنت اور شیعہ کے مابین ایک تیسرا مکتب فکر قائم کیا ہے اور ہمارا اندازہ ہے کہ ان کی جماعت بھی شاید ان کے اس غلط اصول پر نہ چل سکے۔

جماعت اسلامی کے لوگ اپنے بارے میں عام کہتے ہیں کہ ہم فرقہ وارانہ حیثیت نہیں رکھتے لیکن مولانا مودودی کی مذکورہ بالا عبارات ان کے اس دعویٰ کی تائید نہیں کرتیں.

---

[1] خلافت و ملوکیت صفحہ ۱۰۶ [2] ایضاً [3] دستور جماعت اسلامی پاکستان

مولانا مودودی کی غیر جانبدار بننے کی کوشش

غیر جانبدار رہنے کی یہ نئی صدا ایک نئے اسلام کا پتہ دے رہی ہے جو اسلام کی چودہ صدیوں میں پہلے کہیں جانا نہ جا سکا۔ تحریک عبداللہ بن سبا اور تحریک وکالت صحابہ دونوں ایک دوسرے کے متوازی چلتی رہیں۔ یہاں تک کہ چودھویں صدی میں ایک نئے فکر نے ایک نئی راہ نکالی کہ اہل سنت اور شیعہ دونوں رستوں سے جدا رہ کر ایک نئے فرقے کا آغاز کیا جائے۔ مودودی صاحب اس تیسرے فرقے کو قائم کرنے کی کوشش میں کہاں تک کامیاب ہوئے ہیں اس کا جواب آپ کو قاضی حسین احمد امیر جماعت اسلامی پاکستان کے اس موقف میں ملے گا کہ جماعت اسلامی ہر گز اس فکر کی ترجمان نہیں جو مودودی صاحب نے اپنی کتاب خلافت وملوکیت میں پیش کی ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو جماعت اسلامی اس نئے اسلام سے یکسر نکل آئی ہے جس کا ذکر مولانا مودودی نے سیاسی کشمکش کے تیسرے حصہ میں اپنے نومسلم ہونے سے کیا ہے۔

پرانے اسلام سے نکلنا اور ایک نئے اسلام میں آنا

مولانا مودودی اس اسلام سے جو مسلمانوں میں بطور میراث چلا آرہا ہے کھلے طور پر نکلتے ہوتے کہتے ہیں:۔

> اپنی ذاتی حد تک میں کہہ سکتا ہوں کہ اسلام کو جس صورت پر میں نے اپنے گردوپیش کی مسلم سوسائٹی میں پایا میرے لیے اس میں کوئی کشش نہ تھی۔ تنقید وتحقیق کی صلاحیت پیدا ہونے کے بعد پہلا کام جو میں نے کیا وہ یہی تھا کہ اس بے روح مذہبیت کا قلادہ اپنی گردن سے اتار پھینکا جو مجھے میراث میں ملی تھی۔ اگر اسلام صرف اس مذہب کا نام ہوتا جو اس وقت مسلمانوں میں پایا جاتا ہے تو شاید میں بھی آج ملحدوں اور لامذہبوں میں جا ملا ہوتا۔ [۱]

مولانا مودودی نے پھر قرآن کریم اور سیرت محمدی کے مطالعہ سے ایک اور اسلام دریافت کیا۔ آپ جب اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں تو یہ اس اسلام کی نسبت

---

[۱] مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ سوم صد ۱۵

سے نہیں جو مسلمانوں میں چودہ سو سال سے چلا آرہا ہے۔ بلکہ وہ ایک نیا اسلام ہے۔ مولانا مودودی کے یہ الفاظ ان کے پرانے اسلام سے نکلنے اور ایک نئے اسلام میں آنے کی ایک تاریخی شہادت ہیں۔ مولانا لکھتے ہیں :-

جس چیز نے مجھے اس الحاد کی راہ پر جانے یا کسی دوسرے اجتماعی مسلک کو قبول کرنے سے روکا اور از سرِ نو مسلمان بنایا وہ قرآن اور سیرت محمدی کا مطالعہ تھا۔۔۔۔ بس در حقیقت میں ایک نو مسلم ہوں۔ [1]

پہلے اسلام کو چھوڑنے اور نئے اسلام میں آنے کے درمیان مولانا کتنا عرصہ مرتد رہے آپ کی تحریرات سے ہم اس کی صحیح مدت معلوم نہیں کر پائے۔ علماء اسلام مولانا مودودی کے اس نئے اسلام کو اگر قبول نہیں کر پائے تو اس کی وجہ اس کے سوا اور کچھ نہ تھی کہ ان کے لیے اس نئے اسلام کو قبول کرنا ممکن نہ تھا۔ جو صرف ایک ہی دماغ کی تخیل و تنقید کا حاصل ہو اور اس میں اس پہلے اسلام سے نکلنا ضروری ہو جو اب تک مسلمانوں میں ایک پرانے دین کے طور پر چلا آرہا ہے۔ مولانا مودودی کی اس بات کو جناب غلام احمد پرویز کے سوا کسی نے قبول نہ کیا۔ مسٹر پرویز نے اپنے پرچہ کا نام طلوع اسلام رکھا۔ اس میں بھی یہی بات لپٹی تھی کہ پرانا اسلام غروب ہو چکا اپنی موت آپ مر چکا اب میں اسے نئے سرے سے طلوع کر رہا ہوں۔

صحابہؓ کی لائن سے نکلنے کے بعد مولانا مودودی کے لیے ضروری ہو گیا کہ وہ سرے سے کعبہ کو بھی مرکزِ اسلام نہ مانیں۔

کعبہ کی بربادی کا ایمان سوز عقیدہ

مسلمان چودہ سو سال سے اس عقیدہ پر آرہے تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ سعادت میں حق اس طرح مکہ و مدینہ میں آیا کہ اب وہاں قیامت تک باطل کا قبضہ نہ ہو سکے گا۔ قرآن کریم میں ہے :-

جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقًا۔ (پ ۱۵ بنی اسرائیل)

مگر مولانا مودودی وہاں بھی اس پہلے اسلام کے وہاں سے کلیۃً مٹنے کا عقیدہ

---

[1] ایضاً صہ۱۶

رکھتے ہیں۔ پرانے اسلام کے حامی یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اب بھی کعبہ مشرفہ پر تجلیاتِ الٰہیہ جلوہ ریز ہیں اور قیامت کے قریب جب دجال نکلے گا تو وہاں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں داخل نہ ہو سکے گا۔ فرشتے اس کا منہ کسی دوسری طرف پھیر دیں گے۔ اس میں حرمین کے قیامت تک کفر سے محفوظ رہنے کی خبر ہے۔ جب تک کعبہ قائم ہے اس وقت تک کرۂ زمین پر انسان رہیں گے:۔

جعل اللہ الکعبۃ البیت الحرام قیاماً للناس۔ (پ المائدہ ۹۷)

مگر مولانا مودودی کا عقیدہ ہے کہ وہاں اب کچھ بھی نہیں۔ وہاں کے سب علماء پنڈت اور مہنت ہیں جو لوگ حج پر جاتے ہیں وہ اپنا ایمان تک کھو آتے ہیں۔ مولانا مودودی عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہاں اب کچھ نہیں۔ آپ ۱۹۳۸ء تک وہاں کے لیے اسلام کا نقشہ اس طرح پیش کرتے ہیں:۔

> وہاں کچھ بھی نہیں مدتہائے دراز سے عرب میں جہالت پرورش پا رہی ہے۔ عباسیوں کے دور سے لے کر عثمانیوں کے دور تک ہر زمانے میں کے بادشاہ اپنی سیاسی اغراض کی خاطر عرب کو ترقی دینے کی بجائے صدیوں سے پیہم گرانے کی کوشش کرتے رہے۔ [۱]

مولانا نے بارہ سو سال کے اسلام کو اب اسی گڑھے میں لا پھینکا ہے۔ جہاں عہد جاہلیت میں انسانیت سسکیاں لے رہی تھی۔ آپ لکھتے ہیں:۔

> وہ سرزمین جہاں سے کبھی اسلام کا نور تمام عالم میں پھیلا تھا آج اسی جاہلیت کے قریب پہنچ گئی ہے جس میں وہ اسلام سے پہلے تھی اب نہ وہاں اسلام کا علم ہے نہ اسلامی اخلاق ہیں نہ اسلامی زندگی ہے.... ہر طرف جہالت۔ گندگی۔ طمع۔ بے حیائی۔ دنیا پرستی۔ بداخلاقی۔ بدانتظامی اور عام باشندوں کی ہر طرح گری ہوئی حالت نظر آتی ہے.... اپنی پرانی مہنت گری جو حضرت ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السلام کے بعد جاہلیت کے زمانہ میں کعبہ پر مسلط ہو گئی تھی اور جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر ختم کیا تھا اب پھر تازہ ہو گئی ہے۔ حرم کعبہ کے منتظم پھر اسی طرح

---

[۱] خطبات ص۳۳۲

مہنت بن کر بیٹھ گئے ۔ ۔ ۔ ۔ یہ بنارس اور ہردوار کے پنڈتوں کی سی حالت
اس دین کے نام نہاد خدمت گذاروں اور مرکزی عبادت گاہ کے
مجاوروں نے کر رکھی ہے ۔[1]

مولانا مودودی کیوں اپنے آپ کو نومسلم کہہ رہے ہیں اس لیے کہ ان کے نزدیک یہ نام نہاد مسلمان جن میں وہ سعودی فرمانروا ملک عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو بھی لے آئے ہیں ۔ اپنی غیر اسلامی زندگی کے باعث صفِ اسلام سے نکلے ہوئے ہیں ۔ مولانا کی دعوت پر اس پیمانے اسلام سے نکلا ہر شخص نومسلم شمار ہوگا ۔

یہ عقیدہ اصل میں خارجیوں کا تھا جو گناہِ کبیرہ کے مرتکب کو کافر سمجھتے ہیں ــــ باوجود وسائل رکھنے کے جو لوگ حج نہیں کرتے وہ جمیع علمائے اسلام کے ہاں گنہگار ٹھہرتے ہیں ۔ مگر وہ کافر نہیں ان کے ہاں گناہِ کبیرہ کا مرتکب کافر نہیں ہوتا ۔ مگر مولانا مودودی لکھتے ہیں :۔

وہ لوگ جن کو عمر بھر کبھی خیال نہیں آتا کہ حج بھی کوئی فرض ان کے
ذمہ ہے ۔ دنیا بھر کے سفر کرتے ہیں کعبہ یورپ کو آتے جاتے حجاز
کے ساحل سے بھی گزر جاتے ہیں جہاں سے مکہ صرف چند گھنٹوں کی
مسافت پر ہے اور پھر بھی حج کا ارادہ تک ان کے دل میں نہیں گزرتا
وہ قطعاً مسلمان نہیں ہیں ۔ جھوٹ کہتے ہیں اگر وہ اپنے آپ کو مسلمان
کہتے ہیں اور قرآن سے جاہل ہے جو انہیں مسلمان سمجھتا ہے ۔[2]

مولانا مودودی کے اس خارجی عقیدہ کی نہ صرف علماء پاک و ہند نے مخالفت کی بلکہ علماء عرب نے بھی ان کے اس غلط عقیدے کی پوری نشان دہی کی ۔ اخوان المسلمین کے المرشد العالم الاستاذ حسن اسماعیل الھضیبی کی کتاب دعاۃ لا قضاۃ کی فہرست کا یہ عنوان ملاحظہ ہو :۔

اعتراض علی بعض آراء المودودی ۔ بطلان القول بعدم الحکم
باسلام من نطق بالشہادتین فی ھذا الزمان اذا جہل مفہوما
ـــ الکبائر والکفر ۔

---

[1] ایضاً صـ۳۳ و صـ۳۴ [2] ایضاً صـ۳۰۹

پھر اس سرخی کے تحت لکھتے ہیں :۔

حکم الناطق بالشہادتین (جو کلمہ پڑھے اس کا شرعی حکم کیا ہے)

وحکم الناطق بالشہادتی ان لا الہ الا اللہ وان محمد رسول اللہ ان نعتبره مسلما تجری علیہ احکام المسلمین ولیس لنا ان نبحث فی ھدی صدق شہادتہ اذ ان ذلک متعلق بما استشعره و استیقنہ بقلبہ وھو امر لا سبیل لنا للکشف عنہ والتثبت منہ ولکن ذلک من شان الذی یعلم السر واخفی فمن استیقن قلبہ ما نطق بہ لسانہ کان عند اللہ مسلماً مومناً ونفعہ ما تلفظ بلسانہ.[1]

ترجمہ. مودودی صاحب کی بعض قابلِ اعتراض آراء مثلاً یہ کہ اقرار شہادتین کرنے والے گنہگار کا شرعاً کیا حکم ہے؟

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی دو شہادتیں دینے والے کو ہم مسلمان سمجھیں گے اور اس پر مسلمانوں والے احکام ہی جاری کیے جائیں گے. ہمیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ ہم اس کی شہادت کی سچائی کا کھوج لگائیں کیونکہ اس نے جو کچھ سمجھا اور اس کا یقین دل سے کیا ہوا ہے اس تک پہنچنے کی ہمارے پاس کوئی راہ نہیں یہ جاننا تو اسی کی شان ہے جو سر اور خفی چیز کو جانتا ہے. سو جو شخص اپنے دل میں اس چیز پر یقین رکھتا ہو اللہ کے ہاں وہ مسلم اور مومن شمار ہو گا اور جو بات اس نے وہاں سے کہی ہے اس پر اسے فائدہ ملے گا۔

پھر آگے جا کر لکھتے ہیں :۔

ثم نقول للذی ذھب الی عدم الحکم باسلام من نطق بالشہادتین فی وقتنا الحاضر بزعم ان معناھا الذی کان شائعاً وقت البعثۃ قد تبدل و تغیر ولم یعد مفھوماً علی حقیقتہ نقول لہ انا قد اسقطنا حجتک فیما اسلفناه.[2]

---

[1] دعاۃ لا قضاۃ صہ۱۳ [2] ایضاً صہ۳۱

ترجمہ۔ پھر ہم اسے (مولانا مودودی کو) جو اس ہمارے دور میں ہیں اقرار شہادتین کرنے والے کو مسلمان نہ جانے اس خیال سے کہ ان دو شہادتوں (لا الٰہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ) کا مفہوم جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں تھا اب بدل گیا ہے اور اسے اس کی حقیقت پر محمول نہ کرے ہم کہیں گے کہ ہم اپنے ذکر کردہ دلائل میں تمہاری دلیل ساقط کر آئے ہیں۔

اخوان المسلمون کے شیخ الہضیبی نے جس کھلے پیرائے میں مولانا مودودی کے غلط عقیدے کی نشاندہی کی ہے ہم اس پر اس کے سوا کیا کہہ سکتے ہیں۔

ع مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

یہ خارجی عقیدہ کہ مرتکب کبائر کافر ہے مدت سے تاریخ کے پردوں میں سویا ہوا تھا۔ مولانا مودودی نے اسے پھر سے جگا دیا اور سُنّی شیعہ دو لائنوں سے جدا ایک تیسری لائن پھر سے کھڑی کی۔ تاریخ اسلام میں پہلا تاریخی فتنہ یہی لوگ تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ انہیں شرار خلق اللہ کہتے تھے۔ پہلے یہ حضرت عثمانؓ کے خلاف اُٹھے۔ پھر انہوں نے حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے خلاف مورچہ بندی کی۔ چودھویں صدی ہجری کے اخیر میں گنہگار مسلمانوں کو کافر ٹھہرایا۔ اسے پہلے کی دو جماعتوں میں ایک تیسرے گروہ کا اضافہ کہیں یا اس پرانے خارجی گروہ کی نشأۃ جدید کہیں یہ آپ کی اپنی صوابدید ہے۔ لیکن اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ مولانا مودودی پرانے اسلام سے نکل کر اپنے پیروؤں کو بالکل ایک نئے اسلام پہ لے آئے تھے۔ اپنے آپ کو کھلے بندوں مسلم کہتے تھے اور ان کا اسلام واقعی ایک نیا اسلام تھا۔ قاضی حسین احمد صاحب نے انہیں مودودی صاحب کے اپنے ذاتی خیالات کہہ کر جماعت اسلامی کو ان سے نکالنے کی واقعی ایک مفید کوشش کی ہے۔ لیکن جماعت اسلامی کے دستور میں یہ جو دفعہ ہے کہ آنحضرتؐ کے سوا ہم کسی کو تنقید سے بالا نہیں جانتے۔ اہل سنت عقیدہ تحفظ ناموس صحابہ میں اس کے لیے کوئی نرم گوشہ نہیں ہے۔

واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم

پھر صحابہ کرامؓ پر ایسے حوالوں سے تنقید کرنا جن کے پیچھے شیعہ یا خارجی راویوں کی ایک وسیع قطار نظر آتی ہو اہل علم کے ہاں ہرگز کسی پذیرائی کے لائق نہیں۔

حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما

یہ دونوں حضرات گو خلیفۂ راشد حضرت علی مرتضیٰؓ کی انہیں جبراً دی گئی بیعت کے خلاف تھے اور چاہتے تھے کہ آپ ایک با اختیار خلیفہ ہوں تاہم یہ حقیقت ہے کہ قاتلین عثمانؓ جو حضرت علیؓ کے ارد گرد چھا گئے تھے اور انہیں تنہا دوسرے صحابہ سے ملنے نہ دیتے تھے انہوں نے حضرت ام المؤمنینؓ کی اصلاح حال کے لیے بصرہ آنے کی کوشش کو بھی ہنگامہ کر کے جنگ جمل میں بدل دیا تو یہ دونوں حضرات حضرت طلحہؓ وزبیرؓ برسر میدان اس جنگ سے کنارہ کش ہو گئے اور ان کا آخری عمل خلیفۂ راشد کی مخالفت نہ رہا۔

یہ ایسا کیوں ہوا؟ یہ اس لیے کہ حضورؐ کی ان حضرات کے عشرہ مبشرہ میں ہونے کی بشارت غیر متزلزل رہے اور کوئی مومن ان کے جنتی ہونے میں کسی تردد کو راہ نہ دے سکے۔

اہل سنت خارجی عقائد سے ہمیشہ کنارہ کش رہے

اہل سنت صحابہؓ کی ہر خطا اور غلطی پہ ان کی توبہ یا ان کی نیکیوں کی کثرت کے امیدوار رہے اور انہوں نے ہمیشہ انہیں ان کی خطاؤں اور غلطیوں کو ان کے دوسرے صالح اعمال کے بالمقابل مٹتے یا نیکیوں میں الٹتے دیکھا۔ وہ قرآن کریم کی اس غیر متزلزل بشارت کے ہمیشہ معتقد رہے۔

ان الحسنات یذھبن السیئات ذلک ذکریٰ للذاکرین۔ (پ ہود ۱۱۴)

ترجمہ۔ بے شک نیکیاں غلطیوں کو ہمیشہ بہا لے جاتی ہیں سمجھنے والوں کے لیے یہ ایک نصیحت ہے۔

ان کے خلاف خوارج ہمیشہ اس نظریہ کے داعی رہے کہ گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہمیشہ کافر ہو جاتا ہے اور موقعہ نہیں دیا جا سکتا۔ جونہی کسی صحابی سے کوئی بڑی غلطی صادر ہوئی اس کے ساتھ ہی وہ کافر ہو گیا اور اب وہ کسی درگزر کے لائق نہیں رہا۔ اثنا عشری گروہ بھی اس باب میں خارجی عقیدے کا معتقد رہا ہے وہ بھی کسی صحابی کی کوئی بڑی غلطی پکڑ لیں تو وہ فوراً اسے دائرۂ ایمان سے نکال دیتے ہیں اور پھر جب وہ مومن نہ رہا تو اسے کسی طرح خلافت اور امامت کے لائق نہ سمجھا جائے گا۔

حضرت علی رضؓ کی یہ نصیحت آبِ زر سے لکھنے کے لائق ہے:۔

یاعبداللہ لا تعجل فی عیب احد بذنبہ فلعلّہ مغفور لہ . . . فلیکفف من علم منکم عیب غیرہ لما یعلم من عیب نفسہ[1]

ترجمہ۔ اے بندۂ خدا کسی شخص کو اس کی کسی غلطی پر فوراً نہ پکڑ لیا کرو، ہو سکتا ہے کہ اس کی وہ غلطی معافی پا جائے۔ سو تم میں سے کوئی جب کسی کا عیب پائے تو اسے بدنام کرنے سے رُکے وہ خود اپنے عیب کو جانتے ہوئے ہو۔

حضرت علی المرتضیٰ رضؓ نے جب اعلان کیا کہ میں اپنی ذات میں خطا سے بالا نہیں میں معصوم نہیں تو خارجی آپ پر برس پڑے اور نتیجہ نکالا کہ آپ اب مومن نہیں رہے اور آپ کو خلیفہ بھی تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ اہل سنت کے نزدیک کسی صحابی سے کوئی بڑی خطا بھی سرزد ہو تو وہ توبہ کی راہ سے یا نیکیوں کا پلڑا جھک جانے کی راہ سے اس خطا کے مٹنے یا ڈھلنے کے امیدوار رہے ہیں اور ظاہر ہے کہ حضور اکرمؐ نے جن صحابہ رضؓ کے جنتی ہونے کی بشارت دی ان کے وہ گناہ یقیناً ڈھل کے رہے۔ پیغمبر نے ہر ایسی بات ارائت ربانی کے تحت کہی اور وہ کسی طرح غلط نہیں ہو پائی۔ سو کسی صحابی کے کسی گناہ سے نہ ان کے ایمان کی نفی ہوتی ہے اور نہ کسی ایسے عمل سے وہ خلافت کی اہلیت سے نکلتے ہیں۔ اعمال صالحہ کو جاننے والا صرف اللہ رب العزت ہے۔ کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ ان کے نیک اعمال کو محض اپنے بغض سے اخلاص سے خالی کرے۔ ان کے حق میں یہ ایک بہت بڑی جسارت ہے۔

---

[1] نہج البلاغۃ جلد ۲ ص ۳۲

حضرت علی مرتضیٰ رضؓ کا انتخاب خلافت

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد :

یوں تو حضرت علی مرتضیٰ رضؓ کا انتخاب حضرت عمر رضؓ کی نامزد کردہ مجلس شوریٰ میں بہت پہلے سے ہو چکا تھا تاہم عملاً آپ حضرت عثمان غنی رضؓ کی شہادت کے بعد سریر آرائے خلافت ہوئے۔ آپ کا یہ انتخاب کس طرح عمل میں آیا اس کے لیے ان حالات کا جاننا ضروری ہے جن میں آپ کے سپرد یہ ذمہ داری کی گئی اور آپ کو یہ بوجھ اٹھانے کے لیے مجبور کیا گیا تھا۔

حضرت عمر رضؓ نے اپنے وقت کے چھ بزرگ ترین صحابہ رضؓ کو خلافت کے لیے چنا تھا یہ سب عشرہ مبشرہ میں سے تھے جن میں سے ایک ایک کو حضرت خاتم النبیینؐ جنت کی خوشخبری دے چکے تھے۔ ۱۔ حضرت عثمان غنی رضؓ ۲۔ حضرت علی رضؓ ۳۔ حضرت طلحہ رضؓ ۴۔ حضرت زبیر رضؓ ۵۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضؓ ۶۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ـــ ان چھ حضرات نے اپنے میں سے دو بزرگوں کو آگے کیا کہ ان دو میں سے جس کو چاہو چن لو۔ ۱۔ حضرت عثمان رضؓ ۲۔ حضرت علی رضؓ ـــ اب ان دو میں پھر حضرت عثمان رضؓ خلیفہ ثالث چنے گئے ان کے بعد حضرت علی رضؓ ہی بہترین امت تھے اور اس کا اس دور کے سب مسلمانوں کو علم تھا صرف بیعت باقی تھی اس کے لیے مزید کسی مشورہ کی ضرورت نہ تھی۔ جب حضرت عثمان رضؓ نہیں تو آپ کے سوا اور کون اس منصب کے لائق ہو سکتا ہے۔ یہ فیصلہ تو تیسری خلافت کے شروع میں ہو گیا تھا۔

تاہم حضرت علی رضؓ ان حالات کو خوب جانتے تھے جن میں خلیفہ راشد حضرت عثمان رضؓ کو شہید کیا گیا آپ کے خیال میں اس وقت مسلمان ایک بلوے کی زد میں تھے اور بہت گمان ہو سکتا تھا کہ اب یہ بغاوت پورے عالم اسلام کو اپنی لپیٹ میں لے لے اور اس سے بیرونی ممالک ناجائز فائدہ اٹھائیں اس بغاوت کے پیچھے ایک یہودی عبداللہ بن سبا کام کر رہا تھا اور یہود نہ چاہتے تھے کہ مسلمانوں کی یہ سلطنت آگے اس طرح چل پائے جس طرح کہ یہ پہلی تین خلافتوں میں چلتی آ رہی ہے اس طرح تو یہ لوگ (مسلمان) ساری دنیا پر چھا جائیں گے۔

باغیوں کو ڈر تھا کہ اب اطراف کی فوجیں مدینہ آ کر انہیں گرفتار کر لیں گی اور ان سے قصاص لیا جائے گا۔ سو انہوں نے جلدی سے حضرت علی رضؓ کو جو مدینہ منورہ میں موجود تھے اپنے گھیرے میں لے لیا اور بیعت کے لیے ان کی طرف ہاتھ بڑھائے۔ حضرت علی رضؓ نے ان سے اپنے ہاتھوں کو سمیٹ لیا۔

آپ بیعت لینے کے حق میں نہ تھے. آپ چاہتے تھے کہ ان ہنگامی حالات میں اتنا بڑا فیصلہ نہ کیا جائے. وہ لوگ آپ کے ہاتھ کو اپنی طرف کھینچتے تھے کہ آپ ہم سے بیعت لیں اور آپ اپنا ہاتھ پیچھے کھینچتے یہاں تک کہ اسی ہنگامی صورت میں آپ کی خلافت کا اعلان کر دیا گیا. اسی صورتِ حال نے آئندہ تاریخ میں ایک مستقل اصطلاح کو وجود دیا. یہ کش مکش کی اصطلاح ہے کہ ایک طرف ہاتھ کھینچا جا رہا ہے اور دوسری طرف سے نہ کی صدا آ رہی ہے. جب کوئی فیصلہ نہ ہو پائے تو اسے کش مکش کی حالت کہتے ہیں. حضرت علیؓ اس صورتِ حال کو اس طرح بیان کرتے ہیں:۔

فاقبلتم الی اقبال العوذ المطافیل علی اولادھا تقولون البیعۃ قبضت یدی فبسطتموھا ونازعتکم یدی فجذبتموھا.[۱]

ترجمہ. تم میری طرف اس طرح آئے جس طرح پناہ لینے والے. تم بیعت کرنے کو کہتے رہے میں نے اپنا ہاتھ روکا. تم نے اسے اپنی طرف کھینچا میں اپنے ہاتھ کو تم سے کھینچتا رہا. اور تم اسے اپنی طرف کھینچتے رہے.

واللہ ما کانت لی فی الخلافۃ رغبۃ ولا فی الولایۃ اربۃ ولکنکم دعوتمونی الیھا وحملتمونی علیھا.[۲]

ترجمہ. بخدا مجھے خلافت کی طرف کوئی رغبت نہ تھی نہ مجھے والی بننے کی حاجت تھی تم نے مجھے اس کی طرف بلایا اور تم نے مجھ پر خلافت کا بار رکھ دیا.

انی لم ارد الناس حتی ارادونی ولم ابایعھم حتی بایعونی.[۳]

ترجمہ. میں نے لوگوں کو نہ چاہا تھا یہاں تک کہ لوگوں نے مجھے چاہا اور میں نے ان سے بیعت نہ لی یہاں تک کہ انہوں نے میری بیعت کی.

ان سب خطبات کا حاصل یہ ہے کہ میں یہ خلافت کی ذمہ داری لینے کو تیار نہ تھا تم نے زبردستی مجھے آگے کیا اور اب تم بھی میرا ساتھ نہیں دے رہے.

مدینہ اور اس کے اطراف میں جب حضرت علیؓ کی خلافت کی خبر پہنچی وہ لوگ پہلے ہی حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ کے بعد بہترین امت سمجھتے تھے وہ آئے اور انہوں نے بھی حضرت علیؓ کی بیعت کی. اب حضرت علیؓ نے اپنے ہاتھ کو پیچھے نہ کیا یہاں تک کہ سب مہاجرین وانصار نے جو اس وقت مدینہ میں موجود تھے انہوں نے حضرت علیؓ کو خلیفہ راشد چہارم مان لیا اور طرح آپ کا

---

[۱] نہج البلاغۃ جلد ۲ صفحہ ۲۸ [۲] ایضاً جلد ۲ صفحہ ۲۱۰ [۳] ایضاً جلد ۲ صفحہ ۱۲۲

انتخاب عمل میں آیا۔ اس وقت تمام قلمرو اسلامی میں سے کہیں اس کا انکار نہ کیا گیا۔ شام میں بھی انکار اس وقت ہوا جب آپ نے گورنر تبدیل کیے۔ پھر بھی حضرت معاویہؓ نے صرف اپنے گورنر ہونے کی حیثیت باقی رکھی متبادل خلافت کا اعلان نہ کیا۔

اس صورت حال سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت علیؓ کی خلافت آپ کی سبقت فی الاسلام اور آپ کی سیاسی بصیرت سے اور آپ کے علم و تقویٰ سے پوری امت میں کسی کو انکار نہ تھا۔ آپ اپنی شہادت سے ایک سال پہلے ۳۹ھ میں حضرت معاویہؓ سے بھی یک گونہ صلح کر گئے یہ حضرت معاویہؓ کی طرف سے آپ کے آپ کی قلمرو میں خلیفہ راشد ہونے کا ایک کھلا اقرار تھا۔ باقی رہا ان کا اپنا علاقہ تو اس پر اب آپ کو حکومت کرنے کی اس صلح نامہ کی رو سے حضرت علیؓ کی طرف سے پوری اجازت ہو گئی تھی۔ یہ صورت حال قضا کی سی دکھائی دے رہی ہے۔

حضرت طلحہؓ و زبیرؓ بھی جمل میں حضرت علیؓ سے ملے اور ان کی خلافت کو برحق تسلیم کیا۔ یہ بات افسوسناک ہے کہ سبائیوں نے پھر ان پہ چھپے حملے کیے اور ان کو شہید کر دیا۔ سو حضرت علیؓ کی خلافت پر ان بڑے حضرات کے انکار کے باعث کوئی دھبہ نہ آنے دیا جائے۔

حضرت علیؓ کی اس انتخاب خلافت سے کتنے رازوں سے پردہ اُٹھا

۱۔ عبداللہ بن سبا کے اس پراپیگنڈہ سے پردہ اٹھا کہ حضرت علیؓ کو حضورؐ نے غدیر خم پہ اپنا خلیفہ نامزد فرمایا تھا اگر ایسا ہوا ہوتا تو آپ حضرت عمرؓ کی مقرر کردہ چھ رکنی کمیٹی میں کبھی نامزد نہ کیے جاتے نہ آپ خلافت کے امیدوار بنتے۔ آپ کہتے کہ مجھے تو حضورؐ نے خلیفہ بنایا ہوا ہے منصوص خلیفہ کسی حال میں انتخاب خلافت میں جگہ نہیں پا سکتا نہ کوئی اس کا نام وہاں رکھتا ہے جن میں سے نیا خلیفہ چُنا جائے۔

۲۔ حضرت عثمانؓ کے شہید ہونے پر جب آپ کو خلیفہ بنایا جا رہا تھا تو آپ لوگوں سے بیعت نہ لیتے بلکہ فرماتے کہ میں تو پہلے سے خلیفہ ہوں مجھے حضورؐ خلیفہ بنا گئے تھے۔ میری خلافت کسی مشورہ کی محتاج نہیں حق بہ حق دار رسید میں خلیفہ بلا فصل ہوں خلافت اب اپنے مقام پر آگئی ہے جب ایسا نہیں ہوا نہ آپ نے ایسا کہا۔ تو معلوم ہوا کہ یہ آپ کو غدیر خم میں خلیفہ مقرر کرنے کا افسانہ کوئی تاریخی وجود نہیں رکھتا منصوص خلافت کے لیے شوریٰ کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔

۳۔ آپ کی بیعت ان لوگوں نے کی جو پہلے حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کی بیعت

کر چکے تھے انہوں نے جواب آپ کی بیعت کی تو وہ اسی عقیدہ سے کی کہ آپ چوتھے خلیفہ راشد ہیں نہ کہ آپ حضورؐ کے خلیفہ بلافصل مانے گئے تھے۔ مہاجرین و انصار کے اس اجتماع میں آپ کے غدیر خم میں خلافت پانے کا کوئی تصور نہ تھا۔

۴۔ آپ کو جب خلافت پیش کی گئی تو آپ اپنا ہاتھ پیچھے کھینچتے رہے اگر آپ حضورؐ کے لیعہد وصی خلافت ہوتے تو آپ کو حضورؐ کے حکم سے ذرا بھی پیچھے ہٹنے کی جرأت نہ ہوتی اور اگر آپ کی امامت کوئی آسمانی عہدہ تھا یا یہ کوئی آسمانی انتخاب تھا تو کیا آپ لمحہ بھر کے لیے اس سے انکار کر سکتے تھے؟ ایک لمحہ بھر کے لیے نہیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ آپ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو ایسا کرنے کا حق دیا تھا۔

۵۔ جب جنگ صفین کے بعد فریقین کی طرف سے ایک ایک حکم تجویز ہوا اور قرار پایا کہ یہ دونوں جو فیصلہ کر دیں فریقین اسے تسلیم کریں گے تو آپ کے نمائندہ حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ (۵۲ھ) نے دونوں (حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ) کے خلیفہ نہ ہونے کا فیصلہ کر لیا معلوم ہوا کہ حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ کے عقیدہ میں بھی حضرت علیؓ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ امام نہ تھے نہ حضورؐ کے نامزد کردہ خلیفہ بلافصل تھے ورنہ ابوموسےٰ الاشعریؓ کبھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے فیصلوں کے خلاف کسی دوسرے فیصلے کی جرأت نہ کر سکتے تھے۔

۶۔ خلیفہ اسلام میں پوری مملکت میں سپریم پاور (طاقت) ہوتا ہے۔ حضرت علیؓ نے خلیفہ ہونے کے بعد اپنا دارالحکومت تو مدینہ سے کوفہ لے آئے لیکن آپ نے پہلے خلفاء کے احکام کو حسب سابق باقی رکھا۔ حضرت فاطمۃ الزہراؓ گو زندہ نہ تھیں لیکن ان کے بیٹے اور بیٹیاں زندہ موجود تھے آپ نے ان کو فدک کی زمین نہ دی صرف اس کی آمدنی آپ پر خرچ کرتے رہے حضرت ابوبکرؓ کے فیصلے کو باقی رکھا۔ تراویح کی ایک جماعت کو حضرت عمرؓ کے فیصلے پر باقی رکھا۔ جمعہ کی دو اذانوں میں حضرت عثمانؓ کی پیروی باقی رکھی اس چوتھی خلافت میں بھی یوں دکھائی دیتا تھا کہ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ ہنوز لوگوں کے دلوں پر حکومت کر رہے ہیں۔ اگر آپ چوتھے نمبر پر خلافت پر نہ آتے تو آپ کا پہلے تین خلفاء کو پورے طور پر اپنا پیشرو ماننا اس قدر روشن نہ ہوتا قاضی نور اللہ شوستری (۱۰۱۹ھ) لکھتا ہے:-

اکثر اہل آں زماں را اعتقاد آں بود کہ امامت حضرت امیر مبنی بر امامت ایشاں است و فساد امامت ایشاں را دلیل فساد امامت او مے دانستند۔[۱]

---

[۱] مجالس المومنین جلد ۱ صہ ۵۴

ترجمہ۔ اس زمانے کے اکثر لوگوں کا عقیدہ تھا کہ آپ کی امامت پہلے تین خلفاء کی امامت پر قائم ہے اور وہ ان کی امامت کے غلط ہونے کو آپ کی خلافت کے فاسد ہونے کی دلیل سمجھتے تھے۔

اور یہ بھی لکھتا ہے:۔

حضرت امیر در ایام خلافت خود دید کہ اکثر مردم حسن سیرت ابی بکر و عمر را معتقد اند و ایشاں را برحق مے دانند قدرت برآں نہ داشت کہ کارے کند کہ دلالت بر فساد خلافت ایشاں داشتہ باشد۔[1]

ترجمہ۔ حضرت علیؓ نے اپنے عہد خلافت میں دیکھا کہ اکثر لوگ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے حسن سیرت کے معتقد ہیں۔ اور انہیں حق پر سمجھتے ہیں۔ آپ کسی ایسی بات پر قادر نہ تھے۔ جو ان حضرات کی خلافت کے باطل ہونے کا نشان دے۔

یہ کیفیت صرف حضرت علیؓ اور حضرت حسنؓ کی زندگی تک ہی نہ رہی دوسری صدی میں حضرت امام باقر اور امام جعفر اور موسیٰ کاظم کے دور میں بھی ائمہ اہلبیت کے گرد و پیش کے لوگ سب اسی عقیدہ پر تھے یہ ائمہ حضرات انہیں جانتے بھی تھے اور ان کے عقائد بھی ان سے مخفی نہ تھے بایں ہمہ ائمہ حضرات انہیں مومن سمجھتے مسلمان سمجھتے اور ان کی عدالت کا حکم کرتے تھے۔ ان دنوں شیعہ اسی عقیدہ کے ہوتے تھے۔ ائمہ کو یہ لوگ ہرگز معصوم نہ مانتے تھے۔ ملا یعقوب الکلینی کی کتابیں ابھی ان کا مخفی خزانہ تھیں۔

ملا باقر مجلسی بھی لکھتا ہے:۔

جمعے از راویاں کہ در اعصار ائمہ بودہ اند از شیعاں اعتقاد بعصمت ایشاں نداشتہ اند بلکہ ایشاں را علمائے نیکوکار مے دانستہ اند و مع ذلک ائمہ حکم بایمان بلکہ بعدالت ایشاں می کردہ اند۔[2]

ترجمہ۔ راویانِ حدیث[!] ایک بڑی تعداد جو شیعوں کی ان ائمہ اہل بیت کے زمانوں میں تھی۔ وہ ان اماموں کے معصوم ہونے کا عقیدہ نہ رکھتے تھے۔ انہیں وہ نیکوکار بزرگوں میں سے سمجھتے اس کے باوجود ائمہ نہ صرف انہیں مومن سمجھتے بلکہ انہیں عادل راوی سمجھتے۔

---

[1] مجالس المومنین جلد ا صہ ۵۴ [2] حق الیقین صہ ۲۲۹ ایران

چھ کی کمیٹی میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کیوں ثالث تسلیم کیے گئے؟

حضرت عمرؓ کی نامزد کردہ شوریٰ میں حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور حضرت طلحہؓ سبقت فی الاسلام میں آگے تھے یہ حضرات اس کمیٹی میں فیصلہ کن پوزیشن میں کیوں نہ آئے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ ان سب کے امام کیسے بن گئے؟ کیا ان کی اتنی وجاہت تھی کہ یہ حضرات بھی ان کے سامنے کوئی بات نہ کر سکتے تھے؟

الجواب: ان نامزد کردہ چھ حضرات میں حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ آئندہ خلافت کے برابر امیدوار رہے وہ کسی کے حق میں دستبردار نہ ہوئے تھے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ چونکہ خود دستبردار ہوئے اس لیے ان کی پوزیشن زیادہ قوی رہی۔ حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ بھی دستبردار ہو گئے تھے لیکن وہ غیر جانبدار نہ رہے تھے۔ حضرت طلحہؓ حضرت عثمانؓ کے حق میں اور حضرت زبیرؓ حضرت علیؓ کے حق میں دستبردار ہوئے تھے۔ اب یہ پوزیشن حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی رہی۔ وہ اجلاس پر چھائے رہے۔

ثانیاً حضرت عبدالرحمٰنؓ کو ایک ایسی فضیلت بھی حاصل تھی جو باقی پانچ میں سے کسی کو حاصل نہ تھی۔ وہ یہ کہ ایک دفعہ ان کے پیچھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی نماز پڑھی۔ حضورؐ کسی سفر سے آئے تھے اور آگے جماعت کھڑی تھی۔ سو جو شخص حضورؐ کی امامت کا شرف پا لے ظاہر ہے کہ اب اس کی قیادت میں ان حضرات میں سے کسی کو کوئی تردد نہ ہو سکتا تھا۔

حضرت عبدالرحمٰنؓ کے ایمان کی شہادت حضرت خاتم النبیینؐ کے اس عمل اقتدا نے دی۔ سو یہ مسئلہ جمیع صحابہؓ کے سامنے روز روشن کی طرح تھا۔ حضورؐ کے بعد خلافت کے فیصلے میں یہ بات ایک بہت قوی شہادت تھی کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کن کے ساتھ رہے۔ اگر انہوں نے شرح صدر سے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کا ساتھ دیا تو معلوم ہوا کہ یہ حضرات واقعی خلفاء راشدین تھے اور خلافت کے صحیح وارث ہوئے اور حضرت علیؓ کی پہلے سے نامزدگی کا دعوے یہ ایک محض ہوائی فائر تھا جو عبداللہ بن سبا یہودی نے حضرت عثمانؓ کے آخر دور میں کیا۔ حضرت عثمانؓ تو بے شک شہید ہو گئے لیکن خلافت نہ ٹوٹی اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا اعلان کہ حضرت علیؓ خلافت کے اہل ہیں اور اس کی پوری بصیرت رکھتے ہیں آئندہ خلافت کے لیے کسی تجویز کا محتاج نہ رہا بس ایک تعمیل درکار تھی جو لوگوں نے اپنے ہاتھ بڑھا کر لی۔ افسوس صرف اس بات کا رہا کہ ان ہاتھ بڑھانے والوں میں وہ لوگ بھی گھس آئے جنہوں نے حضرت عثمانؓ کے خلاف بغاوت کی تھی اور

حضرت علیؓ نے بھی اسے با دلِ نخواستہ اس لیے قبول کرلیا کہ یہ باغی لوگ آئندہ اپنی حکومت علیحدہ نہ بنا سکیں اور آپ آہستہ آہستہ مسلمانوں کے تمام سیاسی حالات کی اصلاح کرنا چاہیئے۔

بڑے خطرے سے نکلنے کی یہ ایک سیاسی راہ تھی مگر افسوس کہ حضرت امیر معاویہؓ اسے سمجھ نہ پائے۔ وہ سمجھے کہ آپ ان باغیوں کو ایک رعایت دے رہے ہیں کہ وہ کہیں ان پر بھی حملہ نہ کردیں۔ حضرت عثمانؓ سے قریبی رشتہ ہونے کی وجہ سے شاید وہ یہ بھی سمجھ رہے ہوں کہ ان باغیوں کو آپ کی حمایت حاصل ہے۔

کیا آپ کی خلافت پوری قلمرو اسلامی کو شامل تھی

عقدِ خلافت کے وقت آپ کی خلافت تمام قلمرو اسلامی کو شامل تھی۔ آپ سمجھتے تھے کہ شام بھی ان کے دائرہ حکومت میں ہے ایسا نہ ہوتا تو آپ حضرت امیر معاویہؓ کو گورنر شام ہونے کے عہدے سے نہ ہٹاتے۔ حضرت امیر معاویہؓ نے بھی تعمیل حکم میں یہ نہیں کہا کہ میں آپ کو خلیفہ تسلیم نہیں کرتا۔ یہی کہا کہ پہلے قاتلانِ عثمان کو پکڑیں۔ خلیفہ وہی ہونا چاہیئے جو مضبوط سے مضبوط دشمن پر بھی گرفت کر سکے۔

اس صورتِ حال سے پتہ چلتا ہے کہ گو بعد میں شام حضرت علیؓ کے زیر قلم نہ رہا لیکن عقدِ خلافت کے وقت حضرت علیؓ کے ذہن میں اور ان سے بیعت کرنے والوں کے ذہن میں پوری قلمرو اسلامی کی خلافت تھی۔

پھر حضرت علیؓ نے ۴۰ھ (عام الہدنہ) ان سے جو عہد کیا اس میں آپ نے امیر معاویہؓ کو شام پر حکومت رکھنے کی اجازت دی۔ یہ گویا آپ کی طرف سے ان کے نام ایک تقلد قضا تھا۔ اس کے بعد کسی کو یہ حق نہیں رہتا کہ وہ حضرت معاویہؓ کو سلطان جائر کہے۔ پہلے کے حالات میں اسے ایک خلیفہ راشد کے خلاف بغاوت بھی کہا جائے تو ۴۰ھ کی صلح کے بعد آپ اور آپ کے ساتھیوں کو فئہ باغیہ نہیں کہا جا سکتا۔ حضرت حسنؓ نے اپنے وقت میں جس جماعت سے صلح کی اور حکومت ان کے سپرد کی اسے لسانِ رسالت سے فئہ عظیمہ کہا گیا ہے نہ کہ فئہ باغیہ اور ظاہر ہے کہ اعتبار آخری بات کا ہوتا ہے۔ پہلے کسی طرح کے بھی حالات کیوں نہ گزرے ہوں۔

حضرت علی مرتضیٰؓ حضورؐ سے دوسرے نمبر پر

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد:

یوں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چوتھے خلیفہ تھے لیکن آپ عزت وسعادت کی اس چوٹی پر تھے کہ بعض پہلوؤں میں آپ حضورؐ سے دوسرے درجہ کی نسبت بھی پا گئے بنو ہاشم کے جو حضرات حلقہ بگوش اسلام ہوئے ان میں حضرت علیؓ، حضرت حمزہؓ، حضرت عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ ممتاز شخصیتیں تھیں، ان چاروں میں رشتہ میں تو حضرت حمزہ بن عبدالمطلب اور حضرت عباس بن عبدالمطلب حضورؐ کے اقرب تھے لیکن نسبت میں حضرت علیؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دوسرے نمبر پر رہے ان چاروں میں سب سے پہلے اسلام میں آئے۔ حضرت حمزہؓ مدینہ میں ابتداء میں ہی سفر آخرت پر چلے گئے ہاں لسان شریعت سے سید الشہداء کا خطاب آپ کے نصیب میں رہا۔

حضرت عباسؓ مکہ میں تھے اور بہت دیر بعد اسلام لائے، آپ خاتم المہاجرین ہیں جن کے بعد کسی کی مکہ سے ہجرت ہجرت شمار نہ ہوئی، بنو ہاشم میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اولاً اور ثانیاً حضرت علی مجتبیٰ اسلام کی تاریخ ہیں۔

۲. جس طرح حضرت ہارون موسیٰ سے دوسرے نمبر پر تھے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں حضرت موسیٰ کا شریک امر بنایا۔ واشرکہ فی امری حضرت موسیٰ کی دعا تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو اپنی نسبت سے ہارون کی جگہ دی، جب آپ غزوہ تبوک پر روانہ ہوئے اور حضرت علیؓ کو ساتھ نہ لیا تو فرمایا کہ آپ گھر بار کی دیکھ بھال پر رہیں، حضرت علیؓ نے جنگ سے دور رہنا اپنے لیے پسند نہ فرمایا۔ اور کہا آپ مجھے اسی کام میں رکھیں گے؟ آپ نے کہا۔

انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ.

ترجمہ: آپ میرے لیے اسی طرح ہیں جس طرح ہارون موسیٰ کے لیے تھے۔

مدینے کے ان دنوں حکومتی انتظامات محمد بن مسلمہ کے سپرد تھے۔

۳. حضورؐ مدینہ تشریف لائے اور صحابہؓ میں مواخات قائم کی تو حضرت علیؓ کو اپنا بھائی بنایا اور پھر عملاً آپ کو حضرت سہیل بن حنیف کی مواخات میں دیا۔ سربراہ کے ساتھ برابر کی سطح پر رہنا بہت مشکل ہوتا ہے۔

۴. عرب میں حضورؐ سے پہلے کوئی باضابطہ سلطنت نہ تھی۔ لوگ قوم کی نمائندگی سے ناآشنا تھے۔ معاہدہ افراد کا ہوتا تھا یا قبائل کا۔ قوموں کا نہیں۔ صلح حدیبیہ میں صلح حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل مکہ میں ہوئی تھی۔ حضورؐ کی طرف سے حضرت علیؓ یہ معاہدہ لکھ رہے تھے۔ جب اس صلح کے ٹوٹنے کا وقت آیا تو اس کے لیے حسبِ دستور حضورؐ کی تشریف آوری ضروری تھی۔ یہاں بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو اپنا جانشین بنایا اور انہوں نے موسمِ حج میں مکہ آکر اس معاہدہ سے برأۃ کا اعلان کیا۔ یہ اللہ اور اس کے رسول کی اس معاہدہ سے برأت اور لاتعلقی تھی۔

برأۃ من اللہ ورسولہ الی الذین عاھدتم من المشرکین۔ (پ التوبہ)

ترجمہ۔ اللہ اور رسول کی طرف سے ان لوگوں سے اظہار لاتعلقی ہے جن سے تم نے عہد لیا تھا۔

اس حج میں حضرت ابوبکرؓ امیر حج تھے اور حضرت علیؓ نے ان کی زیر قیادت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ذمہ داری کو ادا کیا۔ آپ وہاں حضورؐ سے دوسرے نمبر پہ تھے۔

۵. حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حلقہ میں ابتداءً ایک تعداد منافقین کی بھی رہی۔ پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نہ جانا۔ قرآن کریم میں ہے۔

لاتعلمھم نحن نعلمھم۔

ترجمہ۔ آپ انہیں نہیں جانتے ہمیں ان کا علم ہے۔

اللہ تعالیٰ نے پھر آپ کو اس پہ مطلع کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخص اصحاب بھی انہیں جان گئے۔ جب انہوں نے حضورؐ سے گذارش کی کہ انہیں قتل کر دیا جائے یا نمایاں کر دیا جائے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان پر مؤاخذہ سے اللہ تعالیٰ نے مجھے روک دیا ہے۔

اولئک الذین نھانی اللہ عنھم رواہ احمد۔[1]

ترجمہ۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر پکڑ کرنے سے ابھی خدا نے مجھے روک رکھا ہے۔

ان کے اس وقت نمایاں نہ کرنے میں بہت سی مصلحتیں کارفرما تھیں مثلاً یہ کہ مسلمانوں کی تعداد زیادہ دکھائی دے۔ یہ کھل کر مسلمانوں کی مخالفت کرنے اور دلآزاری کرنے سے رُکے رہیں۔ شاید ان میں سے کچھ مسلمانوں کے قریب رہنے سے ہدایت پا جائیں۔

وجوہ کچھ بھی ہوں اس میں کچھ شک نہیں کہ آپ کے حلقے میں ابتداءً ایک خاصی تعداد منافقین

---

[1] رواہ احمد جلد ۹ صفحہ ۱۲۹

کی تھی ۔ ابھی یہ منافقین خود ایک تنظیم بننے نہ پائے تھے ایسا مدینہ جا کر ہوا۔

حضرت ابوبکرؓ کے دورِ خلافت میں، حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں اور حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں مسلم معاشرے میں ہم منافقین نہیں دیکھتے۔ حضرت علیؓ کے دورِ خلافت میں آپ کی فوجوں میں۔ حضرت عثمانؓ کے خلاف بغاوت میں اٹھنے والے آ شامل ہوئے تھے اور آپ ان دنوں انہیں پکڑنے اور قاتلین عثمان سے قصاص لینے کی طاقت نہ رکھتے تھے۔ اس میں بھی آپ کو عہدِ رسالت کی سی ابتدائی مشکلات سے گزرنا پڑا۔

۶۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر حضرت علیؓ ہی ان کے غسل اور تجہیز و تکفین کے ذمہ دار ٹھہرے۔ اس میں آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دوسرے نمبر پر ہے۔ گھریلو امور میں ذمہ داری رشتہ کی رو سے آتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دیتے ہوئے یہ کلمات آپ کی زبان سے نکلے :۔

ولولا انك امرت بالصبر ونهيت عن الجزع لا نفدنا عليك ماء الشئون۔[1]

ترجمہ۔ اور اگر آپ نے صبر کا حکم نہ کیا ہوتا اور جزع و فزع سے نہ روکا ہوتا تو ہم آپ پر (روتے روتے) ہڈیوں کی آخری نمی بھی خشک کر دیتے۔

رشتہ کے اعتبار سے حضرت عباسؓ حضورؐ کے زیادہ قریب تھے لیکن حضرت فاطمۃ الزہرؓ کی جہت سے حضرت علیؓ حضورؐ سے دوسرے نمبر پر رہے۔

حضرت علیؓ کے ان الفاظ سے یہ بھی پتہ چلا کہ آپ حجیتِ سنت کے قائل تھے۔ حضورؐ نے مرحومین پر جزع اور آہ وزاری سے روکا۔ حضرت علی المرتضیٰؓ نے اسے اپنے لیے دلیل سمجھا۔ آپ سنت کو قرآن کریم سے بھی زیادہ واضح دلیل سمجھتے تھے۔ قرآن کریم کو سمجھنے میں کچھ مشکلات پیش آجاتی ہیں مگر سنت کا مطلع ہمیشہ صاف رہا ہے اس میں کوئی الجھاؤ نہیں ہوتا۔ حدیث کی روایت میں بے شک الجھاؤ ہو سکتے ہیں مگر سنت کے وضوح و عمل میں کوئی الجھاؤ نہیں ہوتا۔

۷۔ دنیا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہترین پشتوں سے منتقل ہوئے۔ حضرت عبدالمطلب اور حضرت عبداللہ تک آئے۔ آپ کے پورے سلسلہ آباء میں کوئی مشتبہ النسب نہیں۔

آپ بہترین اصلاب سے منتقل ہوتے آئے۔ اب انسانوں کی پاک اور بہترین نسل آپ سے چلی۔ آپ کی صلب سے سات بچے (چار بیٹیاں اور تین بیٹے) پیدا ہوئے۔ آپ کا کوئی بیٹا بڑی

---

[1] نہج البلاغہ جلد ۲ صفحہ ۲۵۶

عمر (کہ اسے رجل کہا جا سکے) تک نہ پہنچ سکا۔ آپ کی بیٹی حضرت زینبؓ سے آپ کا نواسہ علی تھا اور حضرت رقیہؓ سے آپ کا نواسہ عبداللہ تھا۔ ان کی اولاد کے آگے چلنے کا کوئی پتہ نہیں ملتا۔

اب حضورؐ کی نسل صرف حضرت فاطمۃ الزہراؓ سے باقی رہی اور یہ حضرت علیؓ کی بھی اولاد ہے اس صلبی نجابت میں حضرت علی مرتضیٰؓ حضورؐ سے دوسرے نمبر پر ہیں۔ ہاں آپ کی وہ اولاد جو حضرت فاطمہؓ کی اولاد سے نہیں وہ حضورؐ کی نسل پاک سے دوسرے نمبر پر بایں طور سمجھی جائے گی کہ وہ بنی ہاشم میں سے ہیں جن پر اسلام میں صدقہ حرام قرار دیا گیا ہے اہل السنۃ والجماعۃ کے ہاں صرف اولادِ فاطمہ کی اولاد سادات میں گنی جاتی ہے لیکن اثنا عشری شیعوں کے ہاں کل بنی ہاشم سادات میں سے ہیں گو وہ حضرت فاطمۃ الزہرا کی اولاد میں سے نہ ہوں نجف اشرف کے مشہور مجتہد ملا کاظم الخراسانی کے فتاویٰ ذخیرۃ العباد کے نام سے چھپے ہوئے ہیں۔ اس میں ہے :۔

س۔ آیا سادات میں شرط ہے کہ پیغمبر کے دادا حضرت ہاشم کی اولاد سے ہوں یا نہیں؟

ج۔ شرط ہے اگرچہ حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب کی اولاد سے نہ ہوں واللہ اعلم بالصواب۔[1]

اس کی رو سے حضرت جعفر بن ابی طالب اور حضرت عباس بن عبدالمطلب کی اولاد بھی شیعہ کے ہاں سادات میں سے ہے اور ان کے ہاں سید کا لفظ اولاد فاطمہ کے لیے خاص نہیں ہے۔ ان کے ہاں کسی گھرانے کو سید کہا جاتا ہو تو یہ نہ سمجھ لیں کہ یہ لوگ آل رسول ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ عباسی ہوں اولادِ فاطمہ میں سے نہ ہوں۔

---

[1] ذخیرۃ العباد صفحہ ۱۲ مترجم

بسط الیدین للجمع بین الخلافتین

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ کی خلافتوں کا تقابلی جائزہ

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد :

۱. دونوں خلافتیں عام انتخابات سے عمل میں آئیں

خلفائے راشدینؓ میں دوسرے خلیفہ حضرت عمرؓ کو حضرت ابوبکرؓ نے نامزد کیا. عام انتخاب عمل میں نہ آیا. تیسرے خلیفہ حضرت عثمانؓ ایک چھ رکنی کمیٹی سے چنے گئے عام انتخاب عمل میں نہ آیا. صرف پہلے خلیفہ حضرت ابوبکرؓ اور چوتھے خلیفہ حضرت علیؓ عام انتخاب میں خلیفہ چنے گئے. رضی اللہ عنہم اجمعین. پہلی اور چوتھی خلافت کی یہ یکسانیت رہی.

۲. دونوں خلفاء کا انتخاب اچانک عمل میں آیا

دونوں خلافتوں کے انتخابِ عام کا پہلے سے کوئی اعلان نہ ہوا نہ اس کے لیے لوگوں کو پہلے سے سوچنے کا کوئی موقع دیا گیا. انصار اپنے میں سے خلیفہ چننا چاہتے تھے اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنے حینِ حیات کسی کو خلیفہ مقرر نہ کیا تھا ورنہ انصار بنو سقیفہ بنی ساعدہ میں اس کے لیے جمع نہ ہوتے. حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ بھی اچانک وہاں جا نکلے. وہاں انصار کے اجتماع میں اچانک خلیفہ چن لیا گیا بیعتِ عام پھر مسجد نبوی میں ہوئی اسی طرح شہادت حضرت عثمانؓ کے بعد حضرت علیؓ کا گھیراؤ کیا گیا اور اچانک آپ کو خلیفہ بنا لیا گیا اس کے بغیر ان باغیوں کے بچ نکلنے کی اور کوئی راہ نہ تھی.

فغشی الناس علیاً فقالوا نبایعك فقد تری مانزل بالاسلام وما ابتلینا به من ذوی القربیٰ.[1]

ترجمہ. لوگ حضرت علیؓ پر ٹوٹ پڑے اور کہا ہم آپ کی بیعت کرتے ہیں آپ دیکھ رہے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کے قتل سے اسلام پر کیا مصائب ٹوٹ پڑے ہیں اور پیغمبر کی قرابت میں ہم کس طرح آزمائش میں پڑے ہیں.

---

[1] تاریخ ابن جریر طبری جلد ۵ ص ۱۵۶

شریف رضی نہج البلاغہ میں آپ کے خلیفہ چنے جانے کا حال آپ کی زبان سے اس طرح نقل کرتا ہے :۔

فاقبلتم الی اقبال العوذ المطافیل علی اولادھا تقولون البیعة. قبضت یدی فبسطتموھا و نازعتکم یدی فجذبتموھا.[1]

ترجمہ. تم اس طرح میری طرف بڑھے جیسے بچوں والی اونٹنیاں اپنے بچوں کی طرف بڑھتی ہیں. تم بیعت بیعت پکار رہے تھے میں اپنا ہاتھ کھینچ رہا تھا اور تم اپنے ہاتھ پھیلا رہے تھے میں نے اپنے ہاتھ کو تم سے چھینا چاہا مگر تم نے اسے اپنی طرف کھینچا.

دعونی والتمسوا غیری فانا مستقبلون امرًا له وجوه والوان لا تقوم له القلوب ولا تثبت علیه العقول.... وان ترکتمونی فانا کاحدکم ولعلی اسمعکم واطوعکم لمن ولیتموه امرکم وانا لکم وزیرًا خیر لکم منی وزیرًا[2]

ترجمہ مجھے چھوڑ دو اور کسی اور کو تلاش کرو ہم ایسی صورتِ حال کی طرف جا رہے ہیں جس کے کئی رُخ اور کئی رنگ ہیں اس کے لیے دل ٹھہر نہیں سکتے اور نہ عقلیں اسے مان سکتی ہیں.... مجھے اگر تم رہنے دو تو میں تم جیسا ہی ہوں گا اور ہو سکتا ہے کہ جسے تم چنو میں تم سب سے زیادہ اس کی بات سننے والا اور اس کی بات ماننے والا بنوں میں تم میں وزیر ہو کر رہوں اس سے بہتر ہے کہ میں تم ہیں امیر بنوں.

پھر یہ بھی فرمایا :۔

واللہ ما کانت لی فی الخلافة رغبة ولا فی الولایة اربة ولٰکنکم دعوتمونی الیھا وحملتمونی علیھا.[3]

ترجمہ. خدا کی قسم مجھے تو کبھی بھی اپنے لیے خلافت اور حکومت کی تمنا نہ رہی اور نہ مجھے والی بننے کی کبھی حاجت ہوئی. تم ہی لوگوں نے مجھے اس کی طرف دعوت دی اور تم ہی نے مجھے اس کی طرف آمادہ کیا.

حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ کو خطاب کر کے فرمایا :۔

---

[1] نہج البلاغہ جلد ۲ ص ۲۸ [2] ایضاً جلد ۱ ص ۱۸۲ [3] ایضاً جلد ۲ ص ۲۱۰

انی لم اردالناس حتی ارادونی ولم ابایعھم حتی بایعونی۔[1]

ترجمہ میں لوگوں کی طرف نہیں چلا جب تک وہ خود میری طرف نہیں بڑھے میں نے انہیں بیعت نہیں کیا جب تک وہ خود مجھ سے بیعت نہیں ہوئے۔

۳۔ دونوں خلفاء نے خلافت سے دستبردار ہونے کی خواہش کی

یہ دونوں حضرات اتنے پاکباز اور صفاکیش تھے کہ دنیوی اقتدار ان کی نظر میں کوئی شئے نہ تھا خلافت ان کو دی گئی یہ خود اس کی تلاش میں نہ نکلے نہ انہوں نے کبھی اس کی خواہش کی تھی حضرت ابوبکرؓ نے ابتداء خلافت میں ہی ایک دفعہ یہاں تک کہہ دیا۔

اور حضرت علیؓ نے بھی اپنے لشکروں کو کہا:۔

دعونی والتمسوا غیری۔

مجھے چھوڑ دو میں چھٹی چاہتا ہوں اور کسی اور کو سربراہ بنالو۔

۴۔ دونوں خلفاء کی خلافت مدینہ منورہ میں عمل میں آئی

حضرت علی المرتضیٰؓ کی خلافت پہلی تین خلافتوں پر مبنی تھی اس کا انتخاب بھی مدینہ منورہ میں عمل میں آیا۔ آٹھ ماہ تک آپ نے مدینہ منورہ کو ہی دارالخلافہ رکھا۔ جب آپ کو خبر ملی کہ حضرت ام المومنینؓ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ اپنے ہم خیال لوگوں کی ایک بڑی جمعیت کے ساتھ بصرہ جارہے ہیں تو آپ بھی حالات کا سامنا کرنے کے لیے سوئے عراق چلے۔ بصرہ کے حالات درست ہونے پر آپ کوفہ آئے اور نئے حالات میں آپ نے کوفہ کو دارالحکومت بنانے کی تدبیر کی۔ تاہم اس میں کوئی شک نہیں کہ عقدِ خلافت کے وقت آپ کا دارالحکومت بھی مدینہ منورہ ہی تھا۔ حضرت علیؓ کی حکومت، لوغا حضرت ابوبکرؓ کی سی ہی تھی اور اس وقت کے عام مسلمان آپ کی خلافت کو حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کا تسلسل ہی سمجھتے تھے۔

---

[1] نہج البلاغہ جلد ۲ صد ۱۲۲

قاضی نوراللہ شوستری (۱۰۱۹ھ) لکھتا ہے:۔

حضرت امیر درایام خلافت خود دید کہ اکثر مردم حسن سیرت ابوبکر وعمر را معتقدند والیشاں را برحق مے دانند قدرت برآں نداشت کہ کارے کند کہ دلالت برفساد خلافت ایشاں داشتہ باشد۔[1]

۵۔ باغِ فدک کے بارے دونوں کا فیصلہ ایک رہا

حضرت ابوبکرؓ نے باغ فدک حضرت فاطمہؓ اور ان کی اولاد کے لیے وقف کر رکھا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں بھی ایسا ہی تھا تاہم اس کے مالکانہ حقوق بیت المال میں ہی رہے۔ اس کی پیداوار آمدنی حضراتِ اہلبیت پر ہی خرچ ہوتی رہی۔ حضرت علیؓ کے دورِ حکومت میں فدک کی زمین حضرت علیؓ کی عملداری میں تھی حضرت معاویہؓ کی عملداری میں نہ تھی۔ حضرت فاطمہؓ گو اس وقت زندہ نہ تھیں۔ ان کے وارث حضرت حسنؓ اور حسینؓ موجود تھے۔ حضرت علیؓ اگر چاہتے تو فدک کی زمین انہیں دے سکتے تھے لیکن انہوں نے ایسا نہ کیا۔ آپ کا فیصلہ حضرت ابوبکرؓ کے فیصلے پر ہی رہا۔

سید علی نقی شارح نہج البلاغہ لکھتا ہے:۔

ابوبکر غلہ وسود آں گرفتہ بقدر کفایت باہل بیت علیہم السلام مے داد وخلفاء بعد از دہم برآں اسلوب رفتار نمودند۔[2]

۶۔ دونوں خلافتوں میں سب لوگ ایک ہی مسجد میں نماز پڑھتے رہے

دونوں خلافتوں میں گو کئی اختلافات بھی ہوئے لیکن سب مسلمانوں کی مسجد ایک ہی رہی اختلاف عقیدہ پر کوئی مسجد نہ بنی۔ حضرت علیؓ اور حضرت خالد بن ولیدؓ اکٹھے نماز پڑھتے تھے اور دونوں حضرت ابوبکرؓ کی اقتدار میں نمازیں پڑھتے تھے۔ طبرسی دونوں میں دشمنی اور ارادہ قتل کی داستان وضع کرتے ہوئے دونوں کا ایک جگہ نماز پڑھنے کا اس طرح اقرار کرتا ہے۔

ثم قام وتھیأ للصلوٰۃ وحضر المسجد وصلی خلفہ ابی بکر[3]

---

[1] مجالس المومنین جلد ۱ صفحہ ۵۴ [2] شرح نہج البلاغہ جلد ۵ صفحہ ۹۶۰ [3] کتاب الاحتجاج للطبرسی صفحہ ۶۰

اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ ان دنوں شیعہ سنی نام سے ہرگز کوئی اعتقادی تفریق موجود نہ تھی سب لوگ ایک مسجد میں ایک ہی طرح سے نماز پڑھتے تھے۔ اختلاف عقائد پر کہیں مسجدیں علیحدہ علیحدہ نہ تھیں

۷. دونوں خلافتوں کی بناء اہلیت پر رہی وراثت پر نہیں

حضرت ابوبکرؓ نے اپنے بعد اپنے بیٹے کو اپنا جانشین مقرر نہیں کیا حضرت عمرؓ کو کیا اور وہ ان کے خاندان (بنو تیم) میں سے نہ تھے۔ حضرت علیؓ نے بھی اپنے بعد اپنے بیٹے حضرت حسنؓ کو نامزد نہ کیا انہیں لوگوں نے آپ کے بعد آپ کا جانشین چُنا۔ آپ سے جب پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا میں نہ اقرار کرتا ہوں نہ انکار۔ انکار نہ کرنے کی اس لیے تصریح کی کہ اگر امت حضرت حسنؓ کو چننا چاہے تو لوگوں کے لیے آپ کا انکار مانع نہ ہو۔ حضرت عمرؓ نے اپنے بیٹے کو خلیفہ بنانے سے کھلے بندوں منع کیا تھا۔

۸. دونوں خلافتوں میں قرآن کریم ایک ترتیب پر رہا

حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں قرآن کریم عہد رسالت مآب کی اختیار کردہ ترتیب پر کتابی شکل میں آیا۔ حضرت عثمانؓ نے اسے ہی ایک لغت قریش پر بند کیا۔ حضرت معاویہؓ کے پاس وہی حضرت عثمانؓ کا جمع کردہ قرآن تھا جسے آپ نے جنگِ صفین کے آخر میں بانسوں پہ بلند کیا اور حضرت علیؓ نے اپنے فوجیوں کو جنگ سے روک دیا کہ اب میں قرآن کے سامنے جنگ جاری نہیں رکھ سکتا۔

اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ حضرت علیؓ مرتضیٰؓ کے پاس کوئی علیحدہ قرآن نہیں تھا۔ جسے آپ نے ترتیبِ نزول سے جمع کیا ہو۔ یہ بات بعد میں کسی مُلّا نے گھڑی اور کئی شیعہ اس گندی رو میں بہہ گئے۔

۹. دونوں خلافتوں میں نظام شورائی تھا کوئی خلیفہ آسمانی عہدے کا مدعی نہ تھا

حضرت ابوبکرؓ اس نظامِ شریعت پر عمل کرتے تھے۔

اور حضرت علیؓ بھی اپنے لیے کسی آسمانی عہدے کے مدعی نہ تھے ورنہ آپ جنگ صفین کے آخر میں حضرت ابو موسےٰ الاشعریؓ کو یہ حق نہ دیتے کہ میرے بارے میں تم جو فیصلہ کرو مجھے منظور ہوگا. تم میری طرف سے میرے حکم ہو. حضرت معاویہؓ کے حکم حضرت عمرو بن العاصؓ تھے. انہوں نے حضرت معاویہؓ کو گورنری سے برطرف نہ کیا تھا نہ اس بارے میں دونوں حکموں میں کوئی بات طے ہوئی تھی. حضرت معاویہؓ خلافت کے مدعی نہ تھے اس لیے حضرت عمرو بن العاصؓ نے انہیں اس فرضی عہدے سے برطرف نہ کیا.

۱۰. دونوں خلافتوں میں اندرونِ سلطنت بغاوتوں کے سیلاب

حضرت ابوبکرؓ نے آغازِ سلطنت میں بہت سی بغاوتوں کو فرو کیا. حضرت علیؓ کے خلاف زیادہ تر مسلمان ہی اُٹھے. آپ کی جنگیں کافروں سے نہیں خود اپنوں سے ہی ہوئیں. یہ تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ تھا.

حضرت علی مرتضیٰؓ کی سیاسی بصیرت

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد :

کئی حلقوں میں یہ خیال پایا جاتا ہے کہ حضرت علیؓ جرأت و شجاعت میں تو واقعی شیر خدا اور حیدر کرار تھے لیکن حکمرانی اور آدابِ جہانبانی میں وہ گہری سوچ نہ رکھتے تھے۔ آپ نے برسر خلافت آتے ہی پچھلے سب گورنر معزول کر دیئے۔ آپ کا یہ اقدام آپ کی خلافت کو کوئی استحکام نہ دے سکا۔ آپ کے ذہن میں یہ بات تھی کہ شاید عوام اپنے گورنروں سے واقعی خوش نہ ہوں سو آپ کے اس اقدام سے آپ کو عوام کی عام ہمدردی حاصل ہو جائے گی۔ آپ کا یہ خیال درست نہ نکلا کاش وہ یہ بات جانتے ہوتے کہ اسلامی خلافت کو توڑنے کے لیے یہ چال ابن سبا یہودی چل رہا تھا کہ حضرت عثمانؓ کے مقرر کردہ گورنروں کے خلاف شکایات ہی شکایات ہیں اور اب انہیں بڑھاپے کی وجہ سے خلافت سے دستبردار ہو جانا چاہیئے۔

بات اس طرح نہیں کیا حضرت علیؓ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث معلوم نہ تھی کہ حضرت عثمانؓ اور آپ دونوں اہل جنت میں سے ہیں اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور کیا آپ نہ جانتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمانؓ کو شہادت کی خبر دے چکے تھے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لرزتے پہاڑ کو کہا تھا کہ سکون کر تجھ پر ایک نبی ایک صدیق اور دو شہید کھڑے ہیں۔ یہ دوسرے شہید کون تھے ؟ — حضرت عثمانؓ۔

حضرت علی المرتضیٰؓ سمجھتے تھے کہ یہ گورنر سبائیوں کو مدینہ منورہ آنے سے روکنے میں ناکام رہے ہیں اس لیے وہ چاہتے تھے کہ مدینہ منورہ میں قاتلانِ عثمان پر قابو پانے کے لیے اپنی خلافت کو مختلف صوبوں کی جڑوں سے مستحکم کریں۔ جو استحکام اطراف سے آئے گا وہ ایک مضبوط مرکز کا سبب ہو گا۔

آپ کی سیاسی بصیرت معلوم کرنے کے لیے آپ مندرجہ ذیل امور پر غور کریں :-

۱۔ آپ نہ چاہتے تھے کہ کسی قیمت پر شام اور مصر ان کی حکومت سے جدا ہوں اور ایک دوسری متوازی حکومتِ اسلامی عمل میں آئے۔ آپ نے گورنر شام امیر معاویہؓ سے جنگ کرنا تو

گوارا کر لیا لیکن امت کو دو ٹکڑوں میں تقسیم ہونے سے بچا لیا۔ یہ گوارا نہ کیا کہ مسلمانوں کی دو مستقل سلطنتیں ہوں۔ آپ ایک سلطنت کی کوشش میں یہاں تک آگے گئے کہ پھر بذریعہ حکم اپنی سلطنت چھوڑنے کا اعلان کر دیا۔ بشرطیکہ امت کسی متفق علیہ حکمران پر جمع ہو جائے جب آپ تحکیم حکمین سے امت کو ایک نہ کر سکے بلکہ اسی تحکیم سے ایک تیسرا گروہ خوارج پیدا ہوا تو آپ نے ۴۰ھ میں گورنر شام حضرت معاویہؓ سے جنگ بندی کی اور کچھ عارضی مصالحت کر لی۔ تاکہ مسلمانوں کی مزید خونریزی نہ ہو۔ اس مصالحت میں حضرت علیؓ کا اصل مطمع نظر اتحادِ امت تھا جسے سب سے زیادہ جاننے والے آپ کے بیٹے حضرت حسنؓ تھے۔ جنہوں نے اس عارضی مصالحت کو آئندہ وحدتِ امت کا زینہ بنایا اور پوری حکومت کو پھر سے ایک کر دیا۔

۲. آپ اس نظریے کے نہ تھے کہ خلافت صرف بنو ہاشم کا حق ہے۔ آپ سمجھتے تھے کہ قریش کی سیادت سے چلنے والی قوم کبھی قریش کی ایک شاخ کو قیادت نہ دے گی۔ اس صورت میں خلافت میں اور بادشاہت میں فرق قائم نہ رکھا جا سکتا۔

سقیفہ بنی ساعدہ میں جب حضرت ابو بکرؓ کو خلیفہ چنا گیا تو ایک روایت کے مطابق یہ بات حضرت علیؓ کے دل پر گراں گذری۔ اس لیے آپ نے چھ ماہ بعد بیعت کی اور فرمایا ہم حضرت ابو بکرؓ کی فضیلت سے انکار نہیں کرتے ہمیں شکایت صرف اس بات کی تھی کہ ہم بنو ہاشم کو سقیفہ بنی ساعدہ میں بلایا نہ گیا تھا۔ ہمیں کیوں شریک مشورہ نہ کیا گیا۔

اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ آپ خلافت کو بنو ہاشم میں محدود نہ سمجھتے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ بنو تمیم میں سے تھے مگر خلیفہ ہوئے۔ حضرت عمرؓ بنی عدی میں سے تھے مگر خلافت کی اور حضرت عثمانؓ بنو امیہ میں سے تھے لیکن حضرت علیؓ نے باری باری ان تینوں کی خلافت تسلیم کی آپ کا نظریہ خلافت یہ تھا کہ مہاجرین و انصار جس پر جمع ہو جائیں وہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے پسندیدہ امام ہے۔ آپ نے فرمایا:۔

انما الشوریٰ للمهاجرین والانصار فان اجتمعوا علیٰ رجل وسموه اماماً کان من الله رضی۔[1]

ترجمہ۔ شوریٰ مہاجرین اور انصار دونوں پر ہے اگر یہ کسی ایک پر جمع ہو جائیں اور اسے امام ٹھہرائیں تو اللہ کی طرف سے بھی وہی پسندیدہ ہے۔

---

[1] نہج البلاغہ ص

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ سب مسلمانوں کا شوریٰ میں موجود ہونا ضروری نہیں جو موجود ہوں وہ ان کی طرف سے بھی فیصلہ کر سکتے ہیں جو نہ ہوں۔

ولکن اھلھا یحکمون علی من غاب عنھا۔ [1]

ترجمہ: لیکن جو موجود ہوں وہ ان کے لیے بھی فیصلہ کرتے ہیں جو موجود نہ ہوں۔

اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ آپ کا حضرت ابوبکرؓ کی بیعت میں تخلف اور آپ کا یہ کہنا کہ ہمیں سقیفہ بنی ساعدہ کی میٹنگ میں کیوں نہ بلایا گیا صرف ایک فطری احساس تھا آپ کا عقیدہ اس کے خلاف نہ تھا. حضرت معاویہؓ نے جب آپ پر اعتراض کیا کہ آپ کی بیعت میں اہل شام کو کیوں نہ بلایا گیا تو آپ نے اس کے جواب میں یہ بات کہی کہ حاضرین کا فیصلہ غائبین کے لیے حجت ہوگا۔

اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ آپ حضرت معاویہؓ سے ان کے نظریات سے نہیں اپنے اصولوں سے ہمکلام ہوتے تھے۔ سو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آپ نے اسلامی خلافت کو نص سے نہیں شوریٰ سے قائم کرنا محض الزامی طور پر بیان کیا ہوگا۔ آپ کی اونچی سیاسی بصیرت کیسے اجازت دے سکتی تھی کہ خلافت نسلاً بعد نسل ایک ہی خاندان میں رہے۔ زمانہ جوں جوں کروٹیں لے رہا ہے بیٹے کی بادشاہت باپ کی وراثت سے کہیں بھی پسند نہیں کی جا رہی۔

۲. حضرت عمرؓ کے سیاسی تدبر سے کوئی انکار نہیں کر سکتا. آپ کو اللہ تعالیٰ نے اصول حکمرانی اور معاملہ فہمی میں عجیب بصیرت عطا فرمائی تھی. آنحضرتؐ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی آپ کو اپنی مجلس میں شامل رکھتے تھے۔ یہ حضرت عمرؓ حضرت علیؓ سے سیاسی مشورہ کرتے تھے۔

تاریخ نے اس کی شہادت بھی محفوظ کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے ایک بیرونی سفر کے موقع پر حضرت علیؓ کو اپنا قائم مقام خلیفہ بنایا. اس سے معلوم ہوا کہ آپ کی نظر میں حضرت علیؓ خلافت کی پوری سیاسی بصیرت رکھتے تھے. آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمرؓ کے چیف سیکرٹری بھی رہے۔ ہاں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے چیف سیکرٹری حضرت عثمانؓ رہے. آپ نے اپنے دورِ خلافت میں بھی خلفائے ثلثہ کی پیروی کی ہم کہتے ہیں آپ کی خلافت دیانتہً حضرات خلفائے ثلثہ کی خلافت پر مبنی تھی. البتہ قاضی نور اللہ شوستری (۱۰۱۹ھ) آپ کی خلفائے ثلثہ کی پیروی کو آپ کی سیاسی مصلحت پر محمول کرتا ہے. دوسروں کے اعمال کے پیچھے اپنی نیت کار فرما کرنا کسی صاحب انصاف کا فیصلہ نہیں ہو سکتا۔

---

[1] نہج البلاغۃ صفحہ ۱۰۵ ج ۲

۴۔ مخالفین کے اسلامی حقوق کا اعتراف

آپ کے مخالفین میں سب سے آگے امیر معاویہ رض کا نام آتا ہے۔ آپ صرف مخالف نہیں ان سے محارب بھی رہے، گو ۴۰ھ کی صلح کے بعد آپ ان کے محارب نہ رہے۔ حضرت علی رض نے آپ سے جنگوں کے دوران بھی (یعنی جب کہ وہ آپ کے محارب تھے) آپ کے اسلامی حق کا پورا اقرار کیا اور بتلایا کہ خونِ عثمان پر ہونے والے اختلاف سے معاویہ رض کو اہل قبلہ میں سے نکالا نہیں جا سکتا۔ خدا اور اس کے رسول پر ایمان رکھنے میں ہم دونوں برابر ہیں۔ آپ نے فرمایا:۔

کان بدء امرنا انا التقینا والقوم من اھل الشام والظاھر ان ربنا واحد ونبینا واحد ودعوتنا فی الاسلام واحدۃ لا نستزیدھم فی الایمان باللہ والتصدیق برسولہ ولا یستزیدوننا الامر واحد الا ما اختلفنا فیہ من دم عثمان ونحن منہ براء۔[1]

ترجمہ: ہمارے معاملے کی ابتدا یوں ہوئی کہ ہم اور اہل شام اُلجھ پڑے حالانکہ ہمارا رب ایک رسول ایک دعوت فی الاسلام ایک رہی۔ ہم ان سے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے میں زیادہ نہیں اور وہ ہم سے ایمان میں زیادہ نہیں معاملہ ایک سا ہے اور سلسلہ اختلاف خونِ عثمان کے بارے میں ہے اور ہم اس سے بری ہیں۔

حضرت عمار بن یاسر رض کے سامنے کسی نے حضرت امیر معاویہ رض کی تکفیر کی۔ آپ نے اسے روکا اور فرمایا:۔

لا تقولوا ذلک نبینا ونبیھم واحد وقبلتنا وقبلتھم واحدۃ ولکنھم قوم مفتونون۔[2]

ترجمہ: تم ایسا نہ کہو ہمارا اور ان کا پیغمبر ایک ہے ہمارا قبلہ بھی ایک ہے لیکن وہ لوگ ایک فتنہ میں ڈال دیئے گئے ہیں۔

جنگ جمل کے خاتمہ پر آپ نے کس جذبہ اعتقاد سے حضرت طلحہ رض کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور کس جذبہ اعتقاد سے حضرت زبیر رض کے قاتل کو جہنم کی بشارت دی؟ کس حسنِ عقیدت سے ام المومنین

---

[1] نہج البلاغہ جلد ۳ صـ ۱۲۴ [2] المصنف لابن ابی شیبہ جلد ۱۵ صـ ۲۹۰

حضرت عائشہ صدیقہ رض کو مدینہ رخصت کیا اور فرمایا :-

ولھا بعد حرمتھا الاولیٰ والحساب علی اللہ۔ [1]

ترجمہ۔ اور آپ کا احترام اب کے بعد بھی اسی طرح ہے جیسا کہ پہلے تھا اور معاملے کو ہم خدا پر چھوڑتے ہیں۔

آپ نے اپنے خلاف لڑنے والوں کی بھی نماز جنازہ پڑھی انہیں اپنے انکار کے باعث کافر نہ ٹھہرایا مسلمان بھائی کہا۔ آپ نے کہا یہ ہمارے بھائی ہیں جو ہمارے خلاف اُٹھے۔

اخواننا بغوا علینا۔ [2]

حضرت طلحہ رض کی شہادت حضرت علی رض سے لڑتے ہوئے نہیں ہوئی۔ آپ بصرہ میں حضرت علی رض سے مل چکے تھے اور اپنی مخالفت ختم کرلی تھی۔ مگر کسی بدبخت نے آپ کو ظلماً شہید کر دیا۔ اگر آپ خلیفہ راشد سے لڑتے ہوئے مارے جاتے تو ایسا نہ ہوتا کہ انبیاء کی طرح آپ کا جسد مٹی پر حرام کر دیا جاتا جمیس بن حازم رض سے مروی ہے :-

رای بعض اھل طلحۃ بن عبید اللہ انہ رآہ فی النوم فقال انکم دفنتمونی فی مکان قد اتانی فیہ الماء فحولونی منہ فحولوہ فاخرجوہ کانہ سلقۃ لم یتغیر منہ شیء الا شعرات من لحیتہ۔ [3]

حضرت علی المرتضیٰ رض نے آپ کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور فرمایا یہ وہ ہاتھ ہے جس نے احد کے دن چہرہ نبوت سے تیروں کے لگنے کو روکا تھا۔

اپنے سیاسی مخالفین کے بارے میں یہ اعتراف حق اسے ہی نصیب ہو سکتا ہے جو نہایت اعلیٰ درجہ کی سیاسی بصیرت رکھتا ہو۔ حضرت طلحہ رض و زبیر رض دونوں آپ کی مخالفت سے کنارہ کش ہو چکے تھے۔

آپ نے اپنے قاتل عبدالرحمٰن بن ملجم کے بارے میں بھی وصیت کی کہ اگر میں اس وار سے جانبر نہ ہو سکوں تو اسے قصاص میں ایک وار میں قتل کرنا۔ زیادہ وار کر کے اذیت نہ دینا اس لئے مجھ پر ایک ہی وار کیا ہے۔ اس سے بھی آپ کے عظیم سیاسی تدبر کا پتہ ملتا ہے۔ ورنہ جذبات میں انسان کیا کچھ نہیں کر گزرتا۔ آپ کو اللہ تعالےٰ نے عجیب شان تحمل عطا فرمائی تھی۔

---

[1] نہج البلاغۃ جلد ۲ ص ۶۳ [2] ایضاً جلد ۲ ص [3] المصنف لعبد الرزاق جلد ص ۵۴۱

حضرت علیؓ نے جس ایمان افروز پیرایہ میں اپنے اختلاف میں کمی بتلائی ہے کاش کہ آپ کے جملہ محبتین بھی اسی پیرایہ میں اختلاف بڑھانے کی روایات سے پرہیز کریں اور اختلاف کو کم کرنے میں اپنے خیرخواہ امت ہونے کا ثبوت دیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی محنت سے یہ امت بنائی تھی کوئی سعیٔ اختلاف بڑھانے میں کسی درجہ میں راحت نہ پا سکے گی۔

حضرت علیؓ کے بڑے صاحبزادے حضرت حسنؓ حضرت علیؓ کی اسی پالیسی پہ چلے اور آپ نے حضرت معاویہؓ سے صلح کر کے پوری امت کو پھر سے جوڑ دیا۔ گو آپ کے اپنے حلقے کے کچھ لوگ اس سے ناراض بھی ہوئے مگر آپ نے ان کے سامنے حضرت معاویہؓ کو علی الاعلان اہل قبلہ میں سے بتایا اور بتایا کہ ہمارا کلمہ اسلام لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ میں کوئی اختلاف نہیں ہم سب اصولِ دین میں ایک ہیں۔ اختلاف صرف چند طریقوں میں ہوا اور ہم ایک دوسرے سے دور ہوتے چلے گئے۔ اب بھی کوئی ان اختلافات کو خدا کے سپرد کرے ان کی بحثوں میں نہ جائے تو وہ خدا کی بادشاہی میں داخل ہو سکتا ہے۔

حضرت حسنؓ نے اس وقت حضرت معاویہؓ سے کہا میں آپ سے بات نہیں کرتا یہ آپ سے متعلق نہیں ہیں اپنے ان بنو ہاشم بھائیوں سے بات کر رہا ہوں۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ آپ یہ بات حضرت معاویہؓ کو خوش کرنے کے لیے نہیں کر رہے تھے اپنے اہلبیت کو ایک لائحہ عمل دے رہے تھے کہ اہل قبلہ میں سب سے خیرخواہی کے ساتھ چلیں۔ علامہ طبرسی کہتے ہیں کہ آپ نے اس خطبہ سے پہلے حضرت معاویہؓ سے کہا:۔

لاقولن کلامًا ما انت اهله ولکن اقول لیسمعه بنو ابی هؤلاء۔

ترجمہ: میں وہ بات کہوں گا جو آپ سے متعلق نہیں لیکن میں یہ اس لیے کہہ رہا ہوں کہ اسے یہ میرے باپ کی اولاد جو میرے گرد جمع ہیں سب سن لیں۔

پھر آپ نے یہ بصیرت افروز خطبہ دیا:۔

الناس قد اجتمعوا علیٰ امور کثیرة لیس بینهم اختلاف فیها ولا تنازع ولا فرقة علیٰ شهادة ان لا اله الا الله وان محمدًا رسول الله عبده والصلوٰة الخمس والزکوٰة المفروضة وشهر رمضان وحج البیت ثم اشیاء کثیرة من طاعة الله لا تحصیٰ ولا یعدها الا الله واجتمعوا علیٰ تحریم الزنا والسرقة والکذب والقطیعة والخیانة واشیاء کثیرة من معاصی الله لا تحصیٰ ولا یعدها الا الله

واختلفوا فی سنن اقتتلوا فیها وصاروا فرقا یلعن بعضهم بعضا وهی الولایة ویتبرأ بعضهم عن بعض ویقتل بعضهم بعضاً ایهم احق والاولی بها الافرقة تتبع کتاب الله وسنة نبیه فمن اخذ بما علیه اهل القبلة الذی لیس فیه اختلاف ورد علم ما اختلفوا فیه الی الله سلم ونجا به من النار ودخل الجنة ومن وفقه الله ومن علیه واحتج علیه بان نور قلبه بمعرفة ولاة الامر من ائمتهم ومعدن العلم این هو فهو عند الله سعید ولله ولی له

ترجمہ تحقیق مسلمانوں کا بہت سی باتوں پر اتفاق ہے اور ان میں کوئی اختلاف اور تنازع نہیں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت دینے میں اور پانچ نمازوں، فرض زکوٰۃ، رمضان کے روزوں اور حج بیت اللہ میں آپس میں کوئی فرقہ بندی نہیں ہے پھر خدا کی تابعداری میں اور بھی کئی چیزیں ہیں جن میں اختلاف نہیں یہ بیشمار ہیں اور انہیں خدا ہی جانتا ہے زنا اور چوری کے حرام ہونے پر جھوٹ آپس کے قطع تعلقات اور خیانت کے حرام ہونے پر سب کا اتفاق ہے اور اللہ کی نافرمانی کے اور بھی بہت عمل ہیں جن کے حرام ہونے پر سب متفق ہیں ان کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا اور ان کا شمار اللہ ہی کے ہاں ہے۔

ہاں مسلمانوں میں کچھ طریقوں میں اختلاف ہوا کہ وہ آپس میں لڑ پڑے اور کئی گروہ بن گئے ایک دوسرے کو لعنت کرنے لگے اور وہ مسئلہ ولایت (حکومت) رہے۔ اس میں وہ ایک دوسرے سے بیزار ہوئے اور ایک دوسرے کو قتل کرنے لگے کہ ان کا حق زیادہ ہے اور وہ اس کے زیادہ لائق ہیں ہاں ایک گروہ جو کتاب و سنت کی پیروی میں چلا وہ ان زیادتیوں میں نہیں پڑا۔ پس جو شخص ان باتوں کو اپنائے جن پر تمام اہل قبلہ متفق ہیں اور ان میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور جن میں اختلاف ہے انہیں جاننا اللہ کے سپرد کرے (ان پر اختلافی مورچے نہ بنائے) وہ بچ گیا اور آگ سے نجات پا گیا اور وہ جنت (میں داخل ہونے) کے لائق ہوا اور جسے اللہ توفیق دی اور اس پر احسان کیا اور اس پر بات کھلی کہ نور قلب اسی میں ہے کہ وہ ائمہ اولی الامر اور معادن علم کو پہچانے وہ اللہ کے ہاں سعادت پا گیا اور اللہ کی دوستی میں آ گیا۔

اس خطبہ کے آخری حصہ میں دو باتوں میں تعارض ہے۔ ایک یہ کہ جن باتوں میں اہل قبلہ میں کچھ اختلاف ہے انہیں اللہ کے سپرد کیا جائے۔ دوم یہ کہ اپنے ائمہ ولایت کو پہچانے۔ اگر پہچاننے سے مراد صرف جاننا ہے

لے کتاب الاحتجاج ص

تو بیشک یہ صرف ایک ظاہری تعارض ہے اور اگر اس ولایت سلطنت پر اختلاف کے موجب بنانا اور اس اختلاف کو عام پھیلانا ہے تو یہ بیشک امام کی پہلی بات سے کھلا ٹکراؤ ہے جس میں وہ اختلافی امور کو اللہ کے سپرد کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ اس آخری بات میں علامہ طبرسی کی کچھ اپنی بات ہے ورنہ یہ نہیں ہو سکتا کہ حضرت حسنؓ بنو ہاشم کو بنو امیہ سے اتحاد کی تعلیم دیتے ہوئے آخر میں پھر ایک اختلاف کو معرفت اولی امر کے عنوان سے اپنے حلقے کے لیے موجب سعادت ٹھہرائیں جب کہ ان اختلافی امور کو خدا کے سپرد کرنے اور ان میں نہ الجھنے کے عمل پر جملہ اہل قبلہ کو وہ خود جنت کی بشارت دے چکے ہیں۔

اس آخری جملے کو اگر الحاقی نہ سمجھیں تو اس سے حضرت حسنؓ کے پہلے بصیرت افروز پیغام صلح میں کوئی وزن باقی نہیں رہ جاتا۔ سعادت اسی میں ہے کہ اختلاف رحل کیا جائے اور وہ حضرت امام نے اسے اللہ کے سپرد کرنے کی تلقین سے کر دیا ہے۔ سو اب ہم سب کا فرض ہے کہ حضرت امام کے بتائے اتفاقی امور پر ہم سب مجتمع رہیں اور باقی اختلافات کو اللہ کے سپرد کر دیں وہ خود یوم الحساب کو اس کا فیصلہ کر دیں گے۔

حضرت علیؓ کے مدینہ چھوڑنے پر اعتراض نہ ہونا چاہیئے

خارجی لوگ اکثر یہ بھی کہتے ہیں کہ آپ پہلے حکمران ہیں جنہوں نے اسلام کی پہلی ہجرت چھوڑی اور مدینہ کی بجائے کوفہ کو پسند فرمایا۔ صورت حال یہ نہیں، یہ اس لیے نہ تھا کہ آپ مدینہ منورہ میں رہنا پسند نہ کرتے تھے۔ ایسا ہوتا تو حضرت حسنؓ نے جب خلافت حضرت امیر معاویہؓ کے سپرد کی تو وہ پھر مدینہ منورہ آکر سکونت اختیار نہ کرتے۔

یہاں یہ بات نہ بھولیے کہ آپ کا عقد خلافت مدینہ میں ہی واقع ہے اور وقت انعقاد خلافت آپ کی سلطنت پوری قلمرو اسلامی تھی۔ ایسے مواقع پر حاضرین کا فیصلہ غائبین پر ہی لوٹتا ہے۔ حضرت معاویہؓ کا اختلاف اس کے بعد کا ہے اور شام اس کے بعد ہی حضرت علیؓ کے دائرہ سلطنت سے نکلا ورنہ پہلے آپ اہل شام کی طرف سے بھی خلیفہ تھے۔

حضرت علیؓ نے ابتدا میں ہی بھانپ لیا تھا کہ حضرت عثمانؓ اس امت کے وہ امام ہیں جن کے قتل پر مسلمانوں میں وحدت نہ رہے گی۔ اور بہت ممکن ہے ان کی آپس میں جنگیں ہوں جواب تک نہ ہوئی تھیں۔ آپ نے اسی خدشہ سے اپنا دارالحکومت مدینہ سے کوفہ منتقل کر لیا۔ مبادا کہ باہمی اختلافات میں کہیں مدینہ منورہ کی حرمت ریزی ہو یہ حرم رسول ہے اسے اسی عزت و آبرو میں رہنا چاہیئے۔

آپ کی سیاسی عظمت کی اس سے بڑی دلیل اور کیا ہوگی کہ حضرت عمرؓ نے آپ کو اپنا سیاسی مشیر مقرر کیا ہوا تھا۔ آپ اس بات کو پسند نہ کرتے تھے کہ حضرت عمرؓ مدینہ منورہ سے باہر کسی جگہ فروکش ہوں۔ آپ فرماتے چکی اپنے قطب کے گرد گھومتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کا وہ قطب ہیں کہ مسلمانوں کی تمام سرگرمیاں ان کے گرد چلنی چاہیئں۔

حضرت عمرؓ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو تو عراق بھیجا لیکن آپ کو اپنے پاس ہی اپنی مدد کے لیے مدینہ میں رکھا۔ آپ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد عراق تشریف لائے اور پھر وہیں کے ہو کر رہ گئے۔

خارجیوں کا حضرت علیؓ پر ایک اعتراض

آپ نے حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی زندگی میں ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کرنا چاہا، اس پر حضرت فاطمہؓ آپ سے ناراض ہوئیں۔ اور ظاہر ہے کہ حضرت فاطمہؓ کی ناراضگی خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی تھی۔ اور حضورؐ کی ناراضگی اللہ رب العزت کی ناراضگی کو دعوت دینا تھا۔ آپ کا یہ ارادہ کرنا کیا حالات پر پوری نظر رکھتے ہوئے تھا؟ یا آپ نے بے خبری میں ایسا خیال دل میں بٹھا لیا تھا۔ آپ نے حضرت فاطمۃ الزہراؓ کو ناراض کرنے کا خطرہ کیوں مول لیا؟

جواب۔ حضرت علی المرتضیٰؓ کا ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کی خواہش کرنا کوئی گناہ نہ تھا۔ بات صرف اتنی ہے کہ آپ نے حضرت فاطمہؓ کے جذبات کا لحاظ نہ کیا۔ اگر آپ حضرت علی المرتضیٰؓ سے ناراض ہوئیں تو یہ آپ کا اپنا عمل تھا۔ حضرت علی المرتضیٰؓ نے اس نکاح کا ارادہ آپ کو اذیت پہنچانے کے لیے نہ کیا تھا۔ یہ صحیح ہے کہ آپ ناراض ہوئیں مگر آپ نے قصداً

آپ کو ناراض نہیں کیا قصداً ناراض کرنے کو اغضاب کہتے ہیں اور حدیث میں اسی پہ وعید ہے:۔

من اغضب فاطمة فقد اغضبنی.

ترجمہ. جس نے فاطمہؓ کو ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا.

ابوجہل کی بیٹی مسلمان تھی اور اس سے نکاح کی خواہش میں کوئی شرعی محظور نہ تھا. ہاں رواج زمانہ میں دیکھا گیا ہے کہ ایک خاوند کی دو تین بیویاں ہوں تو وہ ایک دوسرے کے میکے کو ناپسندیدگی سے دیکھتی ہیں. حضورؐ نے نہ چاہا کہ ابوجہل کی بیٹی کسی نادانی میں حضرت فاطمہؓ کے والدین کریمین کی شان میں کوئی بات کہہ دے اور اپنے ایمان سے ہاتھ دھولے. حضورؐ نے اگر حضرت علیؓ کو دوسرے نکاح سے منع کیا تو وہ اس مصلحت کے ماتحت تھا نہ کہ نکاح ثانی میں کوئی شرعی قباحت تھی. یہ ابوجہل کی بیٹی کے ایمان کو بچانے کے لیے رحمۃ للعالمین کی رحمت کی ایک جھلک تھی.

سوال. مصر کس طرح حضرت علیؓ کے ہاتھ سے نکل گیا؟

الجواب. مصر حضرت علیؓ کے قبضہ میں تھا اور وہاں آپ کی طرف سے قیس گورنر تھا مصر کے قریب شام تھا جہاں کے لوگ حضرت عثمانؓ کا قصاص لینے میں بہت تیز تھے ان کے اثر سے مصر میں بھی کچھ ایسے لوگ تھے جو شدت سے حضرت عثمانؓ کا قصاص چاہتے تھے. گورنر قیس بہت مدبر آدمی تھا وہ ان لوگوں پر سختی کرنے کے حق میں نہ تھا اور یہ باغی لوگ برابر تیز تھے کوئی جھکنے کے لیے تیار نہ تھا حضرت علیؓ نے قیس کو ہٹا کر محمد بن ابی بکر کو وہاں گورنر بنا دیا. اس نے ان باغیوں پر سختی کی. اس سے مصر میں شورش تیز ہو گئی.

ادھر شام کی طرف سے (جہاں حضرت معاویہؓ کی حکومت تھی) حضرت عمرو بن عاصؓ نے مصر پر حملہ کر دیا اور مصر کو اپنے قبضے میں لے لیا. مصر کے پہلے فاتح بھی حضرت عمرو بن عاصؓ ہی تھے اس لیے لوگ ان کے حسن سلوک کے پہلے سے قائل تھے.

محمد بن ابی بکرؓ عمرو بن عاصؓ کے مقابلہ میں کمزور تھے. حضرت علیؓ کی ان حالات پر پوری نظر تھی. آپ نے محمد بن ابی بکرؓ کی مدد کے لیے اشتر کو بھیجا. مگر اشتر ابھی پہنچے ہی نہ تھے کہ رستے میں اسے کسی نے قتل کر دیا. سو یہ ایک اتفاقی حادثہ تھا جس سے مصر حضرت علیؓ کے ہاتھ سے نکل کر امیر معاویہؓ کے دائرہ حکومت میں آگیا اسے ہم اس پر محمول نہیں کر سکتے کہ حضرت علیؓ کی سیاسی بصیرت میں کوئی کمی تھی.

نامناسب نہ ہوگا کہ ہم یہاں چند ... بنیادیں بھی ذکر کر دیں جو حضرت علیؓ کے خلاف ہوئیں اور اس پر

بھی کچھ تبصرہ کریں کہ وہ کس طرح واقع ہوئیں۔

۲۔ ۳۸ھ میں بصرہ میں شورش اٹھی۔ حضرت علیؓ نے وہاں اپنے چچازاد بھائی عبداللہ بن عباسؓ کو گورنر بنایا ہوا تھا۔ وہ حضرت علیؓ سے ملنے کوفہ آئے ہوئے تھے کہ بصرہ میں بغاوت ہوگئی۔ حضرت ابن عباسؓ کی عدم موجودگی میں زیاد وہاں کا حکمران تھا اسے بھی وہاں سے نکلنا پڑا۔ حضرت علیؓ نے بصرہ کے بعض سرداروں کو زیاد کی مدد کے لیے خطوط بھیجے انہوں نے مدد کی اور بصرہ پر پھر ان کا قبضہ ہوگیا۔

۳۔ اہواز کی بغاوت

حضرت علیؓ کے حلقے کا ایک رئیس خریت حضرت علیؓ سے بگڑ گیا۔ اس نے اہواز میں بغاوت کھڑی کردی۔ یہ بغاوت میں مارا گیا۔ حضرت علیؓ اسے دبانے میں کامیاب رہے۔

۴۔ کرمان کی بغاوت

حضرت علیؓ نے اسے فرو کرنے کے لیے زیاد کو بھیجا۔ اسے فرو کرنے میں بھی حضرت علیؓ کامیاب رہے۔

۵۔ حجاز اور یمن میں بغاوت

یہاں بھی حضرت امیر معاویہؓ کے لوگ جا پہنچے لیکن حضرت علیؓ نے دوبارہ ان مقامات کو زیرنگیں کیا۔

ان حالات میں ان بغاوتوں کا اٹھنا کوئی معنی خیز نہیں تاہم حضرت علیؓ نے جس حسنِ تدبیر سے ان بغاوتوں کو فرو کیا اور ان علاقوں میں دوبارہ امن قائم فرمایا اس سے آپ کی سیاسی بصیرت کا پتہ چلتا ہے۔ آپ نے ان علاقوں میں بغاوتوں کے فرو ہونے پر اس عدل و انصاف سے حکومت کی کہ ایران کے لوگوں نے نوشیروان میں بھی اس عدل و انصاف کو نہ دیکھا ہوگا۔

افسوس کہ بعض جلد باز اور خام علم اہل قلم حضرت علیؓ کے دور کی خانہ جنگی سے ان کی سیاسی بصیرت پر انگلی رکھتے ہیں ان کا سبب حضرت عثمانؓ کی مظلوم شہادت تھی حضرت علیؓ کی خلافت نہ تھی۔ اس وقت اگر کوئی اور بھی خلیفہ ہوتا اسے اس جال کے توڑنے میں اس سے زیادہ

دقتیں پیش آئیں جتنی حضرت علیؓ کو آئیں۔ یہ جال عبداللہ بن سبا اور اس کے پیرو حضرت عثمانؓ کے دور کے آخری سالوں میں صحابہؓ کے خلاف پورے ملک میں صوبہ بہ صوبہ بن چکے تھے اگر حضرت علیؓ ان حالات پر قابو نہ پا سکے تو کوئی دوسرا شخص بھی یہ کام نہ کر سکتا تھا۔ حضرت علیؓ کی سبقت ایمانی تقویٰ وطہارت اور غزارت علمی مسلمانوں میں مسلم تھی اور اس میں مسلمان کہیں بھی دو رائے نہ تھے۔ آپ کے اس مزاج اور نرمی نے آپ کے مخالفین کو بھی آپ کے بارے میں ان پہلوؤں سے نرم گوشہ کر رکھا تھا۔ آپ نے جہاں بھی دیکھا کہ خونریزی سے بچ سکتے ہیں آپ نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا جنگِ صفین آخری مرحلہ میں تھی۔ آپ کے فوجی پیچھے ہٹنے کو تیار نہ تھے لیکن آپ نے کہا شامیوں نے بالشوں پر قرآن بلند کیے ہیں قرآن کے سامنے جنگ جاری نہیں رکھ سکتا۔

آپ کے ساتھیوں نے جب چاہا کہ حضرت معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں پر کفر کا فتوےٰ دیا جائے تو آپ نے کہا۔ اخواننا بغوا علینا۔ یہ ہمارے بھائی ہیں جو ہم سے بغاوت کر رہے ہیں۔ آپ نے انہیں کافر کہنے سے کھلے عام انکار کیا یہ جلد باز تھے۔ جو پھر آپ سے علیحدہ ہوئے اور مسلمانوں میں پہلا اعتقادی فتنہ پیدا کر لیا۔ یہ خوارج کی ابتدا تھی انہوں نے حضرت معاویہؓ اور حضرت علیؓ دونوں پر کفر کا فتویٰ دیا۔ اور دونوں کے قتل کی سازش تھی۔

حضرت علیؓ نے ان بیرونی اختلافات میں بھی اندرون سلطنت قانون کی حکمرانی میں کوئی کمزوری نہ آنے دی۔ آپ کے حدود سلطنت میں امن وامان۔ عدل وانصاف اور اجرائے حدود اس طرح قائم تھے کہ مجال ہے کوئی اندرونی بدنظمی قائم ہو۔ اندرونِ سلطنت وہی بہار تھی جو حضرت عمرؓ کے دور میں تھی۔ سو بلا کسی شبہ وتردد کے کہا جا سکتا ہے کہ آپ خلیفہ راشد تھے اور اور آپ کا دور خلافت پہلی خلافتوں کا ہی تسلسل تھا۔ یہ چار راشدین تھے مگر ان کی خلافت ایک ہی رہی جسے خلافتِ راشدہ کہا جاتا ہے۔

شیعہ کا مقتدر مجتہد نور اللہ شوشتری (۱۰۱۹ھ) لکھتا ہے:۔

حضرت امیر در ایام خلافت خود دید کہ اکثر مردم حسن سیرت ابی بکر وعمر را معتقد اند وایشاں را بہ حق مے دانند قدرت برآں نداشت کہ کارے کند کہ دلالت بر فساد خلافت ایشاں داشتہ باشد۔ ؎۱

ترجمہ۔ حضرت علیؓ نے اپنے دورِ خلافت میں دیکھا کہ اکثر لوگ حضرت ابوبکر وعمر کی

؎۱ مجالس المومنین جلد ۱ صـ۵۴

اچھی سیرت کے معتقد ہیں اور انہیں ان کی خلافت میں برحق سمجھتے ہیں سو آپ اس پر قادر تھے کہ کوئی ایسا کام کریں جس سے ان کی خلافت کے فاسد ہونے کا اشارہ ملے۔

اور یہ بھی لکھا ہے:۔

اکثر اہل آں زماں را اعتقاد آں بود کہ امامت حضرت امیر مبنی بر امامت ایشاں است بلہ

ترجمہ: اس زمانے کے اکثر لوگوں کا عقیدہ تھا کہ حضرت علیؓ کی امامت خلفاء ثلثہ کی امامت پر مبنی ہے۔

یہ آپ کی سیاسی بصیرت ہے کہ آپ نے پہلے تین راشدین سے ہٹ کر اپنے لیے کوئی اور دعویٰ نہیں کیا۔ اسی میں سعادت سمجھی کہ میں ان پہلے تین کے ساتھ ہی رہوں اور ان کے ساتھ ہی آخرت میں اٹھایا جاؤں۔

آپ نے حضرت عمرؓ کو سیاسی مشورے دیتے وقت کبھی اپنے لیے صیغہ واحد اختیار نہ کیا ہمیشہ بصیغہ جمع چلے۔ آپ نے آپ کو اور حضرت عمرؓ کو ایک ہی دائرہ میں رکھا اور اپنے آپ کو ان کے ساتھ ایک ہی پارٹی سمجھا۔ آپ نہج البلاغہ میں دیئے گئے ان الفاظ پر غور کریں۔ ان کی مجموعی دلالت بتا رہی ہے کہ آپ ہرگز اپنے آپ کو حضرت عمرؓ یا حضرت عثمانؓ سے کٹا ہوا نہ سمجھتے تھے:۔

۱۔ نحن علی موعود من اللہ واللہ منجز وعدہ وناصر جندہ۔

۲۔ واما ما ذکرت من عددھم فانا لم نکن نقاتل فیما مضی بالکثرۃ وانما کنا نقاتل بالنصر والمعونۃ۔ (جلد۲ ص۴۰)

۳ وقد توکل اللہ لاھل ھذا الدین باعزاز الحوزۃ وستر العورۃ والذی نصرھم وھم قلیل لا ینتصرون ومنعھم وھم قلیل لا یمتنعون حیّ لا یموت۔ (جلد۲ ص۲۴)

۴۔ وقد مضت اصول نحن فروعھا فما بقاء فرع بعد ذھاب اصلہ (جلد۲ ص۳۸)

ان خطبات سے صاف ظاہر ہے کہ آپ اپنے آپ کو مع دوسرے صحابہ کے وہی ایک امت سمجھتے رہے جو حضور اکرمؐ نے اپنے وقت میں قائم کی تھی اور اس کی اس وقت کی نصرت و حرکت کو وہ اس دور راشدین کی نصرت و حرکت سے کسی دوسرے فاصلے

پر نہ سمجھتے تھے۔

قارئین آپ کے ان الفاظ پر غور فرمائیں کیا یہ ایک ہی قوم کی ایک مشترکہ تاریخی صدا ہیں۔

ان ھذا الامر لم یکن نصرہ ولا خذلانہ بکثرۃ ولا قلۃ وھو دین الله الذی اظہرہ وجندہ الذی اعدہ وامدّہ۔ (جلد ۲ صـ ۲۹)

آپ کے یہ خطبات آپ کی سیاسی بصیرت اور پوری امت کے ساتھ ایک ہو کر رہنے کی لافانی شہادتیں ہیں۔

جنگوں میں علمبردار حیدر کرار رضؓ

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد :

مسلمان مدینہ منورہ میں آنے کے بعد قربانیوں کا آغاز کرنے والے تھے۔ اب مکہ میں ظلم کی چکی میں پسنے والوں کو ظالموں سے لڑنے کی اجازت مل گئی صرف صف بندی کا انتظار تھا۔ پہلی صف بندی ظالموں کے خلاف بدر کے میدان میں کی گئی ۔

اذن للذین یقاتلون بانہم ظلموا وان اللہ علیٰ نصرھم لقدیر ۝ الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ ۔ (پ۱۷ الحج ۴۰)

ترجمہ جن سے جنگ جاری رکھی گئی اب انہیں بھی اجازت دے دی گئی کہ وہ مظلوم ہیں مقابلہ کریں اور اللہ تعالیٰ ان کی مدد پر قادر ہیں۔ یہ مظلوم ہیں جو اپنے گھروں سے محض اس لیے نکالے گئے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہمارا پالنے والا ایک اللہ ہے۔

حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم تین سو تیرہ جانبازوں کو لے کر میدان بدر میں آئے۔ عرب کے دستور کے مطابق عام جنگ سے پہلے فرداً فرداً اکیلے اکیلے لڑائی ہوتی اور ہر فریق اپنے اپنے بہادروں کو میدان میں لاتا۔ قریش کے تین جوان میدان میں ایک ایک سے مقابلہ کے لیے نکلے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تین یہ نکالے :

علیؓ ۔ حمزہؓ ۔ عبیدہؓ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتخاب کیا تھا۔ آپ کے تینوں تنہا مقابلہ میں اپنے اپنے مقابل پر غالب آئے۔ پھر عام مقابلہ ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلمبردار حضرت علیؓ بدر میں آپ کے علمبردار تھے۔

عن قتادۃ ان علی ابن ابی طالب کان صاحب لواء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم بدر وفی کل مشہد۔ [1]

نوٹ : حضرت حمزہ نے ان سے بھی پہلے لوار رسول اٹھایا غزوہ بنی قینقاع میں آپ صاحب لوار تھے اور ابھی جنگ میں جھنڈا اٹھانے کا عام رواج نہ ہوا تھا۔

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۳ صہ ۱۲

قال محمد بن عمر وھو الخبر المجمع علیہ عندنا ان اول لواء عقدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لحمزۃ بن عبد المطلب۔[1]

ترجمہ۔ پہلا جھنڈا جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے باندھا وہ حضرت حمزہؓ بن عبد المطلب کے لیے تھا۔

علم وہ اٹھاتا ہے جو بہادروں کا بہادر اور قوم کی آنکھ کا تارا ہو۔ حضورؐ کا حضرت علیؓ کو بدر کے دن جھنڈا دینا بتلاتا ہے کہ حضرت علیؓ اس پورے لشکر اسلام میں مسلمانوں کی آنکھوں کا تارا تھے۔

وہی جوان ہے قبیلے کی آنکھ کا تارا شباب جس کا ہے بے داغ ضرب ہے کاری

سندھ میں جہاد کا جھنڈا اٹھانے والے کی اولاد ابھی تک پیر جھنڈا سے موسوم ہے اور جس کے سر پر اس دن پگڑی بندھی اس کی اولاد پیر پگاڑا کی عزت پاتی ہے۔

اُحد کے میدان میں علم کس کے ہاتھ میں رہا

جنگ احد میں علم حضرت مصعب بن عمیرؓ کے ہاتھ میں آیا۔ آپ جانبازوں کی طرح لڑتے ہوئے شہید ہوئے تو حضرت علیؓ نے وہ گرتا ہوا علم خود اُٹھالیا اور اسی عَلَم کو لے کر مشرکین کے علمبردار پر ٹوٹ پڑے اور اس کا قصہ تمام کیا اس دن علیؓ کے مقابل ٹھہرنے والا کوئی نہ تھا۔ ہاتف نے آواز دی۔ لافتی الا علی لاسیف الا ذو الفقار۔ علی کے جوڑ کا کوئی جوان نہیں اور ذوالفقار کے برابر کسی کی کاٹ نہیں۔

ابن ہشام لکھتا ہے سب سے پہلے یہ جملہ اسی دن سُنا گیا۔ نوجوانوں میں اب تک یہ جملہ ضرب المثل گنا جاتا ہے۔

جنگ خندق میں کس نے تن تنہا مقابلہ کیا؟

۵۔ ہجری میں مشرکین مکہ ہر طرف کے احزاب اکٹھے کر کے اپنی مجموعی قوت سے مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے اور عرب کے دستور کے مطابق اپنے پہلوان عمرو بن عبدود کو تن تنہا مقابلہ کے

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۳ صلا

لیے نکلا۔ مسلمانوں کی طرف سے اس کے مقابل حضرت علی المرتضیٰؓ نکلے۔ عمرو کو حضرت علیؓ کی جوانی اور حسن پر رحم آیا۔ اس نے کہا اے نوجوان! میں نہیں چاہتا کہ تمہیں قتل کروں۔ حضرت علیؓ نے کہا مگر میں چاہتا ہوں تمہیں قتل کردوں۔ اس میں بھی آپ نے اس کی عزت قائم رکھی کہ تو اپنی قوم کا اتنا بہادر ہے کہ تیرے قتل سے مجھے بھی عزت ملے گی بلاغت آپ کے کلام میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

دونوں میں عظیم معرکہ رہا۔ عمرو بن عبدود نے اپنے تمام داؤ استعمال کیے اور بہادری کے تمام جوہر دکھائے مگر میدان سیدنا حضرت علیؓ کے ہاتھ رہا۔

مدینہ منورہ میں یہودیوں کے تین قبیلے بنو قریظہ بنو نضیر اور بنو قینقاع مسلمانوں سے معاہدہ کر چکے تھے کہ آپ کے مخالف کسی حملہ آور کی مدد نہ کریں گے۔ بنو قریظہ نے عہد توڑا حضورؐ نے ان کے محاصرے کا حکم دے دیا۔ اس موقع پر بھی جھنڈا اٹھانے والے حضرت علیؓ تھے۔

خیبر کے قلعہ قموص کی تسخیر

خیبر میں یہودیوں کے گیارہ قلعے تھے یہود اب یہیں نہ رہتے تھے پورے عرب میں پھیل گئے تھے۔ حضرت انسؓ نے بصرہ میں جمعہ کے دن بعض لوگوں پر رنگین چادریں دیکھیں۔ آپ نے کہا گیا یہودِ خیبر یہاں بھی آگئے ہیں؟ جنگِ خیبر سے تین رات پہلے غطفان کے آدمیوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیس اکوع اونٹوں کو لوٹ لیا تھا سلمہ بن اکوع نے ان کا پیچھا کیا۔ یہ غزوہ ذات القرد کہلاتا ہے۔ یہ جنگِ خیبر کا آغاز سمجھیے۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں آنحضرتؐ نے خیبر کے نزدیک اندھیرے میں صبح کی نماز پڑھی اور فرمایا:۔

اللہ اکبر خربت خیبر انا اذا نزلنا بساحۃ قوم فساء صباح المنذرین۔ [1]

ترجمہ۔ اللہ اکبر خیبر برباد ہو گیا جب ہم کسی قوم کے میدان میں اتر پڑیں تو ان لوگوں کی صبح بری ہوتی ہے۔

اہل خیبر گلی کوچوں میں بھاگنے لگے۔ حضرت علیؓ ان دنوں آشوب چشم میں مبتلا تھے مگر آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے نہ رہ سکتے تھے۔ حضرت سلمہؓ کہتے ہیں آپ بھی ہم میں آشامل

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صد ۶۰۴

ہوئے. حضورؐ نے آپ کی آنکھ میں لعابِ دہن لگایا۔۔۔ ہم نے وہ رات گزاری جب خیبر فتح ہونے کو تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

لاعطین الرایہ غدًا اولیاخذن الرایۃ غدًا رجل یحبہ اللہ ورسولہ یفتح علیہ۔ [۱]

ترجمہ: کل جھنڈا کون اٹھائے گا؟ وہ جس سے اللہ بھی پیار کرتا ہے اور اس کا رسول بھی۔ اس پر فتح نصیب ہوگی۔

حضورؐ نے آپ کو جھنڈا دیا. حضورؐ بھی وہیں تھے اور یہ سب حضورؐ کی برکت سے ہوا کہ حضرت علیؓ کے ہاتھ پر فتح ہوئی۔

خیبر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک ماہ کے قریب رہے۔ قلعہ حصن النطاۃ پر حضورؐ خود سات دن مصروف رہے۔ خیبر کے سب قلعوں میں حصن القموص سب سے اہم تھا۔ بیس دن تک اس کا محاصرہ رہا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ بیشتر یہاں موجود رہے۔ حضرت علیؓ آنکھوں کی تکلیف کے باعث ان ابتدائی معرکوں میں شریک نہ ہو سکے تھے جس کا آپ کو قلق تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں خیبر کی آخری جنگ قلعہ حصن القموص کی تسخیر کی عزت عطا فرمائی۔ آپ نے کافروں کے مشہور پہلوان مرحب کو یہیں قتل کیا ان کے ساتھ دوسرے محمد بن مسلمہؓ انصاری تھے۔ اس کے بھائی یاسر کا حضرت زبیرؓ نے کام تمام کیا۔ حضرت علیؓ کو جو فاتح خیبر کہا جاتا ہے وہ خیبر کے اس بڑے قلعہ کی تسخیر کے باعث کہا جاتا ہے ورنہ فتح خیبر میں تقریباً سب اکابر صحابہؓ نے بڑی خدمات سرانجام دی تھیں۔

مقدمۃ الجیش میں حضرت عکاشہ بن محصن اسدیؓ متعین تھے۔ میمنہ پر حضرت عمرؓ مقرر تھے اور جھنڈا ان کے ہاتھ میں تھا۔ حضرت بریدہ اسلمیؓ کہتے ہیں آپ کو جھنڈا حضورؐ نے عطا فرمایا تھا۔ فوج کے ایک حصے پر حضرت ابوبکرؓ پرچم لیے کھڑے تھے اور ایک حصے کا پرچم حباب بن المنذرؓ کے ہاتھ میں تھا۔ ایک پرچم حضرت سعد بن عبادہؓ اٹھائے ہوئے تھے۔

مرکز پر حضرت عثمانؓ محافظ ٹھہرائے گئے تھے۔ یہ جگہ اہل خیبر اور بنو غطفان کے درمیان تھی اسے رجیع بھی کہتے تھے۔ رات کو یہیں سب حضرات حضورؐ کے پاس حاضر ہوتے۔ اس جگہ کی نگرانی فوجی نقطہ نظر سے بہت اہم تھی۔ بعض راتوں میں حضرت عمرؓ بھی اس مرکز کا پہرہ دیتے رہے

---

[۱] صحیح بخاری جلد ۱ ص ۵۲۵ صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۱۵

سو یہ کہنا کسی طرح صحیح نہیں کہ فتح خیبر میں اکابر صحابہ کرامؓ کی کوئی خدمات نہیں۔ ہاں آخری فتح کی عزت اللہ تعالیٰ نے حضرت علیؓ کو بخشی اور قلعہ حصن القموص آپ کے ہاتھ پر فتح ہوا اور اسی کی وجہ سے آپ فاتح خیبر کہلائے۔

فتح خیبر کی بحث میں ایک یہ روایت نقل ہے کہ قلعہ حصن القموص کا ایک دروازہ اتنا وزنی تھا کہ چالیس آدمی اسے مشکل سے اٹھا سکتے تھے۔ حضورؐ نے پہلے دن جھنڈا حضرت ابوبکر کے ہاتھ میں دیا اور سخت لڑائی ہوئی مگر قلعہ فتح نہ ہوا۔ دوسرے دن جھنڈا حضرت عمرؓ کو دیا اس دن جنگ اور سخت ہوئی مگر قلعہ پھر بھی فتح نہ ہوا۔ اس پر حضورؐ نے اعلان فرمایا کہ کل جھنڈا اس کے ہاتھ میں دوں گا جس سے اللہ اور اس کا رسول محبت رکھتے ہیں علامہ قسطلانی نے مواہب اللدنیہ میں لکھا ہے یہ روایت قابل نظر ہے :۔

قال شیخنا وکلہا واہیۃ ولذا انکرہ بعض العلماء۔[1]

ترجمہ۔ ہمارے استاد فرماتے ہیں ایسی سب روایات کمزور ہیں۔ اس لیے بعض علماء نے ان روایات کا انکار کیا ہے۔

اسی طرح یہ روایت بھی درست نہیں کہ حضرت علیؓ نے جحفہ کے قریب ایک کنویں میں گھرے جنوں سے مقابلہ کیا اور کوئی دوسرا صحابی ان سے مقابلہ نہ کر سکا۔
حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں :۔

لا اصل لہ وھو من وضع الجہلۃ من الاخبارین فلا یغتر بہ۔[2]

ترجمہ۔ اس روایت کی کوئی اصل نہیں۔ یہ بعض جاہل خبر دینے والوں نے گھڑ رکھی ہے۔ اس دھوکہ میں نہ آنا چاہیئے۔

اس قسم کی روایات بے شک بے اصل ہیں لیکن ان سے حضرت علیؓ کے فاتح خیبر ہونے کے مرتبہ کو کم نہیں کیا جا سکتا۔

فتح مکہ کے دن جھنڈا حضرت زبیرؓ کے ہاتھ میں

فتح مکہ کے دن جب حضورؐ دس ہزار کی فوج سے مکہ میں داخل ہو رہے تھے اور فوج کے مختلف دستے یکے بعد دیگرے گزر رہے تھے تو انصار کا جھنڈا حضرت سعد بن عبادہؓ کے ہاتھ

---

[1] تاریخ الخمیس جلد ۲ صفحہ ۵۱ [2] البدایہ والنہایہ جلد ۴ صفحہ ۲۴۴

میں تھا اور وہ جوش میں کہہ رہے تھے کہ اے ابا سفیان! آج خونریزی کا دن ہے۔ آج ارضِ حرم میں جنگ ہو گی۔

الیوم یوم الملحمۃ　　　　الیوم تستحل الکعبۃ [۱]

حضورؐ کے علم میں تھا کہ مکہ بغیر جنگ کے فتح ہوگا اور قریش مقابلہ میں نہ آئیں گے۔ آپ نے سعد بن عبادہؓ کی اس بات کو ناپسند کیا۔ اس دن حضورؐ کا جھنڈا حضرت زبیرؓ کے ہاتھ میں تھا آپ نے حضرت سعدؓ سے جھنڈا لینے کا حکم دیا۔ اسے مکہ کے قریب حجون میں گاڑ دیا گیا۔ آپ کا جھنڈا حضرت زبیرؓ کے ہاتھ میں رہا اور آپ کی زیر لواء دس ہزار مسلمان مکہ میں داخل ہوئے بعض مؤرخین لکھتے ہیں حضرت علیؓ بھی اپنا جھنڈا اٹھائے ہوئے تھے۔

حنین کے معرکہ میں بھی حضرت علیؓ ثابت قدم رہے

فتح مکہ کے بعد آپ کو اطلاع ملی کہ ہوازن و ثقیف اور بہت سے قبائل نے بڑے ساز و سامان سے مسلمانوں پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ یہ خبر پاتے ہی آپ نے دس ہزار مہاجرین و انصار کی فوج گراں لے کر جو مکہ فتح کرنے کے لیے مدینے سے آگئی تھی طائف کی طرف کوچ کیا۔ اور دو ہزار طلقاء بھی جو فتح مکہ کے وقت مسلمان ہوئے تھے آپ کے ہمراہ تھے۔ یہ منظر دیکھ کر بعض صحابہؓ سے نہ رہا گیا اور وہ بے ساختہ بول اٹھے کہ جب ہم بہت تھوڑے تھے اس وقت ہمیشہ غالب رہے۔ آج ہماری اتنی بڑی تعداد کسی سے مغلوب ہونے والی نہیں۔ یہ جملہ مردانِ توحید کی زبان سے نکلنا بارگاہ احدیت میں ناپسند ہوا:۔

ویوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیئاً وضاقت علیکم الارض بما رحبت ثم ولیتم مدبرین ۝ ثم انزل اللہ سکینتہ علیٰ رسولہ وعلی المؤمنین و انزل جنوداً لم تروھا و عذب الذین کفروا وذٰلک جزاء الکافرین۔ (پ التوبہ ۲۶)

ترجمہ۔ اور حنین کی لڑائی کے دن جب تمہیں اپنی کثرت پر ناز ہو گیا۔ سو وہ تمہارے کام نہ آئی کہ زمین اپنی کشادگی کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی۔ پھر تم پیٹھ پھیر کے مڑ گئے۔

---

[۱] صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۱۳

حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم مع چند رفقاء کے دشمنوں کے نرغہ میں تھے۔ ابوبکر
عمر عباس و علی عبداللہ بن مسعود وغیرہ رضی اللہ عنہم تقریباً سو یا اسی صحابہ
میدان جنگ میں باقی رہ گئے جو پہاڑ سے زیادہ مستقیم نظر آتے تھے یہ خاص
موقع تھا جب کہ دنیا نے پیغمبرانہ صداقت و توکل اور معجزانہ شجاعت کا ایک
محیر العقول نظارہ ان ظاہری آنکھوں سے دیکھا۔ [1]

یہاں ہمیں صرف یہ بتانا ہے کہ حنین کے معرکہ میں بھی حضرت علیؓ پوری طرح ثابت قدم رہے۔ یہاں ہمارا موضوع آپ کی شجاعت نہیں علمبردار جھنڈا اٹھانے والے عام مجاہدین سے ممتاز ہوتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جن صحابہؓ نے مختلف معرکوں میں جھنڈا اٹھایا ان میں سے بیشتر کے نام آپ کے سامنے آچکے ہیں جنہوں نے اکیلے مقابلہ میں اپنے دشمن کو پچھاڑا۔ ان کے نام بھی آپ کے سامنے ہیں۔ ان میں جھنڈا اٹھانے اور تن تنہا مقابلہ میں مخالفین کو گرانے میں جو شہرت اور عظمت حضرت علیؓ کے حصہ میں آئی وہ انہی کا نصیب ہے۔ میدان میں بار بار لوٹنے والے اور ہر طرف سے ہو کر آنے والے کو کرار کہتے ہیں۔ سیدنا حضرت علیؓ جس طرح میدان کے کرار تھے آپ اکثر غزوات میں علمبردار رہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلمبردار بھی رہے ؂

محبت مجھے ان جوانوں سے ہے
ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند

---

[1] فوائد القرآن علامہ عثمانی ص۲۵۲ سعودی عرب

حضرت علیؓ کی شان تقویٰ وطہارت

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ امابعد:

حضرت علیؓ کا سارا بچپن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ میں گزرا۔ آپ اپنے والد جناب ابوطالب کے ہاں نہ رہتے تھے حضورؐ نے آپ کو اپنی کفالت میں لے لیا تھا۔ یہی وہ دور ہے جس میں عادتیں بنتی ہیں اور اخلاق نکھرتے ہیں جس کا سارا بچپن خلقِ عظیم کے سائے میں گزرا ہو اسے اگر دوسرا محمد کہنے کی گنجائش ہوتی تو یقیناً اس سے کوئی اختلاف نہ کرتا۔ دنیوی آسائش اور آرام کی طلب کبھی آپ کے دل میں پیدا نہ ہوئی۔ اپنے جذبات کو قابو میں رکھنا اور تقاضوں کو دبا کر چلنا بہادروں کے سوا کسی کو نصیب نہیں ہوتا۔ آپ کی بہادری ضرب المثل تھی۔ کسی کافر کو قتل کرنے کے لیے اس کے سینہ پر سوار تھے کہ اس نے آپ کے منہ پر تھوک دیا۔ آپ فوراً اتر گئے اور اسے چھوڑ دیا اور فرمایا مجھے اس پر غصہ آگیا تھا اور میں نہ چاہتا تھا کہ رضاء الٰہی کی طلب میں کوئی اپنی خوشی شامل کروں توحید اور اخلاص میں ایسی مثال شاید ہی کسی کو ملے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی اس شخص کے نکاح میں دی جو مالی حیثیت سے کوئی بڑے آدمی نہ تھے۔ اس سے حضورؐ کے نقطہ نظر کا بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ دنیوی آسائش اور آرام کی زندگی کو کیا مقام دیتے تھے۔ آپ کو علم تھا کہ آپ کی صاحبزادی چکی پیستی ہے۔ یہ بھی جانتے تھے کہ اس کے پاس کوئی باندی نہیں۔ حضرت علیؓ کا معاش محنت مزدوری کے سوا کچھ نہ تھا۔ ماں باپ اپنے لیے تو مشقت برداشت کر لیتے ہیں لیکن اپنی اولاد کے لیے کوئی اذیت روا نہیں رکھتے ان تمام حالات کے جانتے ہوئے حضورؐ کا حضرت علیؓ کو اپنی دامادی میں لینا بتلاتا ہے کہ آپ کی نظر میں حضرت علیؓ کتنے کمالات کے مالک تھے۔ آپ ایمان و یقین، علم و حلم، تقوےٰ وطہارت، فکر و عمل تحمل اور بردباری اور شجاعت و بہادری کا امتزاج تھے۔ ان کمالات کے سامنے دنیا کی دولت و ثروت اور خوشحالی کوئی چیز نہ تھی۔ آپ کے نانِ جویں کی تمام کمزوریوں پر بازوئے حیدر بازی لے جا چکا تھا۔

حضرت فاطمہؓ کا مہر ادا کرنے کے لیے آپ کے پاس کوئی رقم نہ تھی۔ اپنی زرہ بیچنے نکلے حضرت عثمانؓ نے آپ سے چار سو درہم میں وہ زرہ خرید کر حضرت علیؓ کو پھر بطور ہدیہ دے دی۔ یہ

حضورؐ کے بڑے داماد حضرت عثمانؓ کی آپ کے ہونے والے چھوٹے داماد پر شفقت تھی. حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی حضرت علی مرتضیٰؓ اس معاشی زندگی میں رہے لیکن آپ نے کبھی اپنے آپ کو تنگ محسوس نہ کیا. جب آپ خلیفہ ہوئے تو بھی اسی سادگی میں رہے.

بچوں کی گزر اوقات کیسے ہوتی رہی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فدک کی زمین جو آپ کو فے میں ملی تھی حضرت فاطمہؓ کی ضروریات کے لیے وقف کر رکھی تھی. حضورؐ کے بعد خلفاء راشدین بھی فدک کی آمدنی سے اہل بیت کی ضرورتیں پوری کرتے رہے. ملا علی نقی شارح نہج البلاغہ لکھتا ہے:-

> ابوبکر غلہ و سود آں گرفتہ بقدر کفایت باہل بیت علیہم السلام مے داد و خلفاء بعد از وہم بر آں اسلوب رفتار نمودند.[1]
>
> ترجمہ. حضرت ابو بکرؓ فدک کی پیداوار اور اس کے منافع ضرورات کے مطابق اہلبیت کو دیتے رہے. آپ کے بعد کے خلفاء بھی اسی طریقے پر چلتے رہے اور فدک کی پیداوار حضرات اہلبیت کو دیتے رہے.

یہ درویشوں اور ملنگوں کی زیادتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو حضرت علیؓ کی لائن شمار کرتے ہیں اور ہر جگہ مولا علی کے نعرے لگاتے سُنے جاتے ہیں. حضرت علیؓ نے تو کبھی چمٹا نہ بجایا نہ موٹے موٹے کپڑے پہنے تھے. پھر ان کا اپنے کو مولا علی کا ملنگ کہنا کوئی معنی نہیں رکھتا. ان ملنگوں کے پیچھے کچھ مجوسی قوتیں کار فرما ہوتی ہیں جو حضرت علیؓ کو سنت سے ہٹا کر ایک آستانے میں لا بٹھاتی ہیں. اہل سنت والجماعت نے کبھی حضرت علیؓ کے لیے کوئی علیحدہ کرسی تجویز نہیں کی نہ ملنگوں کے لیے کوئی علیحدہ عقیدہ منظور کیا. ان کے ہاں پھر خطبہ جمعہ میں حضرت علیؓ کا اسم گرامی پہلے تین راشدینؓ سے ملا کر لیا جاتا ہے. آپ اپنی درویشی میں کوئی علیحدہ فرد نہ تھے تین کے ساتھ چوتھے تھے جو عمر بھر اسی لائن پر رہے.

حضرت عمرؓ کی نیابت پورے تقویٰ سے کی

حضرت عمرؓ نے جب کبھی آپ سے کوئی سیاسی مشورہ لیا تو آپ اس میں پورے

---

[1] شرح نہج البلاغہ جلد ۵ صفحہ ۹۶

امین رہے۔ رائے دینے میں المستشار موتمن کا پورا حق ادا کیا۔ آپ نے اپنے دل میں اگر کبھی ایک لمحہ کے لیے بھی اس شک کو راہ دی ہوتی کہ حضرت عمرؓ کا خلافت پر قبضہ غاصبانہ ہے تو حضرت علیؓ کبھی اس مخلص پیرایہ میں آپ کا ساتھ نہ دیتے۔ آپ نے غزوۂ روم اور غزوۂ فارس میں آپ کو جو مشورے دیئے ان میں اپنے آپ کو خود اس موضوع مشورہ میں برابر شریک کیا۔ آپ کے الفاظ

۱۔ نحن علی موعود من اللہ۔ ۱؎

۲۔ انا لم نکن نقاتل فیما مضیٰ بالکثرۃ۔ (نہج البلاغہ جلد ۲ صـ ۳۹)

بتاتے ہیں کہ آپ اتنے اونچے مقامِ تقوےٰ پر تھے کہ آپ نے کبھی اپنے آپ کو حضرات خلفاء ثلثہ کا غیر نہ جانا۔ یہ احساس اتحاد خوش نصیب مومنوں کے سوا کبھی کسی کو نصیب نہیں ہوتا۔

حضرت عثمانؓ سے آخری وقت تک یہی احساس کارفرما رہا

جب مصر سے حضرت عثمانؓ کے خلاف باغی اٹھے تو آپ نے اس موقع کو قطعاً غنیمت نہ جانا کہ اب میرے ملک پر قبضہ ہونے کی راہ ہموار ہو رہی ہے۔ آپ اس دور میں بھی حضرت عثمانؓ سے مخلص رہے انہیں نیک مشورے دیتے رہے۔ اپنے بیٹوں کو ان کے دروازے پر پہرہ دار بٹھایا۔ اس نازک وقت میں ایک لمحہ کے لیے بھی دو رخی پالیسی اختیار نہ کی اس سے آپ کے ایمان و تقویٰ کی کھلی اور شفاف شہادت ملتی ہے۔

کبھی دروازے پر دربان نہیں رکھا نہ کسی پہرہ دار کی ضرورت محسوس کی۔

حضرت علیؓ عام زندگی میں عام مسلمانوں کی طرح رہتے۔ نمازوں کے لیے گھر سے تنہا نکلتے ۱۷ رمضان ۴۰ھ کی رات آپ پر اس تنہائی میں ایک بدبخت مرید عبدالرحمن بن ملجم نے حملہ کیا۔ ظالم کی زہر آلود تلوار چل گئی اور یہ سرد درویش جو اپنے وقت کا بادشاہ بھی تھا اپنے سفرِ آخرت پر روانہ ہو گیا اس افسوسناک سانحہ پر آپ کی زندگی کی تمام مشکلات ختم ہوئیں اور آپ اللہ کی بادشاہی میں سُرخرو ہو کر داخل ہوئے ؎

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

زندگی کے آخری مرحلے کی شان تقوےٰ دیکھئے۔

زندگی کے آخری لمحات بڑے نازک ہوتے ہیں۔ قاتلانہ حملے کے بعد اپنے بیٹے کو یہ نصیحت کرتے ہیں کہ دیکھنا شدت غضب میں میرے قاتل کو زیادہ اذیت نہ دینا۔ اس نے مجھے ایک وار سے مارا ہے (اگر میں اس وار سے جانبر نہ ہوسکوں) تم بھی اسے ایک وار سے قتل کرنا۔ ہم ہر زیادتی سے بچ کر رہنا چاہتے ہیں۔

جب آپ کے لیے پانی لایا گیا تو آپ نے فرمایا۔ پہلے میرے قاتل کو پلاؤ۔ اس کا حلق سوکھ رہا ہے۔ یطعمون الطعام علیٰ حبہٖ مسکیناً و یتیماً و اسیرًا۔ یہ آپ کی اپنے قیدی سے رعایت تھی۔

وفات سے پہلے اپنے سب دلی بوجھ اُٹھا دیئے

شہادت سے ایک سال پہلے اپنے مخالف حضرت معاویہؓ سے صلح کرلی۔ یہ سال عام الہدنہ کہلاتا ہے۔ یہ ایک دوسرے کے علاقے پر حملہ نہ کرنے کا ایک عبوری معاہدہ تھا حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ سے میدانِ جمل میں مصالحت ہوگئی تھی۔ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کے بارے میں یہ اعلان کر کے کہ آپ کا رتبہ اس سانحہ کے بعد بھی وہی ہے جو پہلے تھا آپ نے بتلا دیا کہ آپ کے قلب مطہر میں اب کسی کے بارے میں کسی طرح کا کوئی بوجھ نہیں ہے یہاں تک کہ آپ اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

؎ نشانِ مردِ مومن با تو گویم
چو مرگ آید تبسم برلب اوست

حضرت علی المرتضیٰؓ کے شاگردانِ حدیث

حضرت علی المرتضیٰؓ کا زیادہ وقت مدینہ منورہ میں گزرا. آپ نے خلافت کے آخری چار سال عراق میں گزارے. آپ کے عراق آنے سے پہلے یہ سرزمین حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی مسندِ علمی تھی. حضرت عمرؓ نے انہیں کوفہ کی چھاؤنی میں بطور معلم بھیجا تھا. آپ حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں ۳۲ھ میں وفات پا چکے تھے. تین سال بعد حضرت علیؓ وہاں چلے آئے اور یہ سرزمین اب پھر ایک بڑا مرکزِ علم بنی. امام نووی شرح صحیح مسلم میں اسے دارالعلم ومحل الفضلاء سے ذکر کرتے ہیں.

عراق میں حضرت علی المرتضیٰؓ کے گرد سبائیوں کا ایک ایسا گروہ جمع ہو گیا تھا کہ حضرت علیؓ سے وہ ایسی احادیث روایت کرتے جو حضرت علیؓ نے نہ کہی ہوتیں. یہاں تک کہ ان کی مرویات سب کی سب مخدوش ہو کر رہ گئیں. تابعین کرامؒ میں طے پایا کہ حضرت علیؓ کی صرف وہی روایات درست تسلیم کی جائیں جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگردوں نے حضرت علیؓ سے سنی ہوں. سبائیوں نے حضرت علیؓ کے نام سے روایات گھڑ گھڑ کر ان کے نام سے ایک نیا دین بنا لیا تھا. اس لیے ان روایات کو اپنے ہاں جگہ دینا دنیائے علم پر ایک بڑی آفت تھی.

امام ابوالجعد (۲۳۰ھ) لکھتے ہیں :-

اخبرنا ابو یوسف القاضی عن حصین عن الشعبی قال ما کذب علی احد من ھذہ الامۃ ما کذب علی علی بن ابی طالب.[۱]

ترجمہ. علامہ شعبی سے مروی ہے کہ اس امت میں کسی پر اتنا جھوٹ نہیں بولا گیا جتنا حضرت علیؓ پر بولا گیا ہے.

امام مسلم بھی اپنی صحیح کے مقدمہ میں لکھتے ہیں :-

قال سمعت المغیرۃ یقول لم یکن یصدق علی علی فی الحدیث عنہ الا من اصحاب عبد اللہ بن مسعود.

---

[۱] مسند ابی الجعد صـ ۳۵۶ طبع مکۃ المکرمہ [۲] صحیح اول جلد ۱ صـ

ترجمہ: میں نے مغیرہ بن مقسم سے سنا وہ کہتے تھے حضرت علیؓ کی کسی روایت کی تصدیق نہ کی جاتی تھی مگر اسی حدیث کی جسے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگرد حضرت علیؓ سے روایت کریں۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے تذکرۃ الحفاظ میں آپ کے شاگردانِ حدیث کی ایک پوری فہرست پیش کی ہے۔

اولاد میں سے

امام حسنؓ، امام حسینؓ، محمد بن الحنفیہؒ، آپ کا بیٹا عمرؒ، پوتا محمد بن عمرؒ، چچازاد بھائی عبداللہ بن جعفرؓ، آپ کا بھانجا جعدہ بن ہبیرہؒ اور آپ کا کاتب عبداللہ بن ابی رافعؒ۔ یہ آپ کے شاگردوں میں سے ہیں۔

صحابہؓ میں سے

حضرت براء بن عازب، حضرت ابوہریرہ، حضرت ابوسعید الخدری، بشر بن سحیم الغفاری، حضرت زید بن ارقم، حضرت صہیب الرومی، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن زبیر، عمرو بن حریث، جابر بن سمرہ، حضرت جابر بن عبداللہ، ابوجحیفہ، ابوامامہ، ابولیلیٰ، حضرت ابوموسےٰ الاشعری، مسعود بن الحکم الزرقی، حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے آپ سے حدیث روایت کی۔

تابعین میں سے

زر بن حبیش، زید بن وہب، ابوالاسود الدئلی، حارث بن سوید، حارث بن عبداللہ الاعور، حرملہ مولیٰ اسامہ بن زید، ابوساسان حضین بن منذر، حجیہ بن عبداللہ الکندی، ربعی بن حراش، شریح بن ہانی، شریح بن النعمان الصاعدی، ابووائل شقیق بن سلمہ، شبیث بن ربعی، سوید بن غفلہ، عاصم بن ضمرہ السلولی، عامر بن شرجبیل، علامہ الشعبی، حضرت علقمہ بن قیس النخعی، قیس بن عباد البصری، مالک بن اوس، مطرف بن عبداللہ بن الشخیر، نافع بن جبیر، ابوبردہ بن ابی موسیٰ الاشعری، ابوعبدالرحمٰن السلمی۔

ایک سبائی جابر بن یزید جعفی اپنے آپ کو حضرت علیؓ کا شاگرد ظاہر کرتا اور کئی اہل حدیث (باصطلاح قدیم) اس سے روایت لیتے رہے یہاں تک کہ جب اس نے اپنے عقیدہ رجعت کا اظہار کیا تو محدثین اس پر چونک اٹھے اور اس سے روایت لینا چھوڑ دی۔ امام ابو حنیفہؒ نے کھل کر اعلان کیا کہ میں نے اس جیسا جھوٹا کسی کو نہیں دیکھا۔ حضرت امام مسلمؒ (۲۶۱ھ) لکھتے ہیں کہ امام سفیان بن عیینہؒ (۱۹۷ھ) نے بتایا۔

کان الناس یحملون عن جابر قبل ان یظہر ما اظہر فلما اظہر ما اظہر اتہمہ الناس فی حدیثہ و ترکہ بعض الناس[1]

ترجمہ: لوگ جابر بن یزید کی روایات برابر لیتے رہے یہاں تک کہ اس نے اپنی بات ظاہر کر دی پھر وہ روایت حدیث میں متہم ٹھہرا اور لوگوں نے اس سے روایت لینا چھوڑ دی۔

تعجب ہے کہ عقیدہ رجعت جو آج خالصۃً اثنا عشری عقیدہ مانا گیا ہے اس کو ظاہر کرنے کے باوجود اہلحدیث کیسے اس کی روایت لیتے رہے۔ یہ جابر خود کہتا تھا میرے پاس پچاس ہزار حدیثیں ہیں جو میں نے کبھی روایت نہیں کیں۔ پھر اس نے ایک بتائی اور کہا کہ یہ ان پچاس ہزار میں سے ہے۔

ان عندی الخمسین الف حدیث ما حدثت منہا بشیئ قال ثم حدث یوما بحدیث فقال ھذا من الخمسین الف[2]

یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے حضرت علیؓ کے نام سے ایک پورا مذہب وضع کر لیا اب محدثین کے لیے یہی ایک راہ رہ گئی کہ حضرت علیؓ کے ایسے شاگردوں سے وہ حضرت علیؓ کے نام پر کوئی روایت قبول نہ کریں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگرد صحیح راسخ الاعتقاد مومن تھے۔ اب وہ حضرت علیؓ کے حلقہ علم میں آئے ان سے حضرت علیؓ کی جو روایات مروی ہوں وہ لائق قبول ہیں اور شیعہ رواۃ نے حضرت علیؓ کے نام سے جو روایات روایت کیں ان کا اعتبار نہ کیا جائے۔

ہاں ان کی جو روایت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگردوں کی روایت کے مطابق اترے وہ قبول کی جا سکے گی اور وہ روایات بھی جو عقائد اہل سنت کے خلاف نہ ہوں ان کی جو روایات خاص صحابہ کرامؓ خصوصاً خلفائے ثلثہ یا حضرت طلحہؓ و زبیرؓ

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۵ [2] ایضاً

یا حضرت معاویہؓ پر کسی پہلو سے موجب جرح ہوں وہ ہرگز لائق قبول نہ ہونگی۔ صحیح مسلم کے مقدمہ میں آپ یہ اصول پڑھ آئے ہیں :-

لم یکن یصدق علی علی فی الحدیث عنه الا من اصحاب عبدالله بن مسعودؓ

ہاں اس بات پر جمیع اہل حدیث (باصطلاح قدیم) متفق ہیں کہ کوفہ کے لوگ وہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگرد ہوں یا حضرت علیؓ کے وہ حضرت سفیان ثوری ہوں یا امام ابوحنیفہ یہ حضرات نماز میں رکوع کے وقت رفعیدین نہ کہتے تھے۔[1]

حضرت علی المرتضیٰؓ کا نظریہ حدیث

آپ کے شاگرد ابوالطفیل کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا :-

لوگوں سے وہی احادیث بیان کرو جو وہ جانتے ہیں اور ان احادیث کو ان کے سامنے بیان کرنا چھوڑ دو جن کو وہ نہیں جانتے۔ کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی تکذیب کی جائے۔[1]

حافظ ذہبی اس سے پہلے یہ بھی لکھ آئے ہیں :-

آپ اخذ حدیث میں اس قدر محتاط تھے کہ حدیث بیان کرنے والے سے پہلے حلفیہ بیان لیتے۔ اس کے بعد اس کی بیان کردہ حدیث کو قابل اعتماد اور لائق عمل سمجھتے تھے۔[2]

فرماتے تھے جب میں کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث سنتا تو حسب توفیق الٰہی اس سے فائدہ اٹھاتا اور جب مجھے کوئی دوسرا آدمی آپ کی حدیث سناتا تو میں پہلے اس سے قسم لیتا۔ اگر وہ قسم اٹھالیتا تو میں اس کی حدیث کو سچا سمجھتا۔[3]

اگرچہ کہا جا سکتا ہے کہ جو شخص بلا قسم حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بول سکتا ہے کیا اس کے لیے جھوٹی قسم اٹھانا کوئی مشکل کام ہے؟ اس کا جواب یقیناً نفی میں ہوگا تاہم اس سے انکار نہیں کہ یہودیوں میں ایسے لوگ بھی تھے جو خدا کے نام پر جھوٹی

---

[1] جامع ترمذی جلد ۱ صفحہ ۲ [2] تہذیب جلد ۷ صفحہ ۳۳۶ [3] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۳۵ [4] ایضاً صفحہ ۳۳

قسم کھانے کو گناہ سمجھتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہر کاروائی کو جائز سمجھتے تھے پھر یہ بھی ہے کہ راوی پر جب وہ روایت کرے جرح نہیں کی جاتی اور گواہ جب کوئی گواہی دے تو سننے والے تزکیۃ الشہود کے تقاضا میں اس پر جرح کا برابر حق رکھتے ہیں۔

حضرت علی مرتضیٰ رضؓ کا نسخ فی الحدیث کا موقف

حضرت علیؓ اس بات کے برابر قائل رہے کہ حضورؐ کی شریعت کی بالتدریج تکمیل ہوئی ہے۔ کئی باتیں جو حضورؐ نے پہلے دور میں اختیار کیں بالآخر آپ نے ان میں ترمیم کر دی۔ پہلے زیارت قبور سے روکا پھر اس کی اجازت دے دی۔ پہلے شراب حرام نہ تھی پھر اسے تدریجاً حرام کیا گیا۔ عورتوں کے لیے پردے کا حکم پہلے نہ تھا آیۃ الحجاب اتری تو پھر اسے لازم کیا گیا۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ تکمیل شریعت کے دوران مختلف صحابہ سے جو مختلف غلطیاں ہوئیں ان کو ہمیشہ کے لیے نشانہ نہیں بنایا جا سکتا۔ ان پر بس اتنی ہی کاروائی کی جا سکتی ہے جتنی حضورؐ نے فرمائی۔ کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ اپنی آواز حضورؐ کی آواز سے اونچی کرے یہ صحابہؓ کی ایک فضیلت ہے کہ وہ اپنی غلطیوں سے شریعت کی تکمیل کا سبب بن گئے اہل سنت عقیدے کے مطابق کسی مومن سے بڑے سے بڑے گناہ کے باوجود اس کے ایمان کی نفی نہیں کی جا سکتی۔ یہ خوارج کا عقیدہ ہے کہ گناہ کبیرہ سے انسان ایمان سے نکل جاتا ہے اور نہ وہ لائق خلافت و قیادت رہتا ہے۔ صحابہؓ کے باب میں شیعہ بھی خوارج کے ساتھ ہیں۔

حضرت علی المرتضیٰؓ نسخ فی الحدیث کے برابر قائل تھے۔ باوجودیکہ حضورؐ سے نماز میں رفع الیدین عند الرکوع اور رفع الیدین بین السجود دونوں ثابت ہیں، مگر حضرت علی مرتضیٰؓ ان پر عمل نہ کرتے تھے۔ آپ حضورؐ کے آخری عمل کو سنت سمجھتے تھے اور پہلے کی کسی بات کو آپ حدیث سے زیادہ کوئی درجہ نہ دیتے تھے۔ صحابہؓ کو عمل کے لیے ہمیشہ سنت کی تلاش ہوتی تھی، حدیث اس باب میں کافی نہ سمجھی جاتی تھی۔

حضرت علی المرتضیٰؓ نے ایک خطبہ میں نسخ فی الحدیث کا ذکر فرمایا۔ آپ نے رواتِ حدیث کو چار قسموں میں بیان کیا۔ تیسرے کے بارے میں فرماتے ہیں:۔

ورجل ثالث سمع من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شیاءً یأمر
بہ ثم انہ نھی عنہ وھولا یعلم اوسمعہ ینھی عن شئ ثم امر بہ
وھو لا یعلم فحفظ المنسوخ ولم یحفظ الناسخ فلو علم انہ منسوخ
لرفضہ ولو علم المسلمون اذ سمعوہ عنہ انہ منسوخ لرفضوہ۔[1]

اس میں آپ کا صاف اقرار ہے کہ یہ شریعت تدریجاً مکمل ہوئی۔ اس میں ناسخ منسوخ کی پہچان ضروری ہے۔ عمل کے لائق صرف وہی روایات ہیں جن پر کوئی نسخ وارد نہیں آپ اس راوی حدیث کی تائید فرماتے ہیں جو ہر روایت کو اپنے محل پر لائے:۔

فحفظ الناسخ فعمل بہ وحفظ المنسوخ فجنب عنہ وعرف الخاص
والعام فوضع کل شئ موضعہ وعرف المتشابہ ومحکمہ۔

اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ منسوخ روایات کا حفظ اور ان کی روایت بھی علم حدیث کا ایک حصہ ہے۔ گو اب ان کا درجہ صرف تاریخی ہے تشریعی نہیں منسوخ کی پہچان اس لیے بھی ضروری ہے کہ تحقیق کرنے والا ناسخ کو پاسکے۔

---

[1] نہج البلاغۃ جلد ۲ ص ۲۱۵

حضرت علی المرتضیٰؓ کی محبّت میں

پندرہ۱۵ وضع کردہ روایات

الحمد للہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد:

محبت کے پیالے بیشتر چھلکتے دیکھے گئے ہیں، جب تک عقیدت پر بصیرت غالب نہ ہو محبت کا رشتہ سنبھلتا نہیں۔ حبک الشئ یعمی ویصم۔ تیرا کسی چیز کو محبت کرنا تجھے اندھا اور بہرا بنا دیتا ہے۔ جن لوگوں نے بدون علمی بصیرت کے حضرت علیؓ سے محبت کی ان کے جوشِ محبت کو کہیں تسکین نہ ہوتی تھی۔ جب تک کہ وہ نئی سے نئی بات گھڑ کر حضرت علیؓ کی شان میں مبالغہ نہ کریں۔ شاعر اپنے محبوب کے ذکر میں مبالغے کی ہر منزل کو کس دلیری سے پھاندتا ہے یہ اہلِ ادب پر مخفی نہیں۔ تاہم سچ ایسی حقیقت ہے کہ اس کی کرن کسی نہ کسی طرف سے پھوٹ ہی پڑتی ہے اور جھوٹ بر سرِ چوراہے پھوٹتا ہے۔

حضرت علیؓ سے محبت تو سب نے کی اور یہ کیوں نہ ہو یہ تو مومن کا نشان ہے لیکن عربوں اور عجمیوں کی محبت کی جہت ہمیشہ مختلف رہی ہے۔ عربی ذہن والوں نے کمالات کی جھلک آپ کی صفات میں دیکھی اور عجمیوں نے اسے آپ کی ذات میں گمان کیا۔ صفاتِ کمالات حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور تربیت سے ابھرتے ہیں اور ذاتی وہ جو کسی مربی کے فیض کا نتیجہ نہیں ہوتے۔ مثلاً یہ کہ آپ کس مٹی سے پیدا کیے گئے یا یہ کہ آپ پیدا ہی اسلام پر ہوئے۔ آپ کا اسلام لانا حضرت خاتم النبیینؐ کا فیضان نہ تھا۔ آپ کا علم لدنی تھا حضرت خاتم النبیین نے آپ کی تعلیم نہ کی تھی وغیر ذلک۔

آج کی مجلس میں ہم چند ایسی باتوں کی نشاندہی کریں گے جو حضرت علیؓ کی عقیدت میں جوشِ محبت سے یا شیعی زورِ خطابت سے کہی جاتی ہیں اور ان کے پیچھے کوئی روایتی ثقاہت نہیں ہوتی۔

شیعہ کتب حدیث عام کتبِ حدیث سے مختلف ہیں۔ عام مسلمانوں میں صحاح ستہ اور ان سے ملحق چند اور کتابیں ہیں جو شارحین حدیث کے ہاں اپنی جگہ سند سمجھی جاتی ہیں جیسے المصنف لعبد الرزاق (۲۱۰ھ) المصنف لابن ابی شیبہ (۲۳۴ھ) موطا امام مالک (۱۷۹ھ) موطا امام محمد (۱۸۹ھ) مسند امام دارمی (۲۵۵ھ) مسند امام احمد (۲۴۱ھ) مسند ابی داؤد طیالسی

(۴۲۲ھ) مسند ابی یعلیٰ (۳۰۷ھ) مسند ابی عوانہ (۳۱۶ھ) شرح مشکل الآثار اور شرح معانی الآثار للطحاوی (۳۲۱ھ) سنن کبریٰ امام بیہقی (۴۵۸ھ) معجم طبرانی مستدرک امام حاکم وغیرہا. جمہور اہلِ اسلام جو اسلام کا دوسرا علمی ماخذ سنت کو سمجھتے ہیں وہ سنت اپنی کتب حدیث سے کشید کرتے ہیں اور حدیث میں صحیح وضعیف ناسخ ومنسوخ خاص وعام کے تمام فاصلے قائم رکھتے ہیں. موضوع وہ روایات ہیں جہاں ثبوت کے سارے پیمانے ٹوٹ جاتے ہیں اور جھوٹ افترا کی صورت میں سامنے آجاتا ہے.

ان کے برعکس شیعہ کی کتب حدیث ان کے اصولِ اربعہ ہیں. ان کتابوں کے جمہور اہل اسلام کسی طرح ذمہ دار نہیں نہ وہ انہیں کسی درجہ میں مستند سمجھتے ہیں. ان کی کتابیں مدتوں معرضِ خفا میں رہیں. یہ اپنے مصنفین تک متواتر نہیں پہنچتیں لیکن اہل سنت کی کتابیں اپنے مصنفین سے لے کر اب تک پوری شہرت سے مروی ہوتی آرہی ہیں. گو ان میں بھی ہر درجہ کی احادیث روایت ہوئیں لیکن ان کے وسیع علم رجال نے اس باب میں امت کی بہت رہنمائی کی ہے.

اہل سنت اپنی ابتدائی تاریخ میں بہت روادار رہے. ان کا ذہن کسی طور فرقہ وارانہ نہ تھا. شیعہ ابتداء سے ہی اپنے آپ کو عام مسلمانوں سے کٹا یا ہٹا سمجھتے تھے اور ان میں سے بعض اپنے آپ کو اہل سنت میں ملا کر رکھتے تھے اور ایسا بھی بہت ہوا کہ بعض اہل سنت رواۃ ان کی روایت کردہ حدیثوں کو ان کے نام سے آگے بھی روایت کر دیتے تھے. ان کی ایسی روایات ہمارے ہاں بھی نچلے درجہ کی کتب حدیث میں یا کتب تاریخ میں ملتی ہیں جنہیں یہ مؤلفین ازراہِ تساہل یا بناء بر تغافل ذکر کر گئے. موضوع حدیث کو جانتے ہوئے آگے بیان کرنا شرعاً حرام ہے اور ایسے شخص کے ایمان کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے جو جان بوجھ کر پیغمبر پر افتراء باندھے. ہاں اس کے موضوع ہونے کے اظہار سے اسے کوئی روایت کرے تو یہ بے شک پیغمبر پر افتراء نہ ہوگا. صرف ایک غیر دانشمندانہ تساہل ہوگا. جن حضرات سے یہ غیر دانستہ غلطی ہوئی ہم ان کے لیے اللہ رب العزت کے حضور معافی کی درخواست کے سوا اور کیا کر سکتے ہیں.

اہل سنت کی بلند پایہ کتب حدیث میں جس طرح حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ کے فضائل ومناقب کے ابواب باندھے ہیں حضرت عثمانؓ اور علیؓ کے فضائل بھی اسی طرح ان میں مروی ہیں. ان میں فضائل صحابہؓ اور فضائل اہلبیت دونوں کے ابواب موجود ہیں. ام المومنین حضرت عائشہؓ کی فضیلت مذکور ہے تو حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراءؓ کی منقبت بھی ان میں مروی ہے.

صحیح الاعتقاد وہی لوگ ہیں جو ان ہر دو میں مودت کا عقیدہ رکھتے ہیں اور ان میں کسی سے علیحدگی کا دم نہیں بھرتے۔

لیجیے اب ہم چند موضوع روایات آپ کے سامنے رکھتے ہیں جو حضرت علی المرتضیٰ رض کے بارے میں وضع کی گئیں۔

(۱) خلقت انا وعلی من نور وکنا علی یمین العرش قبل ان یخلق آدم بالفی عام۔

ترجمہ: میں اور علی رض ایک ہی نور سے پیدا کیے گئے اور ہم آدم کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے عرش کی دائیں طرف ہم نشین تھے۔

اسی سے شیعہ نے یہ عقیدہ بنایا کہ حضرت علی رض کے نور ہوتے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان کا کوئی دخل نہیں حضرت پہلے سے نوری ہیں۔ آپ نے تعلم و تزکیہ حضور اکرم سے نہیں پایا، آپ پہلے سے برابر کے نور چلے آرہے ہیں۔

دنیائے علم میں یہ آفت ایک راوی جعفر بن احمد بن علی المعروف بابن ابی العلاء سے آئی ہے۔ ابن عدی کہتے ہیں کہ یہ حدیثیں گھڑا کرتا تھا۔

کنا نتہمہ بوضعہا بل نتیقن ذلک کان رافضیا وذکرہ ابن یونس فقال کان رافضیًا یضع الحدیث۔ [1]

ترجمہ: ہم اس پر وضع حدیث کا الزام رکھتے تھے بلکہ ہمیں اس کا پورا یقین تھا وہ شیعہ تھا اور ابن یونس نے بھی اس کا ذکر کیا ہے کہ وہ شیعہ تھا۔

دیکھا ایک ہی حدیث ایسی گھڑی کہ حضرت علی المرتضیٰ رض کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مرید اور شاگرد ثابت کرنے کی بجائے اس میں حضور کے بالمقابل برابر کا ایک دوسرا منبع نور بنا دیا۔ استغفر اللہ العظیم۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:۔

وعامۃ احادیثہ موضوعۃ وکان قلیل الحیاء فی دعاویہ علی قوم لم یلحقہم وفی وضع مثل ھذہ الاحادیث الرکیکۃ وفیہ مالا یشبہ کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعندہ عن یحیی بن بکیر احادیث مستقیمۃ لکن یشوبہا

---

[1] میزان الاعتدال جلد ۲ صـ۱۲۶

بتلك الاباطيل .[۱]

ترجمہ۔ اور اس کی روایات زیادہ تر موضوع ہوتی ہیں جن لوگوں سے اس کی ملاقات تک نہ تھی ان سے روایت کرنے میں اور اس قسم کی کمزور احادیث وضع کرنے میں اور وہ روایات لانے میں جو کلام نبوت سے ہرگز دکھائی نہ دیتیں یہ شخص کم حیا کرتا تھا اس کے پاس یحییٰ بن بکیر کی درست احادیث بھی موجود تھیں لیکن ان میں بھی وہ اس طرح کے جھوٹ ملا دیتا تھا۔

(۲) نور کے بعد ایک مٹی سے پیدا ہونے کی روایت بھی ملاحظہ کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (معاذ اللہ) فرمایا :۔

خلقت انا و هارون و عمران و يحيىٰ بن زكريا و علي بن ابي طالب من طينة واحدة .[۲]

ترجمہ۔ میں حضرت ہارون، حضرت عمران، حضرت یحییٰ بن زکریا اور حضرت علی بن ابی طالب ایک ہی مٹی سے پیدا کیے گئے ہیں۔

پنجتن ایک ہی مٹی سے بنے اور مٹی نے نور کا نام پایا۔

ہمارے مذہبی لٹریچر میں یہ آفت محمد بن خلف المروزی سے آئی ہے۔

علامہ ذہبی لکھتے ہیں۔ ھذا موضوع (میزان الاعتدال جلد ۶ صـ۱۳۵) موضوعات ابن الجوزی جلد ۱ صـ۲۲۹۔ حافظ ابن حجر اسے ان الفاظ میں لکھتے ہیں اور فرماتے ہیں یہ موضوع ہے۔

خلقت انا و هارون و يحيىٰ و علي من طينة واحدة هذا موضوع....

وقال الدارقطني متروك .[۳]

ترجمہ۔ میں اور ہارون اور حضرت یحییٰ اور حضرت علی ایک ہی مٹی سے پیدا کیے گئے۔

یہاں حضرت عمران کو نکال دیا گیا ہے ایسا کیوں؟ دروغ گو را حافظہ نباشد۔

(۳) من لم يقل علي خير الناس فقد كفر.

ترجمہ۔ جو شخص یہ نہ کہے کہ علیؓ تمام لوگوں سے اچھے ہیں وہ کفر کر چکا۔

یہ آفت محمد بن کثیر سے آئی ہے۔ یحییٰ بن معین کہتے ہیں یہ شیعہ تھا (میزان الاعتدال جلد ۶ صـ۳۱) قاضی نور اللہ شوستری کہتے ہیں شیعی بودن اہل کوفہ حاجت باقامت دلیل ندارد۔

---

[۱] لسان المیزان جلد ۲ صـ۱۰۹ [۲] تاریخ خطیب جلد ۶ صـ۵۹ [۳] لسان المیزان جلد ۵ صـ۱۵۷

امام بخاری کہتے ہیں کوفی منکر الحدیث تھا۔ اور امام علی بن المدینی (۲۳۴ھ) کہتے ہیں:۔

کتبنا عنہ عجائب وخططت علی حدیثہ وکذ بہ یحیی بن معین۔ [1]

ترجمہ: ہم نے اس سے عجیب عجیب روایات لکھیں اور اس کی روایت کو نشان زد کرتے رہے۔ اسے یحیٰی بن معین نے جھوٹا ٹھہرایا ہے۔

(۴) حضرت علیؓ نے اپنے بارے میں کہا میں صدیق اکبر ہوں (معاذ اللہ) کیا آپ ایسی بات کہہ سکتے تھے؟ ہرگز نہیں۔ اپنے آپ کو بڑا کہنا اللہ والوں کی عادت نہیں ہے۔ بہرحال روایت یہ ہے:۔

انا عبد اللہ واخو رسول اللہ وانا الصدیق الاکبر لا یقولہا بعدی الا کاذب صلیت قبل الناس سبع سنین۔

ترجمہ: میں اللہ کا بندہ ہوں۔ میں رسول اللہ کا بھائی ہوں میں صدیق اکبر ہوں میرے بعد جو شخص بھی اپنے آپ کو صدیق اکبر کہے وہ جھوٹا ہوگا میں دوسرے لوگوں سے سات سال پہلے اسلام لایا۔

اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ آپ کے اسلام لانے کے بعد سات سال تک کوئی مسلمان نہ ہوا۔ سات سال صرف آپ اکیلے ہی حضورؐ کی امت رہے۔

سوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبیست

اس کے دو راوی قابل نظر ہیں:۔

۱۔ عباد بن عبد اللہ الاسدی الکوفی اور ۲۔ زید بن وہب الجہنی ابو سلمان الکوفی۔

(۵) عن زاذان عن سلمان قال رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرب فخذ علی بن ابی طالب وصدرہ وسمعتہ یقول محبک محبی ومحبی محب اللہ ومبغضک مبغضی ومبغضی مبغض اللہ۔ [2]

ترجمہ: حضرت سلمان کہتے ہیں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ آپ نے حضرت علیؓ کی ران اور سینے پر ایک ضرب سی لگائی اور میں نے آپ کو انہیں یہ کہتے ہوئے سنا۔ تیرا محب میرا محب ہے اور میرا محب اللہ کا محب ہے اور تجھ سے بغض رکھنے والا مجھ سے بغض رکھنے والا ہے اور مجھ سے بغض رکھنے والا

---

[1] لسان المیزان جلد ۳ صفحہ ۳۵۲ [2] ایضاً جلد ۲ صفحہ ۱۰۹

اللہ تعالیٰ سے بغض رکھنے والا ہے۔

احادیث میں یہ آفت عمرو بن خالد سے آئی ہے۔

امام احمد کہتے ہیں یہ کذاب ہے۔ یحییٰ بن معین بھی کہتے ہیں کہ یہ کذاب ہے۔ ابوحاتم کہتے ہیں متروک الحدیث اور ذاہب الحدیث ہے۔

اسحٰق بن راہویہ اور ابوزرعہ کہتے ہیں :۔

کان یضع الحدیث.... قال وکیع کان جارنا فظهرنا منه علی کذب فانتقل.... ورماه ابن العراقی بالکذب۔[1]

ترجمہ۔ وہ حدیثیں وضع کرتا تھا.... وکیع کہتے ہیں وہ ہمارے پڑوس میں رہتا تھا پھر ہم اس کے کذب کو پا گئے تو وہ وہاں سے چلا گیا .....
ابن العراقی نے اس کے کذاب ہونے کی نشاندہی کی ہے۔

(۶) عن انس مرفوعاً ان اخی و وزیری وخلیفتی فی اھلی وخیر من اترك من بعدی علی۔

ترجمہ۔ حضرت انس رض کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میرا بھائی میرا وزیر اور میرا میرے گھر میں جانشین اور میرے بعد سب سے بہتر آدمی علی رض ہے۔

اس نے خلیفتی فی اھلی کہہ کر حضرت علی رض کو صرف حضور ؐ کے گھر والوں تک جانشین رکھا اور آپ سے امت کی خلافتِ کبریٰ کی یکسر نفی کر دی۔

احادیث میں یہ آفت مطر بن میمون اسکاف سے آئی ہے۔ علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ یہ روایت موضوع ہے۔[2]

امام بخاری، ابوحاتم اور امام نسائی کہتے ہیں یہ شخص منکر الحدیث تھا۔ ابن جوزی نے اس روایت کو موضوعات میں لکھا ہے۔

(۷) عن انس قال رسول اللہ ؐ النظر الی وجه علیؓ عبادہ۔[3]

ترجمہ۔ حضرت انس کہتے ہیں حضور اکرم ؐ نے فرمایا علی رض کے چہرے کی طرف دیکھنا عبادت ہے۔

راوی حدیث یہاں یہ بات واضح نہیں کر سکا کہ یہ عبادت کس کی ہوگی؟ اللہ تعالیٰ

---

[1] تہذیب جلد ۸ ص۲۷ [2] میزان الاعتدال جلد ۲ ص۴۴۶ [3] المستدرک جلد ۳ ص۱۴۱ ص۱۴۲

کی یا حضرت علیؓ کی ؟

یہ روایت بھی مطر بن میمون کی خدمات کا نتیجہ فکر ہے۔

حافظ ذہبی اس حدیث اور حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں :۔

قلت کلاھما موضوعان۔[1]

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ یہ دونوں حدیثیں من گھڑت ہیں۔

(۸) مطر بن میمون نے حضرت انسؓ کے حوالے سے یہ روایت بھی گھڑی ہے :۔

قال کنت عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم فرای علیاً مقبلاً فقال یاانس ھذا حجتی علی امتی یوم القیٰمۃ۔

ترجمہ: میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا تھا آپ نے حضرت علیؓ کو آتے ہوئے دیکھا تو مجھے کہا اے انس یہ شخص میری امت پر قیامت کے دن خدا کی حجت ہوگا۔

حافظ ذہبی اس کی اس روایت کو بھی باطل ٹھہراتے ہیں۔[2]

(۹) مطر بن میمون کی ایک اور کاروائی بھی دیکھیں :۔

عن انس قال کنت جالساً مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا قبل علی فقال النبیؐ یاانس من ھذا قلت ھذا علی بن ابی طالب فقال : یا انس انا وھذا حجۃ اللہ علی خلقہ۔[3]

ترجمہ: حضرت انسؓ کہتے ہیں میں حضورؐ کے پاس بیٹھا تھا کہ علیؓ اس طرف آنکلے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے انس یہ کون ہے ؟ میں نے کہا یہ علی بن ابی طالب ہیں۔ آپ نے فرمایا اے انس! میں اور یہ دونوں اللہ کی مخلوق پر خدا کی حجت ہیں۔

(۱۰) مطر بن میمونؒ کی ایک اور واردات یہ بھی ہے :۔

عن انس مرفوعاً علی اخی وصاحبی وابن عمی وخیر من اترک بعدی یقضی دینی وینجز موعدی۔[4]

---

[1] میزان الاعتدال جلد ۶ صفحہ ۴۴۶ [2] ایضاً [3] اخرجہ ابن عدی فی الکامل
[4] میزان الاعتدال جلد ۶ صفحہ ۴۴۶

ترجمہ: حضرت انس کہتے ہیں حضور اکرمؐ نے فرمایا علیؓ میرا بھائی ہے میرا صحابی ہے میرا چچازاد ہے اور جو بھی میرے بعد رہیں گے ان میں خیر الناس ہے۔ میرے قرض بھی اتارے گا اور میرے عہد بھی پورے کرے گا۔

(۱۱) اولکم وردًا علی الحوض اولکم اسلامًا علی بن ابی طالب۔[۱]

ترجمہ: تم میں سے سب سے پہلے حوضِ کوثر پر وہ وارد ہوگا جو تم میں سے سب سے پہلے ایمان لایا اور وہ علی بن ابی طالب ہے۔

اس روایت میں عبدالرحمن بن قیس الزعفرانی صاحب سازش ہے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں:۔

کذبه ابن مهدی وابو زرعة وقال البخاری ذهب حدیثه وقال احمد لم یکن بشیء واخرجه الحاکم فی المستدرک حدیثًا منکرًا۔[۲]

ترجمہ: عبدالرحمن بن مہدی اور ابوزرعہ کہتے ہیں وہ جھوٹا ہے اور امام بخاری نے کہا ہے اس کی حدیث قبول کے لائق نہیں۔ امام احمد کہتے ہیں وہ کوئی شئ نہ تھا۔ حاکم نے اس سے ایک منکر حدیث مستدرک میں لی ہے۔

حاکم نے اسے سہل انگاری سے اسے صحیح کہہ دیا۔ اس پر امام ذہبی نے ان کا تعاقب کیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں:۔

لیس بصحیح قال ابوزرعة عبدالرحمن بن قیس کذاب۔[۳]

ترجمہ: یہ روایت صحیح نہیں ابوزرعہ کہتے ہیں اس کا راوی عبدالرحمن بن قیس کذاب ہے۔

(۱۲) وصیّی وموضع سری وخلیفتی فی اهلی وخیر من اخلف بعدی علی۔[۴]

ترجمہ: میرا وصی۔ اور میرا رازدان۔ اور میرے اہل میں میرا جانشین۔ اور میں جن لوگوں کو پیچھے چھوڑ رہا ہوں ان میں سب سے بہتر علیؓ ہے۔

قاضی شوکانی اس روایت پر لکھتے ہیں:۔

---

[۱] رواہ ابن عدی فی الکامل والخطیب والحاکم [۲] میزان الاعتدال جلد ۲ ص ۳۰۹ [۳] المستدرک ص ۲ [۴] الفوائد المجموعہ

ساتھ ہی اس ایک اور روایت پر بھی نظر کرلیں۔ یہ موضوع نہیں مگر ضعیف ضرور ہے:۔

عبدالرحمٰن عن سعد بن ابی وقاص قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من کنت مولاہ فعلی مولاہ۔ [1]

ترجمہ۔ عبدالرحمٰن حضرت سعدؓ سے روایت کرتا ہے وہ کہتا ہے میں نے حضور کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ جو مجھے دوست رکھے علیؓ بھی اسکے دوست ہوں

یہ روایت موسیٰ بن مسلم الحزامی طحان المعروف موسیٰ صغیر نے عبدالرحمٰن ابن سابط سے کی ہے اور عبدالرحمٰن بن سابط اسے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت کرتا ہے۔ امام یحییٰ بن معین سے پوچھا گیا کہ عبدالرحمٰن بن سابط کا سماع حضرت سعدؓ سے ثابت ہے؟ انہوں نے کہا نہیں:۔

روی عن عمر و بن سعد بن ابی وقاص والعباس بن عبد المطلب وعباس بن ابی ربیعہ ومعاذ بن جبل وابی ثعلبۃ الخشنی وقیل لم یدرک واحداً منہم۔ [2]

ترجمہ۔ اس عبدالرحمٰن ابن سابط نے حضرت عمرو سے حضرت سعد سے حضرت عباس سے حضرت عباس ابن ابی ربیعہ سے حضرت معاذ سے حضرت ابی ثعلبہ سے روایت کی ہے اور کہا گیا ہے کہ اس نے ان میں سے کسی کو نہیں پایا۔

امام ترمذی نے اس روایت کو اس سند سے پیش کیا ہے:۔

محمد بن جعفر اخبرنا شعبہ عن سلمۃ بن کہیل قال سمعت ابا الطفیل یحدث عن ابی سریحۃ او زید بن ارقم۔ [3]

اس سند میں سلمہ بن کہیل (۱۲۱ھ) ہے۔ یہ صاحب کون ہیں؟ شعبہ نے اسے میمون بن ابی عبداللہ عن زید بن ارقم سے بھی روایت کیا ہے۔ یہ میمون بن ابی عبداللہ کون ہے؟ اسے بھی جان لیجئے:۔

یہ بصرہ کا رہنے والا بنی کندہ میں سے ہے۔ اس نے حدیث کن کن سے روایت کی۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:۔

روی عن البراء بن عازب وزید بن ارقم وابن عباس وعبداللہ بن بریدۃ۔

---

[1] سنن ابن ماجہ ص۱۲ [2] تہذیب التہذیب جلد ۶ ص۱۸۰ [3] جامع ترمذی جلد ۲ ص۲۱۳

اس سے آگے کن لوگوں نے اس سے یہ روایت لی ہے:۔

وعنہ ابناہ محمد وعبدالرحمن وقتادہ وخالد الحذاء وعوف الاعرابی وشعبۃ۔[1]

اب اس میمون ابی عبداللہ کا حال سُن لیجیے:۔

کان یحییٰ لا یحدث عنہ وقال الاثرم عن احمد احادیث مناکیر وقال اسحٰق بن منصور عن یحییٰ بن معین لا شیٔ وقال ابو داؤد تکلم فیہ۔[2]

اس قسم کے راویوں سے یہ حدیث کسی پایہ کو نہیں پہنچتی۔

یعقوب بن شیبہ کہتے ہیں۔ ثبت علی تشیعہ (وہ اپنی شیعیت پر پکا رہا)

قال ابوداؤد کان سلمۃ یتشیع۔[3]

اور جتنی بھی سندیں جمع کرتے جائیں یہ حدیث من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ کسی سند سے بھی درجہ صحت کو نہیں پہنچتی۔ گو عقیدت کے جوش میں بعض لوگوں نے اس کے متواتر ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ بلکہ اس کی سندیں جتنی بڑھتی جائیں گی اس کا ضعف اور نمایاں ہوتا جائے گا۔

جلیل القدر محدث حافظ جمال الدین زیلعیؒ (۷۶۲ھ) نے اس قاعدہ "قد لا یزید الحدیث کثرۃ الطرق الا ضعفا" کی مثال میں اس حدیث (من کنت مولاہ) کو بھی پیش کیا ہے۔ محدث زیلعی لکھتے ہیں:۔

وکم من حدیث کثرت رواتہ وتعددت طرقہ وھو حدیث ضعیف کحدیث الطیر وحدیث الحاجم والمحجوم وحدیث من کنت مولاہ فعلی مولاہ بل قد لا یزید کثرۃ الطرق الا ضعفاً وانما یرجح بکثرۃ الرواۃ اذا کانت الرواۃ محتجاً بھم من الطرفین۔[4]

ترجمہ: کتنی ہی حدیثیں ہیں جن کے راوی بہت ہیں اور اس کے کئی کئی طریق ہیں اور وہ پھر بھی ضعیف ہی ہے (درجہ صحت کو نہیں پہنچتی) جیسے حدیث طیر

---

[1] تہذیب جلد ۱۰ ص۳۹۳ [2] ایضاً جلد ۴ ص۱۵۷ [3]

[4] نصب الرایہ طبع جدید جلد اول ص۳۶۰ طبع قدیم ص۱۸۳

حدیث الحاجم والمحجوم اور حدیث من کنت مولاہ فعلی مولاہ بلکہ ان کے جس قدر طرق بڑھتے جائیں گے ان کا ضعف اور بڑھتا جائے گا. کثرتِ رواۃ سے وہاں ترجیح ہوتی ہے جہاں راوی دونوں طرف سے احتجاج کے لائق ٹھہریں.

حافظ ابن تیمیہ (۷۰۸ھ) بھی اسی صدی کے ہیں وہ بھی اس روایت پر مطمئن نہیں ہیں. آپ لکھتے ہیں:۔

فلا یصح من طریق الثقات اصلاً. [۱]

ترجمہ. یہ حدیث ثقہ راویوں کی روایت سے کہیں درجہ صحت کو نہیں پہنچتی.

یہ حدیث اس درجہ ضعف میں ہے کہ اس سے کسی عقیدہ کے اثبات میں حجت نہیں پکڑی جا سکتی. چہ جائیکہ اسے خلافت جیسے اہم مسئلے میں نص قرار دیا جا سکے.

عقیدہ قائم کرنے کے لیے قطعی دلائل کی ضرورت ہوتی ہے ظنی دلائل سے اعمال تو ترتیب پا سکتے ہیں لیکن عقائد نہیں بنتے. خبر واحد صحیح بھی تو عقیدہ ثابت کرنے کے لیے کافی نہیں اور یہاں یہ روایت ایک سند متصل مرفوع سے بھی ثابت نہیں.

(۱۳) عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال یا ام سلمہ ان علیاً لحمہ لحمی وھو بمنزلۃ ھارون بن موسیٰ منّی غیر انّہ لا نبی بعدی

اخرجہ العقیلی فی الضعفاء. [۲]

ترجمہ. ابن عباسؓ حضورؐ سے روایت کرتے ہیں آپ نے کہا اے ام سلمہ علیؓ کا چمڑا میرا چمڑا ہے اور وہ میرے لیے اسی درجہ میں ہے جس میں ہارون موسیٰ کی نسبت سے تھے. البتہ وہ میرے بعد نبی نہ ہوگا اسے عقیلی نے کتاب الضعفاء میں نقل کیا ہے.

اس میں آفت داہر بن یحییٰ الرازی کی طرف سے آئی ہے. حافظ ذہبی اس کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

رافضی بغیض لا یتابع علی بلایاہ. [۳]

ہاں اس روایت کا دوسرا حصہ وھو بمنزلۃ ھارون من موسیٰ صحیح ہے. اخرجہ البخاری

---

[۱] منہاج السنۃ جلد ۴ صفحہ ۸۶ مصر [۲] ایضاً جلد ۳ صفحہ ۴ [۳] میزان الاعتدال جلد ۳ حرف الدال صفحہ ۳

(۱۴) عبداللہ بن داہر شعبی کی سند سے ایک یہ روایت بھی ملتی ہے کہ حضورؐ نے حضرت علیؓ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر فرمایا ؛۔

هذا اوّل من امن بي واوّل من يصافحني يوم القيامة وهو فاروق هذه الامة يفرق بين الحق والباطل وهو يعسوب المؤمنين والمال يعسوب الظلمة وهو الصديق الاكبر وهو خليفتي من بعدي.

ترجمہ. یہ پہلا شخص ہے جو مجھ پر ایمان لایا اور پہلا شخص ہے جو قیامت کے دن مجھ سے معانقہ کرے گا یہ اس امت کا فاروق ہے جو حق اور باطل میں فیصلہ کرنے والا ہے. یہ مومنین کا سردار ہے یہی صدیق اکبرؓ ہے جو میرے بعد میرا خلیفہ ہو گا.

اس پر علامہ ذہبی لکھتے ہیں ؛۔

فهذا باطل ولم ار احدًا ذكر داهرًا ولا ابن ابي حاتم وانما البلاء من ابنه عبد الله فانه متروك. [۱]

ترجمہ. یہ روایت باطل ہے اور میں نے نہیں دیکھا کہ کسی کو جس نے داہر کا ذکر کیا ہو نہ ابن ابی حاتم نے اور جو مصیبت آئی ہے وہ اس کے بیٹے عبداللہ کی طرف سے آئی ہے کیونکہ اس کی روایت ترک کر دی گئی ہے

(۱۵) وروى ابو داؤد الرهاوي انه سمع شريكًا يقول على خير البشر فمن ابى فقد كفر. (اخرجه الخطيب في التاريخ جلد ۷ ص۴۲۱)

اورده ابن الجوزي في الموضوعات جلد۱ ص۳۴۸)

حافظ ذہبی لکھتے ہیں ؛۔

قلت بعض الكذابين يرويه مرفوعًا. [۲]

ترجمہ. میں کہتا بعض کذاب اسے مرفوع بھی روایت کرتے ہیں.

(۱۶) ظفر بن محمد الحذاء یا اس کا شیخ زہرانی کہتا ہے ایک دفعہ حضرت فاطمۃ الزہراءؓ نے حضورؐ سے کہا ؛۔

---

[۱] میزان الاعتدال جلد ۳ ص۲ [۲] ایضًا ص۲۷۴

لم ارك قلت فى على شيئاً فقال ان علياً نفسى وهل رأيت احداً يقول فى نفسه شيئاً.

ترجمہ: میں نے آپ کو کبھی علی کے بارے میں کچھ کہتے ہوئے نہیں دیکھا آپ نے فرمایا علی میری ذات ہے۔

حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ اس روایت میں یہ آفت ظفر یا اس کے شیخ الزہرانی کی طرف سے آئی ہے۔

فهذه الزيادة موضوعة والأفة من ظفر او شيخه الزهرانى.[1]

ترجمہ۔ سو یہ روایت من گھڑت ہے اور یہ آفت ظفر یا اس کے شیخ زہرانی کی طرف سے آئی ہے۔

---

[1] المیزان جلد ۳ ص۴۶۴

محدثین کے ہاں عظمتِ صحابہؓ ایک تاریخی تسلسل میں

الحمدللہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد:

جب سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرقہ ناجیہ کی یہ علامت بتلائی کہ وہ لوگ اس تسلسل میں رہیں گے جو میری اور میرے صحابہ کی راہ ہے (ما انا علیہ واصحابی) محدثین نے جہاں اپنی کتابوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و اعمال پر سندیں مہیا کی ہیں انہوں نے صحابہ کے اقوال و اعمال بھی حدیث کی کتابوں میں پوری سندوں سے مہیا کیے ہیں اور جہاں انہوں نے اپنی کتابوں میں ایمان وعمل، نماز، روزہ اور زکوٰۃ اور حج کے ابواب باندھے صحابہؓ کے فضائل و مناقب کو بھی انہوں نے اپنی کتب حدیث میں بطور دین بیان کیا ہے جس سے صاف پایا جاتا ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ اس امت کی صرف تاریخی شخصیتیں نہیں وہ اس امت کے لیے دینی شخصیتیں ہیں۔

پھر یہی نہیں بلکہ صحابہ کے تراجم اور اسماء و کنیٰ پر محدثین نے مستقل کتابیں لکھی ہیں دوسرے رواۃ حدیث کے لیے اسماء الرجال وجود میں آیا اور اس پر ضخیم کتابیں لکھی گئیں محدثین نے ان رواۃ حدیث پر پوری اجتہادی محنت سے جرح و تعدیل کے پیمانے رکھے ہیں جن پر وہ رواۃِ حدیث کو تولتے ہیں اور پھر حسب ثبوت ان کے موتی رولتے ہیں ہاں صحابہ چونکہ سارے کے سارے عادل مانے گئے جرح ان کی طرف راہ نہیں پاتی۔ انہیں عام احاد امت کی طرح ذکر نہیں کیا گیا۔ ان پر علیحدہ مجموعے لکھے گئے ہم ذیل میں صحابہؓ پر لکھے گئے چند مجموعوں کا ذکر کرتے ہیں جن سے امت میں عظمتِ صحابہ کا اعتراف ایک تاریخی تسلسل سے چلتا ہے۔

دوسری صدی کے ممتاز حافظ حدیث امام سفیان ثوریؒ (۱۶۱ھ) فرماتے ہیں حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ علی الاطلاق تمام صحابہؓ سے افضل ہیں (دیکھئے تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص۱۷۵) کوفہ کے ممتاز حافظ حدیث ابوالاحوص سلام بن سلیم (۱۷۹ھ) کے ذکر میں لکھتے ہیں:

جب ان کا حلقہ درس طالبانِ حدیث سے کھچا کھچ بھر جاتا تو اپنے لڑکے کو حکم دیتے کہ ان میں جو صحابہ کرام کے بارے میں سب وشتم کرتا ہے اسے باہر نکال دو (تذکرہ جلد ۱ ص۲۰۳)

حافظ یحییٰ بن سعید (۱۹۸ھ) کہتے ہیں میں نے جتنے علماء کو پایا ہے سب ہی حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ کو تمام صحابہ پر مقدم سمجھتے تھے۔ (تذکرہ جلد ۱ صفحہ ۲۴۴)

یہاں تک کہ محدث عبدالرزاق (۲۱۰ھ) نے بھی کہا:۔

بخدا میں اس بات پر کبھی راضی نہیں ہوا کہ میں علیؓ کو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ پر فضیلت دوں۔ (تذکرہ جلد ۱ صفحہ ۲۷۹)

حافظ ابن جریر طبری (۳۱۰ھ) لکھتے ہیں:۔

جو شخص حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو ہدایت کے امام نہیں مانتا وہ دائرہ اسلام میں شامل ہونے کے لائق نہیں ہے۔

اب ان حضرات کو دیکھیں جنہوں نے صحابہ پر ضخیم مجموعے مرتب فرمائے:۔

۱۔ احمد بن عبداللہ البرقی (۲۷۰ھ)

اپنے زمانے کے ممتاز حافظ حدیث تھے۔ انہوں نے معرفۃ الصحابہ قلمبند فرمائی۔

۲۔ محمد بن سعید (۲۳۰ھ)

خطیب بغدادی (۴۶۳ھ) محمد بن سعد کے ذکر میں لکھتے ہیں:۔

کان من اھل العلم والفضل والفھم والعدالۃ صنف کتاباً کبیراً فی طبقات الصحابۃ والتابعین الی وقتہ فاجاد فیہ فیہا واحسن۔[1]

ترجمہ۔ آپ علم وفضل اور فہم وانصاف کی شان رکھتے تھے۔ آپ نے صحابہ اور اپنے وقت تک کے تابعین پر ایک بڑی کتاب لکھی، آپ نے وہ بہت اچھی لکھی اور بہت بہتر لکھی۔

۳۔ علامہ بغوی بغدادی (۳۱۷ھ)

آپ نے معجم الصحابہ تالیف کی۔

---

[1] تہذیب جلد صفحہ [2] تذکرہ جلد ۳ صفحہ ۴۳۵

۴۔ ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی (۳۶۰ھ)

آپ نے فضائل اربعۃ الراشدین دو ضخیم جلدوں میں لکھی. معجم صغیر معجم اوسط اور معجم کبیر بھی آپ کی تالیفات ہیں.

۵۔ حافظ ابن عبدالبر (۴۶۳ھ)

الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ان کی تالیف ہے. [۱]
علامہ ذہبی کہتے ہیں یہ کتاب اپنی نظیر آپ ہے.

۶۔ حافظ ابونعیم الاصفہانی (۴۳۰ھ)

آپ نے معرفۃ الصحابہ لکھی. حلیۃ الاولیاء بھی انہی کی تالیف ہے.

۷۔ شیخ الحرم ابوالقاسم سعید بن علی (۴۷۱ھ)

آپ نے علم حدیث کی برتری پر ایک طویل قصیدہ قلم بند کیا ہے. اس میں آپ صحابہ کی راہ عمل کو نہج الہدیٰ کا نام دیتے ہیں کہ یہی ایک ہدایت کی راہ ہے. جس سے مومن آخرت میں فلاح کی دولت سے سرفراز ہوتا ہے. [۲]

تدبر کلام اللہ واعتمد الخبر ودع عنک رأیا لا یلائمہ الاثر
ونہج الہدیٰ فالزمہ واقتد بالاول ہم شہدوا التنزیل فیہ لک الخیر

ترجمہ. قرآن کریم پر غور کر اور حدیث پر اعتماد کر اور وہ رائے چھوڑ دے جس کی تائید میں کوئی اثر وارد نہیں. ہدایت کی راہ (نہج الہدیٰ) کو لازم پکڑ اور پہلوں کی پیروی کہ یہ وہ لوگ ہیں جو نزول قرآن کے وقت موجود تھے. اس میں تیری بھلائی اور خیر ہے.

---

[۱] تذکرہ، جلد ۳ صفحہ ۳۰۷، [۲] ایضاً صفحہ ۱۸۶

۸۔ عزالدین ابن الاثیر الجزری (۶۳۰ھ) صاحب التاریخ الکامل

آپ نے اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ لکھی۔ اندلس کے ممتاز حافظ حدیث ابو ربیع سلیمان بن موسیٰ کلاعی بلنسی (۶۳۴ھ) نے بھی معرفۃ الصحابہ والتابعین اور الاکتفاء فی مغازی المصطفےٰ والثلاثۃ الخلفاء جیسی کتابیں لکھیں۔

۹۔ مؤرخ اسلام حافظ ابن کثیر (۷۷۴ھ)

آپ نے البدایہ والنہایہ میں صحابہ کے تراجم نہایت تفصیل سے لکھے ہیں۔

۱۰۔ شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ)

الاصابہ فی تمییز الصحابہ آپ کی نہایت اہم کتاب ہے۔ تجرید اسماء الصحابہ اس کی ایک تلخیص ہے۔

۱۱۔ حافظ الدنیا حافظ جلال الدین السیوطیؒ (۹۱۱ھ) مؤلف تاریخ الخلفاء

طبقات الصحابہ سابقین الاولین اور مہاجرین و انصار۔ یہ ایک بڑی کتاب ہے۔

ہم یہاں صرف یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اسلام کے پہلے ہزار سال میں محدثین کے ہاں صحابہ کے عام تذکرے اور ان پر مستقل کتابیں اس تسلسل اور تواتر سے امت میں چلے ہیں کہ صاف واضح ہوتا ہے کہ امت نے اپنی اصل اساس اور خیر امۃ کا مصداق انہی حضرات قدسی صفات کو سمجھا ہے۔

مصائبِ اہلبیت

الحمد للہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد :

سیّدنا حضرت علی مرتضیٰ رضؓ گو اصالۃً حضورؐ کے اہلبیت (ذریت) میں سے نہ تھے مگر حدیثِ کساء کی رُو سے آپ بھی حضورؐ کے اہل بیت ہونے کا شرف پا گئے۔ آنحضرتؐ نے انہیں ایک چادر میں لے کر اپنی ذریت حضرت سیّدہ فاطمۃ الزہراؓ اور حضرات حسنین کریمینؓ کے ساتھ بٹھایا اور ان پر (اہل کساء پر) آیتِ اہل بیت پڑھی جو پ۲۲ سورہ احزاب آیت ۳۳ میں ہے اس میں اہلبیت سے خطاب ہے۔

سیدنا حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ اصل سادات ہیں اور وہ جس طرح آنحضرتؐ کی اولاد ہیں وہ سیّدنا حضرت علی المرتضیٰ رضؓ کی بھی اولاد ہیں۔ سو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی اہل بیت میں شمار کیا جا سکتا ہے اور انہی سے ہم اپنے اس مضمون کا آغاز کرتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں آپ نے جو تکالیف برداشت کیں وہ حضورؐ سے نیابۃً کیں اور خلفائے ثلثہ کے دور میں آپ نے جو تکالیف دیکھیں وہ ان حضرات کی نیابت میں دیکھیں۔ اصالۃً آپ کی تکالیف آپ کے اپنے دورِ خلافت سے شروع ہوتی ہیں۔ یُوں سمجھیئے آپ کی خلافت سے تاریخِ اسلام کا ایک نیا باب کھُلا اور وہ حالات پیش آئے جو مسلمانوں میں ابھی تک پیش نہ آئے تھے۔ تاریخ ان تمام مہمات و مصائب میں ان کے اخلاصِ نیت۔ عزم و استقلال۔ خدا ترسی اور اللہ کی راہ میں جان دینے کو عقیدت کا سلام پیش کرتی ہے۔

مصائب جو حضرت علی المرتضیٰ رضؓ نے دیکھے

آپؓ کی خلافت ایسے حالات میں قائم ہوئی جب مدینہ منورہ میں مفسدین کے ایک مختصر گروہ نے خلیفہ راشد حضرت عثمان رضؓ کو اُن کے گھر میں گھُس کر قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے شہید کر دیا اور گو پوری قلمرو اسلامی میں امن تھا لیکن مدینہ منورہ میں اس مفسدہ نے بغاوت کی سی صورت پیدا کر دی تھی۔ ان مفسدین نے اس اندیشہ سے کہ اتنی عظیم سلطنت اسلامی اب انہیں کسی طرح زندہ نہ چھوڑے گی اچانک خاندانِ بنی ہاشم سے عقیدت کا اظہار کر دیا۔ پُرانے مسلمانوں نے بھی اس صورتِ حال میں حضرت علیؓ کی طرف رجوع کیا اور آپ کی یہ عظیم قربانی تھی کہ آپ نے نہ چاہنے کے باوجود خلافت قبول کر لی۔ اگر آپ ایسا نہ کرتے تو بغاوت کی یہ آگ پوری قلمرو اسلامی

میں پھیل جاتی اور عیسائی سلطنتیں پھر اس صورتِ حال کا پورا فائدہ پا سکتی تھیں۔ آپ نے ان حالات میں خلافت کو قبول کر کے اپنے لیے گویا کانٹوں کا ایک سیج اختیار فرمایا اور تاریخ گواہ ہے کہ آپ نے پھر پُورے عزم و استقلال سے اس راہِ خلافت میں اُٹھنے والی مشکلات کا سامنا کیا اور کہیں کمزوری نہ دکھائی۔ نہ کبھی کسی ذاتی راحت کو اپنی قومی ذمہ داری پر ترجیح دی۔ یہاں تک کہ پانچ سال کے ان جان گسل سانحات کا مقابلہ کرتے ہوئے رمضان کی پہلی لیلۃ القدر کو اپنی جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔

۱۔ پہلی مُصیبت

مدینہ منورہ کی اس مختصر سی بغاوت میں آپ کے گرد جو آپ کے وفادار جمع تھے ان میں وہ مفسدین بھی شامل ہوئے جو حضرت عثمانؓ کی مظلوم شہادت کے ذمہ دار تھے اور وہ یہ چاہتے تھے کہ حضرت علیؓ کو اپنی مرضی اور صوابدید سے نظامِ مملکت چلانے دیں۔ ان میں گو وہ نہ تھے جنہوں نے حضرت عثمانؓ کو شہید کیا لیکن وہ لوگ بکثرت تھے جو اس بغاوت میں شریک تھے۔ اس میں ان کی پالیسی یہ تھی کہ عام لوگ یہ سمجھنے لگیں کہ گویا حضرت علیؓ بھی حضرت عثمانؓ کے خلاف تھے اور ان مفسدین کو برابر آپ کی تائید حاصل تھی۔ ایسا ہرگز نہ تھا۔ حضرت علیؓ ان کمزور لوگوں میں سے نہ تھے جن کا ظاہر کچھ اور ہو اور باطن کچھ اور — آپؓ نے حضرت معاویہؓ کے سامنے اپنی پاکدامنی کا اظہار اس طرح کیا ہے:۔

وکان بدء امرنا انا التقینا والقوم من اھل الشام والظاھر ان ربنا واحد ونبینا واحد ودعوتنا فی الاسلام واحدۃ ولا نستزیدھم فی الایمان والتصدیق برسولہ ولا یستزیدوننا الامر واحد الا ما اختلفنا فیہ من دم عثمان ونحن منہ براء۔[1]

سو ان مفسدوں کو اپنی فوج میں ساتھ رکھ کر ان پر تسلط پانے کی کوشش یہ وہ پہلی مصیبت تھی جس کا آپ کو سامنا کرنا پڑا۔ آپؓ خود فرماتے ہیں "یہ لوگ مجھ پر مسلط ہوئے ہیں۔ وہ میری بات چلنے نہیں دیتے"۔ ان حالات میں اگر آپ خلافت چھوڑ دیتے تو عظیم سلطنت اسلامی اور بھی کئی مصائب میں گھر جاتی۔ یہ آپ کا عزم و استقلال تھا جس کے باعث آپ برابر خلافت پر قائم رہے اور مصائب کو جھیلتے گئے اور آہستہ آہستہ آگے بڑھتے گئے۔

---

[1] نہج البلاغہ جلد ۳ صفحہ ۱۲۶

حضرت طلحہؓ کا خونِ عثمانؓ کے لیے اُٹھنا تو سمجھ میں آتا ہے لیکن حضرت زبیرؓ بھی قصاصِ عثمان میں پُورے حضرت طلحہؓ کے ساتھ تھے اور قاتلین عثمان کو پکڑنے اور مفسدین کو سزا دینا خلیفہ اسلام کی پہلی ذمہ داری سمجھتے تھے۔ تاہم یہ سمجھتے تھے کہ اس سیاسی صُورتِ حال کی اصلاح کے لیے مکہ مکرمہ مرکز نہ بنے مبادا حرم کی کوئی بے ادبی ہو پائے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ حج سے واپس آ رہی تھیں انہوں نے انہیں بھی اپنے ساتھ لیا اور اپنے وفادار ساتھیوں کے ایک جم غفیر کے ساتھ بصرہ کی طرف نکلے۔ آپ حضرت زبیرؓ کی خالہ تھیں۔ ان حضرات کا منشا تھا کہ وہاں ایک آزاد ماحول میں اصلاح احوال پر مشترکہ سوچ بچار کی جائے اور حضرت علیؓ کو بھی وہاں آنے کی دعوت دی جائے۔ یہ حضرات مکہ سے مدینہ غالباً اس لیے نہ آئے کہ مدینہ دارالخلافہ ہے۔ وہاں ان کے آنے کو خلافت پر شکر کشی نہ سمجھا جائے یہ حضرات خلافت کے خواہاں نہ تھے امن اور سلامتی کے طالب تھے۔

۲. دوسری مصیبت

حضرت علیؓ کے لیے پہلی مصیبت اپنی افواج پر (مفسدین کا تسلط) تھا۔ ابھی یہ بات اسی طرح تھی آپ قاتلین حضرت عثمانؓ کو قابو نہ کر پائے تھے کہ یہ بصرہ کا معرکہ سامنے آگیا۔ یہ آپ کے لیے دوسری بڑی مصیبت تھی حضرت علیؓ کو خلیفہ بنے چار ماہ ہوئے تھے اور ابھی تک ان کا دارالخلافہ مدینہ منورہ ہی تھا۔ عبداللہ بن سبا نے بصرہ میں حضرت عثمانؓ کے خلاف خاصی فضا پیدا کی تھی اور ان حضرات کے وہاں جانے سے مفسدین پر بھی کافی دباؤ آ سکتا تھا۔ حضرات ام المؤمنینؓ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ میں بڑی شخصیت حضرت ام المؤمنینؓ تھیں۔ اسی لیے بصرہ کا یہ معرکہ انہی کے نام سے منسوب ہوا۔ اور یہ ان کے اور مفسدین کے درمیان پیش آیا۔ حضرت علیؓ یہاں ان حضرات کے مقابلے کے لیے نہ آئے تھے لیکن ان مفسدین نے اپنی فساد پرورانہ کاروائی سے حضرت علیؓ کو حضرت ام المؤمنینؓ سے لڑا دیا۔

پہلا معرکہ ان مفسدین میں اور ان حضرات میں پیش آیا۔ مفسدین ناکام ہوئے اور حضرت عثمان ام المؤمنینؓ سے امان طلب کی۔ پھر ایک نیا موضوع سامنے آیا یہ کہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے جو حضرت علیؓ کی بیعت کی وہ بحالتِ اکراہ ہوئی یا بطیب خاطر؟ اس کے لیے ایک وفد مدینہ بھیجا گیا جو صورتِ حال معلوم کرے ـــــ یہ اکراہ کا الزام حضرت علیؓ پر نہ تھا مفسدین پر تھا۔ اگر

یہ حضرات بیعت نہ کرتے تو حضرت عثمانؓ کے ساتھ یہ بھی موقع پر شہید کر دیئے جاتے۔ مدینہ منورہ میں جو صورتِ حال پیدا ہو چکی تھی وہ ہنگامی تھی۔ ایسی نہ تھی کہ اس میں کی گئی کسی کارروائی کو پُرامن کہا جا سکے۔ پہلے معرکہ میں مفسدین ناکام ہوئے اور حضرت ام المومنینؓ کے حامیوں کا بصرہ پر قبضہ ہو گیا اور تمام اہل بصرہ حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ کی رائے پر آ گئے۔

حضرت علی المرتضیٰؓ بھی اپنی بھاری فوج کے ساتھ بصرہ آ گئے اور یہ مفسدین ان کی صفوں میں بھی گھسے ہوئے تھے۔ اب انہوں نے مطالبہ کیا کہ ہم حضرت علیؓ کو اکیلے کسی مجلس مصالحت میں نہ جانے دیں گے۔ ایک رات جب دونوں افواج اپنے اپنے ہاں سو رہی تھیں ان مفسدین نے اچانک حضرت ام المومنینؓ کے حامیوں پر حملہ کر دیا اور حضرت علیؓ کے کیمپ میں یہ بات چلا دی کہ طلحہؓ و زبیرؓ کی فوجوں نے علیؓ پر حملہ کر دیا ہے پھر کسی کو ہوش نہ رہا کہ کس نے اس جنگ میں پہل کی ہے اور دونوں فریق ایک دوسرے سے لڑ رہے تھے۔ حضرت علیؓ نے اپنی فوجوں کو لڑنے سے روکا مگر ہنگامی صورت حال اسی طرح رہی۔ یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ پھر صبح ام المومنینؓ اونٹ پر سوار ہو کر نکلیں۔ عربی میں اُونٹ کو جمل کہتے ہیں اس جنگ کو اسی وجہ سے جمل کہتے ہیں۔ اس دوسرے معرکہ میں حضرت علیؓ کی افواج غالب رہیں۔ جنگ ختم ہونے پر حضرت علیؓ نے ام المومنینؓ کو بکمال احترام مدینہ روانہ فرمایا۔

حضرت عائشہؓ کے بھائی محمد بن ابی بکرؓ، حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ اس جنگ سے کنارہ کش رہے ان کی یہاں حضرت علیؓ سے ملاقات بھی ہوتی رہی اور مشورے بھی ہوتے رہے۔ یہ حضرات حضرت علیؓ کی پالیسی سے کہ قوت قائم ہونے کے بعد مفسدین کو پکڑیں گے متفق ہو چکے تھے۔ اب یہ اس معرکہ میں فریق نہ تھے نہ ہی حضرت ام المومنینؓ اور حضرت علیؓ فریقین تھے۔ صرف منافقین اور مفسدین تھے جنہوں نے اس مجلس مصالحت کو شر پردازی سے جنگ کا میدان بنا دیا۔

حضرت زبیرؓ جنگ میں نہ مارے گئے۔ آپ جنگ سے کنارہ کش ہو کر ایک طرف صحرا میں نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک مفسد نے انہیں عین حالتِ نماز میں شہید کر دیا۔ حضرت طلحہؓ بھی ان لڑنے والوں سے ایک طرف نکل رہے تھے کہ انہیں کسی مفسد نے تیر مارا اور وہ شخص جس نے جنگ اُحد میں حضورؐ کے چہرہ مبارک سے تیروں کو روکا تھا خود اس موقعہ پر تیر سے بچ نہ سکے اور حضرت علیؓ کے یہ دونوں ساتھی اس دن اس مظلومانہ ادا میں جامِ شہادت نوش کر گئے۔ حضرت زبیرؓ کا قاتل جب آپ کا سر مبارک لے کر حضرت علیؓ کے پاس آیا تو آپ نے اُسے جہنم کی

بشارت دی اور کہا حضورؐ فرما گئے تھے:

تم صفیہ (حضورؐ کی پھوپھی اور عبدالمطلب کی بیٹی) کے بیٹے کے قاتل کو جہنمی ہونے کی خبر دو.
آپ نے حضرت طلحہؓ کی مظلومانہ شہادت پر حضرت طلحہؓ کے دائیں ہاتھ کو بوسہ دیا کہ اس ہاتھ نے اُحد کے معرکہ جنگ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر آنے والے تیروں کو روکا تھا.

حضرت علی المرتضیٰؓ کے حوصلہ اور استقلال کو داد دیجیے کہ آپ نے اس میدان میں ان لوگوں کی بھی نماز جنازہ پڑھائی جو آپ کے خلاف لڑے اور فرمایا یہ ہمارے اسلامی بھائی ہیں جنہوں نے ہم پر چڑھائی کی. آپ نے انہیں مسلمان تسلیم کیا اور اپنے اختلاف کی وجہ سے انہیں صف اسلام سے خارج نہیں کیا.

۳. تیسری مُصیبت

اہل شام کا اطاعت سے انکار یہ وہ داہیہ کُبریٰ ہے جس پر حضرت علیؓ قابو نہ پا سکے سلطنت اسلامی میں حجاز، عراق، مصر اور شام میں سے تین بڑے علاقے حضرت علی مرتضیٰؓ کے زیر خلافت تھے. شام میں گورنر حضرت معاویہؓ تھے. انہوں نے حضرت علیؓ کا انہیں دستبردار کرنے کا حکم نہ مانا اور حضرت علیؓ کے خلاف یہ سب سے بڑا اور مضبوط محاذ بنا. حضرت معاویہؓ امام مظلوم حضرت عثمان غنیؓ کے قریبی رشتہ دار تھے اور آپ نہ صرف قصاص خونِ عثمان کے طالب تھے بلکہ حضرت علیؓ کو خود بھی اس میں شریک جُرم سمجھتے تھے. ان حالات میں ان کا کسی مصالحت یا معاہدے پر آنا بہت مشکل تھا. حضرت معاویہؓ اپنے لیے خلافت کے مدعی نہ تھے بلکہ بطور گورنر شام آپ برابر حضرت عثمانؓ کے وفادار رہے اور باغیوں کے پکڑے جانے کے بغیر آپ کسی کو خلیفہ ماننے کے لیے تیار نہ ہو سکے.

حضرت علی مرتضیٰؓ بطور خلیفہ اپنا حق سمجھتے تھے کہ قلمرو اسلامی کے جو گورنر ان کے زیر حکم نہ آئیں انہیں باغی سمجھتے ہوئے آپ ان پر چڑھائی کریں. آپ پچاس ہزار کی فوج لے کر شام کی طرف بڑھے. حضرت معاویہؓ بھی مقابلے کے لیے نکلے اور مقام صفین پر دونوں میں جنگ ہوئی. جنگ اپنی ابتدائی سطح میں کوئی بڑی جنگ نہ تھی نہ حضرت علیؓ بے دریغ خونریزی کے حق میں تھے آپ کی پوری کوشش رہی کہ معاملہ کسی طرح باتوں سے سلجھ جائے.

حضرت علیؓ نے اپنی افواج آٹھ حصوں میں تقسیم کر دی اور روزانہ ایک حصہ کے ساتھ میدان میں آتے رہے. یہاں تک کہ محرم کا مہینہ آگیا. ایک ماہ جنگ بند رہی. ۱۱ صفر ۳۷ھ کو پہلا

فیصلہ کن معرکہ ہوا۔ ۱۲۔کو بھی سارا دن جنگ جاری رہی۔ اس سے اگلے دن میدانِ جنگ میں اہلِ شام نے قرآن کریم اُونچے کیے کہ آؤ ہم اس کتاب کے مطابق آپس میں فیصلہ کریں۔ حضرت علیؓ کی فوجوں نے بھی اس تجویز سے اتفاق کیا اور عارضی طور پر جنگ بندی ہوگئی۔ فیصلہ ہوا کہ فریقین اپنا اپنا ایک نمائندہ دیں اور دونوں حکم جو فیصلہ کریں وہ فریقین کے لیے لائق تسلیم ہو۔ حضرت علیؓ کی طرف سے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت معاویہؓ کی طرف سے فاتحِ مصر حضرت عمرو بن العاصؓ حکم چنے گئے۔ تاریخ مقررہ پر دونوں حکم اپنے چار سو ساتھیوں کے ساتھ دومۃ الجندل میں جمع ہوئے اور دونوں میں اس پر بہت بحث ہوتی رہی۔ طے پایا کہ دونوں میں سے خلیفہ کوئی نہ ہو۔ خلافت کے لیے کسی نئے آدمی کو سامنے لایا جائے۔

افسوس کہ یہ تدبیر بھی کارگر نہ ہوئی اور جو کچھ طے ہوا تھا اس پر عمل نہ ہو سکا اور فریقین اپنے اپنے علاقوں پر بدستور قابض رہے۔

۴۔ چوتھی مصیبت

حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے اس اختلاف میں مصر حضرت علیؓ کے زیرِ نگین تھا۔ آپ کی طرف سے حضرت قیس مصر کے گورنر تھے۔ آپ کی پالیسی ان لوگوں کے حق میں بہت نرم رہی جو قاتلانِ حضرت عثمانؓ سے قصاص کے فوری طالب تھے۔ حضرت علیؓ نے انہیں ہٹا کر محمد بن ابی بکرؓ کو وہاں کا گورنر مقرر کیا۔ اس نے ان لوگوں سے سختی کی۔ یہاں تک کہ مصر میں بغاوت پھیل گئی۔ لوگوں کی عام ہمدردیاں حضرت عثمانؓ کے ساتھ بڑھیں۔ ان حالات سے فائدہ اٹھا کر حضرت معاویہؓ نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو مصر پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ آپ فاتحِ مصر تھے اور مصر کے اندرونی حالات سے پوری طرح واقف تھے۔ حضرت عمرو بن العاص نے مصر پر حملہ کیا۔ محمد بن ابی بکرؓ کو شکست دی اور اس طرح مصر بھی شام کے ساتھ مل گیا اور قلمروِ اسلامی کا یہ حصہ بھی حضرت معاویہؓ کی سلطنت میں آگیا۔ یہ خلافتِ راشدہ میں ایک اور شگاف تھا جس نے حضرت علی مرتضیٰؓ کی سیاسی قوت خاصی کمزور کردی۔ تاہم ان حالات نے حضرت علیؓ کے عزم و استقلال میں کوئی دراڑ آنے نہ دی۔

۵۔ پانچویں مصیبت

حضرت علی مرتضیٰؓ نے جنگِ صفین کے آخر میں حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ کو اپنی طرف سے

حکم مانا تھا کہ وہ جو فیصلہ کریں انہیں منظور ہو گا۔ اس پر ان کا اپنا ایک حلقہ ان سے بگڑ گیا۔ انہوں نے کہا کہ حضرت علیؓ دو انسانوں کو حکم مان کر کفر کے مرتکب ہوئے ہیں مسلمان صرف خدا کے فیصلے کو واجب التسلیم مانتے ہیں، کسی انسانی فیصلے کو نہیں۔ بمقام ابواز میں ان لوگوں نے اپنی فوجی قوت کو جمع کیا اور حضرت علیؓ کی جماعت سے نکل جانے کا اعلان کیا۔ ان الحکم الا للہ ان کا نعرہ تھا۔ اس عنوان پر یہ لوگ خوارج کہلائے۔ یہ لوگ جگہ جگہ سر اٹھاتے تھے۔ پھر کبھی دب بھی جاتے اور کسی اور طرف جا نکلتے۔ اب حضرت علیؓ کا رُخ شام کی بجائے خارجیوں کی طرف ہو گیا۔ واقعہ تحکیم سے یہ حضرت علیؓ کے خلاف ہوئے۔ تاہم صحابہؓ میں سے کوئی ان کے ساتھ نہ تھا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ان سے مناظرے کیے۔ اور حضرت علیؓ نے خوارج کے ساتھ جنگ نہروان لڑی۔ اب مسلمانوں کی سیاسی قوت دو نہیں تین حصوں میں منقسم ہو چکی تھی اور یہ تیسرا حصہ حضرت امیر معاویہؓ کی جماعت سے نہیں حضرت علیؓ کی جماعت سے الگ ہوا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس میں آپ کی ہی سیاسی قوت کمزور ہوئی اور حالات یہاں تک پہنچے کہ آپ کو حضرت معاویہؓ سے ۴۰ھ میں صلح کرنی پڑی کہ دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کے مقبوضہ علاقوں پر چڑھائی نہ کرے۔ یہ سال عام الہدنہ کہلاتا ہے۔ اس سے یہ دونوں حضرات ایک دوسرے کے کچھ قریب آ گئے لیکن خارجی آپ کے برابر دشمن رہے اور یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے آپ کے قتل کی سازش کی۔ ان لوگوں نے نہ صرف یہ کہ قلمرو اسلامی کو سیاسی طور پر کمزور کیا بلکہ انہوں نے اپنی تحریک کو ایک مذہبی رنگ بھی دیا۔ مسلمانوں میں اعتقادی محاذ پر یہ پہلا فتنہ تھا۔ یہ حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ دونوں کو بوجہ تحکیم کافر کہتے تھے۔ اسلام میں یہ پہلا اعتقادی فتنہ تھا جس نے مسلمانوں میں ایک مذہبی فرقہ کی شکل پائی۔ ان کا اعتقاد ہے کہ انسان گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے کافر ہو جاتا ہے۔

ان پانچ اندھیروں میں حضرت علیؓ کے ایمان و عمل کا استقلال

سیدنا حضرت علی المرتضیٰؓ نے ان پانچ مصائب کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ آپ پوری امت کے لیے ان حالات میں ایک روشنی کا مینار بن گئے۔ ان پانچ اندھیروں میں آپ کے ایمان و عمل اور عزم و استقلال کی چمک برابر قائم رہی۔ آپ کے سوا کوئی اور ان حالات سے گزرتا تو اس کی فولادی رگیں بھی ان پے درپے صدموں میں موم ہو جاتیں۔

آپ نے خلافت کے ابتدائی دنوں میں جس طرح خون عثمان سے ہمدردی کا اظہار فرمایا اور

آپ کے قاتلوں اور مفسدین سے فوری تعرض نہ کیا۔ آخر تک آپ اسی موقف پر رہے۔ مجال ہے کہ آپ نے کسی مرحلے پر حضرت عثمانؓ کی کسی پالیسی پر اشارۃً بھی کوئی جرح کی ہو۔ آپ نے جس طرح پہلی دو خلافتوں کو دل وجان سے تسلیم کیا تھا حضرت عثمانؓ کو بھی آپ پورے یقین سے امام مظلوم سمجھتے رہے۔ اور آپ کا یہ کہنا کہ ابھی میں ان مفسدین سے نبٹنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں نیک نیتی اور اخلاص پر مبنی تھا ورنہ حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ ان کی استدعا پر میدان جمل میں کبھی جنگ سے کنارہ کش نہ رہتے۔ ان حضرات کے اس بدلے عمل سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ان دو حدیثوں کی پوری تطبیق ہوتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

ان طلحة شهيد يمشي على وجه الارض [1]

ترجمہ۔ بے شک طلحہؓ مرتبہ شہادت پائیں گے اور اپنی اس برزخی زندگی میں آپ (کبھی) روئے زمین پر چلیں گے۔

جس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قبر کی برزخی زندگی میں نماز پڑھتے دیکھا۔ اگر کوئی شخص بعض شہداء کو ان کی اس برزخی زندگی میں چلتا دیکھ لے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ لکھتے ہیں:۔

اب اگر حضرت علیؓ کے خلاف حضرت طلحہؓ کا جنگ کے لیے نکلنا کھلا گناہ اور عصیان تھا وہ ہرگز شہادت کا رتبہ حاصل نہ کرتے اسی طرح حضرت طلحہؓ کا یہ عمل تاویل کی غلطی اور ادائے واجب میں کوتاہی قرار دیا جا سکتا۔ تو بھی آپ کو شہادت کا مقام حاصل نہ ہوتا...... اس بات کی دوسری دلیل وہ صحیح اور معروف ومشہور احادیث ہیں جو خود حضرت علیؓ سے مروی ہیں اور جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ زبیرؓ کا قاتل جہنم میں ہے۔ نیز حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ صفیہؓ کے بیٹے کے قاتل کو جہنم کی خبر دے دو۔ جب یہ بات ہے تو ثابت ہو گیا کہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ اس لڑائی کی وجہ سے عاصی اور گنہگار نہیں ہوئے۔ اگر ایسا ہوتا تو حضورؐ حضرت طلحہؓ کو شہید نہ فرماتے اور حضرت زبیرؓ کے قاتل کے بارے میں جہنم کی پیش گوئی نہ کرتے نیز ان کا شمار عشرہ مبشرہ میں نہ ہوتا جن کے جنتی ہونے کی شہادت تقریباً متواتر ہے۔ [2]

---

[1] معارف القرآن جلد ۸ صفحہ ۱۱۳ [2] تفسیر قرطبی جلد ۱۶ صفحہ ۳۲۲

سو حضرت علیؓ کا عین میدان جمل میں حضرت زبیرؓ کے قاتل کو جہنم کی بشارت دینا اور حضرت طلحہؓ کے دائیں ہاتھ کو بوسہ دینا حضرت علیؓ کے فکری اعتدال اور ان کے ایمان و عمل کی روشن چمک کا کھلے بندوں پتہ دیتا ہے. حضرت علیؓ سے عقیدت رکھنے والے کبھی یہ نہیں کہہ سکتے کہ حضرت طلحہؓ و زبیرؓ جنتی نہیں ہیں اور معاذ اللہ عشرہ مبشرہ سے نہیں.

کیا خلفاء راشدینؓ پر اس طرح کی گئی جرح کسی کو دائرہ اہلسنت میں رہنے کا حق دیتی ہے اہلسنت اسے اپنے اوپر لازم سمجھتے ہیں کہ ان کی زبان کسی صحابی کے خلاف نہ کھلے. پھر اس جارح نے حضرت عثمانؓ کو کسی اجتہادی رائے کا حق نہیں دیا. اسے بلاشبہ کہہ کر قطعی طور پر انہیں اس میں قصوروار ٹھہرایا ہے. استغفر اللہ العظیم

اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت علی المرتضیٰؓ

مشہور یہی ہے کہ جنگ جمل حضرت علی المرتضیٰؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کے مابین لڑی گئی. حضرت علیؓ نے جنگ کے بعد حضرت عائشہؓ کے بارے میں جو اعلان فرمایا وہ قارئین کو مجبور کرتا ہے کہ وہ پھر سے حالات کا جائزہ لیں اور اس باب میں ریسرچ کریں کہ کیا ام المؤمنینؓ واقعی مکہ مکرمہ سے ایک فریق بن کر چلی تھیں یا آپ کی بصرہ میں تشریف آوری کسی اور مقصد کے لیے تھی.

حضرت علیؓ نے جنگ جمل کے بعد حضرت ام المؤمنینؓ کے بارے میں یہ اعلان کیا:-

ولها بعد حرمتها الاولی. [1]

ترجمہ. اور آپ کا مرتبہ آج کے بعد بھی وہی ہے جو پہلے تھا.

بچوں میں ماں کا مقام

انسانی معاشرہ شہادت دیتا ہے کہ ماں کی نگاہ میں سب بچے ایک سے ہوتے ہیں شفقتِ مادری سب کے لیے یکساں ہے.

قرآن کریم میں جہاں یہ بتلایا گیا ہے کہ آنحضرتؐ کی ازواج امت کی مائیں ہیں اس سے پہلے حضورؐ کو اپنے امتیوں سے اس قدر قریب بتلایا گیا:-

---

[1] نہج البلاغہ ص ۶۳ / ۲

النبیؐ اولیٰ بالمؤمنین من انفسھم و ازواجہ امھاتھم۔ (پ۲۱ الاحزاب ۶)

ترجمہ۔ یہ نبی مومنین کے اتنا قریب ہے کہ وہ خود بھی اپنے اتنا قریب نہیں اور آپکی ازواج انکی مائیں ہیں
اس میں بتایا گیا کہ حضورؐ اپنی پدرانہ شفقت میں تمام مومنین سے ایک سے قریب ہیں اور اسی اعتبار سے آپ کی بیویاں بھی ساری امت کی مائیں ہیں۔ اپنے ہر بیٹے سے ان کا پیار ایک سا رہے گا۔ ماں کی اپنے گھر میں سب سے بڑی خواہش یہی ہوتی ہے کہ اس کے بچے آپس میں اتفاق سے رہیں۔ جونہی وہ لڑیں ماں بے حال ہو جاتی ہے۔ قرآن نے ازواج مطہرات کو امت کی مائیں بتلایا ہے اور یہ اسی طرح ہے جیسے حضورؐ کو تمام امت کا باپ کہا ہے اور اولیٰ بالمومنین سے اس کی تعبیر کی ہے۔

حضورؐ کی اور ازواج کو کبھی انتشار امت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ ان کے ماں ہونے کا حق سب کی طرف سے حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ نے بطور فرض کفایہ ادا کیا۔ حضرت عثمان غنی رضؓ کی شہادت کے بعد آپ کے بیٹے آپس میں لڑ پڑے۔ ماں کی مامتا جوش میں آئی اور آپ نے ایک مجلس مصالحت قائم کرنے کے لیے بصرہ کا رُخ کر لیا۔ اس سے پھر ایک جنگ کی صورت پیدا ہو گئی جس نے جنگ جمل کا نام پایا۔

اختلاف کے وقت مسلمانوں کی بڑی ذمہ داری

اختلاف امت کے وقت مسلمانوں کی بڑی قومی ذمہ داری ان کو پھر سے جوڑنا ہے ظاہر ہے کہ اس کا احساس سب سے پہلے کن کے دل میں اُٹھے گا ظاہر ہے کہ ماں سے زیادہ کوئی بچوں کے آپس میں ملے رہنے کا خواہاں نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اس حکم قرآن پر سب سے زیادہ گہری نظر اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کی تھی۔ حضرت عائشہ رضؓ کی بھتیجی حضرت عمرہ بنت عبدالرحمٰن رضؓ ان سے روایت کرتی ہیں۔ حضرت ام المومنین رضؓ نے فرمایا:۔

ما رایت مثل ما رغبت ھٰذہ الامۃ عنہ من ھٰذہ الآیۃ وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا فاصلحوا بینھما فان بغت احداھما فقاتلوا التی تبغی حتیٰ تفئ الیٰ امر اللہ فان فاءت فاصلحوا بینھما بالعدل[1]

ترجمہ۔ میں نے نہیں دیکھا کہ یہ امت کسی آیت سے اس طرح غافل رہی ہو جیسا کہ وہ اس آیت سے بے توجہ رہی کہ مومنین کی دو جماعتیں اگر آپس میں لڑ پڑیں تو

---

[1] موطا امام محمد باب التفسیر صك۳۴

تم ان میں صلح کرا دو۔ پھر اگر ان میں کوئی ضد پر اڑے تو اس سے جنگ کرو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹے سو اگر وہ ادھر آجائے تو ان میں عدل سے صلح کرا دو۔

یہ حکم قرآنی پ ۲۶ سورۃ الحجرات میں ۹ ویں نمبر موجود ہے۔ اس سے اگلی آیت یہ ہے:۔

انما المؤمنون اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم واتقوا اللہ۔ (الحجرات ۱۰)

ترجمہ۔ سارے مسلمان بھائی بھائی ہیں سو اپنے بھائیوں میں ملاپ کرا دیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔

جب سب مسلمان آپس میں بھائی ہوئے تو ظاہر ہے کہ ان کے لیے ماں کا جذبہ اور ماں کی شفقت بھی کسی میں ضرور ہو گی۔ قرآن کریم نے اس پر نص فرمائی کہ حضورؐ کی بیویاں امت کی مائیں ہیں۔ ان سب کی طرف سے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ نے یہ فریضہ سرانجام دیا حضرت عثمان رضؓ کی شہادت پر جب امت میں انتشار پھیلا تو آپ ... انہیں پھر سے اکٹھا کرنے کے لیے بصرہ پہنچ گئیں۔ آپ نے حضرت عمران بن الحصین کے سامنے اپنی آمد کی اس طرح وضاحت کی ہے:۔

بخدا میری جیسی شخصیت کسی مخفی امر کے لیے نہیں نکلی نہ میں اپنے بیٹوں سے حقیقت چھپا سکتی ہوں۔ مختلف شہروں کے فسادیوں اور قبائل کے لوگوں نے حرم رسول میں لڑائی کی ہے اور حرم کی عزت کو پامال کیا ہے اور وہ خدا اور اس کے رسول کی لعنت کے مستحق ہوئے ہیں۔ امام المسلمین کو بلا وجہ شہید کیا۔ اب یہ لوگ زور اور دھونس سے مدینہ میں مقیم ہیں اور اہل مدینہ ان کے نکالنے پر قادر نہیں اور نہ ان سے مامون و محفوظ ہیں۔ اہل مدینہ پر جو گزر رہی ہے میں مسلمانوں کو اس سے باخبر کرنے کے لیے نکلی ہوں۔ [۱]

یہ مقصد (مدینہ منورہ میں قیام امن) قاتلان عثمان رضؓ کی گرفتاری سے ہی پورا ہو سکتا تھا۔

ام المومنین نے بصرہ میں بھی یہ تقریر فرمائی:۔

لوگ حضرت عثمان رضؓ پر اعتراض کرتے تھے ان کے عہدیداروں کی برائیاں بیان کرتے تھے۔ مدینہ آکر ہم سے صلاح و مشورہ پوچھتے تھے۔ ہم ان کو صلح و آشتی کے بارے میں جو رائے دیتے وہ اس کو سمجھتے تھے حضرت عثمان رضؓ کی نسبت ان کو جو شکایتیں تھیں ان پر جب ہم غور کرتے تو ہم عثمان کو بے گناہ، پرہیزگار اور راست گفتار پاتے اور یہ شور و غل کرنے والوں کو گنہگار، غدار اور دروغگو

---

[۱] تاریخ طبری جلد ۳ صت ۴۷۹ خلفائے راشدین صت ۲۰۵

پلٹتے. ان کے دل میں کچھ اور ہوتا تھا اور زبان پر کچھ اور ــ ان کی جب کچھ تعداد ہوگئی تو وہ بلا سبب بے قصور حضرت عثمان رضؓ کے گھر میں گھسے اور جس خون کو بہانا جائز نہ تھا وہ بہایا اور جس مال کا لینا درست نہ تھا اس کو لوٹا جس زمین کا احترام ان پر فرض تھا اس کی بے حرمتی کی ــ ہاں ہوشیار! وہ کام جواب کرنا ہے اور جس کے خلاف کرنا ناسزاوار ہے وہ حضرت عثمان رضؓ کے قاتلوں کی گرفتاری ہے اور کلام الٰہی کے احکام کا مضبوطی سے اجراء ہے [1]

آپ نے پھر اہل کوفہ کو بھی لکھا:۔

ہم نے بصرہ آکر اہل بصرہ کو کتاب الٰہی کی اقامت کی دعوت دی صلحائے امت نے ہماری دعوت قبول کر لی اور جن میں بہتری نہ تھی انہوں نے تلوار سے ہمارا مقابلہ کیا اور کہا کہ تمہیں بھی ہم عثمان رضؓ کے ساتھ روانہ کرتے ہیں. عناد سے انہوں نے ہم کو کافر بتایا اور ہماری نسبت نازیبا باتیں کیں ہم نے ان کو قرآن کریم کی یہ آیت پڑھ کر سنائی؛

الم تر الی الذین اوتوا نصیبًا من الکتاب یدعون الی کتاب اللّٰہ لیحکم بینہم ثم یتولٰی فریق منہم وھم معرضون. (پ۳ آل عمران ۲۳)

ترجمہ. کیا نہ دیکھے تم نے وہ لوگ جن کو ملا ہے کچھ حصہ ایک کتاب کا ان کو بلایا جاتا ہے اللہ کی کتاب کی طرف کہ وہ ان پر حکم کرے پھر ہٹ رہتے ہیں بعض ان میں سے غفلت برت کر.

ان بیانات سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں حضرت عائشہ رضؓ کا فریق مخالف ان حالات کا حامل تھا.

۱. امام مظلوم حضرت عثمان رضؓ کا خون درست بہایا گیا ــ ظاہر ہے کہ یہ حضرت علی رضؓ کا موقف نہ تھا وہ کھلے طور پر کہتے تھے کہ وہ خون عثمان میں ملوث نہیں ہیں. (دیکھئے نہج البلاغہ جلد ۲ صفحہ ۱۲۶)

۲. حضرت ام المومنین رضؓ نے (معاذ اللہ) کفر عناد کا ارتکاب کیا ہے (وہ آپ کے کفر کا عقیدہ رکھتے تھے) ظاہر ہے کہ یہ حضرت علی المرتضیٰ رضؓ کا موقف نہ تھا. آپ کھلے طور پر حضرت ام المومنین رضؓ کے اسی احترام کا عقیدہ رکھتے تھے جو آپ کو پہلے حاصل تھا. (دیکھئے نہج البلاغہ جلد ۲ صفحہ ۶۳)

۳. حضرت عثمان رضؓ کے خلاف یورش کرنے والے یہ لوگ مدینہ کے رہنے والے نہ تھے وہ باہر سے

---

[1] ملخصًا از سیرت عائشہ رضؓ علامہ سید سلیمان ندوی

(مختلف شہروں اور قبائل سے) لائے گئے تھے. اہل مدینہ ان کو نکالنے پر قادر نہ تھے. ظاہر ہے کہ اہل مدینہ اور غیر اہل مدینہ اگر دو فریق سمجھے جائیں تو حق بلاشبہ اہل مدینہ کے ساتھ ہی ہوگا.

حضرت ام المومنین رضہ نے ان باغیوں پر قرآن کریم کی جو آیت پڑھی اس میں انہیں کھلے طور پر کتاب اللہ سے تولی اعراض کا مجرم فرمایا (ثم یتولی فریق منھم وھم معرضون)

ان حالات میں ہم بصرہ میں حضرت ام المومنین کا فریق مخالف حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نہیں کہہ سکتے. آپ کے فریق مخالف یہ مفسدین تھے جو حضرت علی رضہ کی فوجوں میں گھس کر حضرت ام المومنین رضہ سے صف آرا رہے. اس سے آپ حضرت علی المرتضیٰ رضہ کی اس پریشانی کا اندازہ کریں جو اس وقت آپ کو درپیش تھی. لیکن اس کے باوجود آپ کے عزم و استقلال اور ایمان و یقین میں ذرا تزلزل نہ ہو پایا. آپ نے محمد بن ابی بکر رضہ کو حضرت ام المومنین رضہ کی رکاب تھامے اس طرح مدینہ رخصت کیا کہ کوئی کسی مخالف کو یہ عزت نہیں دیتا. چالیس عورتیں حضرت ام المومنین رضہ کی رکاب میں ان کے ساتھ بھیجی گئیں.

حضرت علی المرتضیٰ رضہ کی شہادت

حضرت علی المرتضیٰ رضہ بے شک پوری عمر مصائب میں گھرے رہے. آپ کے سیاسی مخالفین میں تاریخ حضرت طلحہ رضہ و زبیر رضہ حضرت ام المومنین رضہ حضرت معاویہ رضہ حضرت عمرو بن العاص رضہ کو پیش کرتی ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ یہ حضرات انجام کار آپ سے صلح کے بعد رخصت ہوئے اور آپ کی شہادت عبدالرحمٰن بن ملجم کے ہاتھوں واقع ہوئی. یہ ملعون پہلے آپ کے ہی فداکاروں میں تھا آپ کا خادم خاص تھا. پھر تحریک خوارج میں آپ کے گروہ سے نکلا اور آپ کے مذکور الصدر مخالفین میں سے کسی کا دامن آپ کے خون سے ملوث نہیں.

۱. حضرت طلحہ رضہ و زبیر رضہ بصرہ میں حضرت علی رضہ کے ہم خیال ہوئے کہ قاتلانِ عثمان رضہ کو ابھی نہیں قوتِ خلافت مستحکم ہونے پر اُن پر ہاتھ ڈالا جائے. حضرت زبیر رضہ کو عین حالتِ نماز میں ایک جہنمی نے شہید کیا.

۲. حضرت ام المومنین رضہ کو جس اعزاز سے حضرت علی المرتضیٰ رضہ نے رخصت کیا وہ ان حضرات کے حسنِ تعلقات کی آخری منزل تھی. ظاہر ہے کہ اللہ کے ہاں فیصلے آخری عمل سے ہوتے ہیں. انما العبرۃ بالخواتیم.

۳. حضرت علی المرتضیٰ رضہ اور حضرت معاویہ رضہ میں ۴۰ ھ میں ایک عبوری صلح ہوئی. اس سال کو بھی

بنا پر عام الہدنہ کہتے ہیں. حضرت علیؓ کی وفات ۴۱ھ میں شہادت سے ہوئی. عام الہدنہ (۴۰ھ) کی صلح گو عارضی تھی تاہم اس سے وہ راہ ہموار ہوئی جس پر حضرت علیؓ کے جانشین فرزند بتول حضرت حسنؓ نے امیر معاویہؓ کے ہاتھ میں مستقل طور پر صلح کا ہاتھ دیا.

یہودیوں کی گھڑی دوطرفہ لعنت کی داستان

یہودیوں نے مسلمانوں کو مستقل بنیادوں پر تقسیم کرنے کے لیے یہ بات گھڑی کہ حضرت معاویہؓ نے حضرت علیؓ سے عارضی صلح کے دوران ان پر سب وشتم برابر جاری رکھی. وہ حضرت علیؓ اور ان کے رفقاء پر علی الاعلان لعنت کرتے رہے اور اسی طرح اہل عراق اہل شام سے اظہار بیزاری کرتے رہے. کوئی انصاف پسند اس بات کو باور نہ کرے گا کہ صلح کے باوجود ایک دوسرے کے خلاف اس طرح کی کاروائی جاری رہ سکتی ہے. ہم اس پر ایک غیر مسلم شہادت پیش کرتے ہیں. مرزا غلام احمد قادیانی کے ایک مرید لکھتے ہیں:۔

> یہ قصہ کہ اس کے بعد حضرت علیؓ معاویہؓ اور عمرو بن العاصؓ اور آپ کے رفقاء پر ـــ اور معاویہؓ. حضرت علیؓ امام حسنؓ اور حسینؓ اور آپ کے ساتھیوں پر لعنت کیا کرتے تھے یہ بعد کا بنایا ہوا ہے اور قابل قبول نہیں ہے.[1]

سو حضرت معاویہؓ کے خلاف یہ بیان کسی طرح لائق پذیرائی نہیں.

اس قسم کی روایات کو اس دور میں شائع کرنا معلوم نہیں اس میں اسلام اور مسلمانوں کی کون سی خدمت ہے. اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے مسلمانوں کو ایک دوسرے کے قریب کرنے کی ضرورت ہے. حضرت معاویہؓ کے خلاف اس قسم کے الزامات کو قائم رکھنا اور یہ نہ سمجھنا کہ یہ روایات یہودیوں نے مسلمانوں کے نام پر گھڑ رکھی ہیں اس سے بڑھ کر علمی بے بسی اور کیا ہوگی.

ان كنت لا تدری فتلك مصيبة
وان كنت تدری فالمصيبة اعظم

اب ہم اس پر اس باب کو ختم کرتے ہیں اور مصائب حسن کا آغاز کرتے ہیں. فاللہ ھو الموفق لما يحبه ويرضى به.

---

[1] خلافت راشدہ صفحہ ۱۴۹ طبع ۱۹۳۹ء

الحسن فی کلام الحسن

حضرت حسنؓ کو جو سیاسی حالات اپنے والد سے وراثت میں ملے اور بطور خلیفہ پنجم آپ نے اپنی راہ میں جو مشکلات دیکھیں ان میں پہلے نمبر پر اہل کوفہ کی انتہا درجہ کی ایذا رسانیاں ہیں۔

حضرت علیؓ اپنی شہادت سے ایک سال پہلے حضرت معاویہؓ سے عبوری صلح کر چکے تھے حضرت حسنؓ نے یہی سیاسی سطح وراثت میں پائی۔ آپ کا انتخاب شوریٰ سے عمل میں آیا۔ حضرت علیؓ نے انہیں نامزد نہ کیا تھا لیکن حضرت علیؓ کے جانشین ہونے کی حیثیت سے آپ پر اس معاہدے کی پابندی لازم تھی جو عام الہدنہ میں وقت کے ان دو دھڑوں میں ہوا تھا حضرت حسنؓ نے نہ صرف اس کی پوری پاسداری کی بلکہ اس عبوری صلح کو ایک مستقل صلح میں بدل دیا۔ اُدھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی ایک پیشگوئی آپ کے حق میں چلی آرہی تھی۔ حضرت حسن بصری حضرت ابو بکرہ رضؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا :۔

ابنی ھذا سید و لعل اللہ ان یصلح بہ بین فئتین من المسلمین۔[1]

ترجمہ۔ میرا یہ بیٹا سید ہے اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دو گروہوں میں صلح کرائیں گے

حضورؐ نے اس حدیث میں حضرت معاویہؓ اور ان کی پوری جماعت کو مسلمانوں میں ذکر کیا ہے یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ حضرت علیؓ کی امامت کوئی آسمانی منصب نہ ہو۔ مامور من اللہ کا انکار کفر ہے اور اس کے محارب کبھی مسلمان نہیں سمجھے جاتے۔ پھر حضورؐ نے مسلمین کے ایک لفظ میں دونوں گروہوں کو یکساں ذکر فرمایا ہے۔ اگر ان میں کوئی گروہ فئہ باغیہ ہوتا تو حضورؐ جو افصح العرب والعجم تھے ضرور ان دو میں فرق کرتے، موقع بیان میں عدم بیان، بیانِ عدم کا فائدہ دیتا ہے۔

اس میں یہ بھی پتہ چلا کہ حضورؐ اس صلح سے خوش تھے۔ اگر یہ صلح بالکل ایک نمائشی صلح ہوتی اور کوئی گروہ اندر سے اس میں مخلص نہ ہوتا تو یہ نہ ہو سکتا تھا کہ حضور اس برائے نام اور محض ایک نمائشی صلح پہ اس طرح اظہار خوشی فرمائیں۔

اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جو شخص حضرت حسنؓ اور حضرت معاویہؓ کی اس صلح کا خوشی سے ذکر نہیں کرتا وہ سید کہلانے کا مستحق نہیں، کیونکہ حضورؐ نے اس کارِ خیر پر حضرت حسنؓ کو سید ہونے کا شرف عطا فرمایا ہے۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۵۳۰ صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ

خدمتِ قرآن میں حضرت علیؓ دوسرے نمبر پر

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد:

قرآن کریم کی حفاظت دو پہلوؤں سے ہے۔ ۱۔ حفظ تنزیل اور ۲۔ حفظ تاویل۔ حفظ تنزیل سے مراد الفاظِ قرآن کی حفاظت ہے اور حفظ تاویل سے مراد قرآن کریم کے مطالب و معانی اور تفسیر و مرادات کی حفاظت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم پوری تلاوت پوری کتابت اور کامل حفاظت سے امت کے سپرد کیا۔ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عثمانؓ نے حفظ تنزیل کو ابدی بنایا جس پر چودہ سو سال کی تاریخ گواہ ہے۔ یہ حضرات حفظ تنزیل میں حضورؐ کے نائبین رہے۔ حفظِ تاویل کو حضورؐ نے حفظ تنزیل کے برابر کی ایک دوسری خدمت قرار دیا۔ حضرت علیؓ نے حفظِ تاویل میں خوارج کو پہلا اعتقادی فتنہ قرار دیا۔ خوارج تھے جنہوں نے بعض آیاتِ قرآن کو اپنے محامل سے بدلا جو آیات کفار کے بارے میں اتری تھیں انہیں گنہگار مسلمانوں پر لے آئے اور انہیں کافر ٹھہرایا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ انہیں شرار خلق اللہ کہتے تھے۔ خوارج نے یہ عقیدہ لازم ٹھہرایا کہ انسان گناہِ کبیرہ کے ارتکاب سے کافر ہو جاتا ہے۔ اہل سنت خوارج کے اس عقیدہ کو تسلیم نہیں کرتے۔ حضرت علیؓ پہلے فرد ہیں جنہوں نے خوارج کو اس عقیدہ میں غلط ٹھہرایا ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی آپ کے ساتھ تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشگوئی آپ کے حق میں پوری ہوئی۔ حضرت ابو سعید الخدریؓ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

ان منکم من یقاتل بعدی علیٰ تاویلہ کما قاتلت علیٰ تنزیلہ فقام ابوبکر وعمر فقال ولکن خاصف النعل۔[1]

ترجمہ: ہم میں وہ لوگ بھی ہیں جو میرے بعد تاویل قرآن پر اسی طرح قتال کریں گے جس طرح میں نے تنزیل قرآن پر (حملہ آوروں سے) قتال کرتا رہا۔ ابوبکرؓ و عمرؓ متوجہ ہوئے کہ کیا یہ کام ہم کریں گے۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ اس سے جو اپنا جوتا سی رہا ہے۔

امام ابو یعلیٰ (۳۰۷ھ) نے یہی روایت عثمان حدثنا جریر عن الاعمش سے روایت کی ہے۔[2]

---

[1] مسند امام احمد جلد ۳ صفحہ ۶۸ [2] مسند ابی یعلی جلد ۲ صفحہ ۲۹

امام طحاوی نے مشکل الآثار میں یہ روایت یوسف بن موسے القطان قال حدثنا جریر بن عبد الحمید عن الاعمش عن اسماعیل بن رجاء الزبیدی۔ اس نے رجاء الزبیدی سے اس نے حضرت ابوسعید الخدریؓ سے روایت کی ہے۔ [1]

وہ خاصف النعل کون ہے جس کی برأت میں اللہ تعالیٰ نے حفظ تاویل القرآن کی سعادت لکھی۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں حدیبیہ کے دن کچھ مشرکین ہمارے پاس آئے ان میں سہیل بن عمرو بھی تھا۔ انہوں نے کہا ہمارے کچھ نوجوان آپ کے پاس آئے ہیں انہیں دین کی تو کوئی سمجھ نہیں انہیں واپس فرما دیں۔ حضورؐ نے فرمایا :۔

یا معشر القریش لتنتھن او لیبعثن اللہ علیکم من یضرب رقابکم بالسیف علی الدین قد امتحن اللہ قلوبھم علی الایمان۔

ترجمہ۔ اے قریش تم ان باتوں سے رک جاؤ۔ یا اللہ تعالیٰ تم پر ان لوگوں کو مسلط کر دیں گے جو دین پر تم سے لڑیں گے۔ اللہ تعالےٰ نے ان کے دلوں کو ایمان پر آزما لیا ہے۔

وہ کون ہے؟ حضورؐ نے فرمایا "ھو خاصف النعل" وہ جوتا سی رہا ہے۔
امام ترمذیؒ لکھتے ہیں :۔

وکان اعطی علیاً نعلہ یخصفھا قال ثم التفت الینا علی فقال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من کذب علی متعمدا فلیتبوا مقعدہ من النار ھذا حدیث حسن صحیح غریب۔ [1]

ترجمہ۔ آپ نے علیؓ کو اپنی نعل سینے کے لیے دی۔ پھر حضرت علیؓ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور کہا حضورؐ نے کہا ہے جو جان بوجھ کر میری طرف کوئی ایسی بات منسوب کرے جو میں نے نہ کہی ہو۔ اسے چاہیئے کہ وہ اپنی جگہ جہنم میں بنا لے۔

اثنا عشری محدثین میں محمد بن حسن طوسی (۴۶۰ھ) نے تہذیب الاحکام میں اس روایت کو اس طرح روایت کیا ہے :۔

ان منکم من یقاتل بعدی علی التاویل کما قاتلت علی التنزیل ، فسئل

---

[1] جامع ترمذی جلد ۲ صہ ۲۱۳

النبی صلی اللہ علیہ وسلم من ھو فقال ھو خاصف النعل یعنی امیر المومنین علیہ السلام۔ [1]

ترجمہ: تم میں وہ بھی ہوں گے جو تاویل قرآن پر اسی طرح قتال کریں گے جس طرح میں تنزیل قرآن پر قتال کرتا رہا۔ حضورؐ سے پوچھا گیا وہ کون لوگ ہوں گے؟ آپ نے فرمایا وہ جو ایک اس وقت نعل سی رہا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حفظ تنزیل اور حفظ تاویل کو جس پیرائے میں بیان فرمایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حفظ قرآن کی خدمت میں حضرت علیؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دوسرے نمبر پر ہے۔ آپ نے تنزیل قرآن پر اپنی ذمہ داری ادا فرمائی اور حضرت علیؓ نے مراداتِ قرآن کی حفاظت میں اپنی ذمہ داری ادا فرمائی اور برسرعام خوارج کو غلط ٹھہرایا۔ اس دینی خدمت میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ دونوں حضرت علیؓ کے ساتھ تھے۔

امام بخاریؒ لکھتے ہیں:۔

وکان ابن عمر یراھم شرار خلق اللہ وقال انھم انطلقوا الی ایات نزلت فی الکفار فجعلوھا علی المومنین۔ [2]

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ انہیں لوگوں کو سب سے برا سمجھتے تھے آپ نے کہا وہ لوگ ان آیات کو جو کافروں کے بارے میں اتری تھیں (گنہگار) لوگوں پر چسپاں کرتے تھے۔

حفظ تنزیل میں حضورؐ کی نیابت حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عثمانؓ نے کی اور حفظ تاویل میں حضرت علیؓ کی حمایت میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نکلے۔ حضرت علیؓ خوارج کے خلاف نکلے۔ خوارج قرآن پاک کی بعض آیات اپنے محل سے نکال کر انہیں دوسرے معانی کا لباس پہنا رہے تھے۔ تحکیم کو ان الحکم الا للہ کے خلاف بتلاتے تھے اور گناہ کبیرہ کے مرتکب کو کافر قرار دیتے تھے۔ شفاعت جو اس امت کے اہل کبائر کا حق ہو سکتی ہے اس کا انکار کرتے تھے۔ حضرت علیؓ نے ان کے علمی مقابلہ کے لیے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو اپنا نمائندہ بنایا اور خود ان سے جنگ نہروان لڑی۔

اس طرح آپ نے اپنے عمل سے حضور اکرمؐ کی اس پیشگوئی کی تصدیق کر دی کہ اس امت میں وہ لوگ بھی اٹھیں گے جو مراداتِ قرآن کی حفاظت کے لیے اس طرح میدان جہد میں آئیں گے جس طرح میں قرآن کی تنزیل کے لیے اپنے مخالفوں سے نبرد آزما رہا۔

سو اس میں کوئی شک نہیں کہ اس باب علم میں حضرت علیؓ واقعی حضورؐ سے دوسرے نمبر پر ہے حضورؐ نے جس طرح تنزیل قرآن کے لیے محنت کی تھی حضرت علیؓ اسی جذب وہمت سے خوارج کے خلاف تاویلِ قرآن کے لیے نبرد آزما رہے۔

---

[1] تہذیب الاحکام جلد ا صفحہ ۲۵ جلد ۲ صفحہ ۴۶ طبع قدیم کبیر [2] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۲۴

مدینۃ العلم کے علمی ماخذ

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد :

حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے حضورؐ سے پوچھا اگر ہمیں کوئی ایسی صورت پیش آجائے جس میں ہمارے پاس (کتاب و سنت کا) کوئی حکم موجود نہ ہو تو ہم کیا کریں. حضورؐ نے فرمایا اس صورت میں تم فقہ جاننے والے نیک لوگوں سے مشورہ کرو جو عبادت گزار ہوں اسے اس عام مشورے میں رکھو کسی خاص گروہ کا فیصلہ اس میں نہ ملاؤ. [1]

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ اپنے لیے کسی آسمانی امامت کے قائل نہ تھے نہ حضورؐ کے ہاں آپ کے بعد کوئی آسمانی مرتبہ امامت تھا جو آپ کے بعد بنی نوع انسان کی علمی راہنمائی کرے اگر ایسا ہوتا تو آپ حضورؐ سے اس طرح سوال نہ کرتے. حضورؐ نے بھی آپ کو بتایا کہ کتاب وسنت کے بعد فقہ کا درجہ ہے. فقہاء کرام کتاب وسنت سے اصول قائم کر کے ان سے نئے نئے حوادث احکام کا حکم دریافت کرتے ہیں. آپ کے بعد صرف اس راہ سے (فقہ کی راہ سے) بنی نوع انسان کی دینی راہنمائی ہو سکتی ہے اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ اہل السنۃ والجماعۃ کے تھے اور حضورؐ کے بعد کسی آسمانی مرتبہ امامت کے قائل نہ تھے نہ اپنے لیے اور نہ کسی اور کے لیے. آپ فرماتے ہیں :-

لا خیر فی عبادۃ لا فقہ فیہا ولا فی قرأۃ لا تدبر فیہا افلا یتدبرون القراٰن . [2]

ترجمہ. اس عبادت میں کوئی خیر نہیں جس میں فقہ نہیں اور اس قرأۃ میں خیر نہیں جس میں تدبر ساتھ نہ آئے. لوگ قرآن میں تدبر کیوں نہیں کرتے.

اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ فقہ کے بغیر کسی عبادت میں خیر نہ سمجھتے تھے. حضرت معاویہؓ کے فقیہ ہونے سے کون انکار کر سکتا ہے؟ جب آپ کو ان کی شہادت کی خبر ملی تو آپ رو پڑے آپ کی اہلیہ نے کہا. آپ تو ان سے لڑتے رہے اب کیا رو رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا :-

---

[1] رواہ الطبرانی ورجالہ موثقون من اہل الصحیح مجمع الزوائد ج۱ ص۱۷۸ [2] اتحاف شرح الشمائل للعلامہ الدوجی ص۲۴۷

ویحك انك لا تدرین ما فقد الناس من الفضل والفقه والعلم۔[1]

ترجمہ: تجھ پر افسوس تو نہیں جانتی آج لوگوں نے کس قدر فضل فقہ اور علم کھو دیا ہے۔

آپ فقہ فی السنۃ میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔[2]

نامناسب نہ ہوگا کہ ہم یہاں حضرت علی المرتضیٰ رضؓ کے چند فقہی فیصلے بھی نقل کردیں تاکہ طلبہ علم کے اس سمندر (سیدنا حضرت علی رضؓ) سے کچھ موتی اور لے لیں۔

۱۔ جمعہ صرف شہر والوں پر فرض ہے بڑے قصبات میں جمعہ پڑھیں جہاں زندگی کی تمام سہولتیں میسر آتی ہوں۔ گاؤں والوں پر جمعہ فرض نہیں وہ اس دن ظہر پڑھیں۔ جمعہ پڑھنا ہو تو شہروں میں آئیں جس طرح حضورؐ کے زمانہ میں دیہات کے لوگ باری باری جمعہ کے لیے مدینہ آتے تھے۔ عید بھی اس طرح شہروں میں پڑھی جائے چھوٹے گاؤں میں نہیں۔ آپ نے فرمایا:۔

لا جمعۃ ولا تشریق الا فی مصر جامع۔[3]

ترجمہ: جمعہ کی نماز اور عیدین کی نمازیں ایک جامع ضرورات قصبے کے سوا کہیں جائز نہیں ہوتیں۔ جمعہ اور عیدین کے لیے شہر شرط ہے۔

۲۔ آپ رمضان میں بیس رکعت تراویح کے قائل تھے۔ امام بیہقی لکھتے ہیں:۔

دعا القرّاء فی رمضان فامر منهم رجلا ان یصلی بالناس عشرین رکعۃ۔[4]

ترجمہ: آپ نے رمضان میں قاریوں کو بلایا اور ان میں سے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھائے۔

امام ترمذی بھی لکھتے ہیں:۔

واکثر اهل العلم علیٰ ما روی عن علی وعمر وغیرهما من اصحاب النبی عشرین رکعۃ۔[5]

ترجمہ: اکثر اہل علم اسی فیصلے پر ہیں جو حضرت علیؓ اور حضرت عمرؓ اور حضورؐ کے اور صحابہؓ سے مروی ہے کہ بیس رکعت پڑھی جائیں۔

عن علی انه امر الذی یصلی بالناس صلوٰۃ القیام فی شهر رمضان

---

[1] البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۳۰ [2] دیکھئے تہذیب جلد ۸ صفحہ ۳۳۹ [3] المصنف لعبد الرزاق جلد ۳ صفحہ ۱۶۷ المصنف لابن ابی شیبہ جلد ۱ صفحہ ۴۳۹ [4] السنن الکبریٰ جلد ۲ صفحہ ۴۹۵ المصنف لابن ابی شیبہ جلد ۱ صفحہ ۲۴۳

[5] جامع ترمذی جلد ۱ صفحہ ۹۹

ان یصلی بھم عشرین رکعۃ یسلم فی کل رکعتین ویراوح مابین
کل اربع رکعات۔ [1]

ترجمہ۔ کہ وہ انہیں بیس رکعت پڑھائیں۔ ہر دو رکعت پر سلام ہو اور چار رکعت
پر کچھ راحت کریں۔

اس سے پتہ چلا کہ ہر چار رکعت کے بعد بیٹھنا اور آرام لینا یہ بھی آپ سے چلا آرہا ہے۔

۳۔ نماز میں آپ ہاتھ ناف کے نیچے رکھتے تھے۔ سینہ پر نہ باندھتے تھے۔ آپ نے فرمایا:۔

قال علی السنۃ وضع الکف علی الکف فی الصلوٰۃ تحت السرۃ۔ [2]

ترجمہ۔ سنت یہ ہے کہ نماز میں ناف سے نیچے ہاتھ پر ہاتھ رکھیں۔ بازو پر بازو نہ پکڑیں۔

سنۃ الصلوٰۃ وضع الایدی علی الایدی تحت السرۃ۔ [3]

ترجمہ۔ نماز میں سنت یہ ہے کہ ہاتھ ناف کے نیچے باندھیں۔

تعجب ہے کہ شیعہ حضرات نے ارسال الیدین (ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھنے) کا عمل کہاں سے لے لیا۔ حضرت علیؓ تو اسی طرح نماز پڑھتے تھے جس طرح آپ کے چاروں پیشرو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ پڑھتے تھے۔ آپ باری باری ان چاروں کے پیچھے نماز پڑھتے رہے۔ اسے ہی آپ سنۃ الصلوٰۃ کہتے ہیں اور ظاہر ہے کہ مقتدی امام کے تابع رہ کر اس کے پیچھے پیچھے چلتا ہے۔

۴۔ حضرت علیؓ نماز جمعہ سے پہلے چار رکعت سنت پڑھتے تھے اور بعد کے لیے فرماتے جمعہ کے بعد چھ رکعت پڑھا کرو۔

ان چھ کی ترتیب حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے عمل میں یہ رہی کہ نماز جمعہ کے بعد دو رکعت اور پھر چھ رکعت پڑھتے۔

حافظ زیلعی (۷۶۲ھ) طبرانی کے حوالے سے نقل کرتے ہیں:۔

عن علی رضی اللہ عنہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی قبل
الجمعۃ اربعاً۔ [4]

---

[1] مسند امام زید ص۱۳۹ [2] سنن ابی داؤد جلد ا ص۔ [3] المصنف جلد ا ص۳۴۳ [4] زیلعی جلد ا ص۳۸

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ سے پہلے چار رکعت پڑھتے تھے۔

ملا علی قاری بھی اس کی تائید میں لکھتے ہیں:۔

وقد جاء باسناد جید کما قال الحافظ العراقی انہ علیہ السلام کان یصلی قبلہا اربعًا [۱]

ترجمہ: اچھی سند سے وارد ہے جیسا کہ حافظ عراقی نے کہا کہ حضورؐ جمعہ سے پہلے چار رکعت (سنّت) پڑھتے تھے۔

امام طحاویؒ حضرت علیؓ سے سند صحیح سے روایت کرتے ہیں:۔

عن علی انہ قال من کان مصلیًا بعد الجمعۃ فلیصل ستًا۔ [۲]

ترجمہ: آپ نے فرمایا جو تم میں نماز جمعہ کے بعد کچھ پڑھے تو اسے چھ رکعت پڑھنی چاہئیں۔

عن عبداللہ بن عمر انہ قال یصلی قبل الجمعۃ اربعًا لا یفصل بینہن بسلام ثم بعد الجمعۃ رکعتین ثم اربعًا۔ [۳]

ترجمہ: آپ جمعہ سے پہلے چار سنّت پڑھتے۔ ان میں سلام کا فاصلہ نہ کرتے پھر جمعہ کے بعد دو سنتیں اور پھر چار سنتیں پڑھتے (بعد الجمعہ چھ سنتیں پڑھتے) تھے۔

ہمیں اس وقت اس مسئلے سے بحث نہیں۔ امام ابو یوسف ایک دوسری ترتیب (چار پہلے اور دو بعد میں) کے قائل رہے ہیں۔ ہم یہاں باب العلم حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا مسلک بتا رہے ہیں۔

۵۔ امام ترمذی لکھتے ہیں کوفہ کے لوگ نماز میں رکوع میں جاتے رفعیدین نہ کرتے تھے۔ امیر المومنین فی الحدیث حضرت سفیان الثوری (۱۶۱ھ) حدیث کے جلیل القدر امام ہیں وہ بھی رفعیدین نہ کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے سارے عراق پر گہرے اثرات تھے حضرت علیؓ نے اپنے عہد خلافت میں کوفہ رہائش اختیار کی۔ آپ اگر رفعیدین عندالرکوع کے قائل ہوتے تو کوفہ کے لوگوں کا ترک رفع الیدین عندالرکوع پر اجماع نہ ہوا ہوتا۔ عاصم بن کلیب اپنے باپ سے

---

[۱] مرقات جلد ۲ صفحہ ۱۱۲ [۲] شرح معانی الآثار جلد ۱ صفحہ ۱۹۹ [۳] ایضاً

روایت کرتے ہیں. وہ کہتے ہیں :-

ان علیًا کان یرفع یدیه اذا افتتح الصلوٰة ثم لا یعود.[1]

ترجمہ۔ حضرت علی رضؓ جب نماز شروع کرتے تو رفع یدین کرتے پھر آپ کہیں بھی رفع یدین نہ کرتے تھے نہ رکوع کے وقت نہ رکوع سے اٹھتے.

اس میں بھی آپ حضرت عمرؓ کے ساتھ ایک ہو کر چلے ہیں. علامہ اسود نخعی کہتے ہیں :-

رأیت عمر بن الخطاب یرفع یدیه فی اوّل تکبیرة ثم لا یعود.[2]

ترجمہ میں نے حضرت عمرؓ کو دیکھا کہ نماز میں شروع میں تو رفع یدین کرتے. پھر نہ کرتے تھے.

عن الاسود قال صلیت مع عمر فلم یرفع یدیه فی شیء من صلوٰته الا حین افتتح الصلوٰة ورأیت الشعبی وابراهیم وابا اسحٰق لا یرفعون ایدیهم الا حین یفتتحون الصلوٰة.[3]

ان تفصیلات میں آپ کہیں نہ پائیں گے کہ آپ نے کبھی اپنے لیے کسی آسمانی امامت کا دعویٰ کیا ہو یا کوئی بات محض اس لیے اختیار کی ہو کہ آپ کو یہ روشنی اپنے مقامِ امامت سے ملی ہے۔

یہ صرف نبی کی شان ہے کہ وہ علم (دینی نوع کا) خدا سے لیتا ہے امتی وہ ہے جو علم نبی سے لے اور نبی وہ ہے جو علم اللہ سے لے. جو بات کتاب و سنت میں منصوص نہیں حضرت علی رضؓ نے اس کا حل فقہ سے لینا بتایا ہے، فقہاء کے مشورے لیے اپنے آپ کو فقہائے امت سے بالا نہ جانا۔

حدیث کے بارے میں آپ کے نظریات بتاتے ہیں کہ آپ نے کسی بات کی تحقیق میں تو ائمہ محدثین سے کام لیا ہے. آسمانی امامت سے کسی حدیث کی تصدیق یا تکذیب نہیں کی. آپ کو جو علمی شان بھی ملی وہ حضورؐ کی سنتِ کریمہ سے ملی. آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ خود بھی آپ سے کہا :-

قم واللّٰه لارضینك انت اخی وابو ولدی تقاتل عن سنتی وتبرئ ذمتی.[4]

ترجمہ. آپ اٹھیں بخدا میں تجھے راضی رکھوں گا تو میرا بھائی ہے اور میرے بیٹوں حسن و حسین کا باپ ہے اور تو میری سنت کا تحفظ کرے گا اور میری ذمہ داریاں ادا کرے گا.

اس سے پتہ چلا کہ حضرت حسنؓ و حسین رضؓ کی خاندانی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے۔ اب ان کی اولاد بھی ذریت رسول سمجھی جائے گی اور حضرت علیؓ کی وہی اولاد شمار ہوگی جو دوسری بیویوں سے ہوئی.

---

[1] المصنف لابن ابی شیبہ جلد ۱ صفحہ ۲۱۳ [2] طحاوی جلد ۱ صفحہ ۱۳۳ [3] المصنف لابی بکر بن ابی شیبہ جلد ۱ صفحہ ۲۱۴

حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
صحابہؓ کی نظروں میں

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ. امابعد:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں عام لوگوں میں کئی طرح کے خیالات پائے جاتے ہیں. یہاں تک کہ بعض علمی حلقے بھی اس میں مختلف الآراء ہوگئے. اس غلطی کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ بعض لوگ انہیں صرف یزید کے باپ کی حیثیت سے ہی جانتے ہیں اور انہیں یہ معلوم نہیں کہ آپ اپنی سیاسی بصیرت اور علمی قوت کے اعتبار سے حضرت عمرؓ کے کس قدر اعتماد میں تھے. حضرت عمرؓ کی کامیاب حکومت میں ایک حصہ حضرت ابوسفیانؓ کے دو بیٹوں کا بھی ہے. ۱. یزید بن ابی سفیانؓ اور ۲. معاویہ بن ابی سفیانؓ کا حضرت عثمانؓ نے بھی حضرت عمرؓ کے اس صوابدید کو اپنی فہمید بنایا اور اس بات سے کسی صاحب خبرت کو انکار نہیں ہوسکتا کہ سلطنت اسلامی کی سیاسی قوت و شوکت میں بنو امیہ کی فوجی خدمات تاریخ کا ایک ناقابل فراموش حصہ ہیں.

حضرت امیر معاویہؓ کو اگر ان سوابق اسلامی میں دیکھیں تو ان کا ایک بڑا مقام ہے اور اگر انہیں صرف یزید کے باپ ہونے کی حیثیت سے دیکھیں تو جو مظالم اہل بیت پر اس عہد یزید میں ہوئے ان کی ظلمت میں لوگ حضرت امیر معاویہؓ کی اس حیثیت کو بھی بھول گئے جو انہیں اللہ اور اس کے رسول برحق کے ہاں یا حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے ہاں حاصل تھی.

اہل السنۃ والجماعۃ امت کی وہ ریڑھ کی ہڈی ہیں جس نے عقائد کی ہر تفصیل میں ہمیشہ مسلک اعتدال کو قائم رکھا ہے اور افراط و تفریط میں وہ کسی جانب نہیں جھکے. حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی امت کو یہ نصیحت فرما گئے کہ اختلاف امت میں وہ اس طرف رہیں جدھر صحابہؓ چلے ہوں. الحمد للہ تابعین کے دور میں جب جبر و قدر، اعتزال و ارجاء اور خوارج اور آل سبا کے مختلف فتنے اٹھے. صحابہ کرامؓ میں سے کوئی ان میں سے کسی کے ساتھ نہیں چلا. صحابہ کرامؓ اعتقادی سطح پر سب ایک رہے اور اختلاف کی اس سیاہ رات میں یہ جہاں بھی رہے ستارے بن کر چمکے. حضرت معاویہؓ کے بارے میں بھی اہل سنت کے تمام اکابر وہ

محدثین سے ہوں یا فقہا سے، مفسرین میں سے ہوں یا اولیاء کاملین میں سے سب ایک ہی موقف پر رہے ہیں کہ وہ ایک جلیل القدر صحابی تھے۔ خلافت راشدہ میں ان کی عظیم سیاسی خدمات رہیں۔ حضرت علیؓ خلیفہ راشد سے ان کے جو سیاسی اختلافات ہوئے انہیں وہ خود اپنی زندگی میں ختم کر گئے۔ حضرت علیؓ سے ۴۰ھ میں ان کی مصالحت ہوئی اور تاریخ نے اس سال کو عام الھدنہ کا نام دیا اور حضرت حسنؓ سے ان کی صلح ہوئی وہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں بھی اتنی عزیز و وقیع رہی کہ حضورؐ نے اس اقدام پر حضرت حسنؓ کو سید کا خطاب دیا۔ حضرت حسینؓ بھی اس صلح میں اپنے بھائی کے ساتھ شریک تھے اور اسی تاریخی یاد میں آج تک ان دونوں کی اولاد سید کے نام سے امت کے اس عظیم اتحاد کو اپنے ساتھ لیے ہوئے ہیں۔ اہل سنت ان لوگوں کو سید تسلیم نہیں کرتے جو حضرت حسنؓ کی اس صلح سے دل سے خوش نہ ہوں اور نہ حضرت معاویہؓ کے بارے میں وہ عقیدہ نہ رکھیں جو حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کا تھا۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جس سے باغ جنت کے یہ دو نوں پھول صلح کر گئے ہم ان کے بارے میں دل میں کوئی بدگمانی نہ رکھیں اسی عظیم کام پر تو حضرت حسنؓ کو سید کا لقب ملا تھا۔

تاہم اہل سنت کے عقیدہ میں صحیح راہ اعتقاد وہی ہے جدھر صحابہ کرام ہوں۔ سو یہ معلوم کرنا کہ حضرت معاویہؓ صحابہ کرامؓ کی نظروں میں کس مقام عظمت اور شان صحابیت پر تھے یقیناً اس باب میں امت کی رہنمائی کے لیے کافی ہوگا۔ حضرت معاویہؓ کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث سند حسن سے مروی ہے۔ امام ترمذیؒ نے اسے کتاب المناقب میں روایت کیا ہے۔ اسے حضرت معاویہؓ کے حق میں حضور کی ایک دعا بھی کہا جا سکتا ہے۔ حضورؐ کا کسی کے لیے دعا کرنا یہ اس کی کوئی کم منقبت نہیں ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اللھم اجعلہ ھادیا ومھدیا واھد بہ۔[1]

ترجمہ۔ اے اللہ! اسے ہادی اور مہدی بنا اور اس کے ذریعہ ہدایت پھیلا۔

مہدی کے بارے میں یہ بات عام ہے کہ وہ مختلف سلطنتوں کو ایک سلطنت بنائے گا۔ حضورؐ نے حضرت معاویہؓ کے بارے میں بھی یہی چاہا اور تاریخ شاہد ہے کہ آپ کی یہ دعا پوری ہوئی اور آپ کے ہاتھوں مسلمانوں کی دو سلطنتیں پھر ایک ہوئیں۔

---

[1] جامع ترمذی جلد ۲ صـ۲۰۱ لکھنو

ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ملتے ہیں :۔

ترجمہ. اے اللہ! اس کو کتاب اللہ کا علم عطا فرما اور اسے حکومتی اقتدار بھی عطا کر.
یہاں حضرت معاویہؓ کے بارے میں بعض صحابہؓ کی کچھ آراء لکھے دیتے ہیں تا معلوم ہو کہ آپ کو ان کے ہاں کیا مقام خیر حاصل تھا.

ا. حضرت سعد بن ابی وقاصؓ (۵۵ھ)

قال ابو اللیث بن سعد حدثنا بکیر عن بشر بن سعید ان سعد بن ابی وقاصؓ قال ما رایت احدًا بعد عثمان اقضیٰ بحق من صاحب ھذا الباب یعنی معاویۃ. [۲]

ترجمہ. میں نے حضرت عثمانؓ کے بعد ان سے (حضرت معاویہؓ سے) زیادہ صحیح فیصلہ کرنے والا کسی کو نہیں دیکھا.

حضرت عثمانؓ اپنے عدالتی فیصلوں میں کس مقام عظمت پر تھے یہ بات اپنی جگہ ہے لیکن ان کے بعد اس میں سب سے زیادہ سبقت کون لے گئے اس پر عشرہ مبشرہ کے عظیم فرد حضرت سعدؓ کی شہادت اپنی جگہ ایک عظیم عصری شہادت ہے.

حافظ ابن تیمیہؒ (۷۲۴ھ) بھی لکھتے ہیں :۔

آپ تالیف قلب عدل و انصاف اور حقوق کی ادائیگی میں بے حد محتاط تھے. ہر وقت اس کا خیال رکھتے تھے کہ کسی کا کوئی حق میرے ذمہ نہ رہ جائے.

۲. ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ (۶۸ھ)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو کسی نے بتایا کہ حضرت معاویہؓ نے نماز وتر ایک رکعت پڑھی. یہ صحابہؓ کی عام سنت نہ تھی. ان کے ہاں کم از کم نماز وتر تین رکعت تھی. حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے یہ سن کر حضرت معاویہؓ پر کوئی اعتراض نہ کیا بلکہ فرمایا کہ وہ

---

[۱] البدایہ جلد ۸ ص ۱۲۱ [۲] ایضاً ص ۱۳۳ [۳] منہاج السنۃ جلد ۲ ص ۲۱۹

فقیہ ہیں یعنی ان کی سمجھ میں اگر ایک رکعت وتر کی کوئی صورت آتی ہے تو انہیں ایک رکعت وتر پڑھنے کا پورا حق ہے۔ ہر مجتہد اجتہاد کا حق رکھتا ہے۔ اس سے جہاں یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ایک رکعت وتر صرف ایک اجتہادی موقف ہے اس پر کوئی صریح روایت نبوی وارد نہیں۔ تبھی حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اسے ایک فقہی حیثیت دی۔ یہ نہیں کہا کہ ایک رکعت وتر حدیث میں بھی وارد ہے۔

ہم اس وقت اس مسئلہ وتر سے بحث نہیں کرتے۔ ہم یہاں صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ جو باتفاق امت ترجمان القرآن تسلیم کیے گئے اور ان کی قرآن دانی صحابہ میں ہمیشہ مسلم رہی وہ حضرت معاویہؓ کی علمی عبقریت کو اس نفیس پیرایہ میں تسلیم کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا:- اصاب انه فقيه. [1]

ترجمہ: وہ اس میں ٹھیک ہیں بے شک وہ فقیہ ہیں اجتہاد کا حق رکھتے ہیں۔

یہی نہیں کہ آپ نے انہیں فقیہ فرمایا۔ آپ نے یہاں تک کہا:

ليس احد منا اعلم من معاوية. [2]

ترجمہ: ہم میں کوئی اس وقت ایسا نہیں جو حضرت معاویہؓ سے علم میں آگے ہو۔

آپ نے یہ بھی کہا:

ما رأيت رجلاً كان اخلق بالملك من معاوية. [3]

ترجمہ: میں نے ایسا کوئی شخص نہیں دیکھا جو معاویہؓ سے پیدائشی طور پر زیادہ شاہی شان و شوکت رکھتا ہو۔

علامہ بلاذری لکھتے ہیں آپ نے یہ بھی فرمایا:

واللہ ما كان مثل من قبله ولا ياتی بعده مثله. [4]

ترجمہ: بخدا آپ اپنے پہلے بزرگوں کی طرح تو نہ تھے لیکن آپ کے بعد کوئی آپ جیسا بھی نہ آئے گا۔

۳۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ (۷۳ھ)

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ ص ۵۳۱ [2] السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۳ ص ۲۶ [3]

ما رأیت احدًا بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسود بن معاویۃ۔ [1]

ترجمہ: میں نے حضورؐ کے بعد کسی کو معاویہؓ سے بڑھ کر سرداری شان میں نہیں دیکھا۔

۴۔ حضرت ابوذر غفاریؓ (۳۲ھ)

آپ قرآن کریم کے بلند پایہ عالم دین تھے۔ بعض حضرات کے ہاں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بعد ان کا نام آتا ہے۔ ان کا قرآن پاک کی ایک آیت کے حکم میں حضرت معاویہؓ سے اختلاف ہوا۔ وہ آیت یہ تھی:۔

الذین یکنزون الذہب والفضۃ ولا ینفقونہا فی سبیل اللہ فبشرہم بعذاب الیم۔ (پ

حضرت معاویہؓ کا موقف یہ تھا کہ اگر اپنے کمائے اموال سے اللہ اور بندوں کے حقوق ادا کر دیئے جائیں تو پھر انہیں جمع کرنا ناجائز نہیں ہے۔ حضرت ابوذرؓ کا موقف یہ تھا کہ مطلق مال جمع کرنا جائز نہیں۔ اس وقت ہمیں اس مسئلے سے بحث نہیں ہم یہاں صرف اس پیرایہ بیان پر گفتگو کرتے ہیں جس میں حضرت ابوذرؓ نے اپنے اس اختلاف کا ذکر کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

کنت بالشام فاختلفت انا و معاویۃ فی الذین یکنزون الذہب والفضۃ ولا ینفقونہا فی سبیل اللہ قال معاویۃ نزلت فی اہل الکتاب فقلت نزلت فینا و فیہم فکان بینی و بینہ فی ذلک فکتب الی عثمان یشکونی۔ [2]

ترجمہ: میں ملک شام میں تھا وہاں میرا اور معاویہؓ کا اس آیت میں جس میں سونا اور چاندی کو جمع کرنے کی مذمت کی گئی ہے اختلاف ہوا۔ معاویہؓ کہتے تھے کہ یہ اہل کتاب کے بارے میں اتری ہے میں کہتا تھا یہ اہل کتاب اور مسلمانوں دونوں کے بارے میں ہے۔ اس میں مجھ میں اور معاویہؓ میں اختلاف ہو گیا۔ معاویہؓ نے اسے حضرت عثمانؓ کو لکھ بھیجا اور میری شکایت کی۔

---

[1] انساب الاشراف جلد ۴ ص ۳ [2] صحیح بخاری جلد ۱ ص ۱۸۹

حضرت ابوذرؓ جیسے بلند پایہ مفسر حضرت معاویہؓ کو علمی حیثیت سے اپنے اقران میں سے نہ سمجھتے تو کبھی یہ تعبیر اختیار کرتے کہ میرا اور معاویہؓ کا اس آیت میں اختلاف ہوا. آپ نے اس سلسلہ میں حضرت معاویہؓ کے بارے میں کوئی کلمہ تحقیر نہیں کہا جس سے متبادر ہوتا ہے کہ آپ کسی پہلو سے حضرت معاویہؓ کی نیت پر شک نہ کرتے تھے حضرت معاویہؓ نے بھی اپنی بات ان سے بزور نہیں منوائی صرف حضرت عثمانؓ کو بات لکھ بھیجی.

اختلاف میں شکایت کی صورت یہ تھی کہ اس آیت کی اس عام تبلیغ سے فقرار امیروں کے خلاف بھڑک اٹھیں گے اور ان کے جمع کردہ اموال پر وہ بزور قبضہ کرنے کی کوشش کریں گے اور اس طرح صوبے کا امن برباد ہو جائے گا. امیر معاویہؓ کا موقف یہ معلوم ہوتا ہے کہ اہل کتاب کے اموال میں چونکہ کوئی نصاب نہیں جس کے مطابق حکومت اسلامی ان سے ان کے اموال وصول کر سکے جس طرح مسلمانوں سے ایک نصاب کے مطابق صدقات و محاصل لیے جا سکتے ہیں، اس لیے انہیں اپنی ضروریات سے زائد اپنے پاس مال جمع کرنے کی اجازت نہ ہونی چاہیئے. بخلاف مسلمانوں کے وہ ایک خاص شرح سے اپنے اموال بیت المال میں دیں اور اہل کتاب اپنی ضروریات سے جو بچے سارے کا سارا اللہ کی راہ میں دیں. ان سے حضرت معاویہؓ کی بلند پایہ عبقریت نکھر کر سامنے آتی ہے بیشک آپ علمی سطح پر حضرت ابوذرؓ کے اقران میں سے تھے. اس اختلاف میں حضرت کعب احبارؓ نے بھی حضرت معاویہؓ کی تائید کی. حضرت عثمانؓ نے حضرت ابوذرؓ سے فرمایا. اے ابوذرؓ! یہ میرا کام ہے کہ میں حکومت اور رعیت کے حقوق کا فیصلہ کروں میں مسلمانوں کو زہد پر مجبور نہیں کرتا وہ اپنے اموال سے حقوق ادا کرنے کے بعد انہیں جمع کر سکتے ہیں.

۵. حضرت ابوالدرداءؓ (۳۲ھ)

ما رأیت اشبہ صلوٰۃً برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من امامکم ھذا یعنی معاویۃ رضی اللہ عنہ[1]

ترجمہ: میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز میں کسی کو ایسا مشابہ (ملتا جلتا) نہیں پایا جیسا تمہارے اس امام کو پایا یعنی حضرت معاویہؓ کو

---

[1] المنتقی للذہبی ص۳۸۹

صحابہ کرامؓ کی یہ آراء آپ کے سامنے ہیں۔ اب حضرت علی مرتضیٰؓ کی رائے بھی ملاحظہ فرمائیں۔ یہ صحیح ہے کہ آپ نے حضرت معاویہؓ کے خلاف چڑھائی کی اور آپ کو امیر المومنین ہونے کی حیثیت میں پورا حق تھا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا آپ واقعی ان کو باغی سمجھتے تھے یا آپ کا گمان تھا کہ حضرت معاویہؓ ایک غلط فہمی میں آپ کی خلافت کا انکار کر رہے ہیں۔ اگر حضرت معاویہؓ محض اپنی خلافت کے شوق میں حضرت علیؓ کو خلیفہ نہ مان رہے تھے اور ان کا منشا ضد کے سوا کچھ نہ تھا تو آپ بے شک باغی سمجھے جائیں گے اور اگر آپ کسی غلط فہمی کی بنا پر حضرت علیؓ کی خلافت کو نہ مان رہے تھے اور اپنے آپ کو اپنے موقف میں حق پر سمجھتے تھے تو پھر یہ آپکی یہ ایک اجتہادی غلطی شمار ہوگی۔

سوال یہ ہے کہ اس میں حضرت علیؓ کی اپنی رائے کیا تھی وہ حضرت معاویہؓ کو ضد اور ہوس اقتدار کی وجہ سے اپنا مخالف جانتے تھے یا آپ ان کے انکار کو کسی شبہے پر مبنی قرار دیتے تھے۔ اس صورت میں یہ ایک واقعی اجتہادی خطا شمار ہوگی جس میں صورت بغاوت تو ہے حقیقت بغاوت نہیں پائی جاتی۔

آپ نے صفین میں کسی کو اسے کفر و اسلام کا فاصلہ قرار دیتے ہوئے سنا۔ آپ نے اسے روکا اور فرمایا:۔

سمع علی یوم الجمل یوم صفین یغلوا فی القول بقول الکفر قال لا تقولوا فانهم زعموا انا بغینا علیهم و زعمنا انهم بغوا علینا۔[1]

ترجمہ: حضرت علیؓ نے یوم صفین کسی کو یہ غلو کرتے سنا کہ وہ آپ کے مخالفین کو کفر پر پہنچے کہہ رہا تھا۔ آپ نے فرمایا ایسا نہ کہو ان لوگوں کا گمان یہ رہا کہ ہم نے ان پر بغاوت کی اور ہمارا گمان یہ ہے کہ انہوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی ہے۔

اثنا عشری شیعوں کی کتاب قرب الاسناد کی یہ روایت بھی ملاحظہ فرمالیں:۔

ان علیا علیه السلام کان یقول لاهل حربه انا لم نقاتلهم علی التکفیر لهم ولم یقاتلنا علی التکفیر لنا ولکن رأینا انا علی حق ورأوا انهم علی حق۔[2]

---

[1] تاریخ ابن عساکر جلد ۱ صفحہ ۳۳۹ المنتقی للذہبی صفحہ ۳۲۵ [2] قرب الاسناد صفحہ ۴۵

ترجمہ. حضرت علی رض اپنے سے جنگ کرنے والوں کے بارے میں کہتے تھے ہم نہ ان سے اس لیے لڑے ہیں کہ انہیں کافر قرار دیں نہ اس لیے کہ وہ ہمیں کافر کہتے ہیں بات اس طرح رہی کہ ہم اپنے آپ کو حق پر سمجھتے ہیں اور وہ اپنے آپ کو حق پر سمجھتے ہیں.

حضرت علی رض یہ کہہ رہے ہیں کہ میرے مخالفین اپنے خیال میں حضرت عثمان رض کی عقیدت اور وفاداری میں اپنے آپ کو حق پر سمجھ رہے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ ہم ہرگز حضرت عثمان رض کے خون میں ملوث نہیں ہیں.

ان اصحاب علی سائرہ عن من قتل من اصحاب معاویۃ قال ھم المؤمنون[1]

ترجمہ. حضرت علی رض کے ساتھیوں نے آپ سے ان لوگوں کے بارے میں پوچھا جو حضرت معاویہ رض کے ساتھیوں میں مارے گئے. آپ نے کہا. وہ سب مومن ہیں.

عدی بن حاتم آپ کے ساتھ جا رہا تھا راستے میں ایک لاش پر نظر پڑی جسے حضرت علی رض کے حامیوں نے مارا تھا. عدی نے کہا:

ھذا کان امس مسلماً والیوم کافراً[2]

آپ نے اسے اس پر ٹوکا اور فرمایا:

مھلاً کان امس مومنا وھو الیوم مومن

ایسا نہ کہو یہ کل بھی مومن تھا اور وہ آج بھی مومن ہی ہے.

اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ حضرت معاویہ رض کو اس غلط فہمی میں مبتلا سمجھتے تھے کہ وہ آپ کو خونِ عثمان رض میں ذمہ دار سمجھتے تھے. اس سے ظاہر ہے کہ آپ حضرت معاویہ رض اور ان کے ساتھیوں کو خطا اجتہادی کے درجہ میں رکھتے تھے. آپ کا یہ گمان نہ تھا کہ حضرت معاویہ رض ان سے خود خلیفہ بننے کے شوق میں محض ضد کے ساتھ نبرد آزما ہیں.

حضرت معاویہ رض ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رض کی نظر میں

حجر بن عدی سیدنا حضرت حسن رض اور حضرت معاویہ رض کی صلح سے خوش نہ تھا اس نے حضرت حسین رض کو حضرت حسن رض کے خلاف ابھارنے کی بہت کوشش کی لیکن وہ اس کی باتوں

---

[1] منہاج السنۃ جلد ۳ صـ۶۱ [2] ابن عساکر صـ۳۰

میں نہ آئے۔ پھر یہ خود حضرت معاویہؓ کے خلاف اٹھا۔ اس پر بغاوت کا مقدمہ چلا اور اس کی پاداش میں اسے قتل کر دیا گیا۔ حضرت ام المومنینؓ اس کی اس سزا سے خوش نہ تھیں۔ آپ نے اس پر رنجش کا اظہار کیا۔ آپ نے ان الفاظ سے حضرت معاویہؓ سے ناراضگی کا اظہار کیا :۔

اے معاویہ ! اس سزا کو جاری کرتے تمہارا حلم کہاں چلا گیا تھا۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہؓ حضرت معاویہؓ کے حلم و اخلاق کی کس قدر معترف تھیں۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ آپ ان کے ہاں اس واقعہ میں اپنے اس روایتی حلم کو قائم نہ رکھ پائے ہوں۔ تاہم صاحب الامر ہی اپنے حالات کو بہتر جانتا ہے۔

نوٹ :۔ کئی لوگ حجر بن عدی کو صحابی سمجھتے ہیں لیکن حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں :۔

اکثر المحدثین لا یصححون لہ صحبۃ۔ [1]

ترجمہ۔ اکثر محدثین آپ کے صحابی ہونے کو درست نہیں جانتے۔

نامناسب نہ ہوگا کہ ہم یہاں تابعین کرام میں سے بھی چار بزرگوں کی رائے یہاں ہدیہ قارئین کر دیں۔

۱۔ حضرت قبیصہ بن جابر اسدی (۶۹ھ) ابو العلاء الکوفی

آپ چار صحابہؓ کا (۱) حضرت عمرؓ (۲) حضرت طلحہؓ (۳) حضرت عمرو بن العاصؓ (۴) حضرت معاویہؓ کا اس دلآویز پیرایہ میں ذکر کرتے ہیں :۔

عن قبیصۃ بن جابر الا اخبرکم بمن صحبت۔ صحبت عمر فما رایت افقہ فی کتاب اللہ تعالیٰ منہ وصحبت طلحہ فما رایت احداً اعطی للجزیل منہ وصحبت عمرو بن العاص فما رایت اتم ظرفاً منہ وصحبت معاویۃ فما رایت اکثر حلماً منہ۔ [2]

ترجمہ۔ کیا میں تمہیں ان حضرات کی کچھ خبر دوں جن کی میں نے صحبت پائی ہے میں حضرت عمرؓ کی صحبت میں رہا ہوں میں نے ان سے زیادہ کسی کو قرآن سمجھنے والا نہیں پایا۔ میں نے حضرت طلحہؓ کی صحبت بھی اٹھائی ہے میں نے ان

---

[1] البدایہ جلد ۸ صفحہ ۵۰ [2] تہذیب التہذیب جلد ۸ صفحہ ۳۴۵

سے زیادہ کسی کو کھلے ہاتھ والا نہیں پایا۔ میں نے حضرت عمرو بن العاص رضؓ کی صحبت کی صحبت بھی اٹھائی ہے میں نے ان سے زیادہ کسی کو وسیع الظرف نہیں پایا۔ میں نے حضرت معاویہ رضؓ کی صحبت بھی پائی ہے میں نے ان سے زیادہ حلیم الطبع کسی کو نہیں دیکھا۔

گزرے ہوئے حکام کا اس دلآویز پیرایہ میں ذکر بتاتا ہے کہ وہ حکام واقعی اپنے اپنے دور کے خیار الناس تھے۔ حضرت عوف بن مالک الاشجعی (۷۳ھ) کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:۔

خیار ائمتکم الذین تحبونہم و یحبونکم و تصلون علیہم و یصلون علیکم و شرار ائمتکم الذین تبغضونہم و یبغضونکم و تلعنونہم و یلعنونکم۔[۱]

ترجمہ: تمہارے بہترین حکمران وہ ہیں جن سے تم محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں تم ان کے لیے دعا کرو اور وہ تمہارے لیے دعا کریں اور تمہارے بدترین حکمران وہ ہیں جن سے تم ناراض رہو اور وہ تم سے ناراض رہیں تم ان پر لعنت کرو اور وہ تم پر لعنت کریں۔

حضرت قبیصہ بن جابر الاسدی نے مندرجہ بالا چار اصحاب کا مندرجہ بالا ذکر ان کی وفات کے بعد کیا ہے جس میں کوئی شائبہ کسی حکمران کی خوشامد یا دباؤ کا نہیں ہو سکتا۔

۲۔ مفسر قرآن حضرت مجاہد تابعیؒ (۱۰۰ھ)

آپ فرماتے ہیں:۔

جس طرح مہدی دنیا کے حکمرانوں کو ایک سلطنت عادلہ میں لے آئیں گے حضرت معاویہ رضؓ نے بھی اپنے حسن تدبیر سے مسلمانوں کی دو سلطنتوں کو پھر سے ایک کر دیا۔ اگر تم معاویہ رضؓ کو دیکھ لیتے تو کہتے مہدی یہی ہے۔[۲]

یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا تھی کہ اے اللہ! معاویہ کو ہادی اور مہدی بنا۔ اور تاریخ گواہ ہے کہ آپ کی یہ دعا آپ کے حق میں دو سلطنتوں کے ایک ہونے سے پوری ہوئی اور مسلمان پھر سے ایک پرچم کے نیچے آ گئے۔

۱۔ ۔۔۔۔ ۱۰ ۵ مسلم مشکوٰۃ صد ۳۱۹ ۲۔ تاریخ طبری جلد ۶ صد ۔

۳۔ علامہ التابعین علامہ شعبیؒ (۱۰۳ھ)

دھات العرب اربعۃ (۱) معاویۃ بن ابی سفیان وعمرو بن العاص والمغیرۃ بن شعبۃ وزیاد فاما معاویۃ بن ابی سفیان فللاناۃ والحلم واما عمرو بن العاص فللمعضلات واما المغیرۃ فللمبادھۃ واما زیاد فللصغیر والکبیر۔[1]

ترجمہ: عرب کے ہوشیار تیز مغز آدمی چار رہے ہیں۔ ۱۔ معاویہ بن ابی سفیانؓ حلم اور بردباشت میں ۲۔ عمرو بن العاصؓ مشکل افتادہ حالات میں۔ ۳۔ مغیرہ بن شعبہؓ حاضر جوابی اور خود تیاری میں اور ۴۔ زیاد ہر چھوٹے بڑے کے کام آنے میں۔

حلم اور بردباشت انسان کی متوازن زندگی اور پختہ سیرت کا پتہ دینے والی صفات ہیں۔ آپ اس اعتدال مزاج کے باعث کبھی لڑنے کو پسند نہ کرتے۔ آپ اختلاف کو بات چیت اور تدبیر امور سے حل کرنے کے حامی تھے۔

۴۔ علامہ ابن سیرینؒ (۱۱۰ھ)

وکان معاویۃ لا یتھم فی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔[2]

ترجمہ: حضرت معاویہؓ پر اپنے تمام اختلافات کے باوجود کبھی کسی نے الزام نہ لگایا کہ آپ حضورؐ کے نام پر کوئی غلط بات کہتے ہوں۔

جب آپ پر آپ کا کوئی شدید ترین مخالف بھی یہ الزام نہ لگا سکا تو معلوم ہوا کہ آپ کے ایمان اور دینی وجاہت کا کسی حلقے میں انکار نہ تھا یہی وجہ ہے حضرت علیؓ بھی کے آپ کے ایمان کی برابر شہادت دیتے تھے۔ آپ نے فرمایا ایمان میں ہم دونوں ایک ہیں۔ الامر احد۔[3]

پھر یہ رائے بھی امام ابن سیرینؒ کی جو علم تعبیر کے مسلم امام ہیں۔ علم تعبیر رکھنے والا جس طرح خواب کے ہر پہلو پر باریک نظر رکھتا ہے وہ دوسروں کے خیالات سے بھی ان کی حقیقت جان لیتا ہے۔ خواب وخیال ایک رُخ سے چلتے ہیں۔ اور علم تعبیر والے ان کی راہیں پہچانتے ہیں۔ امام ابن سیرینؒ نے درست کہا ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ پر روایت حدیث میں کبھی کوئی شک نہیں کیا جا سکتا۔ آپ روایت حدیث میں حضورؐ کے نام پر کوئی غلط بات کہنے والے ہوتے تو حضرت امام حسنؓ اور حسینؓ کبھی ولایت امور عامۃ المسلین ان کے سپرد نہ کرتے۔

---

[1] اسد الغابہ جلد ۵ ص ۲۳۸ [2] سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۲۱۴ [3] دیکھئے نہج البلاغۃ جلد ۳ ص ۱۲۶

صحابہؓ کی خطائیں آسمانِ رحمت کی گھٹائیں

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد :

صحابہ کرامؓ سے دورانِ تربیت جو غلطیاں اور خطائیں سرزد ہوئیں وہ سب حکمتِ الٰہیہ کے تحت تھیں کہ آنحضرتؐ ان کی بار بار اصلاح فرمائیں ان کے دلوں کا تزکیہ کریں۔ اللہ تعالیٰ دنیا میں ایک نمونے کی قوم لانا چاہتے تھے جن کے پیچھے دنیا کی قومیں چلیں ان کا ہر امر معروف ہوگا اور ہر نہی منکر ہوگی۔

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر وتؤمنون باللہ۔ (پ۴ آل عمران ۱۱۰)

ترجمہ تم ایک بہترین امت ہو جو اقوام عالم کی رہنمائی کے لیے آگے لائے گئے ہو اور منکرات سے روکتے ہو اور اللہ پر تم ایمان رکھتے ہو۔

اللہ تعالیٰ نے خیرامت کے ایمان کی گواہی بھی دے دی۔ ایمان ایک امر باطنی تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے بھی کھول دیا۔ یہ حضرات دورانِ تربیت کن کن حالات سے گزرے۔ اس کی چند مثالیں پھر سامنے رکھیں :-

۱۔ جنگِ اُحد میں درّہ چھوڑنے والے ۳۸ صحابہ کرامؓ

جنگ اُحد میں صحابہؓ سات سو کے قریب تھے۔ ان میں سے پچاس افراد کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان سے ہٹا کر درے پر لگا دیا کہ اگر اس طرف سے کوئی حملہ ہو تو یہ وہاں انہیں روکیں حضورؐ نے انہیں سختی سے کہا کہ میرے حکم کے بغیر تم وہاں سے نہ ہٹنا جب جنگ شروع ہوئی تو پہلے مرحلہ میں مسلمان غالب رہے اور کافر بھاگنے لگے۔ درے والوں نے سمجھا کہ جنگ تمام ہو گئی ہے ان میں سے ۳۸ افراد حضورؐ کے حکم کا انتظار کیے بغیر مالِ غنیمت جمع کرنے والوں میں آ گئے اتنے میں اہل مکہ کے سالار خالد بن ولید نے درہ کی طرف سے نیا حملہ کر دیا۔ وہاں حضرت عبداللہ بن جبیرؓ کی قیادت میں صرف گیارہ سپاہی کھڑے تھے۔ یہ بارہ حضرات وہیں شہید ہوئے اور دوسری طرف سے ابوسفیان نے پلٹ کر نیا حملہ کر دیا اور مسلمانوں کی فتح شکست میں بدل گئی تاہم کفار

کے پاؤں وہاں جم نہ سکے.

ان ۴۰ صحابہؓ میں مشہور صحابہؓ میں سے کوئی نہ تھا. یہ جو مالِ غنیمت جمع کرنے والوں میں آ لگے تو مالِ غنیمت جمع کرنا کوئی گناہ نہ تھا. جنگ جیتنے پر بھی تو مسلمان مالِ غنیمت جمع کرتے ہی ہیں یہ کوئی گناہ نہ تھا. لیکن پیغمبر کے حکم کے بغیر درہ کو چھوڑنا بے شک ایک گناہ تھا اور اس میں حضورؐ کے حکم کی خلاف ورزی بھی تھی گو انہوں نے یہی سوچا کہ اب جنگ ختم ہو گئی ہے پھر انہیں اپنے امیر حضرت عبداللہ بن جبیرؓ سے بھی پوچھنا چاہیئے تھا.

قرآن کریم نے ان درہ چھوڑنے والوں کی سرزنش کی ہے اور فرمایا کہ تم دنیا کے پیچھے لگ گئے اور ساتھ ہی انہیں معاف کرنے کا اعلان فرمایا اور کھلے لفظوں میں ان کے ایمان کی شہادت دے دی اور انہیں اس غلطی کے باوجود مومن ٹھہرایا.

ولقد صدقکم اللہ وعدہ اذ تحسونھم باذنہ حتی اذا فشلتم وتنازعتم فی الامر وعصیتم من بعد ما اراکم ما تحبون منکم من یرید الدنیا ومنکم من یرید الآخرۃ ثم صرفکم عنھم لیبتلیکم ولقد عفا عنکم واللہ ذو فضلٍ علی المؤمنین. (پ۴ آل عمران ۱۵۲)

ترجمہ. اور اللہ تو سچا کر چکا تم سے اپنا وعدہ جب تم انہیں اس کے حکم سے کاٹنے لگے یہاں تک کہ جب تم ٹھنڈے پڑ گئے اور کام میں جھگڑ پڑے اور حکم عدولی کی بعد اس کے کہ وہ دکھا چکا تمہیں تمہاری خوشی کی چیز. تم میں ایسے بھی تھے جو دنیا (مالِ غنیمت پر جانا) چاہتے تھے اور ایسے بھی تھے جو (حکم کی پابندی سے) آخرت کے طلب گار رہے پھر اس نے اُلٹ دیا تم کو ان پر سے تاکہ وہ تم کو آزماوے اور وہ تم کو معاف کر چکا اور وہ ان مومنین پر فضل کرنیوالا رہا.

اس آیت میں ان الفاظ پر پھر غور کریں ثم صرفکم عنھم لیبتلیکم. پھر اللہ تعالیٰ نے اُلٹ دیا تم کو ان پر سے تاکہ وہ تمہیں آزماوے. اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے پسپا کرنے کی نسبت اپنی طرف کی اور اس کی حکمت یہ بھی کہ وہ ان کو آزمائے اور آگے یہ بھی بتایا کہ اللہ ان کو معاف کر چکا. وہ جانتا تھا کہ یہ بے شک یہ ایک غلطی پر تھے لیکن یہ اندر سے مومن ہیں. اس نے ان کو اس دن کی پسپائی کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا. اسے اپنے آزمانے کے تحت ذکر فرمایا.

بس بات اتنی تھی یہ غلطی سب شرکاء احد کی نہیں تھی صرف درہ چھوڑنے والے ۲۸۔
افراد کی تھی۔ ملا مقبول دہلوی منکم من یرید الدنیا کے تحت لکھتا ہے کہ اس سے صرف یہی لوگ مراد
تھے نہ کہ کل غزوہ احد میں شامل ہونے والے۔ ملا مقبول لکھتا ہے:۔

من یرید الدنیا اس سے عبداللہ بن جبیرؓ کے وہ ماتحت مراد ہیں جو مال غنیمت
کے پیچھے دوڑ پڑے تھے۔ صہ

یہ گذشتہ بات ہے اتنی سی بات تھی اور وہ ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے معافی سے خود اس سے
صرف نظر کا حکم دے دیا اب پاکستان میں اس واقعہ پر شیعہ حضرات نے کیا کیا سرخیاں لگائیں اور کس
طرح اصحاب رسول پر اپنے اندر کا بغض اگلا یہاں ملاحظہ فرمائیں:

جب اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا اور اس معاف کرنے کا قرآن میں اعلان فرمایا۔
اور انہیں قرآن میں مومن ٹھہرایا اور پھر وہ آخر تک حضورؐ کے حکم پر پابند رہے۔ اسلام پر ہی ان
کی وفات ہوئی تو اب شیعہ حضرات کو یہ کہنے کا کیا حق باقی رہ جاتا ہے؟

لہذا اگر کسی صحبت نشین پیغمبر کو دیکھا جائے کہ وہ بظاہر مسلمان بھی تھا اور
اسلام پر اس کا خاتمہ بھی ہوا تو اس کی دلیل نہ بن سکے گا کہ وہ منافق نہ تھا۔[1]

یہ دنیا ظاہر پر مبنی ہے اس کے احکام بھی ظاہر ہیں اندر کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی
نہیں جانتا جب وہ کسی کو منافق بتلا دے تو وہ بے شک منافق ہو گا۔ لیکن اس کے بتلانے پر
اس کا پیغمبر اگر کسی کو جنتی کہہ دے تو اب اس کے مومن ہونے اور ایمان پر مرنے کی اس سے
بڑی گواہی اور کوئی نہ ہو گی مسلمان اسی لیے عشرہ مبشرہ دسوں صحابہؓ کو جنتی تسلیم کرتے ہیں اور ان
کے انجام خیر پر یقین رکھتے ہیں۔

---

[1] معیار صحابیت سرگودھا ص ۲۹

بل تحفظ ناموسِ صحابہؓ

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد:

صحابہ کرامؓ کا اسلام میں درجہ کتنا اونچا کیوں نہ ہو۔ تھے تو وہ آخر انسان ہی۔ اور انسانوں میں ماسوائے انبیاء کرام کے عصمت کا سایہ کسی پر نہیں رہا۔ سب حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی علمی اور اخلاقی تربیت میں رہے اور دورانِ تربیت ان حضرات سے بڑی بڑی خطائیں اور غلطیاں بھی سرزد ہوئیں۔ لیکن اللہ رب العزت کو منظور تھا کہ حضورؐ کی تربیت سے ایک نمونہ کی جماعت اُبھرے اور ایک ایسی قوم پیدا ہو جو باقی سب انسانوں کے لیے صحیح راہ زندگی کا نشان ہو۔ قرآن میں اس قوم کو کنتم خیر امۃ اخرجت للناس (ترجمہ۔ تم ایسی قوم ہو جو اقوام عالم کے لیے نشانِ راہ بنائی گئی ہے) کی ذمہ داری دی گئی ہے۔

جن لوگوں سے خطائیں اور غلطیاں صادر ہوئیں اور وہ معصوم نہ تھے۔ اب وہ خیر امت کیسے بن گئے اور دوسرے سب لوگوں کے لیے وہ نشانِ ہدایت کیسے ٹھہرے؟ اس کے لیے بہت گہری سوچ چاہیئے اللہ نے اس کے لیے کیا تدبیر کی اسے سمجھنے کی ضرورت ہے پھر حضورؐ نے اس کے لیے کیا تدبیر فرمائی اسے بھی سمجھنے کی سخت ضرورت ہے۔ پھر خلفاء راشدین نے اس نظریہ فکر کی بقا کے لیے کیا راہِ عمل اختیار کی ہے اسے بھی جاننے کی پوری ضرورت ہے اور پھر ان حضرات قدسی صفات کی ان تمام غلطیوں اور خطاؤں کو جانتے ہوئے بھی اس امت کے علماء اعلام نے اس امت کو ایک رکھنے کے لیے ایک ضابطہ اختیار کیا ہے وہ یہ کہ اس امت کا کوئی فرد ان حضرات پر کبھی کوئی انگلی نہ اٹھا سکے اور نہ ان میں سے کسی کے خلاف اپنی زبان ہلا سکے۔ آج قوم کو اسی بل تحفظ ناموسِ صحابہ پر لانے کی ضرورت ہے۔ آج اسی ضرورت پر کچھ اظہار خیال کرنا ہے۔ پیشِ نظر رہے کہ اسی وادی میں بہت پھونک پھونک کر قدم رکھنے کی ضرورت ہے۔

تحفظ ناموس صحابہؓ کے لیے ایک الٰہی تجویز

۱۔ اللہ تعالیٰ نے یہ جانتے ہوئے کہ ان سے کئی غلطیاں اور خطائیں ہوئیں، پھر بھی ان

ان کے سروں پر رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ کا تاج رکھ دیا اور بتادیا کہ اب خدا کے ان رضا یافتہ لوگوں کا کوئی گناہ نہیں رہا۔ گناہ کی بقا کے ساتھ خدا کی رضا کیسے جمع ہو سکتی ہے؟ کبھی نہیں۔ سب کے گناہ معاف کر دیئے گئے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے سب صحابہؓ سے جنت کا وعدہ کر لیا۔

وکلاً وعد اللہ الحسنیٰ ۔ (پ۲۷ الحدید ۱۰)

اس میں صحابہؓ کی کوئی تقسیم روا نہیں رکھی کہ فلاں جنت میں جائیں گے اور فلاں نہیں معاذ اللہ یہ کل کے کل جنت میں جائیں گے۔ گو مراتب ان کے اپنے اپنے ہوں گے۔

۳۔ تولی عن الزحف (میدانِ جنگ سے نکلنا) جیسا گناہ بھی ہو تو لائق عفو ٹھہرا۔ یہ گناہ کبیرہ ہے قرآن کریم میں اس کے مرتکب کا ٹھکانا جہنم بتلایا گیا۔ لیکن کسی صحابی سے صادر ہو تو لائق معافی ٹھہرایا گیا۔ یہ کس درجے کا گناہ ہے اسے قرآن میں دیکھیئے:۔

ومن یولھم یومئذ دبرہ الا متحرفاً لقتال او متحیزاً الیٰ فئۃ فقد باء بغضب من اللہ وماواہ جھنم۔ (پ۹ الانفال ۱۶)

ترجمہ۔ اور جو ان سے اس دن پشت پھیرے گا مگر یہ کہ لڑائی کے ہنر کے طور پر ہو یا اپنی جماعت میں ملنے کو تو بے شک وہ اللہ کے غضب میں پلٹا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ کیا بری جگہ ہے جانے کی۔

جنگ احد میں ایک غلط فہمی سے بعض صحابہؓ سے صورۃً یہ ایک غلطی ہوئی اس کے پیچھے ان کا ارادہ معصیت نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کر دیا۔ اس طرح ان پر جرح کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا گیا۔

ولقد عفا اللہ عنھم ان اللہ غفور حلیم ۰ (پ۴ آل عمران ۱۵۵)

ترجمہ۔ اور بیشک اللہ نے ان کو معاف کر دیا ہے بیشک اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے ہیں بڑے علم والے

اور اللہ رب العزت نے حضورؐ سے بھی ان کے لیے سفارش کی کہ ان کو معاف کر دیں اور اپنی مجلس میں انہیں برابر رکھیں اور ان سے مشورہ لیتے رہیں:

فاعف عنھم واستغفر لھم وشاورھم فی الامر۔ (پ۴ آل عمران ۱۵۹)

ترجمہ۔ آپ بھی ان کو معاف کر دیں اور ان کے لیے (اللہ کے حضور) استغفار چاہیں اور (مہمات سلطنت میں) ان سے مشورہ لیا کریں۔

۴۔ ان کو جنت میں داخل کرتے وقت ان کے دلوں سے اپنے ساتھیوں کے لیے سب کینے اور ناراضگیاں نکال دیں ان کا کوئی گناہ باقی نہ رکھا گیا :۔

ونزعنا مافی صدورھم من غل اخوانًا علیٰ سررٍ متقابلین۔ (پ ۱۴ الحجر ۴۷)

ترجمہ۔ اور ہم نے کھینچ لیے ان کے سینوں میں جو بھی کینے تھے اب وہ آپس میں تختوں پر روبرو بیٹھے بھائی بھائی ہیں

اب اس کے بعد قرآن پر ایمان رکھنے والی کوئی زبان کیا ان کے خلاف کھل سکتی ہے یا کوئی قلم ذرہ برابر ان کے خلاف چل سکتا ہے؟ یہ تحفظ ناموس صحابہ کی الٰہی تدبیر تھی جو قرآن کریم میں واضح کر دی گئی کہ اب ان کی ان غلطیوں کو کوئی شخص زبان پر نہ لا سکے۔

اب تحفظ ناموس صحابہؓ کی نبوی تجویز بھی دیکھئے :۔

تحفظ ناموس صحابہؓ کی نبوی تجویز

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو یہ کہہ رکھا تھا کہ ایک دوسرے کے خلاف مجھ سے کوئی بات نہ کیا کریں میں دنیا سے سلیم الصدر ہو کر جانا چاہتا ہوں۔ یہ اس طرح کہ میرے دل میں کسی صحابی کے بارے میں ذرا سا بھی بوجھ نہ ہو۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں حضورؐ نے فرمایا :۔

لا یبلغنی احد من اصحابی عن احدٍ شیاءً فانی احب ان اخرج الیکم وانا سلیم الصدر۔[۱]

حضورؐ کی خواہش ہوتی تھی کہ آپ اپنے کسی صحابی کے خلاف کوئی بات نہ سنیں اس سے یہ لازم آتا ہے کہ کوئی مسلمان آپ کے صحابہؓ میں سے کسی کے خلاف کبھی کوئی بات نہ کر پائے۔ آپ نے یہاں تک فرمایا :۔

۲۔ اللہ اللہ فی اصحابی لاتتخذوھم من بعدی غرضًا فمن احبھم فبحبی احبھم ومن ابغضھم فببغضی ابغضھم ومن اذاھم فقد اذانی۔[۲]

ترجمہ۔ ڈرو اللہ سے میرے صحابہ کے بارے میں میرے بعد ان کو کسی اعتراض کا نشانہ نہ بنانا جس نے ان سے محبت کی وہ بسبب میری محبت کے ان سے محبت کی اور جس نے کوئی ان سے بغض رکھا سو وہ مجھ سے بغض رکھنے کی وجہ سے

---

[۱] سنن ابی داؤد جلد ۲ صہ ۶۶۷۔ [۲] جامع ترمذی جلد ۲ صہ ۲۰۶ لکھنؤ

ان سے بغض رکھا اور جس کسی نے انہیں کوئی اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی۔

اس سے بڑھ کر تحفظ ناموس صحابہ کی اور کیا صورت ہو سکتی ہے۔ جب آپ نے ان کا موضوع محبت ان کے اپنے اعمال قرار نہیں دیئے تو اب ان کے کسی عمل پر جرح انہیں کیسے کمزور کر سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ حضورؐ نے ان کا موضوع محبت اپنی محبت کو بنایا جس کا انکار کسی مسلمان سے ممکن نہیں۔ ان کا کوئی عمل کیسا کیوں نہ ہو کوئی گناہ ان میں سے کسی کو صحابیت سے نہیں نکال سکتا۔

۳۔ آپ نے نجات پانے والے فرقے کا نشان یہ بتایا۔ باقی سب کو ناری بتلایا۔

ما انا علیہ واصحابی۔

جس پر میں اور میرے صحابہ رہے وہی حق کی راہ ہے۔

نجات کے لائق صرف وہی لوگ ہیں جو اس راہ پر رہیں گے۔ ظاہر ہے کہ جن پر جرح ہو انہیں پیشوا نہیں بنایا جا سکتا۔ اس طرح ان پر جرح کا دروازہ بند کر دیا گیا۔ اصول حدیث میں یہ بات ٹھہرائی گئی ہے:۔

لا یتطرق الیھم الجرح۔

جرح ان کی طرف راہ نہیں پاتی۔

۴۔ صحابہ کرامؓ کے بارے میں کہا گیا کہ ان میں سے جس کی بھی تم پیروی کرو تم ہدایت پر ہی رہو گے۔

فبایھم اقتدیتم اھتدیتم۔[1]

ترجمہ۔ پس تم ان میں سے جس کی بھی اقتدا میں چلے تم ہدایت پا گئے۔

اس سے پتہ چلا کہ ایک ایک صحابی اپنی جگہ روشن ستارہ ہے کسی کی بھی پیروی کر لو تم ہدایت پر رہو گے لیکن کسی پر جرح نہ کرنا شرط ہے۔ اس لیے یہ تدبیر بتلائی:۔

انما العبرۃ بالخواتیم۔

کہ اعتبار ان کے آخری امور کا رہے گا۔

۱۔ حضرت علیؓ اور معاویہؓ میں عام الہدنہ ۴۰ھ میں جو عہد ہوا اس سے ایک دوسرے

---

[1] مشکوٰۃ صد ۵۵۴

پر جرح یکسر رک گئی۔

۲۔ پھر حضرت حسنؓ امیر معاویہؓ کے حق میں دستبردار ہوئے تو اب مشاجرات صحابہؓ اپنے آخری موڑ پر مشاجرات نہ رہے۔ اب پہلے مشاجرات کے حوالہ سے ان میں سے کسی پر کوئی تنقید گوارا نہ ہوگی۔ اسلام میں اعتبار آخری بات کا ٹھہرایا گیا ہے۔

تحفظ ناموسِ صحابہؓ پر خلافت راشدہ میں عمل

حضرت علیؓ کو اس پر شکایت تھی کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں بنو ہاشم کو کیوں نہ بلایا گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس میٹنگ کے داعی انصار تھے اس میں پورے مہاجرین کو دعوت نہ دی گئی تھی۔ حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت ابو عبیدہؓ وہاں اچانک پہنچ گئے تھے اور حالات پہ کنٹرول کر لیا تھا۔ بات مزید انتظار میں ڈالی جاتی تو حالات بگڑنے کا اندیشہ تھا حضرت علیؓ نے کبھی حضرت ابو بکرؓ کے خلاف زبان نہ کھولی۔ جب بھی کوئی بات کہی آپ کی نفضیلت کے اقرار سے کہی۔

تشہد علی فعظم حق ابی بکر وحدث انه لم یحمله علی الذی صنع نفاسة علی ابی بکر ولا انکار للذی فضله به ولکنا کنا نری فی ھذا الامر نصیباً واستبد علینا فوجدنا فی انفسنا۔[1]

ترجمہ: حضرت علیؓ نے کلمہ شہادت پڑھا اور حضرت ابو بکرؓ کے مرتبہ کی عظمت بیان کی اور کہا کہ آپ نے (حضرت علیؓ نے) جو کچھ کیا (بیعت میں تاخیر وغیرہ) اس لیے نہیں کہ ابو بکرؓ سے کوئی مقابلہ مقصود تھا اور نہ ان کے اس مرتبہ کا انکار تھا جو اللہ نے آپکو دیا ہے۔ لیکن ہم (بنو ہاشم) اپنا بھی اس فیصلہ میں ایک حصہ سمجھتے تھے اور ہم پہ (ہمیں نہ بلا کر) ایک زیادتی کی گئی سو ہم نے اسے محسوس کیا تھا۔

آپ نے نمازیں جس طرح حضورؐ کی بیماری کے دنوں میں ان کے پیچھے پڑھیں ان کے دورِ خلافت میں بھی ان کے پیچھے نمازیں پڑھتے رہے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنی بیوی اسماء بنت عمیسؓ کو حضرت فاطمۃ الزہراءؓ کی تیمارداری کے لیے بھیجا۔ حضرت علیؓ حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں ان کے مشیر رہے اور جمعہ کی نماز ان ہی کے پیچھے پڑھتے رہے۔ حضرت حسنؓ محاصرے کے وقت حضرت عثمانؓ کے پہرے دار رہے اور حضرت علیؓ نے حضرت معاویہؓ

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۰۹

کے مومن ہونے کی کھلی شہادت دی اور فرمایا ہم ان سے ایمان میں زیادہ نہیں نہ وہ ہم سے ایمان میں زیادہ ہیں۔ الامر واحد۔ معاملہ ایک جیسا ہے۔

حضرت عمرؓ نے صحابہؓ سے فرمایا دیکھنا غلطی سے بچنا۔ لوگ تمہاری غلطیوں کو بھی اپنا دین بنالیں گے۔ آپ نے حضرت طلحہؓ کو اس سے روکا کہ احرام میں وہ رنگدار چادر پہنیں آپ نے کہا:۔

فقال عمر انکم ایھا الرھط ائمة یقتدی بکم الناس فلو ان رجلاً جاھلاً رای هذا الثوب لقال ان طلحة بن عبید الله قد کان یلبس الثیاب المصبغة فی الاحرام فلا تلبسوا ایھا الرھط شیئاً من هذا الثیاب المصبغة۔[1]

ترجمہ۔ حضرت عمرؓ نے کہا تم لوگ پیشوا ہو لوگ تمہاری پیروی میں چلیں گے اگر کوئی عام آدمی (جو اس رنگ سے واقف نہ ہو) اسے دیکھے تو وہ کہے گا کہ طلحہ بن عبید اللہؓ احرام میں رنگ دار کپڑے پہن لیتے تھے۔ سو تم رنگین کپڑوں سے کچھ بھی حالتِ احرام میں نہ پہنو۔

اس سے پتہ چلا کہ صحابی تو دوسرے صحابی پر کسی بات میں جرح کرسکتا ہے۔ ایک دوسرے کو وہ جوش میں کوئی بات کہہ بھی دیں تو اسی طرح سمجھو جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت ہارونؑ کے گلے پڑے لیکن صحابہؓ کے بعد کے لوگوں کے لیے یہ سب ائمہ اور پیشوا ہیں لوگوں میں سے کوئی ان پر کسی قسم کا اعتراض کرے تو وہ شخص جاہل شمار ہوگا۔ کسی ایک صحابی کی پیروی سے وہ دوسرے صحابہ کا مخالف شمار نہ ہوگا۔ سب اپنی جگہ ستارے ہیں۔ لیکن روشنی ہر ایک کی اپنی اپنی ہے۔

حضرت علیؓ مرتضیٰؓ نے تو تحفظ ناموس صحابہؓ میں حضرت امیر معاویہؓ تک کے بارے میں کہا کہ انہیں برا نہ کہو۔ سبِ صحابہ کی راہ کہیں کھلنے نہ پائے۔

---

[1] موطا امام مالک صہ ۱۳۳

راشدینؓ کے بعد اُمت میں تحفظ ناموس صحابہؓ کا عمل

صحابہؓ کے پیرو مختلف سمتوں میں بھی چلے اور ان میں بڑے بڑے فقہی اختلافات بھی ہوئے مگر امت نے ان سب کو گوارا کیا اور اپنے میں امن قائم رکھنے کے لیے تحفظ ناموس صحابہ پر اسی طرح عمل پیرا رہے جیسا کہ قرآن کریم اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شاہراہ قائم کی تھی۔

امام مالکؒ نے تو یہاں تک فرمایا کہ جس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہؓ سے دل میں بھی کوئی بوجھ رکھا وہ اسلام سے نکل گیا۔

ومن ھذہ الآیۃ انتزع الامام مالک فی روایۃ عنہ بتکفیر الروافض الذین یبغضون الصحابۃ رضی اللہ عنہم قال لانہم یغیظونہم ومن غاظ الصحابۃ رضی اللہ عنہم فھو کافر ووافقہ طائفۃ من العلماء رضی اللہ عنہم علی ذلک والاحادیث فی فضل الصحابۃ والنھی من التعرض بمساویہم کثیرۃ ویکفیہم ثناء اللہ علیہم ورضاء عنہم۔[1]

قرآن نے ان مومنین کی راہ کے خلاف چلنے والوں کو جہنم پہنچنے کی خبر دی ہے:۔

ویتبع غیر سبیل المؤمنین نولّہ ما تولّی ونصلہ جہنم وساءت مصیرًا۔

ترجمہ۔ اور وہ ان مومنین کی راہ کے سوا کسی اور راہ پر چلا ہم اس کو اسی طرف پھیر دیں گے جدھر وہ پھرا اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور بُرا ہے وہ ٹھکانہ۔ (النساء ۱۱۵)

راہ ہدایت کے لیے صرف سبیل رسول شرط نہیں سبیل المومنین کو بھی ساتھ لینا ہے۔

اور امام شافعیؒ نے مشاجرات صحابہ میں یہ فیصلہ دیا:۔

تلک دماء طھر اللہ عنھا ایدینا فلنطھر عنھا السنتنا۔[2]

ترجمہ۔ یہ وہ خون تھے کہ اللہ نے ہمارے ہاتھوں کو ان سے بچائے رکھا سو ہم اپنی زبانوں کو بھی ان خونریز اختلافات سے بچائے رکھیں گے۔

امام ابو جعفر الطحاوی (۳۲۸ھ) بھی لکھتے ہیں:۔

ونحب اصحاب رسول اللہ ولا نفرط فی حب احد منھم ولا نتبرأ من احد منھم ونبغض من یبغضھم بغیر الخیر یذکرھم ولا نذکرھم الا بخیر وحبھم دین وایمان واحسان وبغضھم کفر ونفاق وطغیان۔[3]

---

[1] تفسیر ابن کثیر جلد ۴ صفحہ ۲۰۵ [2] شرح مواقف جلد ۱ صفحہ ۲۴۵ [3] عقیدہ طحاویہ

سب ائمہ کہتے ہیں کہ صحابہ کے بارے میں کلمہ خیر کے سوا ہر بات سے زبان بند رکھی جائے
اس کا حاصل اس کے سوا کیا ہے کہ صحابہ کی بے ادبی میں مومن کی زبان کبھی نہ کھلے۔
صحابہؓ سے کوئی عمل ان کی شان کے خلاف صادر ہو تو اس کی تنقیح یا تاویل کی جائے
گی۔ انہیں اعتماد کی سطح سے گرایا نہ جائے گا۔ صحابہؓ دینِ اسلام کو آگے نقل کرنے میں جرح
سے بالا اور سب اہل ملت پر حجت سمجھے گئے ہیں۔ ان کی مدح و ثنا کا اقرار اس امت میں
تسلسل سے چلا ہے۔ سو اس قدر مشترک کا تحفظ اس طرح سے رہ سکتا ہے کہ ان پر کسی قسم
کی جرح سے زبان اور قلم کو روکا جائے۔

۱۔ حافظ ابو زرعہ رازی (۲۶۴ھ) لکھتے ہیں :۔

واذا رأیت الرجل ینتقص احداً من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاعلم انہ زندیق۔۔۔ وھؤلاء یریدون ان یجرحوا شھودنا لان یبطلوا الکتاب والسنۃ والجرح بھم اولٰی وھم زنادقۃ۔[1]

ترجمہ۔ تم جب کسی شخص کو دیکھو کہ وہ حضور اکرمؐ کے صحابہؓ میں سے کسی ایک کی بھی تنقیص کر رہا ہے تو جان لو کہ وہ زندیق ہے (ملحد ہے)۔۔۔۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ ہمارے (دین کے) گواہوں پر جرح کر کے کتاب و سنّت کو اڑا کر رکھ دیں یہ لوگ خود جرح کے زیادہ لائق ہیں اور یہ سب کے سب زندیق ہیں۔

۲۔ حافظ ابن عبد البر مالکیؒ (۴۶۳ھ) سب صحابہؓ کے بارے میں یہ دو باتیں کہتے ہیں :۔

فھو خیر القرون وخیر امۃ اخرجت للناس ثبتت عدالۃ جمیعھم بثناء اللہ عزوجل علیھم۔[2]

ترجمہ۔ صحابہ کرامؓ بہترین دور کے لوگ ہیں اور بہترین امت ہیں جو سب لوگوں کے رہنما ٹھہرے ان سب کا عادل ہونا اس طرح ثابت ہے کہ اللہ ان سب کی ثنا کی ہے۔

اور یہ بھی کہتے ہیں :۔

انما وضع اللہ عزوجل اصحاب رسولہ الموضع الذین وضعھم فیہ بثنائہ علیھم من العدالۃ والدین والامامۃ لتقوم الحجۃ علی جمیع اھل الملۃ بما ادوہ

---

[1] الاصابہ ص۱۱ [2] الاستیعاب جلد ۱ ص۲

عن نبیہم من فریضۃ و سنۃ۔ [1]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے اصحاب کو کس مقام پر رکھا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ان کی عدالت کی دیانت کی اور امانت کی خود ثنا کی ہے تاکہ تمام ارباب ملل پر (دین کی) حجت قائم ہوجائے ان کے اپنے نبی سے فرائض و سنن کے روایت کرتے ہیں۔

۳۔ حافظ خطیب بغدادی (۴۶۳ھ) الکفایہ میں لکھتے ہیں:۔

جمیع ذلک یقتضی القطع بتعدیلھم ولا یحتاج احد منھم مع تعدیل اللہ و رسولہ الی تعدیل احد من الخلق۔ [2]

ترجمہ۔ ان سب امور کا تقاضا ہے کہ صحابہ کی تعدیل قطعی درجے میں تسلیم کی جائے اور ان میں سے کوئی اللہ اور اس کے رسول برحق کی تعدیل پالنے سے دوسرے لوگوں میں سے کسی کا تعدیل کا محتاج نہیں ہے۔

۴۔ ابو منصور البغدادی (ھ) لکھتے ہیں:۔

واما معاویۃ رضی اللہ عنہ فھو من العدول الفضلاء والصحابۃ الاخیار والحروب التی جرت بینھم کانت لکل طائفۃ شبھۃ اعتقدت تصویب نفسھا بسببھا وکلھم متاولون فی حروبھم ولم یخرج احد منھم من العدالۃ لانھم مجتھدون [3]

ترجمہ۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ عادل فاضل اور اخیار صحابہ میں سے ہیں اور صحابہ میں جو جنگیں ہوئیں وہ اس طرح ہوئیں کہ ان میں سے ہر ایک گروہ ایک شبے میں گھرا تھا جس میں وہ اپنے آپکو اجتہاداً حق پر سمجھتا تھا اور اس طرح سب اپنی اپنی جنگوں میں مقام تاویل پر تھے اور اس طرح ان میں سے کوئی اپنے مقام عدالت سے نہیں گرتا وہ سب کے سب ان اختلافات میں مقام اجتہاد میں تھے۔

۵۔ حافظ ابن عساکر (۵۷۱ھ) خلفاء راشدین کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:۔

فھولاء الائمۃ بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وخلافتھم خلافۃ النبوۃ ونشھد للعشرۃ بالجنۃ الذین شھد لھم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ونتولی سائر اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ونکف عما شجر بینھم

---

[1] الاستیعاب جلد ا ص [2] منقول از الاصابہ جلد ا ص ۱۱

ونذين الله ان الائمة الاربعة راشدون مهديون فضلاء لايوازيهم
فی الفضل غيرهم ونصدق بجميع الروايات التی ثبتت عند اهل النقل۔ [۱]

ترجمہ۔ سو یہ حضرات حضور اکرمؐ کے بعد امت کے امام ہیں اور ان کی خلافت خلافۃ النبوۃ ہے اور ہم ان دس حضرات کے لیے جنت کی شہادت دیتے ہیں جن کے لیے حضورؐ نے جنت کی بشارت دی ہے اور ہم تمام صحابہؓ سے دوستی رکھتے ہیں اور ان میں جو اختلاف ہوئے ہم ان سے زبان بند رکھتے ہیں اور ہم اللہ کو اس پہ گواہ لاتے ہیں کہ یہ چاروں حضرات راشد و ہدایت پہ رہے علم و فضل میں یہ ایسے ہیں کہ کوئی ان کے برابر نہیں اترتا اور ہم ان تمام روایات کی تصدیق کرتے ہیں جنہیں محدثین (اہل نقل) نے ثابت فرمایا ہے۔

۶۔ حافظ ابن اثیر الجزری (۶۳۰ھ) لکھتے ہیں۔

والصحابۃ یشارکون سائر الرواۃ فی جمیع ذلك الا فی الجرح والتعدیل فانهم کلهم عدول لا یتطرق الیهم الجرح لان الله تعالیٰ عزوجل زکاهم وعدلهم۔ [۲]

ترجمہ۔ اور صحابہ دوسرے سب راویوں کے ساتھ ان امور میں شریک ہیں ماسوائے جرح و تعدیل کے کیونکہ وہ سارے کے سارے عادل ہیں جرح ان کی طرف راہ نہیں پاتی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں جرح سے بالا رکھا ہے اور ان کی تعدیل کی ہے۔

۷۔ علامہ سعد الدین تفتازانی (۷۹۱ھ) لکھتے ہیں۔

مما روی فی الحدیث الصحیحۃ من مناقبهم ووجوب الکف عن الطعن فیهم لقوله علیه السلام اکرموا اصحابی فانهم خیارکم الحدیث ولقوله علیه السلام لا تتخذوهم غرضًا من بعدی۔ [۳]

ترجمہ۔ احادیث صحیحہ میں صحابہ کے جو مناقب مروی ہیں ان کی رو سے ان پہ کسی طعن کی زبان کو روکے رکھنا واجب ہے حضور کا صحابہ کے بارے میں ارشاد ہے میرے صحابہ کی عزت کرنا بے شک تم میں سے بہترین ہیں اور حضور کا یہ بھی ارشاد ہے کہ میرے بعد صحابہ کو کسی اعتراض کا نشانہ نہ بنانا۔

[۱] ابن عساکر صفحہ ۱۶۰/۱۶۱ [۲] اسد الغابہ جلد ۱ صفحہ ۳ [۳] شرح عقائد نسفی صفحہ — مرقات جلد ۵ صفحہ ۵۱۷

صحابہ پر طعن کبھی تو اس درجہ میں ہوتا ہے کہ کفر تک پہنچتا ہے. جیسا کہ کوئی حضرت عائشہ رضہ پر تہمت لگائے. ائمہ مجتہدین اور علماء صالحین میں سے کسی نے حضرت معاویہ رضہ اور ان کے احزاب پر لعنت کی اجازت نہیں دی.

شرح عقائد کی شرح النبراس میں ہے :.

والطعن فیهم ان کان مما یخالف الادلة القطعیة فکفر کقذف عائشة رضی الله عنها . . . وبالجملة لم ینقل عن السلف المجتهدین والعلماء الصالحین جواز اللعن علی معاویة واحزابه.[1]

ترجمہ. اور صحابہ میں سے کسی پر کوئی طعن کرنا اگر دلائل قطعیہ کے خلاف ہو تو یہ کفر ہے جیسا کہ حضرت عائشہ رضہ پر تہمت لگانا اور سلف صالحین اور ائمہ مجتہدین میں سے کسی سے حضرت معاویہ رضہ اور ان کے احباب پر لعنت کہنے کا جواز منقول نہیں ہے.

۸. حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ ھ) لکھتے ہیں :.

اتفق اهل السنة علی ان الجمیع عدول ولم یخالف فی ذلك الا شذ وذ من المبتدعة.[2]

ترجمہ. تمام اہل سنت اس پر اتفاق رکھتے ہیں کہ صحابہ سب کے سب عادل ہیں اور اس میں کسی نے اختلاف نہیں کیا سوائے چند مبتدعین کے ۔ سو ان میں سے کسی پر کوئی جرح نہ کی جائے یہ گواہ کسی طرح مجروح نہ ہو پائیں.

حافظ ابن حجر نے صحابہ رضہ پر جرح کرنے کو بدعتیوں کا نشان بتایا ہے. سو آج بھی جو اُن پر جرح کریں ان کے بدعتی ہونے میں کوئی شک نہ ہونا چاہیئے.

۹۔ حافظ ابن ہمام الاسکندری (۸۶۱ ھ) لکھتے ہیں :۔

واعتقاد اهل السنة والجماعة تزکیة جمیع الصحابة رضی الله عنهم وجوبًا باثبات العدالة لکل منهم والکف عن الطعن فیهم والثناء علیهم کما اثنی الله سبحانه وتعالی علیهم.[3]

---

[1] النبراس ص۔ [2] الاصابہ جلد ۱ صد ۱۰ [3] المسایرہ ص ۱۳۰

ترجمہ: عقائد اہل سنت میں سے ہے کہ تمام صحابہ ضروری طور پر تزکیہ یافتہ مانے جائیں کیونکہ ان میں سے ہر ایک کا عادل ہونا ثابت ہے اور ان پر کسی قسم کا طعن کرنے سے رکنا اور ان کی ثناخوانی کرتے رہنا جیسا کہ اللہ نے ان کی قرآن میں ثنا کی ہے لازم ہے۔

۱۰۔ بحرالعلوم ملا محمد عبدالعلی لکھنوی (۱۲۲۵ھ) بھی لکھتے ہیں:۔

واعلم ان عدالۃ الصحابۃ الداخلین فی بیعۃ الرضوان والبدریین کلھم مقطوع العدالۃ لایلیق لمؤمن ان یمترأ فیھا۔۔۔ والواجب علینا ان نکف عن ذکرھم الا بخیر۔[1]

ترجمہ: اور جان لو کہ وہ صحابہ جو بیعت رضوان میں شامل تھے اور جو بدری صحابہؓ ہیں یہ سب قطعی طور پر عادل ہیں کسی مومن کے لائق نہیں کہ وہ اس میں کسی طرح کا کوئی شک کرے۔۔۔ ہم پر لازم ہے کہ ہم ان کے بارے میں سوائے ان کی مدح و ثنا کے ہر طرح سے زبان بند رکھیں۔

علماء حق تاریخ کے ہر دور میں صحابہ کا تزکیہ ان کی عدالت و دیانت اور ان کا ہر جرح سے بالا ہونا اس کثرت سے بیان کرتے آئے ہیں اس پر تمام اکابرین امت کا صدیوں وار اجماع قائم رہا ہے۔ اب کسی کی مجال نہیں کہ وہ اس اجماع سے نکلے اور کسی صحابی پر وہ جرأت کی زبان کھولے۔ اعاذنا اللہ منہا۔

سلف صالحین نے تحفظ ناموس صحابہ کو اصول بنا کر امت میں امن قائم رکھا حکومتیں اپنے اپنے ادوار میں اس اصول پر عمل پیرا رہیں۔ اثنا عشریوں کو اگر کبھی صحابہ کے خلاف لکھنا ہوتا تو انہیں انگریزی دور میں بھی سرکتاب لکھنا پڑتا کہ سنی حضرات اس کتاب کو مطالعہ نہ فرمائیں کیونکہ اس کے ساتھ امت مسلمہ میں کسی طرح امن قائم نہ رہ سکے گا۔

اس امت کے ایک امت دکھائی دینے اور سمجھا جانے کے لیے ضروری تھا کہ برصغیر پاک و ہند میں شروع سے ہی سلف صالحین کا پاس کردہ بل تحفظ ناموس صحابہ نافذ کر دیا جائے اور کسی کو صحابہ کرام پر کسی جرح کی اجازت نہ ہو۔ مگر افسوس کہ جب مشرقی پاکستان کے مولانا راغب حسن اور مغربی پاکستان کے مولانا محمد ابراہیم میر نے احتفال الجمہور فی بلد لاہور میں اسے پیش کرنا چاہا تو انہی دنوں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے اس بیان نے صحابہ پر جرح کرنے کی رسی اور دراز کر دی۔

---

[1] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت جلد ۲ ص ۱۵۶

مولانا ابو الاعلیٰ مودودی نے لکھا:۔

حضرت عثمان غنی رضؓ کی پالیسی کا یہ پہلو بلاشبہ غلط تھا اور غلط کام بہرحال غلط ہے خواہ وہ کسی نے کیا ہو۔ اس کو خواہ مخواہ کی سخن سازیوں سے صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرنا نہ عقل و انصاف کا تقاضا ہے اور نہ دین ہی کا یہ مطالبہ ہے کہ کسی صحابی کی غلطی کو غلطی نہ مانا جائے۔ [1]

اس عبارت میں یہ الفاظ "یہ پہلو بلاشبہ غلط تھا" غور طلب ہیں۔ یہ سر اس احتمال کی تردید کرتے ہیں کہ کوئی اسے ان کی اجتہادی غلطی کہہ سکے۔ مودودی صاحب نے اس میں ہر شبہے کی خود نفی کردی ہے۔ اس کے برعکس محدثین سب اسی اصول پر کاربند رہے ہیں کہ صحابہ رضؓ ہر قسم کی جرح سے بالا ہیں۔

اسماء الرجال کی کتابیں جرح و تعدیل سے بھری پڑی ہیں اور صدیوں سے اس موضوع پر علماء کرام کام کرتے چلے آرہے ہیں لیکن مجال ہے کہ انہوں نے صحابہ پر جرح کرنے کا گوشہ کہیں نرم رکھا ہو۔ سب بالاتفاق کہتے رہے کہ جرح ان کی طرف راہ نہیں پاتی۔

افسوس کہ مودودی صاحب کے بیان پر ان کے حلقہ کے کسی شخص نے انگلی تک نہ اٹھائی۔ کیونکہ ان کا یہ بیان جماعت کے دستور کی اس دفعہ کے تحت نہایت زود ہضم تھا۔

رسول خدا کے سوا کسی انسان کو معیار حق نہ بنائے۔ کسی کو تنقید سے بالا نہ سمجھے۔ کسی کی ذہنی غلامی میں مبتلا نہ ہو۔ [2]

سواس بل کو نظر انداز کردیا گیا پھر نتیجہ یہ رہا کہ پاکستان میں صحابہ کرام رضؓ پر سب و شتم کی زبانیں کھلیں اور جرح کے قلم بے محابا چلے یہاں تک کہ اس حساس مسئلے پر خون کی ندیاں بہہ گئیں۔ ہزاروں بے گناہ اس میں شدید مظالم کا شکار ہوئے۔ مساجد بھی اس ظلم و تعدی سے نہ بچ سکیں۔

ملک میں فرقہ وارانہ امن اب بھی قائم ہوتا نظر نہیں ہوتا۔ ضرورت ہے کہ ہماری قومی اسمبلی مسلمانوں کے اس دس صدیوں کے پاس کردہ بل تحفظ ناموس صحابہ رضؓ کو پھر سے پاس کرے اور افسران انتظامیہ پوری نیک نیتی سے اس کو نافذ کریں اور جو پولیس افسر خود تحفظ ناموس

---

[1] خلافت و ملوکیت ص ۱۱۶ [2] دستور جماعت اسلامی ص ۱۴۱

صحابہؓ کے قائل نہ ہوں ملک میں قیام امن کی ذمہ داری انہیں کہیں نہ سونپی جائے۔ دو عملی کسی قوم اور کسی ملک کے لیے مفید نہیں ہوتی۔ تاہم امن کی ضرورت سے کسی جہت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

جو حکومت ظالم و مظلوم میں فرق نہ کر سکے اور ہر دو فریق کو اپنے اپنے طور پر صبر اور برداشت کی تلقین کرے وہ کبھی مستقل بنیادوں پر قیام امن نہیں کر پاتی۔ پر امن ملک چلانے میں وہ کبھی کامیاب نہیں ہوتی۔ عوام کی خیر خواہی اسی میں ہے کہ قومی اسمبلی قانون پاس کرے کہ اس ملک میں کسی کو صحابہؓ کے خلاف کسی طنز اور طعن کی اجازت نہ ہو۔ اس کا خلاف کرنا قابل دست اندازی پولیس جرم شمار ہو۔ سواد اعظم کو چاہیئے کہ وہ اس قانون کے تحفظ میں حکومت کا پورا ساتھ دیں۔ جہاں یہ جرم ہو رہا ہو اس پر قومی شہادتیں محفوظ کریں اور عوام کو اس پر خود ایکشن لینے سے روکیں۔ قانون شکنی کی کسی طرح اجازت نہ دیں حکومت اس حساس مسئلے پر اگر کوئی جرأت مندانہ فیصلہ نہیں کرتی تو پھر عوام کے ایمانی جوش کو دبانا بہت خطرناک ہو سکتا ہے۔ اندیشہ ہے کہ عوام قانون کو پھر اپنے ہاتھ میں نہ لے لیں۔ کوئی بھی حکومت جو دل سے ملک میں امن چاہتی ہو وہ تحفظ ناموس صحابہؓ کے جرأت مندانہ مثبت فیصلے سے یقیناً اس میں کامیاب ہو سکتی ہے۔

انگریزی عملداری میں ماتمی جلوس صرف انہی آبادیوں سے گزر سکتے تھے جہاں کے سُنی مسلمان ان کی اجازت دیں اور اس اجازت پر ہی ماتمی جلوسوں کا لائسنس جاری ہوتا تھا۔ علاقے کے شیعہ لوگوں کو بھی اس کی پوری فکر رہتی کہ وہ اس علاقے کے سُنی مسلمانوں کا اعتماد حاصل کریں اور پھر ہر دو سال کے بعد اس لائسنس کی انہی بنیادوں پر تجدید ہوتی تھی۔

مشترکہ آبادی کے لیے وہاں ماتمی جلوس نکالنے کے لیے فریقین کی رضامندی یہ وہ شرط ہے جس سے فرقہ وارانہ امن کبھی مجروح نہیں ہوتا۔ تحفظ ناموسِ صحابہؓ کی صدا اسلام میں صدیوں سے چلی آ رہی ہے۔ ممبرانِ اسمبلی اسے بالاتفاق پاس کر کے آج بھی ملک کے فرقہ وارانہ امن کے لیے ایک بڑی قومی بنیاد فراہم کر سکتے ہیں۔

پنجاب کی خانقاہ گولڑہ شریف سے بھی بل تحفظ ناموس صحابہؓ کی حمایت لیجئے:۔

لڑائی جھگڑے جو صحابہ میں واقع ہوئے جیسے جمل اور صفین ان کو نیک وجہ پر محمول کرنا چاہیئے اور تعصب سے دور رہنا چاہیئے۔ کیونکہ ان بزرگوں

کے نفوس حضرت خیر البشر کی صحبت میں ہوا و ہوس سے پاک اور حرص
وکینہ سے صاف ہو چکے تھے اگر ان میں صلح تھی تو حق کے لیے تھی اور
اگر لڑائی جھگڑا تھا تو حق کے لیے تھا. ہر ایک گروہ نے اپنے اپنے
اجتہاد کے موافق عمل کیا. لہ

اگر ہمارے ممبران اسمبلی خلوصِ دل سے گولڑہ شریف کی یہ آواز بطور بل پاس کریں تو ان کی یہ کوشش پاکستان میں فرقہ وارانہ امن قائم کرنے میں ایک سنگِ میل ثابت ہوگی اور اس میں یہ حضرات آخرت میں بھی تحفظ پاکستان کی ایک اہم کاوش کا اجر پائیں گے.

اثنا عشری شیعہ خود بھی اہل سنّت کا یہی موقف نقل کرتے ہیں کہ ان پر کوئی جرح نہ کی جائے. شیعہ حضرات اگر اس موقف سے اعتقاداً متفق نہ ہوں تو صلحاً ہی وہ اس بل تحفظ ناموسِ صحابہؓ سے اتفاق کرلیں. ملتِ اسلامی میں بہتر فضا پیدا کرنے کے لیے اور فرقہ وارانہ ناخوشگواری سے بچنے کے لیے شیعہ کو بھی چاہیئے کہ وہ اس بل کو پاس کرنے میں اہل سنّت ممبران کا پورا ساتھ دیں. پاکستان کو اس وقت فرقہ وارانہ اتحاد کی ضرورت ہے. کسی اقلیت کو نہ چاہیئے کہ اپنے کسی جزدی اختلاف سے کسی بڑی اکثریت کو زخمی دل رکھے کھلے کفار کے مقابلے میں بنیان مرصوص بننے والے اپنے جزدی اختلاف کو وہ کتنا اصولی درجے میں کیوں نہ ہو قربان کر کے چلتے ہیں.

الجزائر کے ایک یونیورسٹی پروفیسر جناب حامد حنفی نے صحابہؓ کے بارے میں اہلسنت کا یہ موقف نقل کیا ہے پاکستان کے شیعہ مصنف بشیر حسین بخاری نے اسے اپنی کتاب معیارِ صحابیت میں جگہ دی ہے اور کہیں اس سے اختلاف نہیں کیا کہ یہ سب اہل سنّت کی متفقہ رائے نہیں ہے.

جب یہ رائے تمام اہل سنّت کی متفقہ رائے ہے تو شیعہ حضرات کو بھی چاہیئے کہ وہ پاکستان میں فرقہ وارانہ امن قائم کرنے کے لیے اس بل تحفظ ناموسِ صحابہؓ کی حمایت میں خود پیشقدمی کریں. اگر ان میں اتنی عالی حوصلگی نہیں تو کم از کم یہ ہونا چاہیئے کہ وہ کہیں اس کی مخالفت نہ کریں.

لہ سہ ماہی طلوع مہر آستانہ عالیہ گولڑہ شریف ص۵۸

پروفیسر حامد حفنی الجزائری نے اپنے ایک شیعہ دوست کی استدعا پر صحابہؓ کے بارے میں اہلسنت کی یہ متفقہ رائے ان لفظوں میں نقل کی ہے اب دوسروں کے لیے کوئی چارۂ کار نہیں رہتا کہ پاکستان کے وسیع تر منصوبۂ امن کے لیے وہ اپنی ہر کروٹ پر اس کا لحاظ رکھیں۔

"مجھے اس نازک موضوع پر لکھنے کی جسارت اس وقت ہوئی جب میرے ایک عراقی دوست نے اس موضوع پر کتاب لکھ کر مجھ سے دیباچہ لکھنے کی استدعا کی" اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کل کے کل عادل ہیں اور عدالت میں سب برابر کے حصہ دار ہیں۔ اگرچہ درجات عدالت میں ان کے مابین باہمی تفاوت موجود ہے صحابیؓ کو کافر قرار دینے والا خود کافر ہے اور صحابی کو فاسق کہنے والا خود فاسق ہے اور صحابی پر طعن و تشنیع کرنے والا خود رسول پر طعن و تشنیع کرنے والا ہے جو کہ کفر و زندیقی کے مترادف ہے۔ اکابر اہل سنت کی رائے یہ ہے کہ حضرت علیؓ اور معاویہؓ کے مابین تاریخی معرکوں کے متعلق لب کشائی نہ کی جائے۔ کیونکہ کچھ صحابہؓ ایسے ہیں جنہوں نے اجتہاد کیا اور درست کارنامے سرانجام دیئے۔ مثلاً حضرت علیؓ اور ان کے انصار و تابعین۔ اور کچھ ایسے تھے جنہوں نے اجتہاد کیا اور خطا کی مثلاً معاویہؓ اور حضرت عائشہؓ اہل سنت کی نظر میں ان واقعات اور ان شخصیات پر کوئی حکم لگانے کی بجائے توقف اختیار کیا جائے اور کسی کی برائی نہ کی جائے۔ اس وجہ سے ان کے نزدیک معاویہؓ پر سب کرنا بھی منع ہے محض اس لیے کہ وہ صحابی تھے اور اس سے بھی زیادہ حضرت عائشہؓ کے خلاف لب کشائی کرنا منع ہے.....

اس سلسلہ میں حسن بصری (۱۱۰ھ) کا قول مشہور ہے کہ یہ ایسے خون تھے جن سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں کو ملوث ہونے سے محفوظ رکھا تو ہمیں ان زبانوں کو بھی ان سے ملوث کرنے سے گریز کرنا چاہیئے"۔[1]

اب کوئی بدبخت سے بدبخت انسان بھی یہ کہنے کی جرأت نہ کر سکے گا کہ یہ بل کل اہل سنت کی متفقہ آواز نہیں ہے۔

نوٹ: پروفیسر حفنی نے حضرت ام المومنینؓ کے بارے میں اجتہادی خطا کی نسبت کی ہے ہم اس سے اتفاق نہیں کر سکتے۔ حضرت ام المومنینؓ حضرت علیؓ سے جنگ

---

[1] معیار صحابیت از بشیر حسین بخاری از سرگودھا ص۱۵، ص۱۶

کرنے نہ نکلی تھیں وہ ماں ہونے کی نسبت سے حضرت علیؓ اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ میں صلح کروانے نکلی تھیں اور اس میں بے شک وہ کامیاب رہیں۔ حضرت طلحہؓ و زبیرؓ دونوں حضرت علیؓ کی مخالفت سے کنارہ کش ہو گئے۔ یہ سبائیوں کی شرارت تھی جس نے اس تقاضائے مصالحت کو میدانِ جنگ بنا دیا۔

ہم حقنی صاحب کی اس رائے سے بھی اتفاق نہیں کرتے کہ اس حادثہ جمل میں ہم کوئی رائے قائم نہ کریں توقف کریں۔ حضرت علیؓ نے اس میں توقف نہیں کیا۔ آپ نے علی الاعلان کہا:۔

ولها بعد حرمتها الاولیٰ۔ [۱]

اب کے بعد بھی آپ کی عزت و حرمت وہی ہے جو پہلے تھی۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ ارادۂ جنگ سے نہ آئی ہوں۔ تاہم آپ اس پر بھی افسوس کرتی تھیں کہ کاش آپ اس مہم پر نہ نکلتیں اور اس پر آپ کے آنسو تھمتے نہ تھے۔ آپ کا یہ احساس بھی صرف آپ کی کسرِ نفسی اور نرم دلی کی وجہ سے تھا۔

تاہم اگر کسی کے دل میں اس کے خلاف کوئی کھٹکا گزرے تو اسے اس سے زبان روکنے کا حکم ہے۔ ہو سکتا ہے پروفیسر حقنی صاحب نے بھی اسی خیال سے یہاں آپ کا ذکر کیا ہو۔ فعفی اللہ عنہ۔

تحفظ ناموسِ صحابہؓ کی یہ ایک ہی راہ ہے جو صدیوں سے زبان زد عام و خاص چلی آرہی ہے۔ امام نجم الدین عمر النسفی نے عقائد نسفی اس طرح پیش کیا ہے:۔

ویکف عن ذکر الصحابة الا بخیر۔ [۲]

ترجمہ: صحابہؓ کے ذکر میں کلمۂ خیر کہنے کے سوا ہر بات سے زبان کو بند رکھا جائے۔

قیامِ امن کے بعد انتشار کی باتوں کو دہرایا نہیں جاتا جب ہم سب نے یہاں مل کر رہنا ہے تو ہم ایک دوسرے کے جذبات کا احترام کیے بغیر ہم کبھی مستقل بنیادوں پر امن قائم نہ کر سکیں گے۔ چاہیئے کہ ہم اس بل کو ایک ملکی ضابطہ بنا لیں اور ہر سال فرقہ وارانہ ہم آہنگی پیدا کرنے میں حکومت کو جو اخراجات کرنے پڑتے ہیں ان کی ضرورت ہی نہ رہے دعا ہے کہ شیعہ ممبران اپنے اس ملک میں بہترین فضا پیدا کرنے کے لیے اس ملک کی اکثریت کا ساتھ دیں اور یہ ملک کا فرقہ وارانہ امن کا ایک مثالی گہوارہ بن جائے۔

---

[۱] نہج البلاغۃ جلد ۲ ص ۶۳ [۲] عقائد نسفی

کیا شیعہ شرف صحابیت کے قائل ہیں؟

انہوں نے ایک کتاب معیارِ صحابیت ابھی حال میں لکھی ہے اور اسے تقریباً تمام ممبران اسمبلی کے نام ارسال کیا ہے اس کا پیش لفظ محمد حسین سابق رئیس جامعۃ الثقلین ملتان نے لکھا ہے۔ اس میں ہے:۔

"صحابیت مذہبِ شیعہ میں یقیناً ایک عظیم شرف و فضیلت ہے"۔ اس مسئلے کی تحقیق مطلوب ہے کہ کیا واقعی شیعہ شرف، صحابیت کے قائل ہیں یا یہ بات انہوں نے از راہِ تقیہ کہی ہے؟

جواب۔ اس کتاب پر فدا حسین نقوی ناظم اعلیٰ مرکز تحقیقاتِ اسلامیہ سرگودھا کی تقریظ بھی ہے اس میں نقوی صاحب لکھتے ہیں:۔

صحابۂ رسول سب کے سب کامل الایمان نہ تھے خود قرآن کریم نے بھی منافق اور مطلب پرست صحابہ کی اچھی خاصی نشاندہی کر رکھی ہے۔

مکتبِ رسالت کے صحبت نشینوں میں مسلم بھی تھے اور مشرک بھی، مومن بھی تھے اور منافق بھی۔ لہذا ان سب کو اسی معیار کے مطابق تسلیم کرنا پڑے گا۔

پھر اس کتاب کا مصنف بھی یہی بات کہتا ہے:۔

ہم صحابیت کے سلسلہ میں ایمان و عمل صالحہ یعنی کتاب و سنّت کو معیار مانتے ہیں اور صحابہ کو بھی اسی میزان کے مطابق واجب الاکرام سمجھتے ہیں۔

ان تینوں عبارتوں پر غور کرنے سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ صحابیت مذہبِ شیعہ میں ہرگز کوئی شرفِ فضیلت نہیں۔ جب اس میں ان کے ہاں مشرک اور منافق سبھی آجاتے ہیں تو صحابیت اپنی ذات میں تو ہرگز کوئی شرف نہ ٹھہرا اور اگر ان میں فیصلہ پھر ایمان اور اعمالِ صالحہ پر ہی ہونا ہے تو وجہ شرف، ایمان اور اعمال قرار پائے نہ کہ صحابیت جو مشرکوں اور منافقوں کو بھی شامل ہے۔

یہ اسی طرح ہے جیسے ہم کہیں:۔

"جو انسان پیغمبروں پر ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے تو وہی جنت میں جائیں گے"

جب ہم یہ کہیں تو اس میں فضیلت ایمان اور اعمالِ صالحہ کی بیان ہوگی نہ کہ انسان کی کیونکہ یہ لفظ تو کافروں تک کو شامل سمجھا جاتا ہے۔

قرآن کریم میں جس طرح انسانوں کی تقسیم کافروں اور مومنوں میں کی گئی ہے۔ کہیں صحابہ کرامؓ کے عنوان سے ان کی مسلم و مشرک اور مومن و منافق میں تقسیم نہیں کی گئی:۔

هو الذی خلقکم فمنکم کافر ومنکم مومن والله بما تعملون بصیر۔

ترجمہ۔ اللہ وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا۔ سو تم میں کافر بھی ہیں اور مومن بھی اور اللہ تمہارے عملوں کو دیکھتا ہے۔

صحابہؓ کی تقسیم مہاجرین و انصار میں تو بتلائی گئی فتح مکہ سے پہلے ایمان لانے والوں اور بعد میں ایمان لانے والوں میں بھی فرق کیا گیا لیکن کہیں یہ نہیں کہا گیا کہ صحابہؓ میں مسلم و مشرک دونوں ہیں یا مومن و منافق سب ایک سے ہم نشینانِ پیغمبر ہیں۔ منافقوں کی جہاں بھی خبر دی گئی انہیں صحبت نشینانِ نبوت میں نہیں دکھلایا گیا۔ وہ اپنے ہاں سازشیں کرتے دکھلائے گئے۔ حضورؐ کی خدمت میں آئے تو ان کا آنا بتلایا گیا نہ انہیں کہیں حضورؐ کے صحبت نشینوں کا عنوان دیا گیا انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی صحبت میں لانا چاہا تو اللہ رب العزت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے ہاں جانے سے روک دیا:۔

والسابقون الاولون من المهاجرین والانصار والذین اتبعوهم باحسان رضی الله عنهم ورضوا عنه واعد لهم جنت تجری تحتها الانهار۔

(پ۱۱ التوبہ ۱۰۰)

اذا جاءک المنافقون قالوا نشهد انک لرسول الله۔ (پ۲۸ المنافقون ۱)

لا تقم فیه ابدا لمسجد اسس علی التقوی من اول یوم احق ان تقوم فیه فیه رجال یحبون ان یتطهروا۔ (پ۱۱ التوبہ ۱۰۸)

کتنی ہی آیات ہیں جو مشرکوں اور منافقوں کو حضورؐ کے ہم نشینوں میں بیٹھا نہیں بتلاتیں سو صحابہؓ ہرگز مسلم و مشرک اور مومن و منافق میں منقسم نہ تھے۔ سب صحابہؓ ایمان کی دولت پائے ہوئے تھے جو ایمان سے تہی دامن ہوں ہم کسی پیرائے میں بھی ان پر صحابہؓ کا اطلاق نہیں کرتے صحابہؓ وہ مومنین ہیں جن کو صحابیت کا شرف صرف صحبتِ رسول سے حاصل ہوا۔ یہ عزت ان کے اعمالِ صالحہ سے مرتب نہیں ہوئی جس نے بھی اس مقدس گروہ سے محبت کی وہ حضورؐ کی اس نسبت سے کی جو اسے حاصل ہوئی کسی عمل کے باعث نہیں۔ ان سے کوئی بھی خاص عمل سرزد نہ ہوتا تو بھی وہ شرفِ صحابیت رکھتے تھے۔ اولیاء کاملین میں کتنے ہی بڑے عاملین کیونکر نہ ہو گزرے ہوں کسی

صحابی کی گرد پا کو نہیں پہنچے. حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ،

الله الله فی اصحابی لا تتخذ وھم غرضاً من بعدی فمن احبھم فبحبی احبھم ومن ابغضھم فببغضی ابغضھم.

ترجمہ. میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا میرے بعد انہیں کسی اعتراض کا نشانہ نہ بنانا جس نے ان سے محبت کی وہ میری وجہ سے کی اور جس نے ان سے بغض رکھا وہ میرے سے بغض رکھتے ان سے بغض کیا.

صحابہؓ کی تقسیم اگر اچھے بُرے میں ہوتی تو آنحضرتؐ یہاں اسے ضرور ذکر فرما دیتے. آپ نے اس میں صحابہؓ کو ایک ہی فہرست میں جگہ دی ہے. زندگی بھر کسی مشرک اور منافق پر صحابی کا اطلاق نہیں فرمایا. سو شیعہ کی یہ سوچ کسی طرح درست نہیں کہ وہ ایک طرف صحابہ میں مسلم و مشرک کی تقسیم کریں اور پھر یہ بھی کہیں کہ صحابیت مذہب شیعہ میں ایک عظیم شرف اور فضیلت ہے. یہ بات تو خود اپنے آپ سے ٹکراؤ ہوگا. اگر کوئی شیعہ یہ بات کہتا ہے تو وہ از راہ تقیہ ایسا کہتا ہے ورنہ وہ صحابہ کی مومن اور منافق میں تقسیم نہ کرتا. اگر صحابیت کی فضیلت ان کے ایمان اور اعمالِ صالحہ سے ہو تو صحابیت پھر ایک تیسرے درجے میں جا ٹھہرے گی. اعاذنا الله منھا.

اور ایمان اور اعمال تو جہاں بھی پائے جائیں گے ان کی اپنی قدر ہوگی گو وہ اولیاء کرام میں ہی کیوں نہ ہو صحابیت تو ایک اعمال سے بہت آگے کی چیز ہے اس کے ثابت ہونے پر کسی کو کسی صحابی کے عمل پر بحث کا حق نہیں رہتا جس طرح بی اے پاس کسی شخص سے کسی کو میٹرک پاس ہونے کے ثبوت مانگنے کا اختیار نہیں رہتا.

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ،

دعوا لی اصحابی. میری خاطر میرے صحابی پر نکتہ چینی چھوڑ دو.

عیون الاخبار میں ہے کہ امام رضا سے پوچھا گیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم اور آپ کا فرمان کہ دعوا لی اصحابی. میری صحابیت کے عوض میرے صحابہ کی غلطی پر نکتہ چینی نہ کرو. کیا یہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں. آپ نے فرمایا. ہاں یہ دونوں صحیح ہیں.

وحدتِ دینی اور اتحادِ نوعی

جو ساتھی عملی زندگی میں ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھتے ہوں وہ ایک وحدتِ دینی میں سمجھے جاتے ہیں بخلاف اتحاد نوعی کے کہ اس میں ہم مجلس ہونا ضروری نہیں ایک نوع میں ہونا کافی ہے اتحادِ نوعی میں یہ سب ایک دوسرے کے ساتھی ہیں گو آپس میں ان کا عام بیٹھنا اٹھنا نہ ہو۔ قل انما انا بشر مثلکم میں اتحادِ نوعی میں ایک سا ہونا ہے یہ ایک دوسرے کا ہم نشین ہونا نہیں۔ ورنہ حضورؐ کو یہ حکم نہ دیا جاتا۔ فلا تقعد بعد الذکریٰ مع القوم الظالمین۔ آپ حق پا لینے کے بعد غلط لوگوں کے ساتھ کبھی نہ بیٹھیں۔ پھر اذ بعث فیھم رسولاً من انفسھم میں بھی اتحادِ نوعی کا بیان ہے۔ مابصاحبکم من جنۃ (پ۲۲ السبا۴) تمہارے اس صاحب میں کوئی جنون نہیں میں بھی اتحادِ نوعی میں صاحب ہونا مراد ہے۔ ماضل صاحبکم وما غویٰ (پ۲۷ النجم) میں بھی صاحبکم کا اطلاق اتحاد نوعی کی بنا پر ہے۔ وما صاحبکم بمجنون (پ۳۰ التکویر ۲۲) یہاں بھی صاحب سے مراد ابناء نوع میں رفیق ہونا ہے۔

ان سب مثالوں میں حضورؐ کو صاحب کہا گیا اور دوسری طرف تمام ابناء نوع ہیں اور جہاں وحدتِ دینی کی صحبت مراد ہوگی وہاں صاحب آپ کے ملنے والوں کو کہا گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سب کے مرکز ہیں، یہاں آپ پر صاحب یا صحابی کا اطلاق نہ ہو گا۔ حضورؐ خود مرکز ہیں اور اصحاب آپ کے گرد والے ہیں۔ ہاں اتحادِ نوعی میں آپ کو صاحب کہنے میں کوئی امر مانع نہیں ہے گو آپ کبھی ان کے ساتھ نہ بیٹھیں۔ وحدتِ دینی میں آپ شمع ہیں اور ارد گرد کے پروانے اصحاب ہیں اتحاد نوعی میں آپ ایک جزئی ہیں اور کل دنیا کے انسان ایک نوع ہیں جن کا آپس میں کہیں یا کبھی بیٹھنا ضروری نہیں۔

افسوس کہ شیعہ علماء ان دونوں میں فرق نہ کر پائے اور اتحاد نوعی کے مغالطہ میں انہوں نے سمجھ لیا کہ مسلمان اور مشرک ایک دوسرے کے ساتھی ہو سکتے ہیں اور ایک دوسرے کے صاحب کہلا سکتے ہیں۔ ان بزرگوں کی یہ سوچ صرف اس عقیدے کو توڑنے کے لیے ہے کہ اسلام میں شرفِ صحابیت بھی کوئی چیز ہے۔

فقہی پیرائے میں اصحاب سے مراد

قرآن وحدیث میں تو نہیں فقہی مباحث میں اصحاب کا لفظ ایک اور معنی میں بھی آتا ہے اپنے امام (جیسے امام ابوحنیفہ اور امام مالک ہوئے) ان کے شاگردوں کو اصحاب کہا جاتا ہے۔ امام ابویوسف اور امام محمد حضرت امام ابوحنیفہ کے اصحاب میں سے تھے۔ امام قاسم امام مالک کے اصحاب میں سرفہرست تھے۔ پھر فقہاء میں اصحاب التخریج اور اصحاب الترجیح کے بھی اپنے طبقات ہوئے۔ علماء فقہی مباحث میں انہیں اپنے مسلک کے اصحاب کے طور پر بھی ذکر کرتے ہیں۔ فقہ حنفی کی تاریخ میں امام ابوحنیفہ کے دوسرے اصحاب امام طحاوی (۳۲۸ھ) اور امام ابوالحسن کرخی (۳۴۰ھ) چوٹی کے فقیہ گزرے ہیں۔ امام ابوالحسن کرخی اپنے شاگردوں کو اور اپنے حلقہ کے علماء کو اپنے مذہب کی پختگی کا ایک یہ اصول بتلاتے ہیں۔

ان کل اٰیۃ تخالف قول اصحابنا فانہا تحمل علی النسخ۔

ترجمہ۔ قرآن کی ہر آیت جو ہمارے اصحاب کے قول کے خلاف دکھائی دے اسے نسخ پر محمول کیا جائے گا۔

یعنی یہ نہیں ہو سکتا کہ ہمارے فقہاء کوئی بات قرآن کے خلاف کہیں جو بات تمہیں خلاف نظر آئے تو سمجھو کہ وہ آیت کسی پہلے دور کا حکم ہو گا جسے بعد میں کسی دوسری آیت نے منسوخ کر دیا ہو جب تم اس آیت کے معارض دوسری آیات کو تلاش کرو تو تم اس بات کو پا لو گے کہ واقعی وہ پہلا حکم منسوخ ہو چکا تھا۔ ہمارے اصحاب قرآن کریم کے اتنا مطابق چلتے ہیں کہ مجال ہے کہ قرآن پاک کی کوئی آیت آخر تحقیق تک فقہ حنفی کے خلاف رہے۔ مذاہب اربعہ میں قرآن کے قریب سب سے زیادہ ہمارے اصحاب (فقہاء) ہیں۔

جو لوگ فقہاء کی اس اصطلاح سے ناواقف ہیں وہ یہاں بھی اصحاب سے اصحاب رسول مراد لے لیں گے اور کہیں گے کہ دیکھو اہل سنت صحابہؓ کو اتنا اونچا درجہ دیتے ہیں کہ قرآن کی بات بھی اگر ان کی بات سے ٹکرائے تو یہ قرآن کی بات منسوخ سمجھیں گے صحابہؓ کی بات کو اوپر رکھیں گے۔ (معاذ اللہ)

ہم اس جہل کے جواب میں اس کے سوا کیا کہہ سکتے ہیں۔

ان کنت لا تدری فتلک مصیبۃ　　　وان کنت تدری فالمصیبۃ اعظم

معیارِ صحابیت سرگودھا میں امام ابوالحسن الکرخی کی یہ بات اس طرح دی گئی ہے ۔

صحابہؓ کے خلاف ان کا چھپا بغض کس طرح اچھل اچھل کر نکلتا ہے اس کی ایک اور مثال لیجیے:

ایک صحابی ابوالیسر سے ایک غلطی ہوئی. ایک مسلمان عورت ان کے پاس کھجوریں لینے آئی. یہ واقعہ غالباً آیت حجاب اُترنے سے پہلے کا ہے ورنہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک عورت بلا حجاب کسی دوسرے کے گھر چلی جائے. ابوالیسر نے بے خودی میں اس کا بوسہ لے لیا مگر بعد میں وہ اس پر اس طرح پچھتائے کہ اس کی مثال امت میں آپ کو بہت کم ملے گی. وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس آئے تو آپ نے انہیں اسلام کے مطابق بات سمجھائی کہ اس بات کا ذکر کسی سے نہ کرنا. اس کے پورے خاندان کی بے آبروئی ہوگی اسے اپنے آپ سے بھی چھپا اور اللہ کے حضور توبہ کر کہ تو آئندہ ایسی حرکت نہ کرے گا. آپ نے فرمایا:-

استر علیٰ نفسك وتب ولا تخبر احدًا [۱]

ترجمہ: اپنے اوپر پردہ ڈال اور توبہ کر اور اس کی کسی سے بات مت کر ۔

حضرت ابوبکرؓ کا یہ فتوے اسلام کے بالکل مطابق تھا. حضرت علیؓ کے پاس بھی اگر وہ جاتا تو آپ یہی کہتے ایسے موقع پر پردہ پوشی ہی اخلاقی برتری ہے. اللہ تعالیٰ بدکاری کے عام چرچے کو پسند نہیں کرتے.

ان الذین یحبون ان تشیع الفاحشة فی الذین امنوا لھم عذابٌ الیم فی الدنیا والاٰخرة ۔ (پ۱۸ النور ۱۹)

ترجمہ: جو لوگ چاہتے ہیں کہ چرچا ہو بدکاری کا ایمان والوں میں اُن کے لیے دردناک عذاب ہے دنیا اور آخرت میں.

یہ حرکت نہایت ناپسندیدہ تھی اس لیے آپ نے اسے توبہ کا حکم دیا اور اس کے چرچے

سے اسے روکا. ان میں سے کوئی بات خلافِ شریعت نہ تھی. مگر اس شخص کو اپنے اس فعل پر اتنی ندامت تھی کہ یہ پھر حضرت عمرؓ کے پاس فتوے لینے گیا. آپ نے وہی جواب دیا جو ایسے واقعہ پر کوئی بھی صحابی دے سکتا ہے مگر پھر بھی اس کی پریشانی ختم نہ ہوئی اور وہ اسی احساسِ ندامت میں حضورؐ کے پاس پہنچ گیا. آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس عورت اور اس کے پُورے خاندان پر جو ولایت عامہ حاصل تھی آپ نے اس پر اظہار ناراضگی فرمایا اسے بدعہدی قرار دیا اور اپنا سر مبارک جھکا لیا. یہ آپ پر وحی اُتر رہی تھی. ابوالیسر کو اس کی غلطی کے معاف ہونے کا پروانہ مل رہا تھا. آپ پر سورۂ ہود کی یہ آیتؐ اتری :۔

اقم الصلوٰة طرفی النہار وزلفاً من اللیل ان الحسنات یذھبن السیئات
ذلک ذکریٰ للذاکرین۔ (پ ۱۲ ہود ۱۱۱)

ترجمہ. دن کے دونوں کناروں پر (فجر اور عصر) نماز پڑھیئے اور رات کے کچھ اوقات میں بھی (مغرب اور عشاء) بے شک نیکیاں برائیوں کو بہالے جاتی ہیں یہ یاد رکھنے والوں کے لیے بڑی یاد کی بات ہے (ایک بڑی بشارت ہے)

صحابہؓ نے حضورؐ سے پوچھا کیا یہ معافی صرف اس کے لیے ہے یا سب لوگوں کے لیے؟ آپ نے فرمایا سب لوگوں کے لیے۔

وحی خداوندی نے ابوالیسر کی ایک غلطی کے بدلے سب گنہ گار حصہ اپنی رحمت میں لپیٹ لیا.

اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ صحابہؓ سے ایسی غلطیاں حکمتِ خداوندی کے تحت حضورؐ کے دورانِ تربیت واقع ہوئیں حضورؐ ان کی اصلاح فرماتے اور وحیِ الٰہی اللہ کی رحمت کو عام کرتی. اس طرح یہ جماعت تیار ہوئی جسے قرآن نے کہا اخرجت للناس یہ جماعت قوموں کی راہنمائی کے لیے سامنے لائی گئی ہے.

نوٹ: سورۂ ہود کی اس آیت میں نماز ظہر کا ذکر نہیں ہے صرف چار نمازوں کا ذکر ہے ملحوظ رہے کہ نمازوں میں ایک نماز نمازِ وسطیٰ ضرور ہے یہ تبھی ہو سکتا ہے کہ نمازوں کی تعداد طاق ہو جفت نہ ہو جفت کا کوئی وسط نہیں ہوتا. سو نمازوں کی تعداد کم از کم پانچ ضرور ہونی چاہیئے. تاکہ قرآن کریم کی سب آیتوں میں ایک مطابقت ہو جائے.

ابوالیسر کا یہ واقعہ ان کی ندامت اور قلبی پریشانی سے ان کی اندرونی دیانت اور امانت کا

پتہ دیتا ہے اس کی تائید وحی خداوندی سے بھی ہوگئی. مگر شیعہ لوگوں کا بغض باطنی ملاحظہ کریں کہ کس طرح ازراہ تمسخر اسے ابوالیسر کی ایک اجتہادی غلطی کہہ رہے ہیں ان کے عنوان ملاحظہ ہوں.

ایک اور ایمان افروز واقعہ

یہ رافضی اس سرخی سے ابوالیسر سے اسے اس طرح نقل کرتا ہے :-

میں نے اپنی اس اجتہادی خطا کا ذکر حضرت ابوبکر کے سامنے کیا تو انہوں نے میری حوصلہ افزائی کرتے ہوئے فرمایا کہ اس واقعہ کو دشمن سے چھپا کر رکھنا اور کسی کو نہ بتانا۔ (رافضی معیار صحابیت ص۴۷)

یہ تینوں خط کشیدہ عبارتیں اصل روایت میں نہیں. ان کے بغیر یہ رافضی اپنے اثنا عشری ذوق کو پورا نہ کر سکتا تھا. پھر اصل روایت میں تب (تو توبہ کر) کا لفظ واضح طور پر موجود تھا اسے رافضی نے یکسر حذف کر دیا.

اگر یہ لوگ صحابیت کو کوئی شرف سمجھتے تو حضور کے زیر تربیت آنے والے شاگردوں کے بارے میں سوچ اور عمل کی یہ غلط راہ اختیار نہ کرتے.

تاہم بشیر حسین نے کھل کر یہ بات کہہ دی ہے کہ ان کے ہاں صحابیت میں کوئی شرف نہیں. وہ لکھتا ہے :-

شیعہ حضرات کی رائے یہ ہے کہ صحابہ کرام اور ان کے بعد قیامت تک آنے والے مسلمانوں میں کوئی ذاتی امتیاز نہیں.

(رافضی معیار صحابیت ص۱۶)

سو اگر یہ لوگ کبھی کسی مشترکہ مجلس میں یہ کہہ دیتے ہیں کہ ہم شرفِ صحابیت کے پوری طرح قائل ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں تو وہ یہ بات از راہِ تقیہ کہتے ہیں جس کو آج کوئی شخص تسلیم نہ کرے گا.

مُلازم کی ذمّہ داریاں اولاد پر نہیں ڈالتے۔

نبوّت اور امامت کا تقابلی جائزہ

سوال۔ ملازم کی حیثیت زیادہ ہوتی ہے یا اولاد کی؟ ملازم پر ذمہ داریوں کا بوجھ ہوتا ہے اور اولاد محبت و شفقت کا مورد بنی رہتی ہے۔ کیا یہی فرق رسولوں اور ائمہ معصومین میں نہیں چلے گا؟ رسولوں پر خدا کی طرف سے ذمہ داری ڈالی جاتی ہے اور ائمہ طاہرین صرف خدا کی محبت اور عنایت پاتے ہیں۔ وضاحت فرمائیں کہ کیا اماموں کا درجہ رسولوں سے زیادہ نہیں ہوگا۔ جو عزت اماموں کی اللہ کے ہاں ہے کیا ہم وہ رسولوں کو دے سکتے ہیں؟

الجواب۔ ملازم کا کام اپنا نہیں ہوتا وہ دوسرے کا کام تنخواہ اور اجرت کے عوض کرتا ہے رسولوں کی اپنی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ رسالت (پیغام رسانی) کریں وہ اس پر جن لوگوں کی خدمت کر رہے ہیں ان سے برملا کہتے ہیں کہ میں تم سے اس پر کوئی اجر نہیں مانگتا۔

اللہ کے ہاں عزت رسولوں کو بھی دی جاتی ہے اور یہ بہت بڑی عزت ہے اور اللہ رب العزت کے بعد یہ انہی کا حق ہے۔ قرآن کریم میں ہے:-

ان العزة لله ولرسوله ‏ ‏ ‏ ‏ عزت بے شک اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہے

رہی محبت تو رسول بے شک اللہ سے اس کی محبت بھی پاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی کہا تھا:-

والقیت علیك محبة منی۔ ‏ ‏ ‏ ‏ میں نے تجھ پر اپنی محبت ڈال دی۔

سو یہ کہنا کہ رسولوں کا درجہ محض پیغام رسانی کا ہے صحیح نہیں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑی عنایات اور قرب کے بڑے انعامات پاتے ہیں۔ البتہ اثنا عشریوں کے ہاں امام واقعی رسولوں سے زیادہ مورد الطاف الٰہیہ رہتا ہے۔ ان کے ملا محمد بن یعقوب الکلینی لکھتے ہیں:-

ان فضلهم لا یبلغه ملك مقرب ولا نبی مرسل [1]

ترجمہ۔ ان اماموں کو جو فضیلت حاصل ہے اسے کوئی مقرب فرشتہ بھی نہیں پہنچ سکتا اور نہ کوئی نبی اور نہ کوئی مرسل۔

---

[1] الکافی روضہ کافی جلد ۸ صفحہ ۱

قاضی عیاض (۵۴۴ھ) اسے قطعی درجہ میں وجہ کفر کہتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:۔

وکذلک نقطع بتکفیر غلاۃ الرافضۃ فی توھلم ان الائمۃ افضل من الانبیاء۔[1]

ترجمہ۔ اور ہم قطعی طور پر ان غالی رافضیوں کی تکفیر کرتے ہیں جو کہتے ہیں کہ مرتبۂ امامت مرتبہ نبوت سے اونچا ہے۔

ان کے ملا باقر مجلسی بھی لکھتے ہیں:۔

امامت بالاتر از رتبہ پیغمبری است۔[2]

ترجمہ۔ امامت کا رتبہ نبوت اور رسالت سے بھی اونچا ہے۔

یہ ان کے کسی ایک عالم کی رائے نہیں جس نے جوشِ محبت میں یہ مبالغے کی بات کہہ دی ہو یہ ان کے اکثر علماء کا عقیدہ رہا ہے اور وہ اسے اپنے مذہب کی ضروریاتِ دین میں جگہ دیتے ہیں۔ ہاں وہ اس سے صرف حضور کو مستثنیٰ کرتے ہیں باقی پیغمبروں سے وہ اپنے اماموں کو افضل سمجھتے ہیں۔

ملا باقر مجلسی لکھتا ہے:۔

اکثر علمائے شیعہ را اعتقاد آنست کہ حضرت امیر علیہ السلام وسائر ائمہ افضل از پیغمبراں سوائے پیغمبر آخر الزمان۔[3]

ترجمہ۔ اکثر علمائے شیعہ کا اعتقاد یہ ہے کہ حضرت علیؓ اور دوسرے سب امام سب پیغمبروں سے سوائے حضورؐ کے افضل ہیں۔

باقر مجلسی کے شاگرد ملا ابوالحسن الشریف نے مرأۃ الانوار میں اس آخری جزو کی تردید کردی اور کہا کہ ائمہ تمام انبیاء سے افضل ہیں۔

وکون ائمتنا علیہم السلام افضل عن سائر الانبیاء ھوا الذی لا یرتاب فیہ من تتبع اخبارھم علی وجہ الاذعان والیقین والاخبار فی ذلک اکثر من ان تحصی وعلیہ عمدۃ الامامیہ۔[4]

ترجمہ۔ اور ہمارے اماموں کا تمام انبیاء سے افضل ہونا ایسی بات ہے کہ وہ جس نے ان کی خبروں کو پوری محنت سے پڑھا کسی طرح شک نہیں کرسکتا۔ اس میں بے شمار احادیث مروی ہیں اور انہی پر امامیہ کا اعتماد ہے۔

---

[1] ... [2] حیات القلوب ۳ ص ۲ [3] حق الیقین ص ۲ [4] مرأۃ الانوار و مشکوٰۃ الاسرار ص ۲

علامہ روح اللہ الخمینی لکھتا ہے :۔

از ضروریاتِ مذہب ماست کہ کسی بہ مقامات معنوی ائمہ علیہم السلام نمے رسد حتی ملک مقرب و نبی مرسل۔ [1]

ترجمہ۔ ہمارے مذہب میں ضروریاتِ دین میں سے ہے کہ کوئی شخص اماموں کے اونچے مقامات کو نہیں جا پاتا یہاں تک کہ کوئی ملک مقرب اور نبی مرسل بھی ان کے درجے کو نہیں پہنچتا۔

اصل امامت وہی ہے جو پیغمبروں کو حاصل ہو انبیاء کرام میں امامت کا مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی ملا اور آپ کی اولاد میں سے حضرت موسےٰ علیہ السلام کو بھی اور حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی۔ بنواسرائیل میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اور بنواسمٰعیل میں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اور پھر حضورؐ نے لیلۃ الاسراء میں سب انبیاء کی امامت فرمائی تو حضور اکرمؐ سب بنی نوع انسان اور صفِ انبیاء کے امام ٹھہرے۔

قرآن کریم میں ہے :۔

واذا ابتلیٰ ابراھیم ربہ بکلمات فاتمھن قال انی جاعلک للناس اماما قال ومن ذریتی قال لا ینال عھدی الظالمین۔ (پ البقرہ ۱۲۴)

ترجمہ۔ اور جب آزمایا ابراہیم کو ان کے رب نے کئی باتوں میں۔ آپ نے ان سب کو پورا کر دکھایا کہا اللہ تعالیٰ نے میں تجھے تمام لوگوں کا امام کر دوں گا۔ آپ نے کہا اور میری اولاد میں سے بھی اللہ نے کہا میرا یہ عہد ظالموں کو نہ پہنچے گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امامت

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنواسرائیل میں جتنے پیغمبر آئے سب شریعتِ تورات پر رہے حضرت موسیٰ پر اتری یہ کتاب مرتبہ امامت پر رہی۔ بعد میں آنے والے نبی اس کے مطابق فیصلے دیتے رہے۔

ومن قبلہ کتاب موسیٰ اماماً ورحمۃ۔ (پ ۱۲ ہود ۱۷)

ترجمہ۔ اور آپ سے پہلے موسیٰ کی کتاب امام رہی اور رحمت۔

---

[1] الحکومت الاسلامیہ ص ۵۸

انا انزلنا التوراۃ فیہا ھدی و نور یحکم بہا النّبیّون۔

ترجمہ بے شک ہم نے تورات اتاری اس میں ہدایت بھی اور نور تھا۔ اگلے اسرائیلی نبی اس پر فیصلے کرتے رہے۔

نبوت سے خالی ہو کر امامت کی تجویز نبوت کے متوازی ایک دوسرے آسمانی عہدے کا دعوے ہے پھر اس درجے میں اس امامت کو لینا کہ نبیوں پر بھی ان اماموں کی افضلیت لازم کی جائے صرف ایک نئے آسمانی مذہب کی تجویز ہے۔ دیکھا جائے تو اس میں عقیدہ ختم نبوت پر بھی ایک بڑی زد پڑتی ہے اور اس کے ساتھ حضورؐ کی ساری امت کو گمراہ قرار دینا پڑتا ہے جو اس فرضی امامت کے قائل نہیں ہو سکے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم

سوال . یہ تین آدمی جو ارتداد سے محفوظ رہے مقداد۔ ابوذر اور سلمان وہ حضرت علیؓ کے ساتھ رہے کیا یہ آپس میں ایک دوسرے سے مخلص تھے اور ایک دوسرے پر اعتماد کرتے تھے؟ یا آپس میں بھی ایک دوسرے پر بدگمان رہتے تھے؟

الجواب ۰ امام جعفر اپنے باپ امام باقر سے روایت کرتے ہیں ایک دن حضرت علیؓ کے سامنے تقیہ کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا۔ یہ تو سلمان اور مقداد میں بھی پایا جاتا تھا وہ ایک دوسرے سے تقیہ میں رہتے ہیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا :۔

لو علم ابوذر ما فی قلب سلمان لقتلہ وقد اٰخی رسول اللہ بینہما۔[1]

ترجمہ۔ اگر ابوذر کو پتہ چل جائے کہ سلمان کے دل میں کیا ہے تو وہ اسے قتل کر دیں اور حضورؐ نے ان دو میں مؤاخات فرمائی تھی۔

ان کا اختلاف کفر تک پہنچتا تھا۔ امام جعفر صادق فرماتے ہیں :۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا سلمان لو عرض علمك علی مقداد لکفر یا مقداد لو عرض علمك علی سلمان لکفر۔[2]

ترجمہ۔ حضورؐ نے کہا اے سلمان اگر تیرا علم مقداد کے سامنے لایا جائے تو وہ اس کا انکار کر دے گا۔ اے مقداد اگر تیرا علم سلمان پر پیش کر دیا جائے تو وہ اس کا انکار کر دے گا۔

---

[1] رجال کشی جلد ا ص۸ حیات القلوب جلد ۲ ص۶۷۸ [2] رجال کشی جلد ا ص۱۷ حیات القلوب جلد ۲ ص۶۱۱

غور کیجئے پھر ارتداد سے بچا کون ؟ صرف حضرت مقداد۔

ما بقی احد الا وقد جال جولة الا المقداد بن الاسود فان قلبه کان مثل زبر الحدید۔[1]

ترجمہ: کوئی باقی نہ رہا مگر سب پھر گئے سوائے مقداد بن اسود کے۔ اس کا دل لوہے کی تختیوں جیسا مضبوط تھا۔

شیعہ کی اس روایت کہ حضورؐ کے بعد ماسوائے چند افراد کے آپ کی ساری امت مرتد ہو گئی اہل سنت کے جن اکابر نے شیعوں کا متفق علیہ عقیدہ مانا ہے ان میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی (۵۶۱ھ) بھی سرفہرست ہیں۔ آپ بغداد میں رہتے تھے اور شیعوں کو آپ نے بہت قریب سے دیکھا تھا۔ سو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ چند شیعوں کا عقیدہ ہو گا۔ آپ لکھتے ہیں کہ اس پر ان کے سب فرقے متفق ہیں :-

والذی اتفقت علیه طوائف الرافضة و فرقها اثبات الامامة عقلاً وان الامامة نص وان الائمة معصومون .... ومن ذلك ادعاءهم ان الامة ارتدت بترکهم امامه علی الا ستة نفر ... وان الاموات یرجعون الی الدنیا قبل یوم الحساب۔[2]

ترجمہ۔ وہ بات جس پر رافضیوں کے تمام فرقے متفق ہیں ان کا عقیدہ امامت ہے۔ اور نقلاً وہ اسے ثابت کرتے ہیں اور ان کا عقیدہ ہے کہ ائمہ سب معصوم ہیں اور اس کے ساتھ ان کا عقیدہ یہ بھی ہے کہ حضورؐ کی امت حضرت علیؓ کے انکار امامت سے سب کی سب مرتد ہو گئی سوائے چھ افراد کے اور ان کا یہ عقیدہ کہ بعض اموات یوم الحساب سے پہلے ایک دفعہ پھر دنیا میں رجوع کریں گے۔

جمیع امت کے بگڑ جانے اور تمام صحابہؓ کی تکفیر کا عقیدہ ایسا ہے کہ اس پر اکابر علماء اسلام نے قطعی درجے میں کفر کا فیصلہ کیا ہے۔ قاضی عیاض مالکیؒ (۵۴۴ھ) لکھتے ہیں :۔

نقطع بتکفیر کل قائل قال قولاً یتوصل به الی تضلیل الامة وتکفیر جمیع الصحابة۔[3]

ترجمہ: ہم یقینی طور پر اس بات کے قائل کو کافر سمجھتے ہیں جو حضورؐ کی پوری امت کے بگڑ جانے کا قائل ہو اور تمام صحابہؓ کو وہ کافر کہتا ہو۔

---

[1] رجال کشی جلد ۱ صـ ۴۶ [2] حیات القلوب جلد ۲ صـ ۵۹۸ [3] غنیۃ الطالبین صـ ۵۷ [4] الشفاء صـ

سوال۔ برطانیہ میں کئی غیر مسلم لوگ یہ رائے رکھتے ہیں کہ محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) عرب میں جو انقلاب لائے آپ کی یہ تحریک آپ کی وفات پر بُری طرح ناکام ہو گئی تھی تین چار آدمیوں کے سوا سب حضرت محمدؐ کے دین سے پھر گئے اور وہ تین چار بھی ایسے دبے کہ کہیں اٹھ نہ سکے۔ ہمارے طلبہ یہ جاننا چاہتے ہیں کہ حضورؐ کی اس تحریک کے فیل ہونے کے کیا اسباب تھے اور اس وقت دنیا میں جو اسلام پایا جاتا ہے یہ اسلام اگر حضورؐ کا نہیں تو یہ کس کا ترتیب دیا ہوا مذہب ہے یہ کیسی غلط امت تھی جس نے اپنے نبی کے دین کو اس کی وفات کے بعد یکسر چھوڑ دیا؟

الجواب۔ یہ غلط ہے کہ حضورؐ اپنے مشن میں فیل ہو گئے تھے اور آپ کی امت آپ کے فوت ہوتے ہی آپ سے منحرف ہو گئی تھی اور انہوں نے حضورؐ کے جانشین حضرت علیؓ کو اقتدار میں آنے سے روک دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کی وفات سے قبل حضورؐ کی امت کو مخاطب کر کے فرمایا تھا میں نے تمہارے لیے اسلام پسند کیا ہے اس پر اس دین کی تکمیل ہوئی تھی:۔

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دیناً۔

(پ۶ المائدہ ۲)

اب یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جو اسلام اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لیے پسند کیا اور اس کی خوشخبری خود اس امت کو مخاطب کر کے دی گئی وہ امت اس کے چند دن بعد پورے جماعتی طور پر اس نبی خاتم سے منحرف ہو جائے۔

پھر خدا نے اس امت کو خیر امت بھی فرمایا اور (ختم نبوت کی وجہ سے) آئندہ کارِ نبوت (امر بالمعروف اور نہی عن المنکر) ان کے ذمہ لگایا اور ان کے مومن ہونے کی خبر دی۔ منحرف ہونے والے لوگ تو شر امت کہلانے کے مستحق ہو سکتے ہیں نہ کہ انہیں خیر امۃ کہا جائے۔ یہ کیسے خیر امت تھے جو اپنے نبی کے جنازہ کو بھی چھوڑ گئے۔ (معاذ اللہ)

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر۔

(پ۴ آل عمران ۱۱۰)

ترجمہ۔ تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے سامنے لائی گئی تمہارا ہر امر معروف ہے اور ہر نہی منکرات میں سے ہے۔

یہ عقیدہ کہ حضورؐ کی امت آپ کی وفات پر ماسوائے تین چار کے سب حضورؐ سے منحرف ہو گئے تھے انہوں نے حضورؐ کی لائن بدل دی تھی حضورؐ ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھتے تھے۔ انہوں نے نماز میں ہاتھ

باندھنے کا طریقہ بنالیا حضورؐ وضو میں پاؤں پر مسح کرتے تھے۔ اس منحرف امت نے پاؤں دھونے کی راہ اختیار کی۔ حضورؐ کی اذان میں حی علیٰ خیر العمل کہا جاتا تھا امت نے حی علی الصلوٰۃ سے اسے بدل دیا یہ تحریف امت کا عقیدہ اثنا عشری شیعوں کا ہے۔ جمہور مسلمان حضورؐ کو اپنے مشن میں کامل اور کامیاب سمجھتے ہیں۔ شیعوں نے امام باقر کے نام پر بات گھڑی نہ یہ کہ یہ حقیقت واقعہ ہے۔

۱۔ کان الناس اہل ردۃ بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم الا ثلثۃ . . . . المقداد بن الاسود وابو ذر الغفاری وسلمان الفارسی۔[۱]

ترجمہ۔ لوگ حضورؐ کی وفات کے بعد سوائے تین کے سب مرتد ہو گئے۔ ۱۔ حضرت مقداد۔ ۲۔ حضرت ابوذر اور ۳۔ حضرت سلیمان فارسی کے سوا کوئی نہ بچ پایا۔

۲۔ یا عبد الرحیم ان الناس عادوا بعد ماقبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اہل جاہلیۃ۔[۲]

ترجمہ۔ اے عبد الرحیم! لوگ حضورؐ کی وفات کے بعد پھر سے جاہلیت میں آگئے۔

چوتھی صدی سے چودھویں صدی تک شیعہ اسی عقیدہ پر رہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مشن میں کامیاب نہ ہوئے۔ پندرھویں صدی میں علامہ روح اللہ خمینی نے کہا کہ اس کے زمانے کے لوگ حضورؐ کے زمانہ کے لوگوں سے بہتر ہیں۔ (استغفر اللہ)

میں پوری جرأت کے ساتھ دعوےٰ کرتا ہوں کہ عصر حاضر میں ملتِ ایران اور اس کے لاکھوں عوام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کی ملتِ حجاز۔ اور امیر المومنین اور حسین بن علی صلوٰت اللہ وسلامہ علیہما کے زمانے میں کوفہ و عراق کی قوم سے بہتر ہیں۔[۳]

کیا یہ حضورؐ کے پورے مشن کے فیل ہونے کا عقیدہ نہیں۔ علامہ خمینی نے جہاں اپنے عہد کے ایمان کو حضورؐ کے عہد مبارک اور حضرت حسینؓ کے عہد کی حالتِ ایمان پر ترجیح دی ہے۔ اس کا نتیجہ تھا کہ پھر کفن بھی علامہ خمینی کو پردہ نہ دے سکا۔

---

[۱] الکافی روضہ جلد ۸ صـ ۲۴۵ رجال کشی صـ ۲۶ [۲] روضہ کافی جلد ۸ صـ ۲۹۶ [۳] صحیفہ انقلاب صـ ۳۳

سوال۔ حضرت علیؓ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو حضورؐ کے بعد اس امت کا سب سے بڑا مانتے تھے۔ یہ بات کیا کسی سند صحیح سے ثابت ہے کہ حضرت علیؓ نے کہیں برسرعام ان حضرات کی مدح کی ہو؟

الجواب۔ حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ حضرت علیؓ کی زبان سے حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی مدح تواتر سے ثابت ہے:۔

وقد تواتر عن امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ انہ قال خیر هذه الامة بعد نبیها ابوبکر ثم عمر وقد روی هذا منه من طرق کثیرة قیل انها تبلغ ثمانین طریقا۔ [1]

ترجمہ۔ حضرت علیؓ سے یہ تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔ آپ نے فرمایا اس امت میں حضورؐ کے بعد سب سے بڑے حامل خیر ابوبکرؓ اور عمرؓ تھے۔ یہ بات آپ سے اسی کے قریب مختلف اسانید سے مروی ہے۔

جو شیعہ علماء اسے تقیہ پر محمول کرتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ یہ بات حضرت علیؓ نے اپنے بیٹے محمد بن حنفیہ کو کہی وہی آپ سے اسے آگے نقل کرتے ہیں:۔

عن محمد بن الحنفیه قال قلت لابی یا ابت من خیر الناس بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟ فقال یا بنیّ اوما تعرف؟ فقلت لا قال ابوبکر فقلت ثم من؟ قال عمر۔ [2]

ترجمہ۔ حضرت محمد بن حنفیہ سے مروی ہے کہ آپ نے اپنے باپ حضرت علیؓ سے پوچھا۔ اباجان! حضورؐ کے بعد سب سے بڑا خیر الناس کون ہے۔ آپ نے فرمایا۔ بیٹا! کیا تم نہیں جانتے میں نے کہا نہیں۔ آپ نے کہا ابوبکرؓ۔ میں نے کہا پھر کون؟ آپ نے فرمایا۔ عمرؓ۔

حضرت علی المرتضیٰؓ کا بیٹا اپنے باپ سے حضرت ابوبکر کی مدح نقل کر رہا ہے مگر شیعہ تعصب کی انتہا دیکھئے کہ انہوں نے حضرت ابوبکرؓ کے بیٹے محمد بن ابی بکر کے نام سے حضرت ابوبکرؓ کے جہنمی ہونے کی روایت وضع کرلی۔ محمد بن ابی بکر نے حضرت علیؓ کی بیعت کرتے ہوئے کہا:۔

---

[1] منہاج السنۃ جلد ۳ ص ۱۲۶ [2] ایضاً

اشھد انک امام مفترض طاعتک وان ابی فی النار[1]

ترجمہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ آسمانی مرتبہ امامت رکھتے ہیں اور یہ کہ میرا باپ (ابوبکرؓ) اس وقت جہنم میں ہے۔

غور کیجئے کیا حضرت علیؓ اپنی خلافت کی بیعت ان ناپاک کلمات پر لیتے تھے؟ وہ تو ہمیشہ اپنی خلافت کو پہلی تین خلافتوں پر مبنی چوتھی خلافت کہتے تھے اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ آپ نے اپنی خلافت میں کوئی کام ایسا نہ کیا جو ان خلافتوں کے کسی فیصلے کے خلاف ہو نہ فدک جو آپ کی عملداری میں تھا۔ حضرت فاطمہؓ کے وارثوں کو دیا نہ لوگوں کو مسجد میں یکجا تراویح سے روکا نہ جمعہ کی بلند جگہ کی اذان سے روکا۔ اپنے نظام حکومت کو اسی طرح چلایا جیسے پہلے تین خلفاء راشدین چلاتے رہے تھے۔ اور آپ کی بیعت ان سب لوگوں نے لی جنہوں نے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کی بیعت کی تھی اور انہی شرطوں پر آپ کو خلیفہ بنایا گیا جن شرطوں پر پہلے تین خلفاء سے بیعت خلافت لی گئی تھی۔

---

[1] رجال کشی ص ۲۸۲

ولایتِ یزید نظریہ ضرورت کے تحت

شرائط امامت کبریٰ میں پہلا انحطاط

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد :

اسلام میں یہ بات بالاتفاق چلی آرہی تھی کہ مسلمانوں کی ولایت عامہ اسی کے لیے متفقہ ہو جو علوم شرعیہ اور فتوے میں اور تفقہ میں مجتہد درجے کا ہو۔ قاضی شرع کے لیے بھی یہ بات ضروری سمجھی جاتی رہی ہے کہ وہ فتوے صادر کرنے کی علمی اہلیت رکھتا ہو اور علم شرع میں پوری بصیرت رکھتا ہو۔ حضرت معاویہؓ کے دورِ حکومت تک سربراہانِ اسلام اس علمی درجہ کے رہے کہ ان پر بجا طور پر مجتہد کی علمی جھلک نمایاں رہی۔ یزید بن معاویہؓ تاریخ کا پہلا حکمران ہے جس کی علمی عبقریت کی صدا کہیں ان دنوں کی علمی محفلوں میں سنائی نہیں دیتی نہ اسے کسی علمی مسند پر بیٹھے کبھی کسی نے پایا ہے۔

اگر ایسا حکمران اعلیٰ میسر نہ آئے جو مجتہد کی علمی شان رکھتا ہو تو کیا عوام کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے گا یا احکام کے نفاذ اسلامی سرحدوں کی حفاظت اور رعیت کے جان و مال کے تحفظ کے لیے کوئی دوسرے درجے کی حکومت عمل میں لائی جائے گی جس میں اسلامی سربراہ اس وقت کے حدیث و فقہ کے معروف علماء کی علمی رہنمائی میں اپنے فیصلے دے سکے اور اجتہاد نہ ہونے کی صورت میں اپنے لیے علماء کی تقلید کو کافی سمجھے۔

غرناطہ کے مشہور اصولی امام ابو اسحٰق ابراہیم بن موسےٰ الشاطبی (۷۹۰ھ) لکھتے ہیں کہ گو اس صورتِ عمل پر کوئی نص وارد نہیں۔ تاہم نظریہ ضرورت کے تحت اسے مصلحۃً عمل میں لایا جائے گا ہارون الرشید اگر خود اس علمی درجہ میں نہ تھا تو کیا اس نے حضرت امام ابو یوسفؒ (۱۸۲ھ) کی علمی رہنمائی نہ لی۔ اہل علم کی اس درجہ کی تقلید ہمیشہ سے سربراہانِ اسلام کا سرمایہ افتخار رہی ہے۔

حضرت امام مالکؒ (۱۷۹ھ) بھی اس نظریہ ضرورت کے قائل رہے۔ یحییٰ بن یحییٰ سے کہا گیا کہ کیا اس صورت میں سربراہ کی بیعت مکروہ ہو گی۔ آپ نے کہا نہیں۔ پوچھا گیا کہ اگر اس راہ سے ظالم حکمران آگے آجائیں تو آپ نے کہا کیا حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے عبدالملک بن مروان کی بیعت نہ کی اور عبدالملک بن مروان کیا بزورِ تلوار برسرِ اقتدار نہ آیا ہوا تھا۔ بنوامیہ اپنے سے حکومت باہر نہ جانے دینا چاہتے تھے۔

حکیم الامت حضرت امام غزالی (۵۰۵ھ) لکھتے ہیں :۔

ان کددنا فی مبدء التولیة بین مجتهد فی علوم الشرائع وبین متقاصر عنها فیتعین تقدیم المجتهد لان اتباع الناظر علم نفسه له مزیة علی اتباع علم غیره فالتقلید والمزایا فالتقلید والمزایا لاسبیل الی اهمالها مع القدرة علی مراعاتها. اما اذا انعقدت الامامة بالبیعة او تولیة العهد المنفک عن رتبة الاجتهاد وقامت له الشوکة واذعنت له الرقاب وجب الاستمرار۔

ترجمہ. اگر ہم کسی کو ولایت عامہ پر لانے میں علوم شرائع میں مجتہد اور ایک وہ جو اس درجے پر نہ پہنچا ہو ان میں فیصلہ کریں تو مجتہد کو مقدم کرنا طے سمجھا جائے گا کیونکہ خود دیکھنے والے کی پیروی اس کے اپنے علم سے ہو گی اسے اس پر فضیلت ہو گی جس نے کسی دوسرے سے پوچھ کر چلنا ہو. پھر اس درجے میں تقلید کی باری آئے گی اور ان ترجیحات کو ان پر عمل کرنے کی قدرت رکھتے ہوئے نظر انداز کرنے کی کوئی راہ نہیں. ہاں اگر کسی اجتہاد کی اہلیت نہ رکھنے والے کی بیعت کر لی جائے اور اس کی حکومت قائم ہو جائے لوگ اسے قبول کر لیں تو پھر اس عقدِ حکومت کو یا ولی عہد کو چلنے دیا جائے اس کے خلاف خروج نہ کیا جائے۔

امام غزالیؒ نے یہاں دونوں صورتیں نقل کی ہیں. ۱. شرائط اجتہاد رکھنے والا کوئی قریشی ملے ہی نہ. ۲. یا ایسا قریشی موجود تو ہو مگر پہلے کو ہٹانے میں امن کی بربادی اور عام خونریزی کا سامنا لازم ہو. ان دونوں صورتوں میں اس نظریہ ضرورت کو جگہ دی جا سکتی ہے. لیکن یہ دوسری صورت ایک مکروہ درجہ شمار ہو گا جس پر کوئی مسلمان دل سے راضی نہیں ہو پاتا۔

یزید تاریخ اسلام کا پہلا حکمران ہے جو علم شرائع میں مجتہد کی بصیرت نہ رکھتا تھا. عملی طور پر بھی اس کی کوئی اچھی شہرت نہ تھی لیکن وہ بنو اُمیہ کی سیاسی قوت کے بل بوتے پر قلمرو اسلامی پر (ماسوائے عراق کے) تسلط پا چکا تھا. اہل عراق کے لیے ابھی اختلاف رائے کی گنجائش تھی. لیکن اہل مدینہ ناپسندیدگی کے باوجود اس سے بیعت کر چکے تھے۔

مدینہ کا ممتاز علمی مرکز حضرت عبداللہ بن عمرؓ

عام اہل مدینہ یزید کی حکومت تسلیم کر چکے تھے. حضرت حسینؓ نے بھی کھلے انکار کی بجائے

عراق کی طرف سفر کرنا اختیار فرمایا۔ اب مدینہ والے اُٹھیں تو کس کی قیادت میں اُٹھیں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سیاست میں نہ آنا چاہتے تھے۔ یزید کی حکومت گو آپ کے لیے ناپسندیدہ تھی لیکن اس کے خلاف کسی اور کو کھڑا کرنے میں مسلمانوں کی عام خونریزی اور امن کے اُٹھ جانے کا شدید خطرہ تھا۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ بھی وہاں سے جا چکے تھے۔ ان حالات میں آپ نے یزید کو حکمران اس کی کسی اہلیت کی بنا پر تسلیم نہ کیا تھا یہ ایک مکروہ صورت تھی جس میں آپ نے اس کی حکومت تسلیم کی۔ آپ اس کا ذکر کسی عزت و تکریم سے نہ کرتے تھے ایک عام آدمی کی حیثیت سے کرتے تھے۔

آپ نے ایک دفعہ فرمایا :-

انا قد بایعنا ھٰذا الرجل علیٰ بیعۃ اللہ و رسولہ۔[1]

ترجمہ۔ ہم نے اس آدمی کی بیعت اللہ اور اس کے رسول کی بیعت کو قائم رکھنے کے لیے کی ہے۔

ان الفاظ سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی یزید سے بیعت کوئی تکریم و استحقاق کی بیعت نہ تھی یہ ایک مجبوری کی صورت تھی جس کا آپ کو سامنا کرنا پڑا۔ ابن خیاط (ھ) کھل کر کہتا ہے کہ آپ کی یہ بیعت ایک مجبوری کی صورت میں تھی۔ کہاں یزید اور کہاں حضرت عبداللہ بن عمرؓ ـــــ وہ کہتا ہے :-

ان بیعۃ عبداللہ لیزید کانت کرھاً۔

ترجمہ۔ بے شک عبداللہ بن عمرؓ کی یزید سے حکومت کی بیعت ناپسندیدگی سے ہوئی تھی۔

اس پر علامہ شاطبی الغرناطی (۷۹۰ھ) لکھتے ہیں :-

وان یزید من ابن عمر ولکن رای بدینہ وعلمہ التسلیم لامر اللہ و الفرار عن التعرض لفتنۃ فیہا من ذھاب الاموال والانفس مالا یخفی فخلع یزید لو تحقق ان الامر یعود فی نصابہ تعرض للفتنۃ فکیف ولا یعلم ذلک ، وھٰذا اصل عظیم فتفقھوہ والزموہ ترشدوا ان شاء اللہ۔[2]

ترجمہ۔ کہاں یزید اور کہاں حضرت عبداللہ بن عمرؓ لیکن آپ نے اپنی دیانت اور علم سے امر الٰہی کو تسلیم کرنا اور فتنہ سے گریز کرنا اختیار فرمایا کہ اس میں عوام کے اموال اور جانوں کی تباہی ایک کھلی بات تھی۔ سو یزید کو ایسے حالات پیدا کرکے

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۵۳ [2] الاعتصام جلد ۲ صفحہ ۳۶

ہٹانا ایک خود بڑا فتنہ تھا جسے تعین نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ایک بڑی بنیادی بات ہے اسے سمجھو اور اسے پکڑو۔ انشاء اللہ تم راہ پا جاؤ گے۔

آپ پہلے یہ بھی کہہ آئے ہیں :۔

ان العلماء نقلوا الاتفاق علی ان الامامۃ الکبریٰ لا تنعقد الا لمن نال رتبۃ الاجتہاد والفتویٰ فی علوم الشرع.... ولکن اذا فرض خلو الزمان عن مجتہد یظہر بین الناس وافتقروا الی امام یقدمونہ لجریان الاحکام وتسکین ثورۃ الثائرین والحیاطۃ علیٰ دماء المسلمین واموالھم فلا بد من اقامۃ الامثل ممن لیس بمجتہد لانا بین امرین اما ان یترک الناس فوضی وھو عین الفساد والھرج واما ان یقدموہ فیزول الفساد بتّۃ ولا یبقی الا فوت الاجتہاد والتقلید کاف بحسبہ واذا ثبت ھذا فھو نظر مصلحی یشہد لہ وضع اصل الامامۃ ومقطوع بہ بحیث لا یفتقر فی صحتہ و ملاءمتہ الیٰ شاھد [1]

ترجمہ: علماء نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ مسلمانوں کی امامت کبریٰ اس شخص کے لیے منعقد نہیں ہوتی جو مرتبہ اجتہاد اور علوم شرع میں فتویٰ دینے کی اہلیت نہ رکھتا ہو لیکن اگر ایسا وقت فرض کر لیا جائے کہ کوئی مجتہد نہ ملے جو لوگوں پر آ نکلے اور لوگ کسی شخص کو امام بنانے پر مجبور ہوں کہ احکام جاری کیے جا سکیں اور حملہ آوروں کی روک تھام کی جا سکے اور مسلمانوں کے جان و مال کی عام حفاظت عمل میں آئے تو اس کے ملتے کسی ایسے شخص کو جو مجتہد نہیں امام بنانے سے چارہ نہیں ہم اس صورت میں ایک دوراہے پر ہوں گے یا تو لوگوں کو اکیلا چھوڑ دیں اور عام قتل و فساد ہو اور یا ایسے شخص کو (جو گو مجتہد نہیں) آگے کریں اور فساد بالکل رک جائے صرف یہی بات رہے کہ اس کی اجتہاد کی شان نہیں اس کے لیے تقلید کو کافی سمجھ لیا جائے جب یہ ہو جائے تو یہ ایک مصلحت کو اختیار کرنا ہے اور اس کے لیے وہی شہادت کافی ہے جو اصل امامت کے قائم کرنے کے لیے تھی اور یہ ایک ایسی قطعی شہادت ہے کہ اس کے بعد کسی اور گواہ کی ضرورت نہیں۔

---

[1] الاعتصام جلد ۲ صفحہ ۳۶۲

جن صحابہؓ نے یزید کی بیعت کی ان کا نقطہ نظر اس عبارت میں پوری طرح واضح ہے۔ یہ کوئی یزید کی عزت و تکریم اور اہلیت و بصیرت کا اقرار نہیں جو یزید کے لیے کسی فخر و مباہات کا باعث ہو۔ حالات کا یہ وہ تجربہ ہے جو اس مجبوری میں اس طرح عمل میں آیا۔ اسلام کی شرائط امامتِ کبریٰ میں یہ پہلا انحطاط تھا جو اس مجبوری میں گوارا کر لیا گیا۔ اس ناگواری کے عمل سے یزید کی کسی فضیلت پر استدلال نہ کیا جائے۔

ایک سوال

حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت حسینؓ کے ساتھ کیوں نہ مل گئے اس سے کچھ اور قوت ہو جاتی؟

جواب: حضرت حسینؓ نے مدینہ منورہ میں اپنے اس عزم کا کہیں اظہار نہ کیا تھا نہ کسی دوسرے کو اس کی دعوت دی۔ وہ صرف اس انتظار میں رہے کہ مسلم بن عقیل کوفہ جائیں اور وہاں کے اصل حالات کی خبر دیں جب وہ مدینہ سے اس کام کے لیے نہ نکلے تھے تو وہ کسی دوسرے کو اپنے ساتھ نکلنے کی دعوت کیسے دے سکتے تھے اور اگر چند اور بزرگ بھی اپنی اپنی جگہ حضرت حسینؓ کی طرح اپنے خاندانوں کے ساتھ شہید ہو جاتے تو بھی اس سے یزید کی حکومت بدلتی نظر نہ آتی تھی۔ پھر جب اہل مدینہ نے یہ ناپسندیدہ بیعت کر لی تو اب آپ کو اس کا نقض بدوں حالات بدلے کسی طرح درست نظر نہ آتا تھا۔ آپ نے جو کچھ کیا ان مجبوری کے حالات میں کیا۔ تاہم ان کی ہمدردیاں آخر تک حضرت حسینؓ کے ساتھ تھیں۔ وہ کسی درجہ میں بھی یزید کے مدح خواں نہ تھے۔

عراق کے کچھ لوگ آپ سے موسمِ حج میں ایک مسئلہ پوچھنے آئے۔ آپ نے پوچھا تم کون ہو؟ تو انہوں نے کہا ہم عراق کے ہیں۔ آپ نے فرمایا:-

اهل العراق یسألون عن الذباب وقد قتلوا ابن بنت رسول الله وقال النبی هما ریحانتای من الدنیا[۱]

ترجمہ: اہل عراق احرام میں مکھی مارنے کے بارے میں تو پوچھتے ہیں اور وہ حضورؐ کے نواسے شہید کر چکے اور حضورؐ فرما گئے کہ حسن اور حسین میرے باغ دنیا کے پھول ہیں۔

اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ آپ کربلا میں حضرت حسینؓ کے قتل کیے جانے کو ایک مظلوم کی شہادت سمجھتے تھے۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ وہ اس کا ذمہ داران کوفیوں کو سمجھتے تھے جنہوں نے حضرت حسینؓ کو یزید کی حکومت برداشت نہ کرنے کا مشورہ دیا۔ اور انہوں نے آپ کو مدینہ سے کوفہ بلایا اور پھر آپ سے بدعہدی کی۔ ان بدلے حالات میں حضرت حسینؓ نے بھی بتقاضائے شرع کچھ صلح کی شرائط پیش کر دیں۔

---

[۱] صحیح بخاری جلد ۱ ص ۵۳۰

تاہم جب ان کی کوئی بات نہ مانی گئی تو آپ نے اسلام کی عزت اسی میں سمجھی کہ بہادری سے جان جان آفریں کے سپرد کریں. رخصت کی راہ گو کھلی تھی مگر آپ نے عزیمت پر عمل فرمایا. ان تصبروا وتتقوا فان ذلک من عزم الامور. یہ ایک خاص صورت حال تھی جو اُن کے سامنے آگئی تھی اور آپ نے وہی کیا جو ایسے موقع پر حوصلہ مند کیا کرتے ہیں. اس وقت موضوع یزیدیوں کے آگے ہتھیار ڈالنے کا تھا یزید کی حکومت تسلیم کرنے کا نہ تھا. یہ نہ تھا کہ ان حالات میں اس کا انعقاد حکومت ہو سکتا ہے یا نہیں.

جن صحابہؓ نے اس حکومت کو تسلیم کیا وہ کرہًا کیا طوعًا نہیں اور اس میں اصل عظیم وہ ہے جسے ہم غرناطہ کے مقتدر اصولی امام علامہ شاطبی مالکی (۷۹۰ھ) کے حوالے سے اوپر ذکر کر آئے ہیں اور اس میں بھی حضرت حسینؓ کوئی دوسری رائے نہ رکھتے تھے ورنہ وہ آخر میں اپنی شرائط پیش نہ کرتے.

حضرت معاویہؓ نے اپنے مشیران کے مشورہ سے جو یزید کو ولیعہد بنایا تھا وہ بھی حالات کے اس تجزیہ کی وجہ سے تھا نہ اس لیے کہ ان کی نظر میں اس وقت یزید ہی سب سے زیادہ خلافت کے لائق تھا. وہ تو اسے یہ وصیت کر کے رخصت ہوئے تھے کہ اگر حضرت حسینؓ تمہارے مقابل آئیں تو تم رشتہ رسالت کا احترام رکھنا. اگر یزید اپنے والد کی اس نصیحت پر عمل کرتا تو عراق میں خود حضرت حسینؓ سے ملنے جاتا. اختلافات کا وہیں تصفیہ ہو جاتا. اتنے بڑے آدمی کے اختلاف کو اپنے کارندوں عبداللہ بن زیاد وغیرہ کے سپرد کرنا کوئی دانائی نہ تھی. حضرت معاویہؓ نے تو اہل مدینہ کا اتنا احترام کیا کہ یزید کی ولی عہدی کی بیعت کے لیے خود حجاز آئے. کیا یزید بات طے کرنے کے لیے خود کوفہ نہ جا سکتا تھا.

تاریخ کامل ابن اثیر میں ہے کہ حضرت معاویہؓ نے اپنے اس سفر حجاز سے پہلے مدینہ کے گورنر مروان کو لکھا تھا کہ وہ اپنے ولی عہد کی تقرری کے لیے اہل مدینہ کے مشورہ سے چلنا چاہتے ہیں. اپنا شخصی فیصلہ ان پر مسلط نہیں کرنا چاہیئے. آپ نے اسے لکھا:-

انی قد کبرت سنی ودق عظمی وخشیت الاختلاف علی الامۃ بعدی وقد رأیت ان اتخیر لھم من یقوم بعدی وکرھت ان اقطع امرًا دون مشورۃ من عندک فاعرض ذلک علیھم واعلمنی بالذی یردون علیک.[1]

ترجمہ: میں بوڑھا ہو چکا ہوں اور میری ہڈیاں ٹوٹ رہی ہیں اور مجھے ڈر ہے کہ میرے بعد پھر امت میں کوئی اختلاف نہ ہو جائے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں اپنا قائم مقام بنا جاؤں اور میں اسے پسند نہیں کرتا کہ اہل مدینہ کے مشورہ کے بغیر کوئی فیصلہ کروں

[1] کامل ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۲۵۰

سو تم میری اس بات کو لوگوں کے سامنے لاؤ اور مجھے بتاؤ کہ وہ تمہیں کیا کہتے ہیں۔
یہ صحیح ہے کہ امیر معاویہؓ کو حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی طرف سے یزید کے تقرر کا مشورہ دیا جا چکا تھا لیکن آپ چاہتے تھے کہ اس کے لیے اہل مدینہ اور دوسرے علاقوں کے لوگوں کی رضامندی بھی حاصل کریں۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں :۔

فبایع له الناس فی سائر الاقالیم الا عبدالرحمٰن بن ابی بکر و عبداللہ بن عمر و الحسین بن علی و عبداللہ بن الزبیر و ابن عباس۔[1]

ترجمہ۔ تمام علاقوں کے لوگوں نے اس پر آپ کو عہد دے دیا سوائے ان پانچ کے۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ۔ عبداللہ بن عمرؓ۔ عبداللہ بن زبیرؓ۔ حسین بن علیؓ اور ابن عباسؓ۔

ہم اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ اسلام میں امامتِ کبریٰ کے لیے جو شرائط پہلے کارفرما رہی تھیں ان میں پہلا انحطاط یزید کی خلافت سے واقع ہوا۔ علمی طور پر وہ کسی اونچے درجے کا نہ تھا۔ عربی ادب میں صاحبِ ذوق تھا۔ انتظامی امور میں بھی صاحب الرائے تھا لیکن عملی طور پر اس میں کئی کمزوریاں پائی جاتی تھیں۔ تاہم حضرت معاویہؓ کو زیادہ فکر اس بات کی تھی کہ آپ کے بعد یہ عظیم اسلامی سلطنت مختلف حصوں میں نہ بٹ جائے اور مسلمانوں کی آپس میں خونریزی نہ ہو۔ ان حالات میں ان کی صوابدید یہی رہی کہ امت کو ایک قیادت میں رکھنے کے لیے خلافت بنو امیہ میں ہی رہے اور یہی مشورہ آپ کو حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے دیا تھا۔ یہ وہ دور نہ تھا کہ عام مسلمانوں پر مذہب کی گرفت اس درجے میں ہو جو اکابر صحابہؓ کے دور میں موجود تھی۔ اسی سلسلہ کی حضرت معاویہؓ آخری کڑی تھے۔ یہی وہ مصلحت تھی جس کے پیش نظر حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے یزید کے اقتدار کو تسلیم کیا اور اس کے دور میں جو بدسلوکی حضرت حسینؓ سے کی گئی آپ نے حضرت حسینؓ کو ہمیشہ اس میں مظلوم جانا۔

ابن خیاط (ھ) کہتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے یزید کی بیعت کرنا کی تھی طوعاً نہیں اور وہ بھی اس کے ہاتھ پر نہیں اس والی مدینہ کے ہاتھ پر جو پہلے سے مدینہ کے امن وامان قائم رکھنے کے ذمہ دار چلے آرہے تھے۔ حضرت حسینؓ نے حضرت حسنؓ کے جنازے پر والیِ مدینہ کو اس لیے مقدم کیا تھا کہ مدینہ میں حضرت امیر معاویہؓ کا وہ نائب تھا اور حضرت حسینؓ امیر معاویہؓ سے بیعت خلافت کے بعد کسی طرح اس کا نقض نہ چاہتے تھے۔

---

[1] البدایہ جلد ۸ صہ ۸۶

اس ساری بحث کا حاصل یہ ہے کہ اسلامی خلافت میں پہلے سے جو صفات آرہی تھیں ان میں پہلا انحطاط یزید کا اس بڑی ذمہ داری پر آنا تھا۔

سوال۔ قومی امور انتظام سلطنت اور تحفظ امت میں حکمرانوں کی سیاسی بصیرت اور انتظامی اہلیت زیادہ درکار ہے یا ان کا ذاتی زہد و تقویٰ۔ زیادہ نظر ان کے ذاتی اعمال پر رہے یا ان کے نظم اور سلطنت پر۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضؓ اور حضرت معاویہ رضؓ کی رائے اس مسئلہ میں ظاہر ہے کہ انہوں نے یزید کو اس کی کئی کمزوریوں کے باوجود ولی عہد بنانا جائز سمجھا۔ انہوں نے یہ فیصلہ صرف نظریہ ضرورت کے تحت کیا۔ یا اس میں پہلے سے بھی کوئی راہنمائی ملتی ہے ؟

الجواب۔ حضرت عمر رضؓ نے اپنے دورِ خلافت میں یہ سوال اکابر صحابہؓ کے سامنے رکھا تھا۔

ما تقولون فی تولیۃ رجل ضعیف مسلم او رجل قوی مسدد ۔

ترجمہ۔ تمہاری کیا رائے ہے ایک کمزور مسلمان کو والی بنایا جائے یا ایک اچھے قوت رکھنے والے مسلمان کو ؟

آپ کا یہ سوال آنے والے وقتوں کے لیے بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ ان موجود صحابہؓ میں حضرت مغیرہ بن شعبہؓ بھی تھے آپ نے یہ جواب دیا :-

اما الضعیف المسلم فان اسلامہ لنفسہ وضعفہ علیک وعلی المسلمین

واما القوی المسدد فان سدادہ لنفسہ وقوتہ لک وللمسلمین۔[1]

ترجمہ۔ کمزور مسلمان کا اسلام تو صرف اس کے اپنے لیے ہے اور اس کا ضعف تمہیں اور تمام مسلمانوں کو لے بیٹھے گا اور طاقتور اچھا والی اس طرح ہوگا کہ اس کی اچھائی تو اس کے اپنے لیے رہے گی اور اس کی طاقت آپ کے لیے اور تمام مسلمانوں کے لیے ایک بڑی قوت ہوگی۔

حضرت عمر رضؓ نے اس جواب سے اختلاف نہیں فرمایا اور اس بصیرت افروز جواب پر ہی آپ نے انہیں ولایت کوفہ سونپی اور موجود صحابہؓ میں سے بھی کسی نے اس جواب سے اختلاف نہیں کیا پھر جہاں جہاں یہ بات پہنچی کہیں سے اس کے خلاف کوئی بات سننے میں نہیں آئی ہم سمجھتے ہیں کہ امور سلطنت میں یہ اصول اجماع صحابہؓ سے منظوری پا چکا ہے۔

جب حضرت عمر رضؓ کی بھی یہی رائے تھی تو کیا یہ نہیں سمجھا جا سکتا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ بھی اسی راہ پر چلے۔ گو یزید میں وہ صفات نہ پائی جاتی تھیں جو اسلام میں امامت کبریٰ کے لیے اب تک

---

[1] تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۳ صلا

چلی آرہی تھیں لیکن سلطنت اسلامی کو ایک رکھنے کے لیے اموی قیادت نے جو کام کیا شاید کوئی دوسرا نہ کر سکتا. ایک صدی بعد بنو عباس اُٹھے اور سلطنت اسلامی پھر دو حصوں میں بٹ گئی. بنو عباس اسے ایک نہ کر سکے. بنو امیہ نے عبدالرحمٰن کی قیادت میں صدیوں سپین وغیرہ میں اموی پرچم بلند کیے رکھا ہندوستان میں بھی اسلامی قافلے بنو اُمیہ کے دور میں آئے.

بنو امیہ کی ان تمام قابلیتوں اور صلاحیتوں کے باوجود عہد یزید کے ان دو واقعات کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا جو نواسہ رسول حضرت حسین رض اور نواسہ حضرت ابوبکر حضرت عبداللہ بن زبیر رض کے خلاف پیش آئے. تاہم واقعہ کربلا کی کوئی ذمہ داری حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر عائد نہیں ہوتی. آپ نے حضرت حسین رض کے حق میں یزید کو وصیت کر دی تھی.

اس سے پہلے حافظ ابن کثیر یہ لکھ آئے ہیں :-

فبایع له الناس فی سائر الاقالیم الا عبدالرحمٰن بن ابی بکر وعبد الله بن عمر والحسین بن علی وعبدالله بن الزبیر وابن عباس.[1]

ترجمہ. تمام علاقوں کے لوگوں نے اس پر آپ کو عہد دے دیا سوائے ان پانچ کے.
عبدالرحمٰن بن ابی بکر. عبداللہ بن عمر. حسین بن علی. عبداللہ بن زبیر اور ابن عباس.

ان میں آخر میں صرف دو رہ گئے جو آخر دم تک مخالف رہے. ا. حضورؐ کے نواسے حضرت حسین بن علی رض اور حضرت ابوبکر رض کے نواسے حضرت عبداللہ بن زبیر. حضرت حسین رض تو عراق پہنچتے ہی شہید ہو گئے اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضؓ ۱۲ سال مدینہ منورہ میں خلافت کرنے کے بعد ۷۳ھ میں عبدالملک بن مروان کے عہد میں شہادت پائی. واقعہ حرہ انہی کے دور میں پیش آیا. واقعہ کربلا کے تین سال بعد یزید کے حکم سے مدینہ پر یہ چڑھائی ہوئی تھی.

سوال: حضرت مغیرہ بن شعبہ رض (۵۰ھ) بھی تو کبار صحابہ رض میں تھے. آپ حضورؐ سے ایک سو احادیث کے راوی ہیں. آپ نے کیوں یہ تجویز حضرت معاویہ رض کو دی کہ وہ اپنے بیٹے یزید کو ولی عہد نامزد کریں. کیا آپ (حضرت مغیرہ رض) ان اصحاب رضوان میں سے نہ تھے جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہو چکے تھے. حضرت مغیرہ بن شعبہ رض کے اس سیاسی موقف کی کچھ وضاحت فرما دیں؟ والسلام

الجواب. حضرت مغیرہ بن شعبہ رض کا یہ کوئی وقتی فیصلہ نہ تھا. ان نئے حالات میں ان کی یہ صدا تھی. وہ اپنی ایک سیاسی رائے کا اس سے بہت پہلے اظہار فرما چکے تھے. کب؟ حضرت عمر رض کے

---

[1] البدایہ جلد ۸ صفحہ ۸۶

دورِ خلافت میں۔

حضرت عمرؓ کو اہل کوفہ نے اپنی تلون مزاجی اور ہمیشہ شکایت کرنے کی عادت نے پریشان کر رکھا تھا۔ حضرت عمار بن یاسرؓ اور حضرت ابو موسے الاشعریؓ جیسے حضرات بھی کوفہ کے گورنر ہوئے تو یہ لوگ ان سے مطمئن نہ ہو سکے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے اہل شوریٰ سے اسی صورتحال پر سوال کیا۔

ما تقولون فی تولیۃ رجل ضعیف مسلم او رجل قوی مسدد۔

ترجمہ۔ تمہاری کیا رائے ہے ایک کمزور مسلمان کو والی بنایا جائے یا ایک اچھے قوت رکھنے والے مسلمان کو؟

آپ نے پوچھا۔ والیوں کے تقرر میں میں اعلیٰ اسلامی صفات کو ترجیح دوں یا انتظامی لحاظ سے مضبوط اور اہل افراد کو گو اول الذکر انتظامی لحاظ سے کمزور ہوں اور ثانی الذکر اسلامی صفات کے لحاظ سے کسی اعلیٰ درجے کے نہ ہوں۔

آپ کا یہ سوال سیاسی پہلو سے بہت اہمیت کا حامل تھا۔ اس کے لیے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ اٹھے اور وہ جواب دیا جو ہم پہلے نقل آئے ہیں۔

اما الضعیف المسلم فان اسلامہ لنفسہ وضعفہ علیك وعلی المسلمین واما القوی المسدد فان سدادہ لنفسہ وقوتہ لك وللمسلمین[1]

ترجمہ۔ کمزور مسلمان کا اسلام تو صرف اس کے اپنے لیے ہے اور اس کا ضعف تمہیں اور تمام مسلمانوں کو لے بیٹھے گا اور طاقتور اچھا والی اس طرح ہوگا کہ اس کی اچھائی تو اس کے اپنے لیے رہے گی اور اس کی طاقت آپ کے لیے اور تمام مسلمانوں کے لیے ایک بڑی قوت ہوگی۔

پھر آپ نے حضرت مغیرہؓ کو کوفہ پر والی بنایا اور آپ حضرت عمرؓ کی وفات تک کوفہ کے گورنر رہے۔ آپ کی یہ ولایت دو سال سے کچھ زیادہ عرصہ رہی۔ اس پس منظر میں اگر آپ نے یہی رائے حضرت معاویہؓ کو دی ہو تو اسے اس نئے دور کا ہنگامی فیصلہ نہیں کہا جا سکتا۔ نہ یہ کہ اس وقت ایسی رائے دینے میں ان کا کوئی ذاتی مفاد تھا۔

---

[1] کامل ابن اثیر جلد ۳ صـ۱۶

سوال. کیا یہ صحیح ہے کہ زیاد بن سمیہ جو عہد جاہلیت سے حضرت ابو سفیانؓ کی صلب سے تھا حضرت علیؓ کے خاص احباب میں سے تھا اور کیا یہ صحیح ہے کہ اسی کے بیٹے ابن زیاد نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کا حکم دیا تھا. عمرو بن سعد اور شمر ذوالجوشن اسی کے کارندے تھے حضرت علیؓ کا خاص آدمی ہوتے ہوئے اس نے کیسے ان کے بیٹے کے ساتھ ظلم وجور روا رکھا. کیا یہ بہتر نہیں کہ ان کے قتل کے حکم کی ذمہ داری یزید پر ڈالی جائے؟

جواب. اس زیاد کو زیاد بن ابیہ بھی کہا جاتا ہے. طائف کے قبیلہ ثقیف میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عین حیات پیدا ہوا. اپنے باپ کی طرح عقب کا ذہین تھا. حضرت علیؓ کا بہت مقرب رہا. آپ نے اپنے عہدِ خلافت میں اسے فارس کا گورنر بنایا تھا. حضرت حسنؓ کے دورِ خلافت میں بھی وہ یہاں کا حاکم رہا. پھر حضرت حسنؓ نے جب حضرت امیر معاویہؓ کی بیعت کر لی اور خلافت ان کے سپرد کر دی تو بھی زیاد نے ایک سال تک امیر معاویہؓ کے اقتدار کو تسلیم نہ کیا. حضرت معاویہؓ نے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کو جو کوفہ کے گورنر تھے یہ ہدایت کی تھی کہ وہ زیاد کی نقل وحرکت پر پوری نظر رکھیں. یہ حالات بتاتے ہیں کہ وہ امیر معاویہؓ کی بجائے حضرت علیؓ کے زیادہ قریب تھا اور اس کا شمار شیعانِ علی میں تھا.

امیر معاویہؓ اس سے بہت خائف تھے. انہوں نے اسے اپنے ساتھ ملانے کی بہت کوشش کی. یہاں تک کہ ۴۲ھ اس نے حضرت معاویہؓ کے اقتدار کو تسلیم کر لیا. ابن زیاد جس نے حضرت حسینؓ کو قتل کرنے کے احکام دیئے اسی زیاد کا بیٹا تھا. زیاد حضرت معاویہؓ سے بیعت کرنے کے باوجود یزید کے خلیفہ بنائے جانے کا سخت مخالف تھا. چنانچہ حضرت معاویہؓ اس کی زندگی تک یزید کو ولیعہد بنانے سے رُکے رہے.

لما مات زیاد دعا بکتاب فقرأه   علی الناس باستخلاف یزید ان

حدث به حدث الموت [1]

ترجمہ جب زیاد مرا تو امیر معاویہؓ نے ایک تحریر منگوائی اور اسے لوگوں کے سامنے پڑھا کہ اگر آپ پر (حضرت معاویہؓ پر) حادثہ موت گزرے تو یہ (یزید) آپ کا جانشین ہوگا.

جب زیاد اس درجے میں یزید کے خلاف تھا کہ جب تک وہ زندہ رہا آپ اس کی ولیعہدی کا اعلان نہ کر سکے تو اس کا بیٹا ابن زیاد اس کا اتنا مخلص کیوں ہو گیا کہ اس نے اپنے سے بدرجہا فائق

---

[1] تاریخ طبری جلد ۶ صفحہ ۱۷۰

شخصیت حضرت حسینؓ کے قتل کے احکام جاری کر دیئے معلوم ہوتا ہے حضرت حسینؓ سے یہ بدسلوکی اُن کے قدیمی خیر خواہ کی طرف سے ہی تھی۔ ابن زیاد نے یہ سوچا کہ جب میرا باپ یزید کی ولی عہدی سے خوش نہ تھا میں اس کے اقتدار کی کیوں نمائندگی کروں؟ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم

سوال۔ حضرت معاویہؓ نے جب اپنے بیٹے کے لیے ولی عہد کی بیعت لینی چاہی تو اکابر صحابہؓ کے بیٹوں کا کردار کیا رہا۔ کیا انہوں نے بلا تامل اس پر حضرت معاویہؓ کو عہد دے دیا تھا یا وہ سب یزید کی خلافت کو ناپسند کرتے رہے؟

الجواب۔ چاروں خلفائے راشدینؓ کے بیٹے استخلاف یزید کے خلاف تھے۔ ۱۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ۔ ۲۔ عبداللہ بن عمرؓ۔ ۳۔ سعید بن عثمانؓ۔ ۴۔ حسین بن علیؓ۔ ان کے علاوہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور عبداللہ بن عباسؓ بھی اس سے خوش نہ تھے۔ گورنر فارس زیاد (۵۳ھ) بھی اس سے خوش نہ تھے مگر وہ اس وقت فوت ہو چکے تھے۔

ان میں صرف سعید بن عثمانؓ ہیں جنہوں نے یزید کے مقابل اپنا حق جتایا تھا۔ حافظ ابن کثیر نے حضرت معاویہؓ کا جواب جو آپ نے سعید بن عثمانؓ کو دیا ان لفظوں میں نقل کیا ہے ۸؎ تاہم یہ ثابت نہیں کہ سعید بن عثمانؓ نے اپنا اختلاف باقی رکھا ہو۔

سوال۔ ۱۔ حضرت حسنؓ کی شہادت کے بعد حضرت معاویہؓ اور حضرت حسینؓ کے تعلقات کیسے رہے؟

۲۔ حضرت معاویہؓ نے یزید کو ولی عہد بنایا اور انہیں اندیشہ رہا کہ حسینؓ ان کے خلاف اٹھیں گے تو آپ نے ان حالات کو صحیح رُخ پر ڈالنے کے لیے کیا کوئی تدبیر فرمائی؟

۳۔ یزید نے خلیفہ بننے کے بعد مدینہ کے ان اکابر کے خلاف جو اس کی خلافت کے حق میں نہ تھے سخت پالیسی اختیار کی یا نرم؟

۴۔ مدینہ کے اس وقت کے گورنر ولید بن عتبہ نے جو یزید کا چچازاد بھائی تھا یزید کی ان ہدایات پر کہاں تک عمل کیا؟

الجواب۔ حضرت حسینؓ گو اس صلح سے خوش نہ تھے جو حضرت حسنؓ نے اتحادِ اُمت کے لیے حضرت معاویہؓ سے کی لیکن چونکہ آپ حضرت حسنؓ کو خلیفہ مانے ہوئے تھے اس لیے اطاعت اولی الامر کی رو سے آپ نے بھی اس اتحاد میں شامل ہونا واجب جانا اور آپ اپنے بھائی

حضرت حسنؓ کے ساتھ ہر سال حضرت معاویہؓ کے پاس آتے رہے اور ان کے تحائف و وظائف قبول کرتے رہے۔ حضرت حسنؓ کی وفات کے بعد بھی آپ نے حضرت معاویہؓ سے اپنے تعلقات قائم رکھے اور ان سے مقرر کردہ وظائف لیتے رہے۔ حجر بن عدی جیسے بہت سے لوگوں نے آپ کو نقضِ بیعت معاویہ پر اُکسایا لیکن آپ نے حضرت معاویہؓ سے اپنی بیعت اور وفا کو قائم رکھا۔

۲۔ حضرت معاویہؓ کی وفات جب قریب آ لگی تو آپ نے اپنے ولی عہد یزید کو حضرت حسینؓ کے بارے میں جو وصیت کی اس کے الفاظ یہ ہیں :۔

ترجمہ۔ جہاں تک حسین بن علیؓ کا تعلق ہے وہ ذرا جذباتی ہیں اور میرا خیال ہے کہ (عراق کے) جن لوگوں نے ان کے والد (حضرت علیؓ) کو قتل کیا اور ان کے بھائی (حضرت حسنؓ) سے وفا نہ کی انہیں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ تمہاری طرف سے ان کو کافی ہو جائے گا اور یاد رکھنا کہ ان کا (ہم پر) بہت بڑا حق ہے اور ان کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ اہل عراق انہیں میدان میں لائے بغیر چھوڑیں گے اور اگر ایسا ہو اور تم ان پر قابو پا لو تو درگزر کرنا۔ اگر میرے اور ان کے درمیان کوئی ایسی صورت پیش آتی تو میں درگزر ہی کرتا۔ [1]

۳۔ تاریخ طبری میں تو یہ ہے کہ یزید نے گورنر مدینہ کو لکھا :۔

اما بعد فخذ حسینا وعبد اللہ بن عمر وعبد اللہ بن الزبیر بالبیعۃ اخذاً شدیداً لیست فیہ رخصۃ حتی یبا یعوا۔ [2]

ترجمہ۔ حضرت حسینؓ عبد اللہ بن عمرؓ عبد اللہ بن زبیرؓ کو بیعت کے لیے گرفتار کر لینا۔ اس میں کوئی نرمی نہ برتیں۔ یہاں تک کہ یہ سب لوگ تیری بیعت کر لیں۔

لیکن حافظ ابن کثیر محمد بن سعد کے حوالے سے کہتے ہیں کہ یزید نے اپنے گورنر مدینہ کو لکھا:

ترجمہ۔ وہاں کے لوگوں سے بیعت لیں اور ابتدا قریش کے بڑے لوگوں سے کریں اور ان میں بھی حسین بن علیؓ کو مقدم رکھیں مجھے والد مرحوم نے ان سے خصوصی طور پر نرمی کے برتاؤ کی وصیت کی ہے۔ [3]

---

[1] طبری جلد ۶ صفحہ ۱۸۰ [2] ایضاً صفحہ ۱۸۸ [3] البدایہ جلد ۸ صفحہ ۱۶۳

دونوں میں سے کون سی روایت صحیح ہے اس کی تصدیق گورنر مدینہ کے عمل سے ہوتی ہے ولید نے جب حضرت حسین رض کو بلایا تو اس نے آپ سے سخت کلامی کی۔ حضرت حسین رض نے بھی اسے خوب سُنائیں اور اس کی پگڑی کھینچی۔ مدینہ کا پہلا گورنر مروان بھی وہیں تھا اس نے ولید کو انہیں قتل کرنے کا کہا۔ مگر ولید نے کہا:-

ان ذلك لدم مضنون به مصون لی بنی عبد مناف۔[1]

ترجمہ: عبد مناف کا یہ خون بڑا قیمتی ہے اور اسے حفاظت دی گئی ہے۔

اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ ابن کثیر کی روایت زیادہ صحیح ہے۔ ورنہ ولید بن عتبہ کبھی نہ کہتے کہ انہیں (حضرت حسین رض کو) جان کی حفاظت دی جا چکی ہے۔

ولید بن عتبہ نے یہ بھی کہا:-

یا مروان انك قد اخترت لی التی فیها هلاك دینی. والله ما احب ان لی ما طلعت علیه الشمس وغربت عنه من مال الدنیا وملکها وانی قتلت حسیناً. سبحان الله اقتل حسیناً ان قال لا ابایع والله انی لاظن ان امرأ یحاسب بدم الحسین لخفیف المیزان عند الله یوم القیمة۔[2]

ترجمہ: اے مروان! تم نے مجھے وہ راہ سجھائی جس میں میرے دین کی بربادی ہے۔ بخدا میں نہیں پسند کرتا کہ میرے لیے پوری دنیا جس پر سورج طلوع ہوتا ہے اور غروب ہوتا ہے کا مال ہو اور میں نے حسین رض کو قتل کیا ہو، یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ میں حسین رض کو اگر اس نے کہا میں بیعت نہیں کرتا قتل کر دوں خدا کی قسم میرا گمان ہے کہ جو شخص قیامت کے دن خون حسین رض کا یہ حساب دے وہ اللہ کے ہاں بہت ہلکے پلڑے والا ہوگا۔

پھر اس بات پر غور کر لینا چاہیے کہ حضرت حسین رض جب مدینہ سے مکہ کے لیے نکلے تو آپ نے یہ سفر معروف رستے سے اختیار فرمایا۔ آپ کے ساتھ آپ کے گھر کے لوگ بھی تھے۔ اگر گورنر مدینہ ان کا تعاقب کرتا تو وہ انہیں رستے میں روک لیتا۔ یہاں تک کہ آپ مکہ مکرمہ آ گئے اور وہاں کئی مہینے رہے۔ وہاں بھی حکومت کی طرف سے ان کے خلاف کوئی کاروائی کی گئی نہ گورنر مکہ کو کوئی حکم ملا کہ انہیں گرفتار کر لو۔ یہ صورت حال بتلاتی ہے کہ یزید پر اپنے والد کی نصیحت کا کچھ اثر ضرور تھا۔ جب اہل عراق ان کو حکومت کے مقابلہ پر بلا لے آئے اور آپ مکہ سے کوفہ پہنچے تو ان بدلے حالات میں حکومت کی

---

[1] البدایہ جلد ۸ صفحہ ۱۴۳ [2] طبری جلد ۶ صفحہ ۱۹۰

پالیسی وہ پہلی نہ رہی. اگر یزید اس اگلے مرحلے میں بھی حضرت معاویہؓ کی وصیت پر عمل پیرا ہوتا تو خود عراق میں انہیں آملتا. آپ کو ابن زیاد کے سپرد نہ کیا جاتا. زیاد خود بھی یزید کی ولیعہدی کے خلاف تھا. اب اس کا بیٹا کیسے برداشت کر سکتا تھا کہ یزید کی حکومت نیک نامی سے چلے اس نے وہاں ایک ایسا کردار ادا کیا کہ دنیا اب تک یزید کو معاف نہیں کر سکی.

یاد رہے کہ حضرت معاویہؓ کی وفات رجب ۶۰ھ میں ہوئی اور کربلا کا واقعہ ۶۱ھ میں پیش آیا. یہ چھ مہینے حضرت حسینؓ کے بلا بیعت گزرے تھے. اگر اہلِ عراق آپ کو علیحدگی پر نہ اکساتے تو شاید تاریخ کا رُخ کچھ اور ہوتا. حضرت حسینؓ نے اپنے پورے سفر میں اور پھر عراق آکر بھی یزید پر کوئی ذاتی اعتراضات نہ اُٹھائے. آپ صرف اس اصول پر ڈٹے ہوئے تھے کہ خلیفہ کے تقرر میں وہ پہلا معیار کیوں باقی نہیں رہا جس پر خلفائے راشدینؓ کا تقرر عمل میں آتا رہا. حضرت معاویہؓ بھی کسی حد تک ان صفاتِ کریمہ کے حامل تھے. خلیفہ کی تقرری میں نظریہ ضرورت کے تحت اب جو انحطاط آرہا تھا آپ نے اسے گوارا نہ کیا. آپ نے اپنے اجتہاد سے عزیمت کی جو راہ اختیار کی اس میں آپ یقیناً اللہ کے ہاں سرخرو رہے اور جن حضرات نے ناپسندیدگی کے باوجود یزید کے اقتدار کو تسلیم کر لیا ان کے لیے اس رخصت پر عمل کرنے کی راہ پوری وسعت سے کھلی تھی اور اسی کا نتیجہ تھا کہ امت کا پرچم ایک رہا اور وہ پھر سے دو ٹکڑوں میں تقسیم ہونے سے بچی رہی.

سوال حضرت معاویہؓ نے یزید کو ولی عہد بنایا تو کیا یہ محض اس لیے تھا کہ وہ ان کا بیٹا ہے یا ان کی نظر میں اس میں انتظامی صلاحیت اور سربراہانہ بصیرت بھی تھی اس کے ذاتی اعمال کس قسم کے تھے اور کیا یہ صحیح ہے کہ وہ کھلے طور پر فسق و فجور میں مبتلا تھا؟

۲. حضرت امام حسینؓ نے کبھی اس کی مخالفت کے اسباب میں یہ بات کہی کہ وہ فاسق و فاجر ہے میں اس کی بیعت کیسے کر سکتا ہوں؟

۳. امام زین العابدینؒ نے اپنے قیام مدینہ میں کبھی یہ بات کہی کہ میرے والد نے یزید کی حکومت اس لیے تسلیم نہ کی تھی کہ وہ کھلے بندوں فسق و فجور کا مرتکب تھا؟

جواب. حضرت معاویہؓ بڑے مدبر اور صاحب بصیرت الشان تھے. علمی طور پر وہ مجتہد کی شان رکھتے تھے. حضورؐ کے ساتھ کاتبِ وحی رہ چکے تھے. حضرت عمرؓ جیسے متقی حضرات نے انہیں سیاسی امور میں آگے کیا تھا. اب یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ محض محبت پدری میں یزید کو ولیعہد بنائیں

اور اپنی زندگی میں اس کے ولی عہد ہونے کی بیعت لیں۔ انہوں نے شیرازہ سلطنت ایک رکھنے کا اسے اہل جانا اور اسے آگے کر دیا وہ حضرت حسینؓ کو آگے کرتے تو انہیں یقین تھا کہ اہل شام جو مدتوں حضرت علیؓ کے خلاف لڑتے رہے حضرت حسینؓ کو قبول نہ کریں گے اور وہی تقسیم سلطنت جو پہلے حضرت معاویہؓ اور حضرت علیؓ میں رہی پھر سے عود کر آئے گی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی شخصیت بیشک بہت اونچی تھی مگر ان کے بارے میں حضرت عمرؓ نصیحت کر گئے تھے کہ انہیں خلافت پر نہ لایا جائے یہ وہ حالات تھے جن میں حضرت معاویہؓ نے افضل حضرات (جیسے حضرت حسینؓ اور حضرت زبیرؓ) کے ہوتے ہوئے ایک مفضول کو آگے کیا۔ یہاں تک کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بھی حوزہ امت کو ایک رکھنے کے لیے ان کی بیعت کر لی اور حضرت زین العابدینؒ نے بھی یزید کی مخالفت میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا ساتھ نہ دیا۔

ہمارے اس خیال کی تائید حضرت معاویہؓ کی ایک دعا سے بھی ہوتی ہے جو آپ نے اللہ کے حضور ایک خطبہ میں کی۔ اس کے لفظ لفظ سے حضرت معاویہؓ کی اس امت کے لیے خیر خواہی ٹپکتی ہے اور یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ آپ کے دل میں کیا تھا۔ آپ کی اس دعا کو حافظ ابن کثیر نے البدایہ میں نقل کیا ہے:۔

اللّٰھم ان کنت تعلم انی ولّیتہ لانہ فیما اراہ اھل لذٰلک فاتمم لہ ما ولّیتہ وان کنت ولّیتہ لانی احبہ فلا تتمم لہ ما ولّیتہ۔[1]

ترجمہ۔ اے اللہ اگر تیرے علم میں ہے کہ میں نے یزید کو اس لیے والی بنایا ہے کہ وہ میری سمجھ میں اس کا اہل ہے تو اسے اس میں کامیاب کر جو میں نے اسے ولایت بخشی۔ اور اگر میں نے اسے اس لیے والی بنایا ہو کہ میں اس سے باپ کی محبت رکھتا ہوں تو اسے کامیاب نہ کرنا۔

پھر اس تاریخی حقیقت کو بھی جھٹلایا نہیں جا سکتا کہ یزید کے ولی عہد بنانے کی بات پہلے حضرت معاویہؓ کے منہ سے نہیں نکلی ایک جلیل القدر صحابی رسول حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی زبان سے نکلی اور وہ حضرت عمرؓ کے دور سے یہ سیاسی نظریہ رکھتے تھے کہ قومی حکمران کو دوسرے لوگ نیکی اور تقویٰ میں اس سے آگے ہوں مسلمانوں کے لیے زیادہ فائدہ مند ہے اور علم غیب ان دونوں حضرات کو (حضرت مغیرہ بن شعبہؓ اور حضرت معاویہؓ کو) نہ تھا کہ یزید کے دور میں کیسے کیسے واقعات پیش آئیں گے۔

حافظ ابن کثیر نے یزید کے ملکی معاملات میں اہل ہونے کی ان الفاظ میں تصریح کی ہے:۔

---

[1] البدایہ جلد ۸ صہ ۸۰

وقد كان يزيد فيه خصال محمودة من الكرم والحلم والفصاحة والشعر والشجاعة وحسن الرای فی الملك وكان فيه ايضاً اقبال على الشهوات وترك بعض الصلوٰة فی بعض الاوقات واماتتها فی غالب الاوقات۔[1]

ترجمہ۔ اور یزید میں کرم و حلم اور فصاحت و شعر و ادب اور شجاعت اور صائب الرای ہونے کی خوبیاں بھی تھیں۔ اور خواہش پروری اور بعض اوقات نماز چھوڑنے اور اکثر اوقات نماز کو بے وقت پڑھنے کی کمزوریاں بھی تھیں۔

حافظ ابن کثیر نے یزید کی ان کمزوریوں پر کوئی شہادت پیش نہیں کی۔ مورخین ایسے عمومی تبصروں میں جزئیات میں نہیں پڑتے عام شہرت کو اسی طرح نقل کرتے ہیں۔ یہ انداز بیان بتا رہا ہے کہ اس وقت یزید کے بارے میں عام شہرت کچھ اسی قسم کی تھی۔ تاہم یہ سوال باقی ہے کہ ان باتوں کو عام کرنے میں ہم کہاں تک آگے جا سکتے ہیں۔ جہاں تک حضرت حسینؓ کا تعلق ہے آپ نے اپنے پورے سفر میں جو مدینہ سے کوفہ تک ہوا اور پھر کربلا میں کہیں یزید کی ان کمزوریوں کو ذکر نہیں کیا کہ یزید اس لیے لائق خلافت نہیں کہ اس کی اخلاقی قدریں اس قدر گری ہوئی ہیں اور ہو سکتا ہے کہ اس کی یہ شہرت صرف شام میں ہو۔ حجاز اور عراق یہ باتیں نہ پہنچی ہوں۔ حضرت امام زین العابدینؓ سے بھی یہ کہیں نہیں ملا کہ انہوں نے سانحہ کربلا کے بعد اپنے قیام مدینہ میں کبھی کسی کے سامنے یزید کی اخلاقی زندگی کا یہ نقشہ کھینچا ہو جو ہمیں محرم میں شیعہ مجالس عزا میں ملتا ہے۔ سو حضرت معاویہؓ بھی اگر اس پر پورے مطلع نہ ہو سکے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔

سوال۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کس سیاسی بصیرت کے آدمی تھے ان کا خلافت کے لیے آگے نہ بڑھنا کیا اس لیے تو نہ تھا کہ وہ سیاسی بصیرت نہ رکھتے تھے اور حضرت عمرؓ نہ چاہتے تھے کہ سلطنت کسی کمزور والی کے سپرد ہو؟

جواب۔ ایسا نہیں۔ اگر حضرت عمرؓ انہیں سیاسی بصیرت میں کسی درجے میں کمزور سمجھتے تو صحابہؓ کو یہ نہ فرماتے کہ تم ان سے مشورہ بے شک لے لیا کرو۔ پھر ان کی سیاسی بصیرت اور روشن دماغی

---

[1] البدایہ جلد ۸ ص ۲۳

کی شہادت وقت کی دو عظیم سیاسی شخصیتوں سے بھی ملتی ہے۔ ۱۔ حضرت عمرو بن عاص رضؓ فاتح مصر سے جن کی سیاسی عبقریت سے کبھی کسی کو انکار نہیں ہوا اور ۔ ۲۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضؓ سے جو مختلف صوبوں میں کئی بار گورنر رہے اور جنگ صفین کے بعد وہ حضرت علی رضؓ کی طرف سے مجلس مصالحت میں حکم تھے یہ دونوں حضرات جب حضرت معاویہ رضؓ اور حضرت علی رضؓ کے حکموں کے طور پر مقام اذرح میں جمع ہوئے تو دونوں نے باہمی مشورہ سے حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضؓ کو بھی شریک مجلس کرنے کے لیے بُلا بھیجا۔ امام ابو حنیفہ رحؒ کے حدیث کے شاگرد امام عبدالرزاق (۲۱۱ھ) روایت کرتے ہیں۔

ارسل الحکمان الی عبد اللہ بن عمر و عبد اللہ بن الزبیر۔[۱]

ترجمہ۔ ان دو حکموں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ اور عبداللہ بن زبیر رضؓ کو بھی بلا بھیجا۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ حضرات بلند پایہ سیاسی بصیرت رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت عمرو بن عاص رضؓ جیسے عظیم فاتح بھی ان کے مشورے اور ان کی سیاسی بصیرت کے قائل رہے اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضؓ نے تو ان کا نام بطور خلیفہ پیش کیا تھا۔ بشرطیکہ حضرت علی رضؓ خلافت سے دستبردار ہو جائیں آپ خود اندازہ کریں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ کس اعلیٰ درجہ کی سیاسی بصیرت کے مالک ہوں گے ۔۔۔ کاش کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضؓ فیصلے میں یہ شرط بھی لگاتے کہ حضرت معاویہ رضؓ بھی شام کی گورنری سے دستبردار ہوں۔ انہوں نے حضرت معاویہ رضؓ کے خلیفہ نہ ہونے کا اقرار کر لیا۔ اور ظاہر ہے کہ وہ تو خلافت کے مدعی ہی نہ تھے کہ انہیں عمرو بن عاص رضؓ خلافت سے دستبردار کرتے وہ جس عہدے پر تھے اسے مجلس مصالحت میں چھیڑا تک نہ گیا۔

سوال۔ کیا یہ صحیح ہے کہ حضرت معاویہ رضؓ اپنے آپ کو حضرت عمر رضؓ سے بھی زیادہ مستحق اقتدار سمجھتے تھے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ جب حضرت معاویہ رضؓ اور حضرت علی رضؓ کے حکم حضرت عمرو بن عاص رضؓ اور حضرت موسیٰ الاشعری رضؓ اذرح سے چلے گئے اور حضرت معاویہ رضؓ نے اپنے آپ کو حکمین سے آزاد پایا تو دمشق میں ایک خطبہ دیا۔

من کان یرید ان یتکلم فی ھذا الامر فلیطلع لنا قرنہ فلنحن احق بہ ومن ابیہ۔[۲]

ترجمہ۔ جو شخص چاہتا ہے کہ اس معاملہ میں بات کرے وہ ہمیں اپنا سینگ دکھائے ہم اس سے

---

[۱] المصنف لعبد الرزاق جلد ۵ ص ۴۶۳ تاریخ طبری جلد ۶ ص ۳۳ [۲] صحیح بخاری جلد ۲ ص

بلکہ اس کے باپ سے بھی اس بات کے زیادہ حقدار ہیں۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت معاویہؓ اپنے آپ کو نہ صرف حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بلکہ حضرت عمرؓ سے بھی زیادہ مستحق اقتدار سمجھتے تھے ؟

الجواب۔ حضرت معاویہؓ تو اپنے آپ کو حضرت عثمانؓ سے بھی درجے میں چھوٹا سمجھتے تھے چہ جائیکہ وہ حضرت عمرؓ سے اپنے آپ کو بڑا سمجھیں۔ حضرت سعید بن عثمانؓ نے ایک دفعہ حضرت معاویہؓ سے اس طرح بات کی گویا آپ اپنے آپ کو حضرت معاویہؓ کے بعد سب سے زیادہ مستحق خلافت سمجھتے ہیں۔ اس پر حضرت معاویہؓ نے انہیں جو جواب دیا وہ غور کے لائق ہے۔

حضرت سعید بن عثمان نے حضرت معاویہؓ سے کہا تم جو کچھ ہوئے میرے باپ کی وجہ سے ہوئے اس پر حضرت معاویہؓ نے کہا :۔

> بے شک تمہارے والد کے احسانات کا انکار نہیں ہو سکتا اور تمہارا باپ بیشک یزید کے باپ سے بڑھ کر تھا۔ تمہاری ماں بھی یزید کی ماں سے بڑھ کر ہے کہ وہ قریش میں سے ہے اور یزید کی ماں بنی کلب سے تھی لیکن تم جو اپنے بارے میں سمجھتے ہو تو سنو.... الخ

اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ حضرت معاویہؓ کا یہ ہرگز دعوےٰ نہ تھا کہ وہ کسی طرح حضرت عثمانؓ سے آگے ہیں۔ اب یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ کسی پیرائے میں اپنے آپ کو حضرت عمرؓ سے بھی زیادہ مستحق خلافت سمجھتے ہوں۔ سو ہو سکتا ہے کہ صحیح بخاری کی روایت فلنحن احق به ومن ابيه میں ضمیر میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی طرف اور ان کے باپ کی طرف نہ ہو حضرت حسنؓ کی طرف ہو جن کے بارے میں بعض حلقوں میں سمجھا جا رہا تھا کہ حضرت علیؓ کی جگہ وہ سر براٰرائے خلافت ہوں گے۔

اس کی تائید یزید کے اس خطبہ میں پائی جاتی ہے جو اس نے اپنے باپ کی وفات پر دیا۔ اس نے اس خطبہ میں کہا :۔

> ايها النّاس ان معاويه كان عبدًا من عبيد الله انعم الله عليه ثم قبضه اليه وهو خير ممن بعده ودون من قبله ولا ازكيه على الله عز وجل فانه اعلم به ان عفا عنه فبرحمته وان عاقبه فبذنبه وقد وليت الامر من بعده۔[1]

---

[1] البدایہ جلد ۸ صفحہ ۱۴۳

ترجمہ۔ اے لوگو! معاویہؓ اللہ کے بندوں میں سے ایک بندہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر انعام کیا (کہ امتِ محمدیہ کی اس سے خدمت لی) پھر اس نے اسے وفات دی۔ وہ اپنے بعد والوں سے بہتر تھا اور اپنے پہلوں سے (حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ سے) درجے میں کم تھا۔ میں اللہ کے حضور اس کی پاکبازی پر گواہی نہیں دے رہا کیونکہ وہ اسے (مجھ سے) بہتر جانتا ہے اگر وہ اسے معاف کر دے تو یہ اس کی رحمت سے ہوگا اور اگر وہ اسے پکڑے تو یہ اس کے گناہ کے باعث ہوگا اس کے بعد ولایت سلطنت مجھے دی گئی ہے میں اس ذمہ داری پہ کھڑا کیا گیا ہوں۔

اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے بھی کبھی اپنے آپ کو اپنے پہلوں سے افضل اور فائق نہ جانا ہوگا۔ کہاں وہ اور کہاں حضرت عمرؓ۔ پھر حضرت معاویہؓ کے تدبر و فراست اور علم و بصیرت سے بھی یہ بات بعید معلوم ہوتی ہے کہ آپ اپنے آپ کو حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور ان کے باپ سے کسی پیرایہ میں زیادہ مستحق خلافت جانیں۔ حضرت عمرؓ کی پیروی کا حکم تو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم امت کو دے گئے تھے۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے بعد ان کی اقتدار کرنا۔

عن حذیفۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی لا ادری مابقائی فیکم فاقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر وعمر رواہ الترمذی[1]

ترجمہ۔ میں نہیں جانتا مجھے تم میں کس قدر باقی رہنا ہے۔ سو تم میرے بعد ابوبکرؓ و عمرؓ کی پیروی کرنا۔

یہ بات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سربراہ مملکت ہونے کی حیثیت سے کہی تھی۔ کیونکہ آپ کی نبوت کا تعلق آپ کی موجودگی یا عدم موجودگی سے نہ تھا۔ آپ اپنے بعد کے لیے بھی ہر مومن کے لیے پیغمبر اور واجب الاطاعت ہیں۔ ہاں سربراہ مملکت آپ کے بعد دوسرے ہوں گے اور ان کی آپ نے نشاندہی کر دی۔

---

[1] مشکوٰۃ صفحہ ۵۶۰

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے یہ بات کب کہی تھی؟

آپ نے جو یہ انا بایعنا ھذا الرجل۔ کہا تو آپ کا یہ جملہ ترغیب بیعت یا وجہ بیعت بیان کرنے کے لیے نہ تھا۔ اب خلع بیعت کی بات چل رہی تھی۔ آپ کا مرتبہ کلام اس موضوع پر تھا کہ تم جو بیعت کر چکے ہو اب ان خبروں کی وجہ سے جو تمہیں یزید کے بارے میں مل رہی ہیں تم اس بیعت سے نہ نکلو۔ ان وجوہ سے شرعاً نقض بیعت کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔

یزید نے برسر اقتدار آنے کے بعد اپنے چچازاد بھائی عثمان کو مدینہ کا امیر مقرر کیا۔ عثمان نے کچھ لوگ شام یزید کو ملنے کے لیے بھیجے۔ انہوں نے مدینہ واپس آکر یزید کے بارے میں کچھ اچھے تاثرات نہ دیئے اور وہ عثمان بن محمد بن ابی سفیان پر چڑھ دوڑے اسے امارت سے اتار دیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس موقعہ پر اپنے خواص احباب اور اپنے بیٹوں کو ایک جگہ جمع کیا اور انہیں اس میں یہ بات کہی۔ امام بخاری روایت کرتے ہیں:۔

لما خلع اهل المدينة يزيد بن معاوية جمع ابن عمر حشمه وولده فقال
انى سمعت رسول الله لقول ينصب لكل غادر لواء يوم القيمة
وانا قد بايعنا هذا الرجل على بيع الله ورسوله.[1]

ترجمہ جب اہل مدینہ نے یزید بن معاویہؓ سے علیحدگی اختیار کرلی (اسے امیر ماننے سے انکار کردیا) تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنے بیڑوں اور اپنے بیٹوں کو جمع کیا اور کہا میں نے حضورؐ کو کہتے سنا ہے ہر عہد توڑنے والے کے لیے قیامت کو ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا سن لو ہم نے اس شخص کی بیعت اللہ اور اس کے رسول کی بیعت کو قائم رکھتے ہوئے کی ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ یزید کی بیعتِ عامہ کے بعد مدینہ جو اس وقت خیر بقاع الارض تھا۔ اس میں یزید کے خلاف نقض بیعت کی تحریک اٹھی تھی۔ حافظ ابن حجر نے اسے فتح الباری میں نقل کیا ہے۔ اس میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا موقف یہ تھا کہ شرعاً ان اطلاعات سے نقض بیعت کا جواز نہیں نکلتا۔ جب تک حکمران کھلے بندوں کفر پر نہ آجائے۔ اس کے خلاف لشکر کشی جائز نہیں ہے۔ حضورؐ سے ایسے حکمرانوں کے خلاف نکلنے کے لیے پوچھا گیا تو آپ نے یہی فرمایا تھا:۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ ص ۱۰۵۳

افلا نقاتلهم ؟ قال ماصلوا الا ان تروا کفراً بواحاً عندکم من الله برهان۔[1]

یہ صورتِ حال بتاتی ہے کہ آپ اپنے اس مشورہ میں یزید کی کوئی فضیلت بیان نہ کر رہے تھے۔ آپ یہاں اسے رجل کہہ کر ذکر کر رہے ہیں۔

آپ نے یہ نہیں کہا۔ بایعنا امیرالمؤمنین بلکہ فرمایا بایعنا ھذا الرجل ببیع الله ورسوله ۔ امر کو عام رجل کہہ کر ذکر کرنا اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ آپ کی اس سے بیعت اس کی کسی فضیلت یا اس سے کسی عقیدت کی وجہ سے نہ تھی۔ حضورؐ کی امت کو محض فتنہ سے بچانے کے لیے تھی۔ ورنہ کہاں حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور کہاں یزید۔ ھذا ماذھب الیہ الشافی۔

یہ بات یہاں کھل گئی کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا یہ ارشاد یزید کی بیعت کے لیے نہ تھا۔ مدینہ میں اس کی بیعت عام ہو چکی تھی۔ اب نئی خبروں کے زیرِ اثر اس کی بیعت توڑنے کی بات موضوعِ سخن تھی۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں :۔

وفی ھذا الحدیث وجوب طاعۃ الامام الذی انعقدت لہ البیعۃ والمنع من الخروج علیہ ولو جار فی حکمہ وانہ لا ینخلع بالفسق۔[2]

ترجمہ۔ اس حدیث میں کسی امام کی بیعت ہونے پر اس کی طاعت کا وجوب نکلتا ہے اور اس پر خروج کرنے سے منع کیا گیا ہے اگرچہ وہ اپنے فیصلوں میں ظلم کرتا ہو اور اس سے بھی منع کیا گیا ہے کہ وہ فسق سے خلافت سے نکل جاتا ہے۔

سو حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے نقضِ بیعت سے منع کرنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ عبداللہ بن عمرؓ اپنی بیعت میں اسے امام عادل سمجھتے تھے۔ پہلے آپ بھی انہی لوگوں میں سے تھے جو اس کی بیعت سے کنارہ کش رہے۔

ابتداء میں مدینہ منورہ میں حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت حسین بن علیؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سبھی حضرات یزید کو پسند کرنے والوں میں سے نہ تھے۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں :۔

---

[1] رواہ الترمذی جلد ۲ صہ ۱۲۸ لکھنو [2] سنن ابی داؤد

فبايع له الناس في سائر الآفاق الا عبد الرحمن بن ابي بكر و عبد الله بن عمر و الحسين بن علي و عبد الله بن الزبير و ابن عباس [1]

دیکھئے آپ کو عبداللہ بن عمرؓ ابتداء میں کہاں کھڑے نظر آتے ہیں؟

جواب: حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت عبداللہ بن عبدالرحمٰنؓ اور حضرت حسینؓ کے ساتھ رہے. پھر جب آپ کی رائے یہ ٹھہری کہ عدم بیعت سے امن عامہ خطرے میں پڑ جائے گا تو اس بیعت کو اگر مجبوری کی بیعت نہ کہا جائے تو کیا ہم اسے رضا و رغبت کی بیعت کہہ سکتے ہیں؟ جواب یقیناً نفی میں ہوگا ورنہ تاریخ اس کا جواب نہ دے سکے گی کہ پہلے آپ اس کی بیعت سے کیوں کنارہ کش رہے تھے. مدینہ والوں کو بھی پہلے یزید کے بارے میں پوری معلومات نہ تھی.

محدث کبیر احمد علی سہارنپوریؒ صحیح بخاری کے حاشیہ پر علامہ طبری اور محدث قسطلانی سے نقل کرتے ہیں:۔

فاوفد الى يزيد جماعة من اهل المدينة ... فاكرمهم و اجازهم فرجعوا فاظهروا عيبه و نسبوه الى شرب الخمر و غير ذلك ثم وثبوا على عثمان فاخرجوه و خلعوا يزيد بن معاوية. [2]

ترجمہ: اس نے اہلِ مدینہ کا ایک وفد یزید کے پاس بھیجا.... اس نے ان کی بہت عزت کی اور انہیں ہدیئے دیئے وہ واپس آئے تو انہوں نے اس کے کچھ عیب بتائے اور اسے شراب پینے والا کہا، پھر وہ عثمان (امیر مدینہ) پر ٹوٹ پڑے اور اسے اس عہدے سے نکال دیا.

اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ مدینہ والے بعد میں یزید کے خلاف ہو گئے تھے اب اس موقع پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا اجتہاد یہ تھا کہ اب یزید کے خلاف اُٹھنے میں فتنہ دور تک جا بڑھے گا ان کا حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو دعوائے خلافت سے روکنا بھی اسی لیے تھا کہ اس میں وسیع پیمانے پر خونریزی ہوگی. سو اب یہ بحث بیعت یزید پر نہ تھی خلع یزید پر تھی کہ کیا یہ اس صورت میں اب جائز ہے.

محدث شہیر ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں:۔

---

[1] البدایہ جلد ۸ صفحہ ۸۶ [2] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۵۳

ولا شك انهم کانوا خائفین من نحو یزید وحجاج بن یوسف ولم یکن یتمشی الخروج حینئذ علی ارباب العناد بل کان یترتب الیہ امور من النساء ولذا کان ابن عمر یمنع ابن الزبیر وینہاہ عن دعوی الخلافۃ مع انہ کان احق واولی بہا من امراء الجور بلاخلاف۔[۱]

ترجمہ۔ اس میں شک نہیں کہ اہل مدینہ یزید اور حجاج بن یوسف جیسے حکمرانوں سے بہت اندیشناک تھے اور اس میں غلط رو لوگوں کے خلاف خروج کی کوئی راہ نہ نکلتی تھی بلکہ اس پہ اور کئی قسم کے فتنے مرتب ہوتے تھے اور اسی لیے حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو متوازی دعوے خلافت سے روکتے تھے حالانکہ عبداللہ بن زبیرؓ بالاتفاق ان ظالم حکمرانوں سے ولایتِ عامہ کے زیادہ حقدار تھے۔

اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی اس وقت اجتہادی رائے وہی تھی جو حضرت زین العابدینؒ نے سانحہ کربلا کے بعد اختیار کی کہ اب یزید کے خلاف نکلنا امت کو ایک بڑے خطرے میں ڈال دے گا۔

علامہ ابن خلدون (۸۰۸ھ) لکھتے ہیں:۔

وماحدث فی یزید ماحدث من الفسق اختلف الصحابۃ حینئذ فی شانہ منہم من رای الخروج علیہ ونقض البیعۃ من اجل ذلک کما فعل الحسینؓ وعبداللہ ابن الزبیرؓ ومن تبعہما فی ذلک ومنہم من اباہ لما فیہ من اثارۃ الفتنۃ وکثرۃ العجز عن الوفاء بہ۔[۲]

ترجمہ۔ اور اب یزید میں جو فسق کے حالات پیدا ہوئے اس میں صحابہ کی اسکے بارے میں دو رائیں ہوئیں ان میں ایسے بھی تھے جو ان وجوہ سے اس پر خروج کرنے اور اسکی بیعت توڑنے کے حق میں تھے جیسا کہ حضرت حسینؓ نے عبداللہ بن زبیرؓ نے اور ان کے ساتھیوں نے کیا اور ان میں ایسے بھی تھے جنہوں نے اس خروج سے انکار کیا کیونکہ اس میں ایک اور فتنہ اٹھتا تھا اور اس پر پورا اترنے سے (لوگوں میں) عام کمزوری نظر آتی تھی۔

---

[۱] شرح فقہ اکبر صد۱۸۱ [۲] مقدمہ ابن خلدون ص۱۷۷

تاہم صحابہؓ کے ان دونوں حلقوں میں یزید کا مدح خواں کوئی نہیں ملتا۔

صحابہ کرامؓ کی نظر میں یزید کیا کوئی پسندیدہ امیر تھا

اس میں شک نہیں کہ یزید ایک امیرانہ ماحول میں پرورش پانے والا آزاد روش نوجوان تھا۔ کسی سلطنت کے مرکزی عہدیدار کے لیے جو پختگی اور تدبر درکار ہوتا ہے وہ اس میں نہ تھا۔ حضرت امیر معاویہؓ نے اسے بہت نصیحتوں کے ساتھ نامزد کیا تھا۔ انہیں امید تھی کہ وہ نصائح پر کاربند ہو رہے گا۔ حضرت حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی رائے تھی کہ وہ ایک نوآموز اور آزاد رو نوجوان ہے مروت سے خالی ہے۔

حضرت حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ (حضورؐ کے نواسے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے نواسے) دونوں صحابی ہیں ان کی رائے یزید کے بارے میں کیا تھی؟ حافظ ابن کثیر نے اسے نقل کیا ہے:۔

یزید نے حکومت سنبھالتے ہی والئ مدینہ کو لکھا کہ وہ اہل مدینہ سے اس کے لیے بیعت لے۔ اس وقت ان دو صحابیوں نے یزید کے بارے میں اپنی یہ رائے دی تھی:۔

ھو یزید الذی نعرف واللہ ما حدث لہ عزم ولا مروۃ۔[1]

ترجمہ۔ یہ وہی یزید ہے جو ہمارا جانا پہچانا ہے۔ اللہ کی قسم اس میں کوئی پختگی پیدا نہیں ہوئی اور نہ اس میں مروت کا کوئی احساس نظر آتا ہے۔

حضرت حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے اس صورت حال میں اسے لائق بیعت نہ جانا۔ اگر وہ اس وقت شراب نوشی کرنے والا اور کھلے طور پر کبائر کا مرتکب ہوتا تو حضرت حسینؓ اس اہم موقعہ پر اس کی وہ برائیاں ضرور سامنے لاتے۔ حضرت حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے بڑھ کر کوئی یزید کو زیادہ پہچاننے والا نہیں ہو سکتا۔

اگر اس میں کچھ بھی مروت کا احساس ہوتا تو وہ حضرت حسینؓ سے ملنے کے لیے خود عراق جاتا۔ عبیداللہ بن زیاد کو نہ بھیجتا۔ اس نے حضرت حسینؓ کی قدر و منزلت کا کچھ احساس نہ کیا اور ابن زیاد جیسے ظالم کو وہاں گورنر بنا کر بھیج دیا:۔

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ لکھتے ہیں کہ یزید کربلا میں پیدا ہوا تھا[2]

---

[1] البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۶۲

حالات کے باعث فاسق ہوا، یہاں تک کہ مدینہ کے جو لوگ اس سے بیعت کر چکے تھے وہ بھی نقضِ بیعت پر تُل گئے ماسوائے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے۔ ان کا خیال تھا کہ اب اس کے مقابلہ میں زیادہ خونریزی ہو گی اس سے امت کو بچانا ضروری ہے۔ امام زین العابدینؓ کی بھی آخر یہی رائے تھی۔ تاہم یہ نہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے دل میں اس کا کوئی احترام ہو۔ حضرت مولانا گنگوہیؒ لکھتے ہیں:۔

کسی مسلمان کو کافر کہنا مناسب نہیں۔ یزید مومن تھا بسبب قتل (حسینؓ) کے فاسق ہوا کفر کا حال دریافت نہیں۔ کافر کہنا جائز نہیں کہ وہ عقیدہ قلب پر موقوف ہے۔[۱]

صحابی رسول حضرت مسور بن مخرمہؓ کی رائے

حضرت مسور بن مخرمہؓ صحابی رسول ہیں آپ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کے بھانجے تھے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے اقران میں سے تھے۔ بچپن کے باوجود جنگ حنین میں حاضر تھے یزید کے بارے میں ان کی رائے ملاحظہ ہو۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (۱۰۵۲ھ) لکھتے ہیں:۔

مکروہ داشت بیعت یزید تا آنکہ فرستاد یزید لشکرے را بہ مکہ و محاصرہ کرد آن را پس رسید مسور را حجرے از احجار منجنیق و وے نماز مے کرد پس کشتہ شد رضی اللہ عنہ۔[۲]

ترجمہ: حضرت مسورؓ یزید کی بیعت کرنا پسندیدہ نہ سمجھتے تھے یزید نے ان پر حملہ کرنے کے لیے مکہ ایک لشکر بھیجا اس نے مکہ کا محاصرہ کیا۔ حضرت مسورؓ کو منجنیق سے چلا پتھر لگا اور وہ بحالتِ نماز مارے گئے۔ اللہ ان سے راضی ہو چکا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بھی عام خونریزی سے بچنے کے لیے لوگوں کو نقضِ بیعت سے منع کیا تھا۔ تاہم انہوں نے اس کی بیعت کا اظہار اس کے لیے کسی باعزت پیرائے میں نہیں کیا۔ آپ نے اسے عام لوگوں کی طرح ذکر کیا۔ یہ نہیں کہا بایعنا امیر المؤمنین۔ بلکہ فرمایا۔ بایعنا ھذا الرجل

[۱] فتاویٰ رشیدیہ صفحہ ۳۸ [۲] اشعۃ اللمعات جلد ا صفحہ ۴۵۴

علیٰ بیع اللہ و رسولہ کہ ہم نے اس شخص کی بیعت اللہ اور اس کے رسول کی بیعت کو قائم رکھتے ہوئے کی ہے یعنی اس شخص کا کوئی حکم جو اللہ اور اس کے رسول کے خلاف ہو گا ہم نہیں مانیں گے۔

پھر صحیح بخاری سے پتہ چلتا ہے کہ سانحہ کربلا میں آپ کی ہمدردی حضرت حسینؓ کے ساتھ ہی رہی تھی۔ البتہ آپ نقضِ بیعت کے خلاف تھے۔ آپ کا فقہی موقف یہ تھا کہ امیر اپنے فسق سے امارت سے منعزل نہیں ہوتا۔ ہاں اگر کوئی کفر کے کنارے آ لگے تو اس کا عزل واجب ہو جاتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس وقت یزید کے خلاف تحلیل خمر کا کوئی الزام نہ تھا کیونکہ تحلیل حرام بالاتفاق کفر ہے۔ اس صورت میں سب مسلمان اس کے خلاف نکل آتے۔

یزید پر جرح کرتے حضرت معاویہؓ کی ہر بے ادبی سے بچا جائے

حضرت معاویہؓ صحابی رسول ہیں آپ کی اسلام میں بہت خدمات ہیں اور آپ سالہا حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کی آنکھوں کا تارا رہے ہیں۔ سو اس میں احتیاط درکار ہے کہ یزید کی وجہ سے کہیں آپ کا دامن گرد آلود نہ ہو پاتے۔ سب اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ خلفاء راشدین میں چوتھے خلیفہ حضرت علیؓ ہیں۔ حضرت معاویہؓ نے ان کی خلافت کو تسلیم نہ کیا لیکن اس میں اہل سنت کا محتاط موقف یہی رہا ہے کہ ان مشاجرات میں حضرت معاویہؓ کو برا بھلا کہنے کی بجائے اسے یوں کہا جائے کہ ان میں اولیٰ بالحق حضرت علیؓ تھے یعنی نیت دونوں کی درست تھی منزل دونوں کی حق تھی۔ حضرت علیؓ حق کے زیادہ قریب تھے۔ دوسری طرف باطل کا لفظ لانے سے احتیاط کی جائے۔ اسے خلاف اولیٰ کہنے سے بات واضح ہو جاتی ہے۔

آپ کے لیے یہ اولیٰ بالحق کی تعبیر خود لسانِ رسالت سے ثابت ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت معاویہؓ بھی حق پر تھے لیکن اجتہاد کی راہ سے اولیٰ بالحق حضرت علی المرتضیٰ تھے اسی میں زیادہ احتیاط ہے۔ حضرت ابوسعید الخدریؓ (۷۴ھ) بیان کرتے ہیں حضورؐ نے فرمایا:۔

یکون فی امتی فرقتین فیخرج من بینھما مارقۃ یلی قتلھا اولٰھما بالحق رواہ مسلم۔[1]

---

[1] مشکوٰۃ ص۳۰۵

ترجمہ: میری امت (سیاسی طور پر) دو حصوں میں بٹ جائے گی. ان دونوں کے درمیان ایک تیسرا فرقہ نکلے گا اس تیسرے فرقے مارقہ کے قتل کے درپے جو ان دو جماعتوں میں سے نکلے گا وہ اپنے اختلاف میں حق کے زیادہ قریب ہوگا اولٰیہما بالحق۔

دیکھئے حضورؐ نے حضرت امیر معاویہؓ کے حامیوں کو باطل پر کہنے کی بجائے حضرت علیؓ کو اولیٰ بالحق فرمایا ہے یعنی اصولاً دونوں حق پر ہوں گے. لیکن ان میں ایک زیادہ حق پر ہوگا اور ظاہر ہے کہ وہ علیؓ تھے جو خوارج سے لڑے۔

یہ وہی فرق ہے جو اجتہاد میں خطا کرنے والے کو ایک اجر کا مستحق ٹھہراتا ہے اور مجتہد مصیب کو دو اجر دلواتا ہے. اس سے صاف سمجھا جاتا ہے کہ اصولاً دونوں حق پر ہوتے ہیں. ایک ایک اجر کا مستحق ٹھہراتا ہے اور اولیٰ بالحق کو دو اجر ملتے ہیں۔

امام ابن خلدون (م ھ) بھی اس پر اپنا فیصلہ یہی دیتے ہیں:-

انما اختلف اجتهادهم فی الحق ما قتتلوا علیه وان کان المصیب علیًا فلم یکن معاویة قائمًا فیها بقصد الباطل انما قصد الحق و اخطأ والکل کانوا فی مقاصدهم علی الحق.[1]

جب لسانِ رسالت نے حضرت معاویہؓ کو غلط نہیں ٹھہرایا حضرت علیؓ کو اولیٰ بالحق فرمایا تو معلوم ہوا کہ ان مشاجرات میں حضرت معاویہؓ پر کہیں باطل پر ہونے کا چھینٹا تک نہیں آتا. سو یزید پر جرح کرنے والوں کو بھی چاہیئے کہ ایسا کوئی انداز اختیار نہ کریں کہ اس جرح کا دھواں کہیں حضرت معاویہؓ تک جا پہنچے. آپ نے اپنے آخری وقت میں یزید کو جو یہ نصیحت فرمائی تھی کہ اگر حضرت حسینؓ تیرے مقابلہ میں نکلیں تو تم ان کے رشتۂ رسالت کو یاد رکھنا. آپ اس سے اپنے رشتہ رسالت کے ایمانی پہلو پر پوری شہادت دے گئے.

واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

سو یاد رہے کہ علماء اہل سنت کا یہ موقف کہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کا اختلاف اجتہادی حدود سے نہیں نکلتا. اس حدیث نبوی سے ماخوذ ہے. یہ ان کی اپنی اختراع نہیں ہے.

---

[1] تاریخ ابن خلدون ص۱۷۱

شیعہ علماء یزید کی طرف ایک یہ قول بھی منسوب کرتے ہیں اور اس سے اس کے کفر پر استدلال کرتے ہیں :۔

لعبت بنو هاشم ما جاء ملك ولا نزل وحی ۔

ترجمہ: بنو ہاشم نے ایک کھیل کھیلا ہے ان پر کوئی فرشتہ نہیں اُترا اور نہ کوئی وحی آئی ہے۔

اس سے مراد حضورؐ کی ذاتِ گرامی نہیں۔ یہ نقل صحیح ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میرے مقابلہ میں حضرت حسینؓ نے جو موقف اختیار کیا ہے ان پر کوئی فرشتہ نہیں اُترا اور نہ کوئی وحی آئی ہے کہ میں غلط ہوں اور وہ صحیح ہیں۔

جب یہ بات بھی ہو سکتی ہے تو اسے خواہ مخواہ انکار رسالت کی دلیل ٹھہرانا ہرگز درست نہیں۔ ایسا ہوتا تو سب سے پہلے حضرت عبداللہ بن عمرؓ اس کے خلاف نکلتے اور یہ جنگ کفر و اسلام کی جنگ کہلاتی جضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غلط حکمرانوں کے خلاف نکلنے کی تبھی اجازت دی ہے کہ وہ کھلے کفر پر آجائیں۔ اس صورت میں وہ کسی رعایت کے مستحق نہیں رہتے۔

(نوٹ) حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے الفاظ ما بعینا هذا الرجل قابل غور ہیں وہ یہاں اپنے عمل کو بیان نہیں کر رہے۔ اہل مدینہ کے عمل کو جب وہ نقضِ بیعت کا ارادہ کر رہے تھے بیان کر رہے ہیں کہ ہم نے اس شخص کی بیعت ایک شرط سے کی تھی اور اسکی رو سے ہم نقضِ بیعت کے مجاز نہیں ہیں۔

حضرت علی المرتضیٰؓ نے ایک دفعہ اسی پیرائے میں کہا تھا:۔

واللہ کنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تقتل اٰباءنا و ابناءنا واخواننا و اعمامنا۔[1]

اس میں آپ اپنے عمل کو بیان نہیں کر رہے اپنے ساتھیوں کے عمل کو بیان کر رہے تھے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

---

[1] نہج البلاغہ جلد ا صنا

قال الامام الطحاویؒ

ودین اللہ فی الارض والسماء واحد وھو دین الاسلام

جدید تعلیم یافتہ افسروں اور فنی تعلیم کے ماہر نوجوانوں میں
فکر انگیز اسلامی تعلیمی نصاب —— ۸ جلدوں میں

تالیف

جسٹس ڈاکٹر علامہ خالد محمود از مانچسٹر

آثار التنزیل دو جلدوں میں۔ آثار الحدیث دو جلدوں میں
آثار التشریع دو جلدوں میں۔ آثار الاحسان دو جلدوں میں

شائع کردہ : دار المعارف اردو بازار لاہور